انصاف کے

علمبردار

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم



نادرہ انصاری

مکتبہ ثاقب دھلی
موبائل نمبر +91-8287249765

جملہ حقوق بحق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب	انصاف کے علمبردار محمد ﷺ
تالیف	محترمہ نادرہ انصاری صاحبہ
ایڈیشن	دوم
تاریخِ اشاعت	مارچ 2025 / رمضان المبارک 1446ھ
تعداد	۱۰۰۰
تصحیح وتزئین	محمد مجاہد خیرآبادی
باہتمام	محمد زید حفظہ اللہ
ای میل	Roshni.ka.safar@gmail.com
ویب سائٹ	www.roshnikasafar.com

مطبع

مکتبہ ثاقب دھلی

Contact No. +91-8287249765

Web. www.roshnikasafar.com E-mail. Nadira.ansari@yahoo.com

انتساب

پیارے بیٹے زید انصاری
اُن کی دلہن گیتی رحمان

اور

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت وعقیدت رکھنے والوں کے نام جو زندگی کے مختلف شعبوں میں ان کی ہدایات، کارناموں اور فتوحات کو جان کر اپنی زندگی سنوارنا چاہتے ہیں۔

فہرست مضامین

نمبر شمار	مضامین	صفحہ نمبر
01	انتساب	
02	مولانا عتیق احمد بستوی	16
03	نادرہ انصاری	20
04	مولانا نظام الحق	27
05	مولانا تنویر الحق تھانوی	30
06	ڈاکٹر محمد اقبال ندوی	32
07	ڈاکٹر بشریٰ تسنیم	35
	پہلا باب	
08	سیرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور موجودہ حالات	39
09	مطالعہ حدیث اور سیرت نگاری	41
10	سیرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطالعہ کے چند مزید ضروری پہلو	45
11	محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم .....ایک تاریخ ساز شخصیت	49
12	محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مشاہیر کی نظر میں	51
13	اہل عرب کی بہترین صفات	56
14	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک	59
	دوسرا باب	
15	خاندانی پس منظر	64
16	حضرت عبداللہ کی شادی اور وفات	67

17	واقعہ ابرہہ	69
18	ولادت باسعادت	71
19	محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنوسعد میں	72
20	شق صدر	74
21	ماں کے ساتھ مختصر عرصہ	74
22	روئے مبارک کی نمایاں برکت	76
23	بے مثال حیا	76
24	پہلا سفر شام	77
25	پاس رضاعت	78
26	جنگ فجار	79
27	نبوت سے پہلے کے دو اہم واقعات	80
28	مظلوموں کی مدد کیلئے حلف الفضول	81
29	فکر معاش	84
30	حجر اسود کی تنصیب	90
	تیسرا باب (مکی دور)	
31	وحی کی اقسام	96
32	پہلی وحی	97
33	مکہ میں خفیہ تبلیغ	102
34	مکہ میں اعلانیہ تبلیغ	104
35	مکہ میں دعوت اسلامی کو درپیش چیلنجز	109
36	حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام	117
37	حضرت عمرؓ کا قبول اسلام	118
38	استقامت واستقلال	122
39	مشرکین مکہ کا (Revrts) کے ساتھ سلوک	123

40	طفیل بن عمرو الدوسیؓ کا قبول اسلام	126
41	حضرت ضماد ازدیؓ کا قبول اسلام	128
	چوتھا باب	
42	ہجرت حبشہ	129
43	مداہنت سے پرہیز کا حکم	131
44	شاہ نجاشی کے دربار میں حاضری	132
45	معاشرتی مقاطعہ (SOCIAL BYCOTT)	134
46	حضرت عمر بن عبسہ کاؓ قبول اسلام	138
47	محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تبلیغ کے نئے زاویے (رکانہ سے کشتی)	140
48	شق القمر کا معجزہ	143
49	عام الحزن، غم کا سال	145
50	شہر طائف میں دعوتی کردار	148
51	نبوت کا گیارہواں سال، بیعتِ عقبیٰ اولیٰ	153
52	نبوت کا بارہواں سال، الاسراء والمعراج	160
53	مشاہدات معراج	164
54	بیعت عقبہ ثانیہ	168
55	ہجرت کا اذن عام	170
56	صحابہ وصحابیات کی ہجرت مدینہ	171
57	ہجرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	175
58	قبا میں قیام (حضرت علیؓ کی آمد اور مسجد کی تعمیر)	183
59	ہجرت کی فرضیت اور اہمیت	185
60	یہودی عالم عبداللہ بن سلام کا قبول اسلام	188
	پانچواں باب	
61	مدینہ کو روانگی	191

	ہجرت کا پہلا سال (مدنی دور)	
62	مدینہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد	195
63	حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر قیام	197
64	مسجد نبوی کی تعمیر	198
65	مسجد نبوی میں کئے جانے والے کام	201
66	مدینہ آمد کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اقدامات	203
67	اذان کی شروعات	206
68	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پہلے خادم حضرت انس بن مالکؓ	207
69	مدینہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو خطبے	208
70	پہلا خطبہ	208
71	دوسرا خطبہ	209
72	حضرت سلمان فارسیؓ کا قبول اسلام	211
73	مدینہ منورہ کیلئے خاص دعائیں	213
74	میثاق مدینہ (مدینہ کے معاہدے)	215
75	مدینہ کی ریاست کا داخلی اور خارجی انتظام (معاہدات)	217
	غزوات وسرایا	
76	غزوہ ذی العشیرہ	219
77	مدینہ کی حدود	221
78	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہود ونصاریٰ سے بین المذاہب کا مکالمہ	221
79	غزوۂ بدر	225
80	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کی سازش	236
	ہجرت کا دوسرا سال	
81	حضرت رقیہؓ کی وفات	238
82	تحویل قبلہ	238

83	نماز عید الفطر	239
84	نماز عید الاضحیٰ	240
85	زکوٰۃ کی فرضیت	240
86	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے درود وسلام	241
87	حضرت فاطمہؓ کی شادی	241
88	بنوقینقاع کی بدعہدی اور سرکشی	243
89	غزوۂ سویق	245
90	کعب بن اشرف کی گستاخی اور اس کا انجام	246
	ہجرت کا تیسرا سال	
91	غزوۂ بنی غطفان	249
92	غزوۂ نجدان	249
93	سریہ زید بن حارثہؓ	250
94	غزوۂ احد	252
95	شیر خدا (اسداللہ) حضرت حمزہؓ کی شہادت	257
96	غسیل ملائکہ ابوحنظلہؓ	258
97	معرکہ احد پر قرآن پاک کا تبصرہ	264
98	خواتین کی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت کے مظاہر	266
99	عام مسلمانوں کی جاں نثاری	268
100	غزوۂ احد میں شکست ہوئی یا نہیں	271
101	3 ہجری کے اہم واقعات	272
102	شراب کی حرمت	272
103	حضرت حسنؓ کی ولادت	272
104	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حضرت حفصہؓ سے نکاح	273
105	زینبؓ بنت خزیمہ سے نکاح	273
106	حضرت ابوطفیلؓ کی ولادت	274

	ہجرت کا چوتھا سال	
107	سریہ ابوسلمہؓ	275
108	عبداللہ بن انیسؓ کی مہم	276
109	واقعہ رجیع	276
110	بئر معونہ کا المیہ	278
111	بنونضیر کا انجام	279
112	غزوۂ نجد	281
113	غزوۂ بدر ثانیہ	282
114	حضرت حسینؓ کی ولادت	283
115	حضرت علیؓ کی والدہ کی وفات	283
116	حضرت ام سلمہؓ سے نکاح	284
	ہجرت کا پانچواں سال	
117	غزوہ دومۃ الجندل	285
118	غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق	286
119	خندق کی کھدائی	287
120	حضرت جابرؓ کی دعوت	289
121	محاصرہ اور مقابلہ	290
122	غزوۂ بنوقریظہ	297
123	غزوۂ بنی المصطلق	300
124	غزوۂ بنی المصطلق کے اہم واقعات	301
125	واقعۂ افک	304
126	حضرت زینبؓ بنت جحش سے نکاح	307
127	ثمامہ بن اثال کا قبولِ اسلام اور مکہ پر پابندی	308
	ہجرت کا چھٹا سال	
128	صلح حدیبیہ	311

129	صلح حدیبیہ کے پیغامات اور ثمرات	320
130	ام حبیبہؓ سے غائبانہ نکاح	321
131	بین الاقوامی دعوت کا آغاز	323
132	شاہان عجم کے نام حضور ﷺ کے خطوط	327
133	قیصر شاہ روم کے نام خط	329
	ہجرت کا ساتواں سال	
134	غزوۂ خیبر	335
135	حضرت صفیہؓ سے نکاح	341
136	محمد ﷺ کو زہر دینے کا واقعہ	342
137	معرکہ خیبر کے ایمان افروز واقعات	345
138	غزوۂ ذات الرقاع	347
139	حضور ﷺ کی زندگی کا ایک ایمان افروز واقعہ	348
140	سریہ حبط	349
	ہجرت کا آٹھواں سال	
141	معرکہ موتہ	351
	چھٹا باب	
142	فتح مکہ	355
143	واقعہ چابی والے کا	364
144	معافی کا عام اعلان	365
145	مکہ میں بیعت	67
146	اذان بلالی	368
147	عدل اسلامی میں قصاص کی حد کا نفاذ	370
148	غزوۂ حنین	372
149	مال غنیمت	374

150	مال غنیمت کی تقسیم	377
151	انصار کے ساتھ خصوصی معاملہ	378
152	شیما کی آمد	380
153	ہوازن کی واپسی	381
154	غزوۂ مکہ اور غزوۂ حنین کا پیغام	382
155	حنین کا پیغام	383
156	عمرۂ جعرانہ	384
157	قصیدۂ بردہ شریف	385
158	حضور ﷺ کے بیٹے ابراہیم کی ولادت	387
	ہجرت کا نواں سال	
159	عدی بن حاتم کا قبول اسلام	389
160	غزوۂ تبوک	392
161	غزوۂ تبوک کے لیے فنڈ ریزنگ	393
162	غرباء کا جذبۂ سخاوت	394
163	منافقین کا کردار	395
164	لشکر کی روانگی	396
165	مدائن صالح سے گزر	397
166	تبوک کا چشمہ	397
167	تبوک کے مجاہد ذوالبجادین	400
168	پہلا خطبۂ تبوک	401
169	دوسرا خطبہ تبوک	402
170	تبوک سے واپسی	403
171	تبوک میں شریک نہ ہونے والے 3 مخلص مسلمانوں کا سوشل بائیکاٹ	405
172	ایلاء اور تخییر	407

173	نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ	409
174	رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی کی وفات	410
175	عام الوفود	412
176	وفد عبدالقیس	413
177	وفد بنوسعد ابن بکر	414
178	وفد قبیلہ مزینہ	415
179	وفد بنی عامر صعصعہ	416
180	وفد تمیم الداری	417
181	وفد ثقیف	418
182	وفد نجران	420
183	یمن کا نظم ونسق	422
184	حضرت معاذ بن جبلؓ کی یمن روانگی	423
185	یمن کا وفد	425
186	وفد بلہی	426
187	وفد تجیب	426
188	وفد بنوحنیفہ	427
	ہجرت کا دسواں سال	
189	حجۃ الوداع	430
190	دعاومناجات	434
191	مزدلفہ آمد	434
192	منیٰ میں خطاب	435
193	نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رحلت	438
194	مرض کا آغاز	439
195	محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا میں آخری لمحات	441

196	ایک دن پہلے	442
197	آخری دن	442
198	نزع کا عالم	443
199	تجہیز و تکفین	446
200	عدل کے بارے میں احادیث مبارکہ	449
	فہرست (ضمیمہ) باب اول	
201	محمد ﷺ کی ازدواجی زندگی	454
202	ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰؓ	454
203	ام المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ	456
204	ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ	456
205	ام المومنین حضرت حفصہؓ بنت عمر	457
206	ام المومنین حضرت زینبؓ بنت خزیمہ	458
207	ام المومنین حضرت ام سلمہؓ	458
208	ام المومنین حضرت جویریہؓ	460
209	ام المومنین ام حبیبہؓ	461
210	ام المومنین حضرت صفیہؓ	463
211	ام المومنین حضرت میمونہؓ	464
212	ام المومنین حضرت زینبؓ بنت جحش	465
213	ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہؓ	466
214	تعدادازدواج کی حکمتیں	467
215	بیویوں کے ساتھ حسن سلوک	468
216	امہات المومنین کی اخلاقی تربیت	469
217	رسول اکرم ﷺ کی ازدواجی زندگی کے چند خوبصورت واقعات	474
218	ازواج مطہرات کے ساتھ معاشرت میں مساوات	476
219	ازدواجی زندگی کے بارے میں حضورؐ کے کچھ ارشادات	478

	باب دوم (حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت ایک مثالی باپ)	
220	رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اپنے بچوں کے ساتھ باپ یا والد محترم کی حیثیت سے	482
221	حضرت فاطمہؓ کی شادی	485
222	سیدۃ النساءؓ کا جہیز	486
223	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بچوں سے محبت اور ان کی تربیت	488
224	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بچوں سے محبت	489
225	حضرت حسنؓ کی تربیت کا قصہ	491
226	شادی شدہ اولاد کی تعلیم و تربیت	491
227	بچوں کی تربیت کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزید ارشادات	494
228	لڑکیوں کی پیدائش پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان	496
	باب سوم (معاشرہ میں انصاف فراہمی کے لئے قوانین)	
229	اسلام میں جرائم پر سزاؤں کا قانون اور اس کا شرعی نقطۂ نظر	500
230	ضابطۂ شہادت کی تشریح	502
231	انگور کی چوری کی سزا	503
232	اللہ کی مقرر کردہ حدود کی پابندی کرانے پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل	505
233	قصاص اگرچہ اجازت ہے مگر اسے معاف بھی کیا جا سکتا ہے	506
234	دانت توڑنے کی دیت	506
235	حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے گستاخ لڑکی کا قتل	507
236	چوری کی حد کا نفاذ	508
237	لعان کا طریقہ اور اس کی سزا	509
238	نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کفارہ کا فیصلہ	511
239	محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنسی مجرموں پر فیصلہ	512
240	عمل قوم لوط	512
241	رجم کی سزا	512

	باب چہارم (حضور ﷺ کے اخلاقِ عالیہ کے چند مظاہر)	
242	حضور ﷺ کی غریب ساتھیوں سے محبت	514
243	صحابہ کرام اور صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت رسول	515
244	صحابہؓ کیلئے حضور ﷺ کا طریقۂ تربیت	518
245	محمد ﷺ کی چھوٹے بچوں سے محبت	520
246	وعدہ کا پاس کرنا	521
247	صحابہؓ کی عہد کی پاسداری	524
248	حضور ﷺ کی وعدہ کی پاسداری	525
	باب پنجم (حضور ﷺ کا ذوقِ مزاح)	
249	محمد ﷺ کا ذوق مزاح	528
250	محمد ﷺ کے مزاح کے واقعات	529
251	مصائب ومشکلات میں رسول اکرم ﷺ کا قنوت نازلہ پڑھنے کا اہتمام	533
252	دعا قنوتِ نازلہ	536
253	اسلامی کلینڈر کی ابتداء ہجری سال سے کیوں؟	538
254	فہرست مطالعہ کتب	541

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین محمد بن عبداللہ الأمین، وعلی آلہ وصحبہ أجمعین، اما بعد!

رسول اکرم خاتم النبیین محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کا موضوع ایسا موضوع ہے جو ہر دور میں تر و تازہ رہا ہے اور تر و تازہ رہے گا، وہ لوگ بڑے خوش نصیب ہیں جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات وخدمات، آپ کی سیرت و کردار کے کسی گوشے کے بارے میں بھی نثر یا نظم میں اپنی عقیدت ومحبت کو قلمبند کیا ہے، یا سیرت نبوی کے کسی بھی گوشے پر روشنی ڈالی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت اور آپ کی تعلیمات پر کئے جانے والے معاندانہ اعتراضات کا جواب لکھا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات وتعلیمات کے سبق آموز پہلوؤں کو اپنی نثر و نظم کا موضوع بنایا ہے۔

جس ذات گرامی کی سیرت اور خصوصیات پر خود خالق کائنات نے قرآن کریم میں بھر پور روشنی ڈالی ہے، اس کی سیرت پر کسی انسان کا زبان وقلم سے کچھ کہنا یا لکھنا حد درجہ سعادت اور خوش بختی ہے، ایک فارسی شاعر نے کہا تھا۔

ہزار بار بشویم دہن بہ مشک وگلاب
ہنوز نام تو گفتن کمال بے ادبیست

(ترجمہ: ہزار بار میں اپنا منھ مشک وگلاب سے دھوتا ہوں اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نام نامی زبان پر لانا حد درجہ بے ادبی ہے)

علامی شبلی نعمانیؒ نے عمر بھر مختلف علوم فنون پر کتابیں لکھیں ، فارسی اردو میں بہترین شاعری کی اور جب ان کی تحقیق وتصنیف کا ستارہ انتہائی بلندیوں پر پہنچا تو انہوں نے عمر کے آخری مرحلہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مفصل سیرت لکھنے کا فیصلہ کیا، اس دور کے حالات کا لحاظ کرتے ہوئے اور تحقیق وتصنیف کے جدید اسالیب کو برتتے ہوئے ،سیرت نبوی پر اپنی مشہور کتاب کا آغاز فرمایا، انہوں نے اپنے جذبات کا اظہار درج ذیل رباعی میں کیا۔

عجم کی مدح کی عباسیوں کی داستاں لکھی
مجھے قدرے مقیم آستان غیر ہونا تھا
مگر اب لکھ رہا ہوں سیرت پیغمبر خاتم
خدا کا شکر ہے یوں خاتمہ بالخیر ہونا تھا

اس وقت میرے پیش نظر امریکہ میں مقیم اپنی دینی بہن نادرہ انصاری صاحبہ کی سیرت پر خوبصورت اور مبسوط کتاب ''انصاف کے علمبردار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کا کمپوز شدہ نسخہ ہے، جو پانچ سوصفحات سے زائد صفحات پر مشتمل ہے، موصوفہ کا نسبی اور نسلی تعلق ہندوستان کے مشہور قصبہ کیرانہ سے ہے، جس کو حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانویؒ کے وطن ہونے کا شرف حاصل ہے، اور انہیں کی نسبت سے یہ قصبہ پوری دنیا میں معروف ہے، نادرہ انصاری صاحبہ وہاں کے معروف انصاری خانوادہ سے تعلق رکھتی ہیں، ان کا خاندان ہندوستان سے پاکستان منتقل ہوا، اور ایک مدت سے وہ امریکہ کے شہر ہیوسٹن میں مقیم ہیں، تصنیف وتالیف کا اچھا ذوق رکھتی ہیں، ان کی متعدد کتابیں زیور طبع سے آراستہ ہوکر اہل علم اور اہل فکر میں مقبولیت حاصل کر چکی ہیں، وہ ایک دینی درد اور فکر رکھنے والی ماہر تعلیم وتربیت خاتون ہیں جو برابر بلاد مغرب کی مسلمان نسلوں کی تعلیم وتربیت کے بارے میں فکرمند اور سرگرم عمل رہتی ہیں ، ان کی تعلیم وتربیت کا ایک ثمرہ خود ان کے صاحبزادے جناب زید انصاری

صاحب ہیں جو ہیوسٹن کی مسلم سوسائٹی میں صحیح دینی ماحول پیدا کرنے اور نئی نسل کی بہترین اسلامی تربیت کرنے کے لئے سرگرم عمل رہتے ہیں اور ان کی دلچسپی اور سرگرمی سے مختلف تعلیمی دینی اور اصلاحی کام انجام پاتے ہیں۔

ایک مدت سے میرا سال میں ایک بار امریکہ کا سفر ہوتا ہے، ہیوسٹن بھی جانا ہوتا ہے، جناب زید انصاری صاحب اور ان کے احباب دین کی نسبت سے محبت کا تعلق رکھتے ہیں، انہیں کے ذریعہ ان کی والدہ ماجدہ کی بعض تصنیفات حاصل ہوئیں اور ان کا مطالعہ کرنے سے دل و دماغ پر اچھے نقوش مرتسم ہوئے۔

چند مہینے قبل جناب زید انصاری صاحب نے رابطہ کیا اور فرمایا کہ والدہ ماجدہ نے سیرت پر ایک کتاب تصنیف کی ہے، اس کی کمپوزنگ ہو رہی ہے، میری خواہش ہے کہ اشاعت سے پہلے اس پر آپ کی نظر ہو جائے، اور اگر آپ کو آمادگی ہو تو چند سطریں اس پر تحریر فرما دیں، میں نے اس پیشکش کو بخوشی قبول کیا، مصروفیت کی وجہ سے تاخیر ہوئی لیکن پھر وقت نکال کر میں نے پوری کتاب پڑھی اور جہاں جہاں میں نے ضرورت محسوس کی کچھ اصلاحات کیں اور مشورے دئے، جو جناب انصاری صاحب کو بھیج دئے۔

دینی بہن نادرہ انصاری صاحبہ کی سیرت پر یہ کتاب پڑھ کر دل بہت خوش ہوا اور دعائیں نکلیں کہ اللہ نے ان سے یہ مفید کام لیا ہے، کتاب کی زبان سادہ اور سلیس ہے، اسلوب نگارش رواں دواں ہے، سیرت کے واقعات سے موجودہ حالات کے بارے میں امتِ مسلمہ اور انسانیت کے لئے بڑی رہنمائی کے سامان اس کتاب میں موجود ہیں، کتاب کی ایک خصوصیت ہے کہ انہوں نے محض سیرت کے واقعات ذکر کرنے پر اکتفا نہیں کیا ہے بلکہ واقعات سیرت سے موجودہ حالات میں جو سبق ملتا ہے اور جو رہنمائی حاصل ہوتی ہے اس کو بڑے واضح انداز سے حکمت اور خوبصورتی کے ساتھ بیان کیا ہے۔

سیرت کی یہ کتاب ایک تربیتی گائڈ بھی ہے، نئی نسل کی تربیت کے لئے بہت سے اہم اصول ونکات اس کتاب میں آگئے ہیں، ان کا اگر لحاظ کیا جائے تو ہمارے بچے اور بچیوں کی تعلیم وتربیت میں بہت بہتری پیدا ہوسکتی ہے، اور نئی نسل کی تعلیم وتربیت کے حوالے سے سیرت نبوی کا جو پیغام ہے اس کو کتاب کی دردمند مصنفہ نے واضح کرنے کی بھرپور کوشش کی ہے۔

سیرت کی یہ کتاب صرف مسلمانوں کے لئے نہیں ہے، بلکہ تمام انسانوں کیلئے ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات اور تعلیمات میں انسانیت کی بہتری کیے لئے جو سامان موجود ہے اسے اجاگر کرنے کی بہترین کوشش کی گئی ہے، اگر یہ کتاب غیر مسلمین تک پہنچائی جائے تو ان شاء اللہ ان پر اچھے اثرات مرتب ہوں گے اور ممکن ہے کہ بہت سے لوگ ہدایات یاب ہوجائیں۔

نادرہ انصاری صاحبہ نے کورونا کے زمانہ میں یہ کتاب تصنیف کی ہے، جب کہ کسی موضوع پر اہم بنیادی کتابوں کا فراہم کرنا آسان نہیں تھا، اس لئے کتاب کے اخیر میں جن مراجع کا ذکر کیا گیا ہے ان کی تعداد کم ہے، لیکن اتنی کم کتابوں کی مدد سے اتنی بہترین اور جامع کتاب کا مرتب کرلینا مصنفہ کا کمال ہے، میری دعا ہے کہ اللہ تعالی ان کی اس خدمت کو قبول فرمائے اور ان کے اس کام کو ان کے لئے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین

محتاج دعا

عتیق احمد بستوی

دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

پیشِ لفظ

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ نَحۡمَدُہٗ وَنَسۡتَعِیۡنُہٗ وَنَسۡتَغۡفِرُہٗ وَنَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنۡ شُرُوۡرِ اَنۡفُسِنَا وَمِنۡ سَیِّئَاتِ اَعۡمَالِنَا مَنۡ یَّھۡدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنۡ یُّضۡلِلۡہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنۡ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحۡدَہٗ لَاشَرِیۡکَ لَہٗ وَاَشۡھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبۡدُہٗ وَرَسُوۡلُہٗ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیۡہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحٰبِہٖ وَسَلَّمَ تَسۡلِیۡماً کَثِیۡراً

سیرت طیبہ پر صحابہؓ اور تابعین کے زمانے سے لے کر آج تک لاکھوں کتابیں لکھی گئی ہیں اور لکھی جاتی رہیں گی۔ چند مشہور نام ابن اسحاق، ابن ھشام، امام طبری، شبلی نعمانی وغیرہ وغیرہ ہیں۔ جنہوں نے آپ ﷺ کی حیات مبارکہ کا احاطہ بہت سی جلدوں میں کیا ہے۔ سیرت کے الگ الگ پہلوئے مبارک پر بھی کتابیں لکھی گئی ہیں مگر آپ ﷺ کی جامع کمالات، شخصیت کا حق ادا ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ ہم انسانوں کی حقیر کوشش ہے اور میری ان سب میں ایک انتہائی حقیرانہ کوشش ہے، اس اُمید کے ساتھ کہ اللہ اسے قبول کرلے گا اور اسے ہی میری مغفرت کا ذریعہ بنادے گا۔

اللہ تعالیٰ خود فرماتا ہے قُلۡ اِنۡ کُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ یُحۡبِبۡکُمُ اللّٰہُ وَیَغۡفِرۡ لَکُمۡ ذُنُوۡبَکُمۡ (سورۂ آل عمران)

اللہ تک پہنچنے کا راستہ اس کے محبوب سے ہو کر گزرتا ہے، ہم اس کے محبوب کی اتباع کریں گے تو اس تک پہنچیں گے اور مغفرت کی اُمید رکھیں گے۔

سورۃ الاحزاب آیت 21 میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِّمَنْ كَانَ يَرْجُوا اللّٰهَ وَالْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا

ترجمہ: بلاشک وشبہ تمہارے لیے رسول اللہ کی ذات میں بہترین نمونہ ہے اس کے لیے جو اللہ تعالیٰ اور روزِ قیامت کا یقین رکھتا ہو اور اللہ تعالیٰ کو بہت یاد کرتا ہو۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ انسانیت ظلم واستبداد اور شرک وجہالت میں پھنسی ہوئی تھی۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس Might is right کا قانون جاری وساری تھا۔ انسانیت پر بت کی شکل میں شیطان کی حکومت مسلط تھی کہ ایسے میں اللہ تعالیٰ نے محمد ﷺ کو مبعوث فرمایا۔ ''لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَيُزَكِّيْهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ (سورۂ آل عمران آیت 164)

آج بھی فتنوں کے دور میں جب ہماری عقل کام نہیں کرتی اور مایوسی کا عالم طاری ہو جاتا ہے تو روشنی کے دو مینار اپنی طرف بلاتے ہیں ایک قرآن اور دوسری سنت رسول ﷺ۔

میرا تعلق قرآن کی درس وتدریس سے 30 سال سے رہا ہے اور میری کوشش ہوتی تھی کہ میں سامعین کے سامنے قرآن کو تفسیر کے ذریعہ ایک زندہ کتاب کی طرح پیش کروں، اس کے لیے سیرت سے مثالیں اور صحابہ کرامؓ وتابعین کرام کی زندگیوں سے مثالیں پیش کیا کرتی جس پر کچھ لوگ اعتراض بھی کرتے کہ جو آپ بتاتی ہیں اس سورت کی تشریح میں یہ واقعات تفسیر کی کتابوں میں نہیں ملتے۔ میں کہتی یہ تمام

واقعات کتابوں میں لکھے ہیں۔تفسیر کی طوالت کے پیش نظر بہت زیادہ واقعات نہیں لکھے جاتے۔ پھر آج کل کے حالات پر بھی یہ سب اسی طرح منطبق ہوتے ہیں جیسے پہلے ہوتے تھے کیونکہ انسان تو وہی ہیں۔اس کے اعلیٰ اخلاق اور برے اخلاق آج بھی وہی ہیں۔اس لیے سیرت کی رہنمائی کی ہمیں قدم قدم پر ضرورت پڑتی ہے۔ بہت سوچتی تھی کہ سیرت پر قلم اُٹھاؤں مگر جرأت نہ ہوتی تھی۔الحمدللہ! بہت سی کتابوں کا مطالعہ کیا اب مطالعہ کافی ہوگیا تھا۔ پہلے عام انسانی زندگی کے واقعات اور حیات صحابہؓ وصحابیاتؓ پر مضامین لکھے پھر 40 حدیثوں کا ایک مجموعہ مکمل کیا جس میں چھوٹی حدیثیں اور ان کی مختصر تشریح شامل کی گئی تھی۔الحمدللہ وہ کتاب مقبول عام ہوئی تو پھر اب ہمت کرلی کہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں نذرانۂ عقیدت کے چند الفاظ پیش کیے جائیں جو میری کم علمی اور بے بضاعتی کی دلیل ہیں مگر میں اللہ سبحانہ وتعالیٰ سے یہ اُمید رکھتی ہوں کہ وہ اس کو اپنی بارگاہ میں قبول ومنظور فرمائے گا۔

اس کتاب کا مختصر خاکہ پیش خدمت ہے کہ اس کتاب کی غرض وغایت کیا ہے۔

اس کتاب کی تیاری اور لکھنے میں زندگی کے بہت سے برسوں کی محنت شامل ہے۔ دامے درمے سخنے جب جب موقع ملتا گیا،ضبطِ تحریر میں واقعات آتے چلے گئے۔

ہمیں اس فتنہ پر بھی غور کرنا چاہیے جس میں ''محمد ﷺ'' کی ذات کو ہدف بنایا جاتا ہے۔ آج کل محمد ﷺ کی ذات پر جو الزامات لگائے جارہے ہیں کبھی Documentary،کبھی کارٹون اور کبھی Movies کی شکل میں نبی ﷺ کے مرتبہ کو گرانے کیلئے جو چیزیں سامنے آرہی ہیں، وہ انتہائی تکلیف دہ ہیں اور ان کو صرف آزادئ اظہار (Freedom of Speech) کہہ کر نظرانداز نہیں کیا جاسکتا۔جب ہم نبی ﷺ کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ ماضی میں ایسے تمام لوگوں

کیلئے جنہوں نے آپ ﷺ کی ہجو کی، ان کے خلاف سخت اقدامات کیے گئے۔ سوائے ان کے جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے حضور معافی پیش کی تو ان کی معافی قبول کر لی گئی۔ یہ بڑا سنگین جرم سمجھا گیا ہے لیکن ہم اس کو جب ہی سنگین سمجھیں گے جب ہم کو خود سیرت رسول اللہ ﷺ سے واقفیت حاصل ہوگی۔ میں نے اس کتاب میں کوشش کی ہے کہ نبی ﷺ کی سیرت کو اس طرح سے پیش کیا جائے کہ نہ صرف لوگوں کو زندگی کے مختلف ادوار سے واقفیت ہو بلکہ نبی ﷺ کے اقدامات کے محاسن بھی نظر آئیں کیونکہ جب تک ہم خود نبی ﷺ کے فلاحی کاموں سے اور اس کے لیے ان کی دن رات کی مشقت اُٹھانے کے عمل سے واقف نہیں ہوں گے ہم کیسے غیر مسلموں کی ہرزہ سرائیوں کا دفاع کر سکتے ہیں۔ ہم کیسے وہ دُکھ محسوس کر سکتے ہیں جو محمد ﷺ کی شان میں گستاخی کرنے پر ہمیں ہونا چاہیے تھا، ہم کیسے لوگوں کی زہر اُگلتی ہوئی زبانوں کو لگام دے سکتے ہیں اور کیسے ان کے حوصلے پست کر سکتے ہیں۔ اسی لیے میں نے اس میں غیر مسلموں کے نبی ﷺ سے متعلق چند کلمات بھی شامل کیے ہیں جو اُنہوں نے محمد ﷺ کی مدح میں کہے ہیں۔ محمد ﷺ گو کہ ان کی مدح کے محتاج نہیں ہیں مگر یہ مغرب سے مرعوب مسلمان ذہنوں کے لیے ہے جو اِن دانشوروں کی بات کو بہت اہمیت دیتے ہیں۔ جس کا عنوان ہے ''محمد ﷺ مشاہیر کی نظر میں'' پھر محمد ﷺ کے زمانے کے عربوں کی خصوصی صفات بیان کی گئی ہیں۔

عرب ایک جاہل اور اُجڈ قوم کی حیثیت سے دنیا میں جانی جاتی تھی۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں سے ہی اپنا نبی کیوں منتخب فرمایا؟ عربوں میں وہ کیا خصوصی صفات تھیں جو مہذب اور متمدن قوموں میں نہیں تھیں۔ ویسے تو اس کا سیدھا سادہ جواب یہ ہے کہ اللہ کا کام ہے اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ کس کو کہاں سے منتخب

کرے۔ مگر جب ہم ذرا غور و فکر کرتے ہیں تو اللہ کے فیصلے پر عش عش کر اُٹھتے ہیں۔ ان ہی بدوؤں کو محمد ﷺ نے 23 سال کی قلیل مدت میں بدل کر دنیا کا بہترین انسان بنا دیا۔ اُنہوں نے نبی ﷺ کی مصاحبت میں غزوات میں حصہ لیا، گویا آپ ﷺ کی محبت میں اپنی جان قربان کرنے سے بالکل دریغ نہ کیا۔ ان کے اندر وہ روح ایمانی بیدار ہوگئی تھی کہ آپ ﷺ کی وفات کے بعد بھی دین اسلام کو غالب کرنے کے لیے اپنی جان ہتھیلی پر لے کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور دنیا کے ایک بڑے حصے پر اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے نام نامی کے جھنڈے گاڑ دیئے۔

ملک پر ملک فتح ہوتے چلے گئے۔ دولت کے انبار لگ گئے مگر صحابہ کرامؓ کی نظر تو آخرت کے فائدوں پر رہتی تھی۔ دنیاوی دولت کی ان کی نظر میں پرِکاہ کے برابر بھی اہمیت نہ تھی۔

اس کتاب میں مکہ معظّمہ کی مختصر تاریخ بیان کی گئی ہے۔ محمد ﷺ کی ولادت باسعادت کا ذکر ہے اور نبوت سے پہلے کی زندگی کے مختصر واقعات اور نبوت کے بعد کی زندگی کے سال بہ سال واقعات پر تفصیلاً روشنی ڈالی گئی ہے۔

ہندو پاک میں ربیع الاوّل کے مبارک مہینے میں جو میلاد النبی ﷺ منانے کا دستور چلا آرہا ہے، اس کا ایک فائدہ تو ضرور ہے کہ سیرت پاک ﷺ کے حوالے سے اکثر مقامات پر جلسے منعقد کیے جاتے ہیں تو اس طریقہ سے محمد ﷺ کا نام نامی نئی نسلوں کے کانوں میں بھی پڑ جاتا ہے۔ یقیناً ایسے بہت سے لوگ ہوں گے جو پورے سال ہی ان سے واقفیت حاصل کرنے میں گزارتے ہوں گے مگر ایک عام آدمی کی بات کی جائے تو رسول ﷺ سے ان کی واقفیت کا یہی ایک ذریعہ ہے۔ برسوں سے سیرت کی ان محفلوں میں شرکت کرنے کا میرا معمول رہا ہے اور نبی ﷺ کی سیرت کے مختلف پہلوؤں کو ان کے سامنے پیش کرتی ہوں اور عوام الناس محمد ﷺ

کی شخصیت کے ان گونا گوں پہلوؤں کی خوبصورتی کو سن کر بہت حیران ہوتے ہیں اور معترف ہوجاتے ہیں کہ زندگی کے کتنے سارے پہلوؤں کے بارے میں آپ ﷺ اپنا نمونہ ہمیں دے گئے ہیں۔

اس کتاب میں کوشش کی گئی ہے کہ لوگ اگر آپ ﷺ کے بارے میں مزید جاننا چاہتے ہیں تو ضمیمہ میں بہت سے مضامین شامل کیے گئے ہیں۔ آپ ﷺ کی حیثیت بطور شوہر کیسی تھی؟ اور آپ ﷺ نے بچوں کی کس طرح تربیت کی؟ آپ ﷺ کے مزاح کا ذوق کیسا تھا وغیرہ وغیرہ۔

مدنی زندگی کے مطالعہ سیرت سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے تمام عمر حق کے فروغ کے لیے باطل سے ٹکرانے میں گزاری۔ تمام غزوات میں آپ ﷺ بہترین جرنیل کی حیثیت سے نظر آتے ہیں۔ آپ ﷺ کی نرم دلی، رحم دلی اور لوگوں کو دین کی طرف راغب کرنے کی کوششیں بھی بہت زیادہ ملتی ہیں گو کہ لوگ غزوات میں زیادہ دلچسپی نہیں رکھتے اور تلواروں کی جنگوں کو Out Dated سمجھتے ہیں کیونکہ آج کل کے جنگی ہتھیار میزائل، ڈرون حملے، لڑاکا ہوائی جہاز اور ایٹم بم ہیں۔ ہتھیار کوئی بھی ہو، ہمیں ان اصولوں پر نگاہ رکھنی پڑے گی جن کے تحت جنگیں لڑی جاتی ہیں، جو محمد ﷺ نے سکھائی ہیں۔ آپ ﷺ ایک منصف مزاج حکمران تھے۔ آپ ﷺ نے عدل کو فروغ دیا۔ آپ ﷺ کی شخصیت کا ایک پہلو بہترین قاضی اور جج ہونا بھی ہے۔ اس کے کچھ واقعات ضمیمہ کے تحت بیان کیے گئے ہیں۔

محمد ﷺ کی زندگی کے تمام واقعات مستحسن ہیں۔ آپ ﷺ کی زندگی کا ہر پہلو، ہر گوشہ، باکمال ولاجواب ہے اور جو منفرد خصوصیت نظر آتی ہے وہ آپ ﷺ کا انصاف ہے۔ اسی لیے میں نے اس کتاب کا نام ''انصاف کے علمبردار'' رکھا ہے۔

محمد ﷺ کے تمام فیصلوں میں انصاف سب کے ساتھ یکساں نظر آتا ہے، وہ چاہے دوست ہوں یا دشمن، اپنے ہوں یا پرائے، مسلم ہوں یا غیر مسلم وغیرہ، ہر ایک کے ساتھ آپ ﷺ نے انصاف کیا جس کی وجہ سے لوگ جوق در جوق اسلام میں داخل ہوتے چلے گئے۔ وہ ہمارے لیے اس زندگی کی درخشاں مثالیں چھوڑ گئے ہیں تاکہ ہم ان سے رہنمائی حاصل کریں۔ اللہ ہمیں اس مشعل الٰہی سے روشنی حاصل کرنے والا بنائے اور وہ تمام لوگ جو اس کتاب کو پڑھیں، دعا ہے کہ اللہ ان کو بھی نور نبوتؐ کی تجلیات سے مستفید فرمائے۔ اخلاص سے کی گئی کوششیں رائیگاں نہیں جاتیں۔ بس اخلاص کا ہونا شرط ہے۔

تمام قارئین سے درخواست ہے آج کل artificial & chatgpt intelligence کا بڑا چرچا ہے۔ لوگ اس سے خوب معلومات حاصل کر رہے ہیں مگر یاد رکھئے! یہ دینِ اسلام اور محمد ﷺ کے بارے میں غلط معلومات بھی فراہم کر سکتے ہیں اس لئے مستند کتابوں ہی کا مطالعہ ہی کیجئے۔ اس کتاب کو حرفاً حرفاً اور لفظاً لفظاً کئی عالموں نے مطالعہ کیا ہے آپ اس کو بے فکر ہو کر پڑھئے اور بھرپور فائدہ اٹھائے، نیز آپ اپنی دعاؤں میں مجھے ضرور شامل رکھئے گا، اس کتاب کے بارے میں کوئی سوال یا تبصرہ (Comments) ہو تو اس ای میل roshni.ka.safar@gmail.com پر رابطہ کریں۔

خیر اندیش

نادرہ انصاری

ذی الحجہ 1441 ہجری/ جولائی 2020ء

تقریظ

الحمدللہ و کفی وسلام علی عبادہ الذین اصطفے۔ اما بعد

بنی نوع انسان کی کامیابی کا دارومدار اس اکسیر پروگرام پر ہے جو سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت اور اتباع سنت پر مبنی ہے۔ آج ایک کثیر تعداد ان لوگوں کی ہے کہ جنہوں نے اطاعت و اتباع کو صرف نماز، روزہ اور چند عبادتوں تک محدود سمجھا ہوا ہے۔ ان کی لغت میں معاملات، حقوق العباد اور آداب معاشرت سے متعلق حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات نہ دین کا جزو ہیں اور نہ اتباع سنت کو اس سے متعلق سمجھتے ہیں۔ بظاہر ایک کثیر تعداد نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ میں مشغول نظر آتے ہیں مگر حقوق العباد سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ اسی بناء پر وہ عام مسلمانوں اور اسلام کے لیے ننگ و عار ہوتے ہیں۔ اس کی سب سے بڑی وجہ احکام الٰہی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات، خصائل اور سنن سے غفلت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب 21)

اللہ تعالیٰ نے سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی اور سیرت کو ہمارے لیے ماڈل اور اسوہ بنا کر بھیجا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیاتِ طیبہ، عملی قرآن کریم ہے۔

لہٰذا اس پُرفتن دور میں اس بات کی زیادہ ضرورت ہے کہ ہمارے پیارے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات اور قرآن پاک کی تعلیمات کو عام کیا جائے۔

آج تک عربی، فارسی، اردو اور دیگر زبانوں میں قرآن وسنت کے پیغام کو کتب و رسائل

کی صورت میں جمع کیا گیا ہے۔ واضح ہو کہ یہ بھی تعلیمات نبوی ﷺ کا ایک حصہ ہیں کہ قرآن اور سنت کو کتابی صورت میں صوتی آلات کے ذریعے عام کیا جائے۔

قابل صد احترام! میری چچا زاد بہن محترمہ نادرہ انصاری صاحبہ نے اپنی کتاب ''انصاف کے علمبردار محمد ﷺ'' بہت محنت اور خاص توجہ سے لکھی ہے اور حضور اکرم ﷺ جو آفاقی نبی ہیں اور تمام نبیوں کے سردار ہیں ان کی زندگی کے سارے پہلوؤں کو کتاب میں جمع کر دیا ہے۔

حسنِ یوسفؑ، دمِ عیسیٰؑ ، یدِ بیضاء داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

شریعت اسلامیہ اور دین اسلام اُس حسین مجسمہ کی طرح ہے کہ جس کی ہر ایک ادا یہ دعوت دیتی ہے کہ میری طرف متوجہ ہو اور مجھے دیکھو، میرے اندر کیا کیا خوبیاں ہیں اور کیا کیا کمالات ہیں اور کیسے کیسے حسن ہیں۔ فارسی کے ایک شاعر نے اپنے محبوب کی تعریف کی ہے۔ یہ تعریف دراصل اسلام کی تعریف ہے

ز فرق تابقدم ہرکجا کہ می نگرم
کرشمہ دامن دل می کشد کہ جا ایں جاست

اس کتاب کی تقریظ لکھنے کیلئے میری بہن نے کہا اور الامر فوق الادب کے تحت میں انکار نہیں کر سکا بلکہ نادرہ باجی صاحبہ کی اس کتاب کی تقریظ لکھنا میں اپنے لیے اعزاز سمجھتا ہوں اور اللہ سے دعا گو ہوں، ان کی اس خزینہ سیرت النبیؐ کی تقریظ ''انصاف کے علمبردار محمد ﷺ کو مختلف مقامات سے پڑھا اور بات خوشی کی ہے کہ میری بہن نے سیرت کا کوئی پہلو نہیں چھوڑا۔ حضور اکرم ﷺ کی پیدائش سے متعلق، قبائل و جغرافیائی حالات سے لے کر آج تک کے حالات جس پر حضور اکرم ﷺ کی تعلیمات اور آپ ﷺ

کی زندگی کے اثرات نمایاں ہیں سب اس کتاب میں شامل ہے۔

یہاں جو ایک بات خاص طور پر ضروری ہے وہ یہ کہ یہ کتاب تمام ائمہ مساجد اور خطباء کے لیے بہت مفید ہوگی۔ اس کتاب کو مطالعہ میں رکھیں اور اپنی زندگی کا حصہ بنالیں۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کی اشاعت میں سب حصہ داروں کو دارین کی سعادت نصیب فرمائے اور دنیا بھر کے مسلمانوں کو استفادہ کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین

مولانا نظام الحق

امام وخطیب: تقویٰ مسجد

بلڈ ہلز، کوئنز لینڈ، آسٹریلیا، سابق اسلامک ٹیچر اینڈ اسکالر

اسلامک اسٹڈیز کالج آف سڈنی، سابق امام مسجد آف نیوزی لینڈ

تلاوت قرآن پارلیمنٹ آف نیوزی لینڈ

تقریظ

وَرَفَعْنَا لَكَ ذِكْرَكَ

مفہوم: جس طرح اللہ کی ذات لامحدود ہے، سرکار دو عالم کی بلندی، ذکر و فکر بھی لامحدود ہے۔ عرب و عجم اور براعظم افریقہ تو ایک کلمہ طیبہ کے عظیم روحانی رشتے سے، اہل ایمان و اسلام کی نسبت سے، ہمارے اپنے ہی گھروں کی مانند ہیں، لیکن اب امریکا برطانیہ سمیت دیگر تمام انگریزی ممالک بھی ، دنیا بھر کے بالخصوص انڈیا پاکستان کے مسلمانوں سے لبالب بھرے ہوئے ہیں۔ اللھم زدفرد

چنانچہ میری ایک چچازاد بہن نادرہ انصاری بھی منجملہ سینکڑوں رشتے دار عرصہ ہائے دراز سے امریکہ میں مقیم ہیں۔ موصوفہ میری بڑی بہنوں کے بیچ کی ہیں۔ اللہ ان کو سلامت رکھے آمین۔ آمدم برسر مطلب مختصر یہ کہ موصوفہ نے نہ صرف یہ کہ اپنے بچوں کو بہترین تربیت سے نوازا، امریکہ و پاکستان میں مقیم تمام رشتہ داریوں کو بھی حتی الوسع نبھایا، بلکہ توشہء آخرت کے حوالے سے بھی ایک بہت ہی عظیم سعادت کو قرآنی آیت کے ایک ٹکڑے (وَلتَنظُرْ نَفسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ) کا پورا مصداق بنالیا۔ اللہ تعالی ان کو اپنی رضائے خاص سے نوازیں۔ آمین ۔ یہ متذکرہ بالا توشہء آخرت میرے گنہگار ہاتھوں کا امتحان لے رہا ہے، جس کا عنوان " انصاف کے علمبردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم بصورت مسودہ میرے سامنے ہے۔ جس پر احقر کو تبصرہ لکھنے کا مشفقانہ حکم بھی ملا ہے۔

میری مشفق بہن نے محض خاندانی نسبی اور نہ ختم ہونے والی روحانی نسبت، جس میں

سب سے بڑھ کر میرے والد محترم اور موصوفہ کے تایا بلا شرکت غیرے خطیب پاکستان حضرت مولانا احتشام الحق تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت سے زیر نظر کتاب پر حسب استعداد تبصرے کی سعادت میں مجھے شریک کرنے کا سنہری موقع فراہم کیا ہے۔

چنانچہ قلم و کاغذ سے تو کیا حق ادا ہوسکتا تھا بجز اس کے کہ میں دل کی گہرائیوں سے ان کو سلام فخر پیش کرتا ہوں۔ میں نے چند ایک مقامات سے اس کتاب کا مطالعہ کیا، بے حد متاثر ہوا، سب سے بڑی اور کمال کی بات جو صرف مجھے نظر آئی کہ 14 کی تعداد میں جن مصنفین کی تحریرات و کتب سے مراجعت کا ذکر فرمایا ہے، وہ کم و بیش امت مسلمہ کے سروں کے تاج تسلیم کیے جاتے ہیں۔ اللہ کرے کہ یہ بہت جلد طبع ہو جائے تو پوری امت کے لئے حد درجہ نافع اور مفید تر ہوگی۔

عنوان بھی بڑا انگوٹھی میں نگینے کی طرح ہے، سورہ رحمن کا ٹکڑا یہی بتا رہا ہے" ووضع المیزان" دنیا کی ہر تراز و کا جوڑا اسی آیت سے جڑتا ہے۔ غیر مسلم کی فقط دنیاوی عزت اور کل مسلمانوں کی دنیاوی راحت اور آخرت کی بلا روک ٹوک کامیابی اسی میزان اور ترازو میں پوشیدہ ہے۔ لہذا عنوان بھی بہت ہی منفرد اور پیارا ہے۔ کاش کہ آنے والی نسلیں اس کا انگریزی ترجمہ بھی چھپوا سکیں۔ فقط۔۔۔۔

ایں دعا از من واز جملہ جہاں آمین آباد

احقر الناس

تنویر الحق تھانوی

یکم ربیع الثانی 1444 ہجری

تقریظ

سب سے پہلے تو محترمہ نادرہ انصاری کو بہت بہت مبارک باد !

میں نے یہ کتاب بغور پڑھی ہے اور میں عدل کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہوں۔

نبی پاک صلی اللہ ہم نے فرمایا! ان لم اعدل فمن یعدل

ترجمہ:" اگر میں انصاف نہیں کروں گا تو پھر کون کرے گا۔" (حدیث)

انصاف صرف اس وقت عدل بنتا ہے جب وہ حق پر مبنی ہو اور وہ انصاف آدھا ہوگا جب حق و باطل کے ساتھ یکساں سلوک کرے۔ اللہ حق ہے، حق کا ساتھ دینے والا ہے اور اللہ کا پیمانہ، انصاف (قسطاس) ہی مبنی برحق وعدل ہے۔ اللہ کا دیا پیمانہ، عدل صرف حق (بیچ) ہی کے لیے نہیں ہے بلکہ دیگر حقوق کے لیے بھی انصاف کا پیمانہ ہے۔ حقوق کا آغاز اللہ سے ہوتا ہے کہ اللہ کے حقوق ہم پہچانیں اور ان کو ادا کرنے کی کوشش کرتے رہیں۔ حقوق العباد بھی حق کے ساتھ جوڑ دیے گئے اور ان کے مراتب طے کر دیے گئے ہیں۔ یہی حقوق اللہ اور حقوق العباد جاننے کا نام اسلام ہے۔

قرآن مجید وہ کتاب ہے جو عدل و انصاف کا پیمانہ دیتا ہے اور اس کے اصول وقواعد بتاتا ہے۔ اس عدل کا عملی نمونہ اگر کوئی ذات ہے تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابرکت ذات ہے۔ انسانی تاریخ میں آو سلم کی بابرکت ذات ہے۔ انسانی تاریخ میں آپکی سیرت، واحد سیرت ہے جو نہ صرف مکمل طور پر محفوظ ہے بلکہ انسانی تاریخ کا ایسا روشن ترین صفحہ ہے جو آج بھی پوری طرح روشن، قابل عمل اور انسان کی کامیابی کا واحد راستہ ہے۔ یہی راستہ

انسان کے دنیا و آخرت کے سفر کو منزل تک پہنچانے کا ضامن ہے۔ عدل کی تو تعریف ہے:

داع كُلِّ ذِي حَق حَقَّهُ ، ترجمہ:" ہر حق دار کو اس کا حق دے دو۔"

عدل کا برعکس ظلم ہے۔ اسلام نے صرف عدل کی نصیحت نہیں کی ہے بلکہ اس کو ایک دینی فریضے کی حیثیت دی ہے۔ اسکے ضابطے بنا کر اس کو قانون سے تحفظ دیا ہے۔ اس کے لیے وہ ادارے قائم کیے جو انصاف کا حصول آسان بنائیں، جلد فیصلے لیں بغیر قانونی الجھانے والے طریقوں سے۔ مہنگے اور انسانی دسترس سے باہر اخراجات سے بچا کر قانون پر عمل ہو، فیصلے کا نفاذ ہو۔ دوست، رشتہ دار، دشمن اور مخالف کی رعایت کے بغیر فیصلہ صرف دلیلوں کی بنیاد پر ہو۔

ایک حدیث ہے کہ" اللہ وقتی طور پر ایک کافر حکومت پر مہلت دے دیتا ہے اگر وہ انصاف کی حکومت ہو اور مسلم حکمرانوں کو حکومت چلانے میں مدد نہیں دیتا ہے اگر وہ ظلم کے ساتھ حکومت کرے۔"

آج مسلمانوں کے پاس اللہ کی کتاب ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت ہے، ہماری وہ سنہری تاریخ ہے جو عدل و انصاف سے روشن ہے مگر ہم امت کے بجائے قوموں میں بٹ گئے ہیں۔ دین میں ہم نے کچھ فرائض اور نوافل کا اہتمام تو کیا ہے مگر ہماری انفرادی اور اجتماعی زندگی میں حق بات نہ کہنے اور انصاف نہ کرنے نے ہم کو اللہ کے دین کی شہادت دینے والا نہیں رہنے دیا ہے۔ انصاف کے پیمانوں پر پورا نہ اترنے کا نتیجہ یہ ہے کہ ہم ایک بہتر امت اور ایک افضل ترین نبی کے امتی ہوتے ہوئے بھی دنیا میں اپنے مقام سے گر گئے ہیں۔ ہاں اس امت کے ساتھ اللہ کا جو احسان ہے وہ یہ کہ اگر ہم ہدایت کی طرف لوٹنا چاہیں تو ہدایت کے سرچشمے محفوظ ہیں۔ سیرت کا سرمایہ محفوظ ہے اور اس کے ساتھ ہمارے وہ دور جن کو ہم تین بہترین دور مانتے ہیں ان کی زندگی محفوظ ہے۔

اقبال نے کہا تھا! ع دوڑ پیچھے کی طرف اے گردش ایام تو

آج دنیا میں کئی قومیں ہیں جو ماضی کی طرف لوٹنا ہی نہیں چاہتے بلکہ چاہتے ہیں کہ اس ماضی کو آج بھی زندہ کریں۔ اسلام کے ماننے والوں کی ذمہ داری بھی یہی ہے کہ وہ اسلام کے ماضی اور اسلام کے ماننے والوں کے شاندار کارناموں کو پھر سے زندہ کریں۔ دوسری قوموں کی خواہش اور مسلمانوں کی خواہش میں بس فرق یہ ہے کہ اور کسی قوم کے پاس کو ٹینقشہ نہیں ہے صرف نعرے ہیں، تخیلاتی نقشے ہیں جبکہ اسلام کے پاس ایک مکمل اور حقیقی بنیادوں پر قائم ایسا نقشہ ہے جس پر عمل کر کے ثابت کیا جا چکا ہے کہ جیسے وہ اس دور میں قابل عمل تھا ویسے ہی آج بھی ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ آج کا انسان کئی نظریات کو اپنا کر، تجربے میں لا کر صرف محرومیوں کا شکار ہے۔ جدید ترقیاں تو بے پناہ ہیں مگر انسان ہی انسان نہیں رہا ہے۔ بقول اقبال!

ع آدمی کو بھی میسر نہیں انسان ہونا

امام مالک نے فرمایا کہ "اس امت کے بعد والی نسل کی اصلاح اور صلاح اس طریقے میں ہے جس کو پہلے والوں نے اختیار کیا تھا"۔ اس کتاب کا موضوع یہی ہے اس میں سیرت کو پیش کیا گیا ہے مگر یہ بتانے کے لیے کہ یہ سیرت صرف ایک تاریخ نہیں ہے، ایک متبرک تذکرہ نہیں ہے اور نہ ہی ایک غیر عملی بات ہے جس کو آج کے "ترقی یافتہ" دور میں اپنایا نہ جا سکے۔ بہن نادرہ انصاری کی اس لحاظ سے یہ کتاب ایک دعوتِ عمل ہے کہ ہم اگر سیرت کو اپنا لیں تو یہ سیرت ہماری آج کی زندگی میں بھی ہماری رہنما بن سکتی ہے۔

ڈاکٹر محمد اقبال الندوی
ڈائریکٹر PIK اسلامک انسٹی ٹیوٹ، میسی ساگا۔ کینیڈ
20 اکتوبر 2020

تقریظ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

سب سے پہلے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ اس کے فضل و کرم سے ہم بحیثیت مسلمان اس کرہ ارض پر سانس لے رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حبیب محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کا فرد ہونا دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے۔ اپنے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت ہمارے ایمان کا لازمی حصہ ہے اور اس چنیدہ بندے کی اتباع سے ہی اخروی کامیابی اور اللہ کی محبت مشروط ہے۔ ہر مسلمان اپنی مقدور بھر کوشش کرتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حبیب سے محبت کا اظہار کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت طیبہ کو بیان کرنا لکھنا بہت بڑا اعزاز ہے اور یہ سعادت اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا نہ ہو تو کوئی اس کام پہ قادر نہیں ہو سکتا۔

ذالک فضل اللہ یو تیہ من یشاء ۔۔۔۔

خوش قسمت ہیں وہ سب لوگ جو اول روز سے اس سعادت سے بہرہ مند ہوئے اور یہ موضوع ایسا ہے کہ جتنی بار لکھا پڑھا یا سنا جائے تشنگی کم ہونے کی بجائے بڑھتی جاتی ہے۔

محترمہ نادرہ انصاری نے سیرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم پہ جس قدر محنت، تحقیق سے کتاب مرتب کی ہے وہ قابل رشک ہے۔ کتاب میں ہر موضوع کو مناسب زمروں

میں تقسیم کیا گیا ہے اور مستند حوالوں سے مزین ہے۔ ایک ہی کتاب سے اساتذہ اور طلباء بھرپور فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس کتاب کو ہر لائبریری میں اور ہر گھر میں موجود ہونا چاہیے۔

نادرہ بہن نے دین اسلام کے لئے جس پلیٹ فارم سے بھی دینی جدوجہد کی وہ قابل ستائش ہے۔ نادرہ بہن کی علم دوستی، پرخلوص رفاقت، اشاعت دین کے لیے کاوشیں قابل قدر ہیں اور وہ جہاں بھی ہوں اپنے مقصدِ زندگی سے غافل نہیں ہوتیں۔ ماشاءاللہ

نادرہ بہن سے ہماری دوستی اور محبت خالصتاً اللہ تعالیٰ کے لیے ہے اور یہ کوئی چند دن کی بات نہیں۔ کئی دہائیوں پہ محیط یہ محبت کا سفر جاری ہے اور اللہ تعالیٰ سے امید واثق ہے کہ ہماری محبت آخرت میں باعث نجات بنے گی۔ ان شاءاللہ

اللہ تعالیٰ سے دلی دعا ہے کہ وہ اس کاوش کو قبول فرمائے۔ نادرہ بہن کے لیے صدقہ جاریہ بنائے اور مزید علمی کام کے لیے صحت تندرستی کے ساتھ سہل مواقع عطا فرمائے۔ آمین

دعائے خیر کی طالبہ

ڈاکٹر بشریٰ تسنیم

کالم نگار، افسانہ نگار

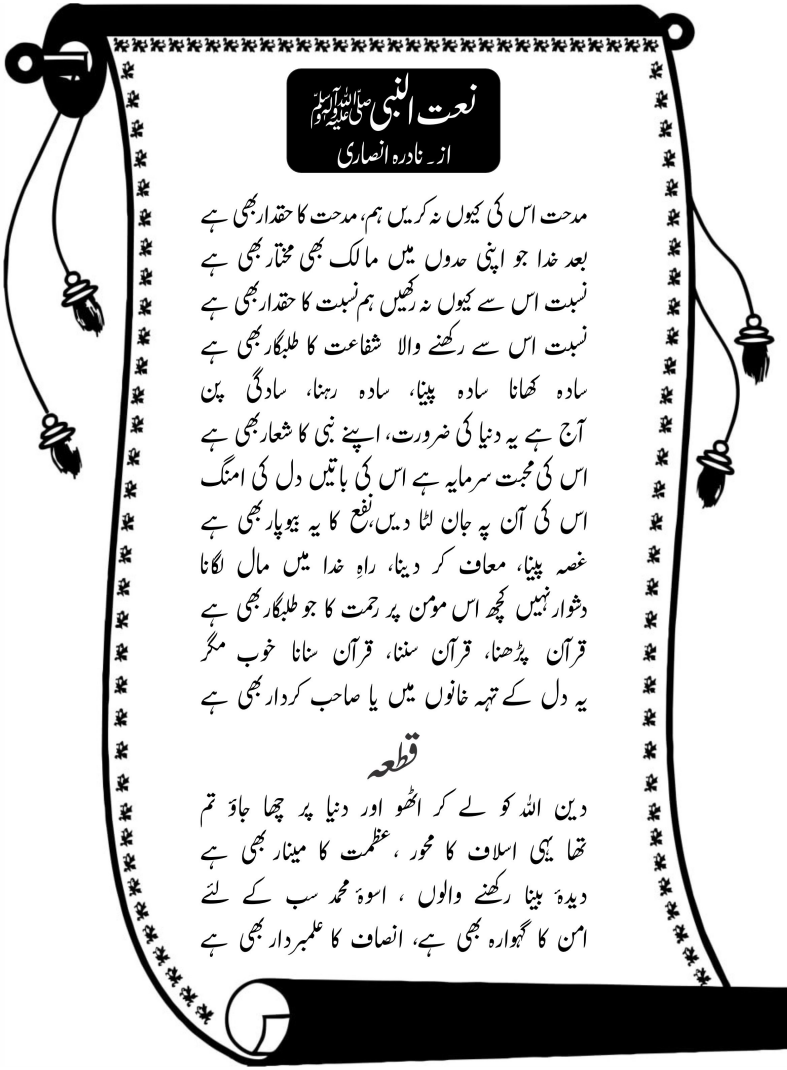

نعت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

از۔ نادرہ انصاری

مدحت اس کی کیوں نہ کریں ہم، مدحت کا حقدار بھی ہے
بعد خدا جو اپنی حدوں میں مالک بھی مختار بھی ہے
نسبت اس سے کیوں نہ رکھیں ہم نسبت کا حقدار بھی ہے
نسبت اس سے رکھنے والا شفاعت کا طلبگار بھی ہے
سادہ کھانا سادہ پینا، سادہ رہنا، سادگی پن
آج ہے یہ دنیا کی ضرورت، اپنے نبی کا شعار بھی ہے
اس کی محبت سرمایہ ہے اس کی باتیں دل کی امنگ
اس کی آن پہ جان لٹا دیں،نفع کا یہ بیوپار بھی ہے
غصہ پینا، معاف کر دینا، راہِ خدا میں مال لگانا
دشوار نہیں کچھ اس مومن پر رحمت کا جو طلبگار بھی ہے
قرآن پڑھنا، قرآن سننا، قرآن سنانا خوب مگر
یہ دل کے تہہ خانوں میں یا صاحب کردار بھی ہے

قطعہ

دین اللہ کو لے کر اٹھو اور دنیا پر چھا جاؤ تم
تھا یہی اسلاف کا محور ، عظمت کا مینار بھی ہے
دیدۂ بینا رکھنے والوں ، اسوۂ محمد سب کے لئے
امن کا گہوارہ بھی ہے، انصاف کا علمبردار بھی ہے


مَا كَانَ
مُحَمَّدٌ
أَبَا أَحَدٍ
مِّن رِّجَالِكُمْ وَلَٰكِن
رَّسُولَ اللَّهِ
وَكَانَ اللَّهُ
بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمًا
وَخَاتَمَ النَّبِيِّينَ

پہلا باب

سیرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور موجودہ حالات

موجودہ عالمگیر مادہ پرستانہ تہذیب کے ظاہر فریب پردوں کے پیچھے جھانک کر انسانیت کا جائزہ لیا جائے تو وہ حالت زار سامنے آتی ہے کہ روح کانپ جاتی ہے۔ اولادِ آدم کو چند خواہشات نے اپنے قابو میں کرلیا ہے، ہر طرف دولت و اقتدار کے لیے ہاتھا پائی ہورہی ہے، آدمیت سے اخلاقی شعور ختم ہو چکا ہے، جرائم کی رفتار بڑھ رہی ہے، نفسیاتی اُلجھنوں کا زور ہے، ذہنی سکون یکسر غائب ہو چکا ہے۔ فلسفہ وحکمت سے سچائی کی روح کھوگئی ہے۔ روحانی قدریں چوپٹ ہوگئی ہیں۔ قانون سے عدل کی روح نکل گئی ہے۔ سیاست میں جذبۂ خدمت کی جگہ غرض پرستی گھس گئی ہے۔ معیشت کے میدان میں ظالم اور مظلوم طبقے پیدا ہو چکے ہیں۔ فنونِ لطیفہ میں جمال کی ساری رنگ آمیزیاں جنسی جذبوں اور نفسانی خواہشات سے کی جانے لگی ہیں۔ علم کے چشمے اُبل رہے ہیں مگر اسی کی پروردہ جہالت کے ہاتھوں انسانوں کی ناک میں دم ہے۔ دولت کے خزانے چاروں طرف بکھرے پڑے ہیں۔ مگر خاکی مخلوق بھوکی ننگی اور محرومی کے عذاب میں گھری ہے۔ عقلی، سیاسی، اخلاقی اور تہذیبی شعور کی ترقی کے چرچے ہیں مگر ظلم اور تشدد کے انتہائی خوفناک حربے آج بھی انسانیت کے خلاف کام میں لائے جارہے ہیں۔

ان حالات میں نگاہیں تلاش کرتی ہیں تو 14 ویں صدی کی دوری پر ایک نقطہ میں نور دکھائی دیتا ہے۔ یہ انسانیت کے سب سے بڑے محسن، سرورکونین، ہادیٔ برحق،

نورِ مجسم، شہ لولاک کے پیغام کی مشعل ہے جس کی روشنی کو خود مسلمانوں نے اپنے نئے تہذیبی غبار میں گم کر رکھا ہے۔ پیغام کی یہ مشعل ہم سے تقاضہ کرتی ہے کہ ہم اسے اپنے ہاتھوں میں اُٹھالیں اور اربوں ہاتھوں میں جب یہ مشعل ہوگی تو دورِ حاضر کی تاریکی ختم ہوجائے گی اور اسی طرح نور کی کرنیں سکون، اطمینان کی دولت، عزت و ناموس کی پرورش اور فلاح و کامرانی انسانیت کے قدم چومے گی، جس طرح ساتویں صدی عیسوی میں انسانیت اس سے بہرہ یاب ہوئی تھی۔

مطالعہ حدیث اور سیرت نگاری

"سیرۃ" کا لفظ ''سَارَ'' ''یسیرُ'' اور ''سَیْراً'' سے نکلا ہے جس کے معنیٰ ہیں ''سفر کرنا''۔ کیونکہ سیرت میں ہم اس انسان کی زندگی کے سفر کی اتباع (Follow) کرتے ہیں۔ سیرت کا لفظ صحابہ کرامؓ کی زندگی کے بارے میں لکھی جانے والی کتابوں کے لیے بھی استعمال کیا جاتا تھا جیسے سیرت ابوبکرؓ، سیرت عمر فاروقؓ، سیرت عثمانؓ اور سیرت حضرت علیؓ وغیرہم، مگر بعد میں یہ لفظ سیرت ''محمد ﷺ'' کی زندگی کے پہلو اُجاگر کرنے کیلئے مخصوص ہو گیا۔

''شمائل ترمذی'' کے نام سے امام ترمذی نے نویں صدی میں محمد ﷺ کا ظاہری حسن (Appearance)، اخلاق اور زندگی سے متعلق ایک مجموعہ تیار کیا۔ اُنہوں نے اس میں ۳۹۹ حدیثیں جمع کیں جس میں ۵۶ اسباق (Chapters) ہیں جس میں حضرت علیؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ، حضرت ابو ہریرہؓ، عبداللہ بن عباسؓ اور حسن بن علیؓ وغیرہم کی روایتیں شامل کی گئی ہیں۔

حدیث اور سیرت ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ ہر حدیث محمد ﷺ کی زندگی کا ایک واقعہ ہے، ایک فیصلہ ہے، ایک وعظ ہے، ایک سچی پیشین گوئی ہے، زندگی کے سفر میں ایک نہایت خاموش سبق سکھاتی ہے کہ اصل طریقۂ زندگی یہ ہے۔ حدیثوں پر سلف نے بہت کام کیا ہے، سیرت نگاری پر بھی بہت کام ہوا ہے۔ صحابہ کرامؓ رسول اللہ ﷺ کی صحبت سے فیضیاب ہوتے تھے۔ اپنے بچوں کو آپ ﷺ کی کہانیاں

سناتے تھے۔ عشق رسول ﷺ کا یہ ادنیٰ سبق ہے۔ صحابہ کرامؓ کے بچوں نے کتابیں لکھیں۔ عروہ بن زبیر جن کی خالہ حضرت عائشہ صدیقہؓ تھیں، انہوں نے سیرۃ النبی ﷺ لکھی۔ حدیث وفقہ لکھی۔ ابان بن عثمانؓ نے سیرت لکھی۔ ابن الشہاب الزہری نے سیرت لکھی۔ یہ کتابیں اب معدوم ہوگئی ہیں مگر بعد کے آنے والوں نے جو کتابیں لکھیں، اس میں ان کا ذکر کیا گیا ہے۔ محمد بن اسحاق نے (85ہجری۔ 150ہجری) سیرت پر ایک ضخیم کتاب لکھی جو بارہ جلدوں (Volume) پر مشتمل تھی، وہ بھی معدوم ہوگئی۔ کچھ عرصہ پہلے اس کتاب کا کچھ حصہ دریافت ہوا ہے جو شمائل پر مبنی ہے۔ ''شمائل ترمذی'' نامی کتاب محمد ﷺ کے اخلاق کے بارے میں لکھی گئی ہے۔ البیہقی نے ''دلائل النبوہ'' لکھی، بعد کے آنے والوں نے بے شمار کتابیں سیرت پر لکھی ہیں اور لکھی جارہی ہیں۔ محمد ﷺ کی زندگی کے ہر ہر پہلو پر کتابیں لکھی گئیں۔ زیر نظر کتاب بھی ایک ادنیٰ کاوش ہے۔ اُمید ہے قارئین اس سے کماحقہ فائدہ اُٹھائیں گے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

ترجمہ: ''تمہارے لیے رسول کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے''

50 سے زائد آیتیں آپ ﷺ کی شان میں نازل کی گئیں اور ایک سورہ کا نام آپ ﷺ کے نام پر ''سورۂ محمد'' رکھا گیا۔ کسی کو نمونہ اس وقت مانا جاسکتا ہے جب کہ اس میں تین شرطیں پائی جاتی ہوں۔ ۱۔ ایسا نمونہ جو ہر انسان کے لیے نمونہ بن سکے۔ ۲۔ اس میں زندگی کے ہر ہر پہلو میں نمونہ بننے کی صلاحیت ہو۔ ۳۔ وہ نمونہ مستند ہو، معتبر ہو۔ ان شرطوں پر صرف رسول اللہ ﷺ ہی پورے اترتے ہیں۔

سیرت کا مطالعہ ہمارے لیے انتہائی ضروری اس لیے ہے کہ

(۱) محمد ﷺ اللہ کے منتخب کردہ فرد ایک انسان تھے، فرشتے نہ تھے، تمام انسانوں کے کرنے والے کام، آپ ﷺ نے کر کے دکھائے جو رضائے الٰہی پر منتج ہوئے۔

(۲) رسول اللہ ﷺ کی زندگی کے مطالعہ سے ہمارے دل میں آپ ﷺ کے لیے محبت پیدا ہوگی۔ آپ ﷺ سے محبت کرنا، جزو ایمانی ہے اور جتنا ہم پڑھیں گے، اتنا ہی آپ ﷺ کے بارے میں جانیں گے، اتنا ہی عمل پیرا ہوں گے۔

(۳) قرآن سمجھنے کے لیے بھی سیرت کا مطالعہ ضروری ہے۔ ''مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰى'' (سورۂ ضحیٰ) جیسی آیتیں ہمیں سمجھ میں نہیں آسکتیں جب تک نبی کی زندگی کا پتہ نہ ہو۔ آیتوں کا اسباب نزول اور شان نزول اسی سے تعلق رکھتا ہے کہ آپ ﷺ زندگی کے کس مقام پر تھے۔

(۴) سیرت پڑھنے سے اُمید پیدا ہوتی ہے، عرب کا وہ معاشرہ اُس وقت آج کے دور سے بھی بدتر تھا۔ کفار بڑے ظالم تھے سیاسی طور پر فارس اور روم (Persia-Roman) دو بڑی سپر پاور طاقتیں موجود تھیں۔ داخلی دشمن بھی تھے اور خارجی دشمن بھی تھے۔ آپ ﷺ نے اُمید کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑا اور عزم وارادہ کی قوت سے ڈٹ کر سب سے مقابلہ کیا اور فتح حاصل کی۔ قرآن میں نبیوں کے قصے بیان کر کے آپ ﷺ کو تسلی دی گئی ہے۔ ہمارے لیے بھی یہ قصے آج بھی اطمینان کا سبب ہیں کہ ہر برے کام کا انجام برا ہی ہوتا ہے۔

(۵) دیکھا جائے تو آپ ﷺ کی پوری زندگی معجزہ (Mircale) ہے کہ 23 سال کے مختصر عرصے میں ایک بدو قوم میں انقلاب عظیم برپا کر دیا۔ جس سے اونٹوں کے چرانے والے بعد میں قوموں اور ملکوں کے حکمران بن گئے۔ ان کی Methodology، طریقہء کار و تربیت کے

انداز کا مطالعہ تفصیل سے کرنا چاہئے۔

(۶) اسلاموفوبیا (Islamophobia) کا دور بھی ان پر گزرا، کذاب، شاعر، ساحر، مجنون پکارا گیا۔ کبھی لالچ دلایا گیا اور کبھی ہراساں (Harass) کیا گیا۔ آپ ﷺ نے سب کا مقابلہ کیا۔ آج جو محمد ﷺ پر گستاخانہ خاکے بن رہے ہیں، فلمیں بن رہی ہیں، ان کا دفاع (defend) کرنے کیلئے ضروری ہے کہ ہم سیرت پاک ﷺ کا مطالعہ کریں۔

(۷) مسلمان گھروں میں، اسکولوں میں بہت چھوٹی عمر سے ہی سیرت کے واقعات سنا سنا کر ان کو یاد کرا دیئے جائیں۔

(۸) محمد ﷺ نے فرمایا ''انا سید ولد آدم ولا فخر'' (میں آدم کی اولاد کا سردار ہوں اور اس پر کوئی فخر نہیں) دنیا کے بہترین انسان تھے۔ بہترین عظمت والی جگہ ''مکہ معظّمہ'' میں قیام پذیر ہوئے اور جس جگہ یثرب ہجرت کر کے گئے وہ بھی ''مدینۃ النبی'' عزت والا ہو گیا۔ آپ ایسے علاقے میں لوگوں کے درمیان بھیجے گئے جو متمدن دنیا سے کٹا ہوا تھا۔ لوگ پڑھنے لکھنے سے آشنا نہ تھے اور یوں بہت سی شہری سیاسی برائیوں سے محفوظ تھے۔ بات کے کھرے اور سچے تھے۔

(۹) آپ ﷺ کے صحابہ اپنے وقت کے بہترین لوگ تھے۔ آپ ﷺ سے محبت میں اتنے آگے تھے کہ آپ ﷺ کے اشارے پر جان نثار کرنے کو تیار رہتے تھے۔ آپ ﷺ کے ہر حکم پر عمل کرنا فرض سمجھتے تھے۔

سیرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزید پہلو

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 1441 ہجری سال پہلے تشریف لائے تھے، بہت طویل عرصہ بیت چکا ہے، وہ زمانہ اور تھا، موجودہ زمانہ اور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت کے واقعات اس زمانے میں ہمیں کوئی فائدہ نہیں دے سکتے۔ موجودہ دور سائنسی ترقی کا دور ہے، ٹیکنالوجی کا دور ہے، کمپیوٹر، موبائل اور ٹیلی ویژن کا دور ہے۔ ہمیں اس ماحول کے مطابق ہدایت نہیں مل سکتی۔ یہ اور اسی طرح کی باتیں ہمارے ذہنوں میں سوال بن کر اُٹھتی ہیں اور کچھ لوگ برملا کہتے بھی نظر آتے ہیں، مگر یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے سیرت پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ کیا ہی نہیں ہے۔ خدا کی قسم وہ اگر سیرت پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مطالعہ کرلیں تو تمام شکوک وشبہات ذہن سے نکل جائیں اور ان کو ایسے ایسے جواہر و موتی ملیں گے جن کو اگر لوگوں نے اپنا لیا تو وہ دن دور نہیں کہ چشم فلک ہی وہ نظارہ دکھادے جیسے صحابہ کرامؓ نے اپنا کر دنیا میں اپنے اثرات چھوڑے ہیں۔

آج مسلمانوں کی تعداد اربوں میں ہے مگر ہماری عزت نہیں ہے، ہمارا خون ارزاں ہے اور بہہ رہا ہے۔ ہماری حیثیت دنیا میں کچھ نہیں ہے۔ ہمارے اوپر ظلم کے پہاڑ توڑے جارہے ہیں اور موردِ الزام بھی ہم ہی کو ٹھہرایا جارہا ہے۔ یہ اس لیے ہورہا ہے کہ ہم نے قرآن وسنت سے فائدے اُٹھانے چھوڑ دیئے ہیں۔ بنیادی وجہ یہی ہے کہ ہم سائنسی مغربی تہذیب سے مرعوب ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے

وَلِلّٰهِ الْعِزَّةُ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ

دنیا کی چند روزہ زندگی کی چکا چوند کے پیچھے ہم بھاگ رہے ہیں اور عزت ہم سے بھاگ رہی ہے۔ محمد ﷺ سے جڑنا باعث صد افتخار ہے۔ جو محمد ﷺ سے جڑا اسے شرف عطا ہو گیا، عربوں میں تشریف لائے تو اونٹ چرانے والے، ننگے پیر والے عربوں کو عزت مل گئی۔ مکہ میں پیدا ہوئے تو مکہ کو عزت مل گئی۔ جب مدینہ تشریف لے گئے تو یثرب مدینۃ النبی کہلایا اور مدینہ بھی حرم قرار پایا۔ قبیلہ قریش میں آپ ﷺ پیدا ہوئے تو قبیلہ قریش عزت دار ہو گیا۔ بی بی عائشہؓ کا حجرہ آپ ﷺ کا مدفن بنا تو ان کا حجرہ شرف پا گیا۔ گویا نبی ﷺ کا تعلق جہاں جہاں جس جس سے جڑا اُسے اللہ تعالیٰ نے عزت و افتخار بخشا۔ حتیٰ کہ صحابہ کرامؓ جو نبی ﷺ سے جڑے وہ سب عزت پا گئے۔ وہ سب اللہ کے محبوب بن گئے، انہیں رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ کا بے مثال سرٹیفکٹ مل گیا۔

قرآن میں ہے: قُلْ اِنْ کُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰہَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْکُمُ اللّٰہُ

(سورۂ آل عمران)

ترجمہ: (اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور اللہ بخشنے والا رحم فرمانے والا ہے۔

نبی ﷺ کی ذاتِ بابرکات سے جو جڑے گا، ان سے محبت کرے گا، ان کی لائی ہوئی شریعت پر چلے گا، وہ اللہ کا محبوب آج بھی بن سکتا ہے اور عزت و شرف بھی اس کے حصے میں ضرور آئے گی۔

محمد ﷺ کی شخصیت گوشت پوست سے بنے ہوئے انسان کی ہے لیکن

آپ ﷺ کا اخلاقی و روحانی پایہ بدر جہا بلند ہے۔ وہاں بہت سی فوق العادت چیزیں بھی ملتی ہیں، وہاں معجزے بھی ہیں، وہاں فرشتے بھی حرکت کرتے نظر آتے ہیں مگر بہرحال وہ پاک زندگی ایک انسان کی زندگی ہے، آپ ﷺ کی عظمت کی بنیادی بات یہ ہے کہ ایسی بے مثال زندگی ایک انسان نے عملی طور پر گزار کر دکھائی۔ زندگی میں کتنی تکلیفیں، پریشانیاں اُنہوں نے اُٹھائیں جتنی کوئی انسان اُٹھاتا ہے۔ ان کی زندگی پھولوں کی سیج نہیں تھی۔ مگر کامیابی کی راہ پر چلتے ہوئے چپہ چپہ پر آپ ﷺ نے جو قربانیاں پیش کی ہیں، وہ ہمارے لیے شاندار مثال ہیں۔ ہم اس سے عزم و ہمت کا درس لے سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سورۂ کہف میں ارشاد فرماتے ہیں ''فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا''

(ترجمہ) اب (اے پیغمبر!) اگر لوگ (قرآن کی) اس بات پر ایمان نہ لائیں، تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے تم افسوس کر کے ان کے پیچھے اپنی جان گنوا بیٹھو گے!۔''

ان سے ہم انسانیت کی فلاح اور بہبود کی خاطر انتھک محنت کرنے کا سبق لے سکتے ہیں۔ سیرت النبی ﷺ سے ہم فرض شناسی اور اصول کی پابندی کا سبق لے سکتے ہیں، اس سے بدی کی طاقتوں کے خلاف معرکہ آراء ہونے کی تڑپ اپنے اندر پیدا کر سکتے ہیں۔ اس سے ہم یتیموں، بیواؤں، کمزوروں کے حقوق ادا کرنے کا سبق سیکھ سکتے ہیں۔ انفرادی ذاتی زندگی بھی ان کی محفوظ ہے۔ صحابہ کرامؓ نے شاندار کارنامے سرانجام دیئے ہیں ان میں سے ایک یہ کہ آپ ﷺ کی ذاتی زندگی کی ایک ایک چیز بھی حدیث کی شکل میں محفوظ کر دی ہے۔ ہم ان سے سیکھ سکتے ہیں کہ مثالی باپ کیسا

ہوتا ہے، مثالی شوہر کیسا ہوتا ہے، مثالی دوست کیسا ہوتا ہے اور بے مثال حکمران کیسا ہوتا ہے۔ لیڈر کیسا ہوتا ہے، فاتح کیسا ہوتا ہے، ذاتی زندگی کی ساری حیثیتیں بے مثال ہیں۔ ہم واقعات پڑھتے جائیں گے اور اپنے لیے اصول اخذ کرتے جائیں گے۔ ان شاء اللہ پھر ان کو عمل میں لاتے جائیں گے۔ دعا کیجیے کہ اللہ مجھے بھی توفیق عمل دے اور اس کاوش کو قبول فرمائے۔



محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.....ایک تاریخ ساز شخصیت

دنیا میں بڑے آدمی بہت پیدا ہوئے اور ہوتے رہیں گے، کچھ بڑے لوگ وہ تھے جنہوں نے تعلیم اور تعمیری فکر پیش کی، وہ بھی ہیں جنہوں نے اخلاق وقانون کے نظام مرتب کئے، وہ بھی ہیں جنہوں نے اصلاح معاشرہ کے لیے کام کیا، وہ بھی ہیں جنہوں نے ملک فتح کیے اور بہادرانہ کارناموں کی میراث چھوڑی، وہ بھی ہیں جنہوں نے بڑی سلطنتیں چلائیں، وہ بھی ہیں جنہوں نے روحانی دنیا میں فقر و درویشی کے عجیب عجیب نمونے پیش کیے، کچھ وہ بھی ہیں جنہوں نے دنیا کے سامنے انفرادی اخلاق کا اونچے سے اونچا معیار قائم کر کے دکھایا، مگر ایسے بڑے آدمیوں کی زندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ ہی دیکھا گیا ہے کہ ان کی زندگی کا کوئی ایک ہی شعبہ بے مثال ہے، باقی دوسرے قابل مثال نہیں ہیں۔ ایک روشن ہے تو دوسرا تاریک، مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا ہر پہلو دوسرے پہلوؤں کے ساتھ پوری طرح متوازن بھی ہے اور ہر پہلو کمال کا نمونہ ہے۔ جلال ہے تو جمال بھی ہے، روحانیت ہے تو مادیت بھی ہے، معاد ہے تو معاش بھی ہے، دین ہے تو دنیا بھی ہے، خدا کی عبادت ہے تو اس کے ساتھ بندوں کے لیے محبت و شفقت بھی ہے۔ مضبوط نظم اجتماعی ہے تو فرد کے حقوق کا احترام بھی ہے۔ گہری مذہبیت ہے تو دوسری طرف ہمہ گیر سیاست بھی ہے۔ قوم کی قیادت میں انہماک ہے تو اس کے ساتھ ازدواجی زندگی کا نظام بھی خوب چل رہا ہے۔ مظلوموں کی دادرسی ہے تو ظالموں کے ہاتھ پکڑنے کا اہتمام بھی ہے۔ ان کی اس سیرت سے صحابہ کرامؓ نے کما حقہ فائدہ

اُٹھایا اور دنیا میں ان کے مشن کو لے کر اُٹھے تو چہار دانگ عالم میں فتح کے جھنڈے گاڑ دیئے۔ ان ممالک میں لوگوں نے سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پرَتو صحابہؓ کو دیکھا۔ ان سے معاملات کیے تو ان کے دل ان کے آگے جھک گئے اور قومیں کی قومیں مسلمان ہوگئیں اور جو نہ ہوئیں اُنہوں نے جزیہ دے کر رہنا منظور کیا اور اُنہوں نے مسلمان حکومت کے زیر سایہ سکون کی زندگی گزاری۔ ان میں یہودی بھی تھے اور عیسائی بھی، آتش پرست بھی تھے اور بتوں کی پوجا کرنے والے بھی۔ وہ سب اپنے اپنے مذہب پر عمل پیرا رہے۔ مسلمانوں نے تمام قوموں پر اپنے عدل و انصاف کے اثرات چھوڑے۔ بعد میں آنے والوں نے ان کی سیرت کا بغور مطالعہ کیا اور وہ ان کی سیرت کی خوبصورتی کا اقرار کیے بغیر نہ رہ سکے۔ ہم ان غیر متعصب افراد کا ذکر کر رہے ہیں جنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عظمت کا کھلے دل سے اعتراف کیا۔



محمد ﷺ مشاہیر کی نظر میں

محمد ﷺ کی شخصیت کا اعتراف کرنے والوں میں ہم سب سے پہلے امریکا کے مشہور مصنف مائیکل ایچ ہارٹ (Michael H. Harte) کا ذکر کریں گے جن کی مشہور زمانہ کتاب کا نام نیچے دیا گیا ہے

'The Hundred A Ranking of most influential Persons in History..Published in 1978'

اس کتاب میں اُنہوں نے محمد ﷺ کو پہلے نمبر پر رکھا ہے جبکہ اس میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام تیسرے نمبر پر ہیں۔ محمد ﷺ کی عظیم شخصیت کا لوہا دنیا کے بڑے بڑے دانشوروں نے مانا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اس کتاب کو مکمل کرنے میں ان کو 28 سال لگے۔ لندن میں ایک لیکچر کے دوران ان سے پوچھا گیا کہ آپ نے محمد ﷺ کو پہلے نمبر پر کیوں رکھا ہے؟ انہوں نے جواب دیا۔ ''611ء میں ایک شخص اُٹھ کر اعلان کرتا ہے کہ میں ''اللہ کا رسول'' ہوں۔ اسی وقت 4 لوگوں نے ان کی بات کو مان لیا۔ اُن کی بیوی، ان کا بہترین دوست اور دو بچے۔ اب جبکہ 1400 سال گزر چکے ہیں، ان کے ماننے والوں کی تعداد 1.5 بلین ہے۔ اور یہ تعداد روز بہ روز بڑھتی ہی جارہی ہے۔ وہ جھوٹا ہرگز نہیں ہوسکتا کیونکہ ایک جھوٹ 1400 سال تک نہیں چھپایا جاسکتا۔

دوسری بات یہ کہ ان کے ماننے والے آج بھی محمد ﷺ کو تکلیف پہنچانے والی بات برداشت نہیں کرسکتے۔ وہ ان پر اپنی جان قربان کرنے کے لیے تیار رہتے ہیں۔ کیا آج

کوئی ایک عیسائی ایسا ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے لیے اپنی جان قربان کرنے کو تیار ہو۔ یہ سن کر مجمع دَم بخود رہ گیا اور مجمع پر Pindrop Silance خاموشی چھا گئی۔

مس اینی بینٹ (Annie Besant)، ''The Life and teachings of Muhammad'' میں لکھتے ہیں ''یاد رکھیے اسلام کا قانون موجودہ زمانہ تک جبکہ اس کے بعض حصوں پر انگلینڈ میں بھی عملدرآمد شروع ہو گیا ہے۔ خصوصاً عورتوں کے حق میں دنیا بھر میں اسے سب سے زیادہ منصفانہ قانون تسلیم کیا جا چکا ہے۔

باسورتھ اسمتھ (Bosworth Smith) لکھتے ہیں ''میرے خیال میں حضرت محمد ﷺ سے متعلق تعجب خیز امر یہ ہے کہ اُنہوں نے قوت معجزہ سے نہیں کیا جو وہ کر سکتے تھے۔ ایک ایسی خوش بختی کی بناء پر جو تاریخ میں اپنی نظیر نہیں رکھتی۔ محمد ﷺ تین عناصر کے بانی ہیں، ایک قوم، ایک سلطنت اور ایک مذہب۔ تینوں کا بانی خود اَن پڑھ (اُمی) تھا، لیکن اس نے دنیا کو ایک ایسی کتاب دی جو شعر و نغمہ بھی اپنے اندر رکھتی ہے اور آئین و قانون بھی، محمد ﷺ کا یہی معجزہ ہے۔ مستقل معجزہ فی الحقیقت معجزہ۔

ماؤنٹ ٹالسٹائی کے بقول ''حضرت محمد ﷺ کا طرزِ عمل اخلاق انسانی کا حیرت انگیز کارنامہ ہے جو ہم یقین کرنے پر مجبور ہیں کہ حضرت محمد ﷺ کی تبلیغ و ہدایت خاص سچائی پر مبنی تھی۔

جارج برنارڈ شاہ لکھتا ہے ''میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ محمد ﷺ ایک عظیم ہستی اور صحیح معنوں میں انسانیت کے نجات دہندہ ہیں۔ اگر پیغمبر اسلام کو آج بھی اس دنیا کا رہنما (ڈکٹیٹر) بنا دیا جائے تو ساری دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن جائے۔''

مسٹر جارج سیل قرآن پاک کے انگریزی ترجمے میں لکھتے ہیں کہ ''محمد ﷺ

کامل طور پر فطری قابلیتوں سے آراستہ تھے، شکل میں نہایت خوبصورت، فہم، دوررس عقل والے، پسندیدہ اور خوش اطوار غرباء پرور، ہر ایک سے متواضع دشمنوں کے مقابلے میں صاحب شجاعت تھے۔''

سر ولیم میور (Sir William Meyor) مشہور مستشرق اپنی کتاب '' The Life of Muhammad'' میں لکھتا ہے۔ ''ہمیں بلا تکلف اس حقیقت کا اعتراف کر لینا چاہیے کہ تعلیم نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان تاریک توہمات کو ہمیشہ کے لیے جزیرۂ عرب سے نکال دیا جو صدیوں سے اس ملک پر چھائے ہوئے تھے۔ بت پرستی جلاوطن ہوگئی۔ توحید اور رحمت الٰہیہ کا موجودہ تصور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیروکاروں کے دلوں کی گہرائیوں اور زندگیوں میں بھر گیا۔ دیگر معاشرتی اصلاحات کی بھی کوئی کمی نہیں رہی۔

پروفیسر تھامس کارلائل اپنی کتاب ''Heroes and Hero Worship'' میں لکھتا ہے ''بانی اسلام کے ناقابل انکار فضائل کا انکار انصاف کا خون کرنا اور حق پسندی کی پیشانی پر کلنک کا ٹیکہ لگانا ہے۔ ہمارے خیال میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وجود جن کا مرتبہ انسانی عظمت کی بلندیوں سے کہیں اونچا ہے، دنیا کی باعظمت ہستیوں میں فضائل و صفات کے لحاظ سے بے مثال ہے۔''

مہاتما گاندھی (Mahatma Gandhi) کہتے ہیں ''سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مطالعے سے میرے اس عقیدہ میں مزید پختگی اور استحکام آ گیا کہ اسلام نے تلوار کے بل پر اثر و رسوخ حاصل نہیں کیا بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انتہائی بے نفسی، اپنے رفقاء کے ساتھ گہری وابستگی، جرأت، بے خوفی، اللہ پر کامل بھروسہ، اپنے مقصد و نصب العین کی حقانیت پر کامل اطمینان اسلام کی کامیابی کے حقیقی اسباب تھے۔ یہ صفات اپنے

راستہ کی ہر مشکل اور ہر رکاوٹ کو اپنی رو میں بہا کر لے گئی''۔

ڈاکٹر گبن (Doctor Gibbon) یوں رقم طراز ہیں: ''محمد ﷺ کی نرم دلی صرف قبیلہ قریش یا مکہ کی چار دیواری تک محدود نہ تھی، خانہ کعبہ میں اکثر جایا کرتے تھے، جہاں ہر قبیلہ کے لوگوں سے ملاقات ہوتی۔ ان سے انفرادی گفتگو فرماتے اور ایک خدا کو ماننے کی تلقین کرتے تھے۔ ہر شخص کو اس کے ضمیر کی آزادی دیتے تھے، کسی سے سختی اور زیادتی کا برتاؤ نہ کرتے۔ قوم عاد اور قوم ثمود کے واقعات سے ان کو عبرت کا سبق دیتے۔ جو چیز ہمارے لیے سب سے زیادہ سبب حیرت ہے، وہ اسلام کی جلد اشاعت نہیں بلکہ اس کی تعلیم کی ابدی حقائق پر مبنی ہونا ہے۔ وہ ہے سادہ مگر مکمل نقش جو محمد ﷺ عربی ہے مکہ اور مدینہ میں انسانی قلوب میں اُتارا جو بارہ صدیوں کے انقلاب کے باوجود ہندوستان سے افریقہ تک ان میں محفوظ چلا آتا ہے۔ لا الہ الا اللہ اور محمد رسول اللہ اسلام کا سادہ عقیدہ ہے۔

اسٹینلے لین پول، کہتا ہے۔ ''آپ ﷺ نہایت پرجوش تھے مگر آپ ﷺ کا یہ جوش نہایت شریفانہ تھا۔ آپ ﷺ ایک پاک مقصد لیے پیدا ہوئے تھے۔ آپ ﷺ کی ذات ان چند افراد میں سے ہے جنہوں نے عظیم الشان پیغام کو اپنی زندگی کا مقصد بنایا۔ آپ ﷺ کی صفات حمیدہ ایسی عجیب وغریب اور ایسی باکمال ہیں کہ انسانی عقل سمجھنے سے قاصر ہے۔ ایک قوم نفرت کرتی ہے، ان سے مقابلہ کرتے ہیں۔ آپ سے محبت بھی کی جاتی ہے لیکن آپ ﷺ کا خلق عظیم کبھی آپ ﷺ سے جدا نہیں ہوتا۔ بچوں سے محبت کرتے ہیں، لوگوں سے میٹھی زبان میں بات کر کے ان کو مسرور کرتے ہیں۔ اعلیٰ درجہ کی سخاوت ہے، شجاعت مردانہ ہے۔ یہ خصوصیات ہمیں ان کی ثناء میں مصروف رکھتی ہے۔

نپولین بوناپارٹ، یورپ کا عظیم جرنیل اور فرانس کا ڈکٹیٹر یہ اقرار کرتا ہے ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی دراصل دنیا کے سردار ہیں، جن کے بارے میں حضرت مسیح علیہ السلام نے یہ خوشخبری دی تھی کہ میرے بعد وہ دونوں جہاں کا سردار آئے گا۔''

ایچ جی ویلز، اپنی کتاب ''Out Line of History'' میں لکھتا ہے ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سچائی کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قریبی لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دنیا میں آ کر ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل کی، جس سے ظلم اور سفا کی یکسر ختم ہوگئی۔



عرب لوگوں کی بہترین صفات

ہم جب تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں کہ اسلام سے پہلے عرب کی کیا حالت تھی تو پتہ چلتا ہے کہ وہ تمام اخلاقی برائیاں پائی جاتی تھیں جو آج دنیا میں پائی جاتی ہیں۔ زنا، شراب نوشی، بات بات پر قتل عام روزمرہ کا دستور تھا۔ معاشی حالت بہت خستہ تھی، اُجڈ اور جاہل قوم تھی۔ مکہ میں پڑھے لکھے لوگوں کی تعداد اُنگلیوں پر گنی جاسکتی تھی۔ تو یہ جہالت میں ڈوبے ہوئے لوگ، دنیا سے کٹے ہوئے درماندہ لوگ، یہ غریب وخستہ حال لوگ جو عرب میں مقیم تھے اور کسریٰ اور روم کی سلطنتیں ان کو درخور اعتناء نہ سمجھتی تھیں، اس لیے یہ ہمیشہ آزاد رہے اور محکومی کی ذلت سے آشنا نہ ہوئے۔ اللہ سبحانہٗ تعالیٰ جب سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھیجنے کا فیصلہ کرتے ہیں تو اسی علاقے کو منتخب کرتے ہیں، ان ہی میں سے ایک پاک روح کا انتخاب کرتے ہیں، تو عقل سوچتی ہے کہ آخر وہ ایسی کیا خصوصیات تھیں جس سے ان کا انتخاب کیا گیا۔ ذیل میں ہم ان کی ایسی ہی صفات کا تذکرہ کریں گے جن سے کام لے کر ان عربوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مل کر دنیا میں ایک عظیم انقلاب پیدا کر دیا۔

(۱) کرم وسخاوت

اس میں وہ ایک دوسرے سے آگے نکل جانے کی کوشش میں لگے رہتے تھے۔ ان کی شاعری کا آدھا حصہ اسی پر مبنی ہے یا تو اپنی تعریف کی یا کسی اور کی سخاوت کے قصے بیان کیے گئے۔ اگر سردی کے موسم میں کوئی مہمان آجاتا اور میزبان کے پاس صرف گزارہ کے

لیے ایک اونٹنی ہوتی تو اس پر سخاوت کا ایسا جوش غالب آتا کہ وہ اسے ان کے لیے ذبح کر دیتا۔ یہ ان کے کرم ہی کا نتیجہ تھا کہ بڑی بڑی دیت اور مالی ذمہ داریاں اُٹھاتے۔ انسانوں کو بربادی اور خوں ریزی سے بچا کر دوسرے سرداروں کے سامنے فخر کا اظہار کرتے۔ اسی کرم کے لیے وہ شراب نوشی پر فخر کرتے تھے کیونکہ شراب کی حالت میں ہوش گنوا کر سخاوت کرنا آسان ہو جاتا تھا۔ اس کرم ہی کی وجہ سے وہ جوا کھیلتے تھے۔ ''جوا'' سے جو وہ کماتے یا جو حصہ بھی ان کے پاس ہوتا، مسکینوں کو دے دیتے تھے۔

(۲) ایفائے عہد

عہد کی حیثیت دنیا کی تھی۔ اس راہ میں اپنی اولاد کا خون اور اپنے گھر بار کی تباہی کی بھی کوئی وقعت نہ تھی۔ تاریخ میں ہمیں ایسے کئی واقعات ملتے ہیں کہ جب بیٹے کے قاتل نے گھر میں پناہ کی درخواست کی تو اسے پناہ دی پھر پتہ چلا کہ اس نے ہی ان کے بیٹے کو قتل کیا ہے تو بھی اسے پناہ دیئے رکھا اور بحفاظت فرار کرا دیا کہ میرے دوسرے بیٹے تمہیں قتل کر دیں گے۔

(۳) خودداری اور عزتِ نفس

اس پر قائم رہنا اور ظلم و جبر برداشت کرنا بھی جاہلیت کے اخلاق میں سے تھا۔ جس کے نتیجے میں شجاعت و غیرت حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ ذرا ذرا سی بات جس سے ذلت و اہانت کی بو آتی اس پر بھڑک اُٹھتے۔ تلوار اُٹھا لیتے اور نہایت خون ریز جنگ چھیڑ

دیتے۔اس راہ میں جان کی کوئی پرواہ نہ ہوا کرتی۔

(۴) عزائم کی تنفیذ

جب کسی کام کو فخر کے اظہار کا ذریعہ سمجھ لیتے تو اس کی راہ میں آنے والی رکاوٹوں کی پرواہ نہ کرتے۔وہ جان پر کھیل کر اس کام کو انجام دیتے۔

(۵) حلم و بردباری اور سنجیدگی

یہ خوبی بھی فخر کے لائق سمجھی جاتی تھی۔مگر ہر وقت کی جنگ کی تباہ کاریوں میں یہ خوبی دب گئی تھی۔

(۶) بدوی سادگی

دنیا کے تہذیب وتمدن سے دور رہنے کی وجہ سے اس کی برائیوں سے دور تھے۔اسی لیے ان میں سچائی اور امانت پائی جاتی تھی۔وہ فریب کاری اور بدعہدی سے دور اور متنفر تھے۔
یہ بڑے قیمتی اخلاق تھے جو تھوڑی سی اصلاح کے بعد بڑے مفید بن گئے اور ان ہی بدوؤں نے اسلام کا پرچم ہاتھ میں لیا تو جان کی بازی لگا کر اس کو دنیا کے ایک بڑے حصہ پر لہرا دیا۔

رسول ﷺ سے محبت اور آپ ﷺ کا حلیہ مبارک

ہم سب مسلمان محمد ﷺ سے بہت محبت کرتے ہیں۔اس لیے کہ یہ ایمان کا جزو ہے۔ نبی ﷺ نے فرمایا ''لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى أَكُونَ أَحَبَّ إِلَيْهِ مِنْ وَالِدِهِ وَوَلَدِهِ وَالنَّاسِ أَجْمَعِينَ''

(صحیح بخاری کتاب الایمان، حدیث:۱۵)

''تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں جب تک کہ محمد ﷺ اس کو، اپنے بیٹے، باپ اور تمام انسانوں سے زیادہ محبوب نہ ہوں۔''

ایک اور حدیث میں فرمایا: ''تم میں سے ہر شخص کو محمد ﷺ کی ذات اپنی ذات سے زیادہ محبوب ہوگی تو ایمان مکمل ہوگا۔

اگر اللہ سے محبت کرتے ہو تو محمد ﷺ کی اتباع سے اللہ کی محبت بھی حاصل ہوجائے گی۔اللہ تعالیٰ قرآن پاک میں فرماتا ہے۔

قُلْ إِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللهُ (سورۂ آل عمران)

ترجمہ: (اے نبی ﷺ) کہہ دیجیے کہ اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا۔

محمد ﷺ اپنے بعد کی آنے والی نسلوں سے بہت محبت کا اظہار کرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''بعد کی آنے والی نسلوں میں میرے بھائی پیدا ہوں گے جو مجھ سے بہت محبت کریں گے۔ اگرچہ اُنہوں نے مجھے دیکھا نہ ہوگا، مگر ہر شخص کی تمنا ہوگی کہ وہ اپنا مال و دولت سب کچھ دے کر میری ایک جھلک دیکھ سکتا۔صحابہ کرامؓ نے کہا

یارسول اللہ! کیا وہ ہم لوگ نہیں ہیں۔ فرمایا: تم میرے صحابہ ہو۔

صحابی وہ ہے جس نے محمد ﷺ کو ایمان کی حالت میں دیکھا ان سے ملاقات کی اور تابعین وہ ہیں جنہوں نے صحابہ کرامؓ کو دیکھا اور ان سے ملاقات کی اور تبع تابعین وہ لوگ تھے جنہوں نے تابعین کو دیکھا اور ان سے ملاقات کی۔

تو بس آج کے 1442 ہجری کے لوگوں کے لیے خوشخبری ہے کہ ہم میں سے جس نے محمد ﷺ سے محبت کی وہ رسول اللہ ﷺ کا جنت میں ساتھی شمار ہوگا۔

ہم مسلمان محمد ﷺ سے بہت محبت کرتے ہیں، اس لیے کہ اُنہوں نے پوری انسانیت تک اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے انتھک محنت کی اور پوری زندگی اس راہ کے لیے وقف کردی۔ جتنی تکالیف اس راہ میں کام کرنے والوں کو پیش آنی ممکن ہیں، ان تمام مصائب سے وہ مردانہ وار استقلال کے ساتھ گزرے اور کبھی اس راہ کو نہیں چھوڑا اور ہمارے لیے زندگی کا مقصد متعین کر گئے کہ حالات جو بھی ہوں، صبر کا دامن نہیں چھوڑنا۔ اللہ سے تعلق مضبوط سے مضبوط تر کرنا یہاں تک کہ اللہ سے ملاقات کا وقت آجائے۔

ہم سب کو زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی دی گئی، چاہے وہ ہمارے گھریلو معاملات، شادی بیاہ، طلاق وعدت کے مسائل ہوں یا معاشی کاروباری معاملات، جنگ کے قوانین ہوں یا ایفائے عہد کی مثالیں، حکومت چلانے کے طریقے ہوں یا لوگوں کی تربیت کرنے کے طریقے، میڈیا کے قوانین ہوں یا جرائم پر سزاؤں کے نفاذ کے قوانین، غرضیکہ انسانیت کی بھلائی کے تمام طریقوں کو ہمیں سکھا گئے۔

ہمیں اُنہوں نے سکھایا کہ محبت، ہمدردی اور بہترین سلوک کے نوع انسان تو مستحق ہیں ہی مگر جانوروں کو بھی ہمیں نہیں بھولنا چاہیے۔ ان کے ساتھ بھی انتہائی ہمدردی کا سلوک کرنا چاہیے۔ وہ جانوروں کے کھیل ہوں یا ان پر حد سے زیادہ بوجھ ڈالنا ہو یا

ان کے بچوں کو تنگ کرنا ہو یا قربانی دیتے وقت بے رحمی کا سلوک ہو وغیرہ وغیرہ۔

ساری ساری رات نماز میں گزارتے، اپنی امت کے لیے دعائیں کیا کرتے تھے۔ ہم بھی ان کی امت کے افراد ہیں، ہماری بھلائی کیلئے وہ فکرمند رہتے اور دعائیں کرتے بغیر کسی غرض کے۔ آپ ﷺ نے ہم سے بے لوث محبت کی ہے، ہم بھی آپ ﷺ سے محبت کرتے ہیں۔ جس سے محبت کی جاتی ہے اس کے متعلق انسان زیادہ سے زیادہ جاننا چاہتا ہے، اس کا حلیہ کیسا تھا۔ اس کے لباس کا کیا معمول تھا، وہ کس طرح کے لباس پسند کرتے تھے، کس طرح کی غذا کھاتے تھے، کس طرح بات کرتے تھے، کس طرح کی چال تھی۔ لوگوں سے معاملات کیسے تھے۔ بیویوں اور بچوں سے کیا رویہ تھا۔ وغیرہ وغیرہ۔ ان سب کا ذکر ان شاء اللہ کسی نہ کسی عنوان کے اندر آئے گا۔ اس جگہ ہم محمد ﷺ کو دیکھنے کی تمنا رکھتے ہوئے کس طرح ان سے ملاقات کر سکتے ہیں، اس کا ذکر کریں گے یعنی ''حلیہ مبارک''۔

یہ حلیہ ہے جو متواتر بہت سی حدیثوں میں بیان ہوا ہے۔ اگر ہم غور سے پڑھیں تو یہ ہمارے ذہن میں ایک بہت خوبصورت تصویر کو جنم دیتا ہے اور ایک خوشی کا احساس پیدا کرتا ہے۔

رخ مصطفیٰ ہے وہ آئینہ کہ اب ایسا دوسرا آئینہ
نہ ہماری بزم خیال میں، نہ دکان آئینہ ساز میں

سب سے تفصیلی و خوبصورت بیان ہم کو حضرت اُم معبدؓ کا ملتا ہے جس وقت رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ مکہ سے ہجرت فرما رہے ہوتے ہیں اور دورانِ سفر ان کو ایک خیمہ نظر آتا ہے۔ اُم معبد کے شوہر گھر پر نہیں ہیں، وہ مسلمان بھی نہیں ہیں، اجنبی مسافر کو دیکھتی ہیں جو گھر کے کونے میں بندھی بکری کو دیکھ کر دودھ دوہنے کی اجازت مانگتے ہیں۔ وہ لاغر بکری سے دودھ کی کوئی اُمید نہ رکھتے ہوئے اجازت

دے دیتی ہیں، حضور ﷺ کے مبارک ہاتھوں کی برکت سے دودھ کی دھاریں پھوٹ بہتی ہیں۔ حضور ﷺ نے خود بھی، ابوبکرؓ نے بھی اور اُم معبدؓ سب نے سیر ہوکر پیا اور دودھ سے بھرے برتن کو چھوڑ کر اپنی منزل کی طرف روانہ ہوجاتے ہیں۔ جب ان کے شوہر آتے ہیں اور دودھ دیکھ کر ماجرا پوچھتے ہیں اور بابرکت اجنبی کے بارے میں دریافت کرتے ہیں، تو وہ فرماتی ہیں چمکتا رنگ، تابناک چہرہ، بدن کی خوبصورت بناوٹ، سینہ اور پیٹ برابر، توند بالکل نہیں، خوبصورت گھنے سر کے بال، آنکھیں سرمے کے بغیر سرگیں، لمبی پلکیں، بھاری مردانہ آواز، لمبی گردن، باریک اور باہم سے ملے ہوئے ابرو، سفید و سیاہ آنکھیں، چمکدار کالے بال، خاموش رہے تو باوقار، بات کریں تو پرکشش، بات واضح اور دوٹوک، نہ مختصر نہ فضول، انداز ایسا گویا لڑی سے موتی جھڑ رہے ہوں۔ درمیانہ قد نہ چھوٹا نہ بہت لمبا کہ ناگوار لگے، دیکھنے میں تابناک اور پرجمال۔

حضرت علیؓ کا بیان ہے ''آپ ﷺ نہ چھوٹے قد کے تھے کہ عیب دار معلوم ہوں اور نہ بہت لمبے کہ ناگوار لگیں، درمیانہ قد کے تھے، بال نہ سیدھے نہ گھنگھریالے، ہلکی سی لہریں لیے ہوئے تھے۔ رخسار بہت پرگوشت نہ تھے، چہرہ کسی قدر گولائی لیے ہوئے تھا۔ رنگ گورا اور گلابی آنکھیں سرخی مائل، لمبی پلکیں، سینہ پر سینے سے ناف تک بالوں کی لمبی لکیر، بقیہ جسم بال سے خالی، ہاتھ اور پاؤں کی اُنگلیاں پرگوشت، چلتے تو قدرے جھٹکے سے، پاؤں اُٹھاتے اور قدم جما کر چلتے گویا کسی ڈھلوان سے اُتر رہے ہوں۔ جوڑوں اور مونڈھوں کی ہڈیاں بڑی بڑی، دونوں کاندھوں کے درمیان مہر نبوت تھی، جو اچانک آپ ﷺ کو دیکھتا ہیبت زدہ رہ جاتا، جو جان کر ملتا آپ ﷺ سے محبت کرنے لگتا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ آپ ﷺ کی ہتھیلیاں کشادہ تھیں، اور رنگ چمکدار، نہ خالص سفید نہ گندمی رنگت، سرخی مائل ملاحت لئے ہوئے۔

ربیع بنت معوذ کہتی ہیں اگر تم حضور ﷺ کو دیکھتے تو لگتا تم نے سورج کو طلوع ہوتے ہوئے دیکھا ہے۔ آپ ﷺ کے پسینے سے خوشبو آتی، اُم سلیم نے پسینے کو ایک بوتل میں رکھ لیا تھا اور خوشبو و برکت کے لیے استعمال کیا کرتیں۔

حضرت جابر بن سمرہؓ کہتے ہیں میں نے ایک بار چاندنی رات میں آپ ﷺ کو دیکھا، آپ ﷺ سرخ دھاریوں والا جوڑا پہنے ہوئے تھے، کبھی میں رسول اللہ ﷺ کو دیکھتا اور کبھی چاند کو۔ آخر اس نتیجے پر پہنچا کہ آپ ﷺ چاند سے زیادہ خوبصورت ہیں۔ جب آپ ﷺ خوش ہوتے تو چہرہ چمک اُٹھتا، گویا چاند نکل آیا ہے اور جب غضبناک ہوتے تو چہرہ سرخ ہوجاتا گویا کسی نے انار نچوڑ دیا ہو۔ آپ ﷺ ہنستے تو صرف تبسم فرماتے۔ آپ ﷺ کے آگے کے دونوں دانت الگ الگ تھے، جب آپ ﷺ بات کرنے لگتے تو ایسا محسوس ہوتا جیسے ان کے درمیان سے نور نکل رہا ہو۔

دوسرا باب

خاندانی پس منظر

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت کے تذکرہ سے پہلے ضروری ہے کہ ان حالات کا جائزہ لے لیا جائے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ظہور کا وقت قریب آ لگا تھا اور آس پاس کی دنیا کے حالات ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آمد کے منتظر تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاندان کے بارے میں کچھ معلومات دی جاتی ہیں۔

نسب

محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب (شیبہ) بن ہاشم بن عبد مناف بنی قصی (زید) بن کلاب بن مرہ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر (ان کا لقب قریش تھا ان ہی کی طرف قبیلہ قریش منسوب ہے)

خاندان

جب بنوعبد مناف اور بنوعبدالدار کے درمیان عہدوں کی تقسیم ہوچکی تو عبد مناف کی اولاد میں ہاشم کے حصہ میں حرم کی دو خدمتیں آئیں، سقایہ حجاج کرام کو پانی پلانا اور رفادہ یعنی ان کی میزبانی کرنا۔ ہاشم بڑے مالدار شخص تھے، اُنہوں نے مکہ میں حاجیوں کو شوربہ اور روٹی ملا کر کھانا فراہم کیا، ان کا اصل نام عمرو تھا۔ مگر شوربہ میں روٹی توڑ کر ڈالی جاتی تھی، اس لیے ان کو ''ہاشم'' (توڑنے والا) کہا جانے لگا۔ یہ پہلے آدمی

ہیں جنہوں نے قریش کے لیے گرمی اور جاڑوں میں دو تجارتی سفروں کی بنیاد رکھی۔ ان کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ جب وہ تجارتی سفر کے لیے شام جا رہے تھے تو راستے میں مدینہ میں قیام کیا اور وہاں قبیلہ بنی نجار کی لڑکی سلمٰی بنت عمرو سے شادی کر لی۔ کچھ دن ٹھہرنے کے بعد جب سفر کا قصد کیا تو بیوی حاملہ تھیں، خود تو شام گئے پھر فلسطین کے شہر غزہ میں انتقال کر گئے۔ 497ء میں بچہ پیدا ہوا اور اس کا نام ''شیبہ'' رکھا گیا۔ ہاشم کے خاندان میں کسی کو اس کا علم نہ ہو سکا۔ ہاشم کی دوسری بیویوں سے کل 4 بیٹے اور 5 بیٹیاں تھیں۔

ہاشم کی وفات کے بعد سقایہ اور رفادہ کی ذمہ داری ان کے بھائی مطلب کے حصے میں آئی۔ شیبہ جب 12 سال کے ہوئے تو مطلب کو اطلاع ہوئی تو وہ ان کو لینے گئے اور اونٹ پر بٹھا کر جب مکہ آئے تو لوگوں نے اُنہیں دیکھ کر ''عبدالمطلب'' (مطلب کا غلام) کہا، وہ لاکھ کہتے رہے کہ یہ شیبہ ہے میرا بھتیجا مگر عبدالمطلب نام مشہور ہو گیا۔ اُنہوں نے ان کو پالا اور جب وہ وفات پا گئے تو ان کے چھوڑے ہوئے مناصب عبدالمطلب کے حصہ میں آئے۔ اُنہوں نے بڑی خدمت کی اور شرف و اعزاز پایا۔ ان کی زندگی میں دو بڑے واقعات پیش آئے ایک چاہ زمزم کی کھدائی اور دوسرے واقعہ فیل۔

چاہِ زم زم

حضرت عبدالمطلب دین ابراہیمی کے ماننے والے تھے اور قریش میں پہلے شخص تھے جو ماہ رمضان میں غارِ حرا میں جا کر عبادت کرتے۔ عبدالمطلب نے ایک روز

خواب دیکھا کہ وہ زمین کھود رہے ہیں، ان کو خواب میں جگہ بھی بتائی گئی۔ یاد رہے جب بنو جرہم مکہ سے گئے تھے تو اُنہوں نے زم زم کا کنواں بند کر دیا تھا اور کعبہ کی چیزیں اس میں ڈال کر کنویں کو بند کر دیا تھا۔ پھر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ کنویں کا نام ونشان مٹ گیا اور اس جگہ پر کچھ اور تعمیرات ہو گئیں جو جگہ عبدالمطلب کو خواب میں دکھائی گئی وہاں پر بتوں کی قربان گاہ بنائی گئی تھی۔ جب عبدالمطلب نے کھدائی کا ارادہ ظاہر کیا تو کسی نے ساتھ نہ دیا کیونکہ بتوں کی قربان گاہ کو کھودنا ان بتوں کو ناراض کرنے کے مترادف تھا تو پھر اُنہوں نے خود ہی کھودنے کا ارادہ کیا۔ اپنے بیٹے حارث کو ساتھ لے لیا۔ کھدائی شروع کی تو اندر سے تلواریں، زرہیں، سونے سے بنے ہوئے ہرن ملے۔ ان اشیاء کو کام میں لا کر کعبہ کا دروازہ بنایا گیا اور سونے کے ہرن اس کی سجاوٹ کے لیے وہاں فٹ کر دیئے گئے۔ زم زم کا کنواں نمودار ہو گیا تھا اور لوگوں نے اس پاک پانی سے مستفید ہونا شروع کر دیا۔ عبدالمطلب نے اسی وقت یہ نذر مانی کہ اگر ان کے 10 بیٹے ہوئے تو وہ ایک بیٹے کو کعبہ کے لیے قربان کریں گے۔ اللہ نے ان کو دس بیٹے عنایت کیے۔

حضرت عبدالمطلب کے بیٹے

1- حارث 2- زبیر 3- ابولہب 4- ابوطالب
5- ضرار 6- المقوم 7- مغیرہ 8- الغیداق
9- قثم 10- عبداللہ

جب ان کے دس بیٹے جوان ہو گئے تو ان کو اپنی منت پوری کرنے کا خیال آیا۔

خانہ کعبہ میں قرعہ اندازی کی گئی تو ''حضرت عبداللہ'' کا نام نکلا۔ عبدالمطلب کے یہ سب سے خوبصورت پاکباز اور چہیتے بیٹے تھے۔ قریش نے اپنے شفیق سردار سے کہا ''اگر آپ نے انسانی قربانی کی رسم ڈالی تو بچوں کو قربان کرنے کا رواج پڑ جائے گا۔ یہ ایک بدترین رسم ہوگی جس کے بانی آپ ہوں گے۔'' پھر کافی غور وخوض اور مشوروں کے بعد یہ حل نکالا گیا کہ فال پر دس اونٹ اور عبداللہ ڈالیں اگر اونٹ نکل آئے تو ٹھیک ورنہ 10 اونٹ اور بڑھا دیں۔ اس طرح دس اونٹ بڑھاتے گئے اور عبداللہ کا نام نکلتا رہا، یہاں تک کہ 100 اونٹ پر پانسا اونٹوں پر نکل آیا جو فدیہ میں ذبح کر دیئے گئے۔ اس دن کے بعد سے یہ ہی 100 اونٹ انسانی جان کا خون بہا قرار پایا جو شارع اسلام محمد ﷺ نے بعد میں برقرار رکھا اور آج تک برقرار ہے۔ اسی واقعہ کی بناء پر عبداللہ کا نام ''ذبیح'' پڑ گیا۔ حضور اکرم ﷺ فرماتے تھے ''میں دو ذبیحوں کی اولاد ہوں، پہلے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور دوسرے ذبیح حضرت عبداللہ، پہلی قربانی کا فدیہ ایک مینڈھا تھا اور دوسری کا 100 اونٹ۔''

حضرت عبداللہ کی شادی اور وفات

واقعہ فدیہ کی وجہ سے حضرت عبداللہ کی بڑی شہرت ہوگئی تھی۔ مکہ کی اکثر عورتیں آپ سے شادی کی خواہشمند تھیں۔ بنی زہرہ کے ایک بزرگ سردار وھب بن عبد مناف نے اپنی بیٹی آمنہ کا رشتہ حضرت عبداللہ کے لیے ان کے پاس بھجوایا۔ آمنہ حسب ونسب، عفت وحسن میں ممتاز تھیں۔ سو عبدالمطلب نے ان کا رشتہ قبول کرلیا۔ حضرت عبداللہ کی عمر اس وقت 25 سال اور بی بی آمنہ کی عمر 20 سال تھی۔ یہ شادی

جمادی الثانی 54 قبل ہجرت ہوئی۔نسب کے اعتبار سے یہ دونوں خاندان اوپر کی پیڑھی کلاب پر جا کر مل جاتے ہیں۔شادی کو کچھ ہی عرصہ گزرا تھا اور عبداللہ کا نور حضرت آمنہ کو امین نور نبوت بنا گیا۔

قریش کا ایک تجارتی قافلہ ملک شام جا رہا تھا۔حضرت عبداللہ بھی مال تجارت لے کر ان کے ساتھ سفر پر روانہ ہو گئے۔واپسی میں بیمار ہو گئے۔یثرب کے قریب تکلیف بڑھ گئی تو اپنے ننھیال بنی عدی بن نجار میں جا ٹھہرے۔وہیں پر وقت آخر آ گیا اور یثرب میں خاک کی چادر اوڑھ کر ابدی نیند سو گئے۔بی بی آمنہ نے یہ داغِ مفارقت خندہ پیشانی سے سہا۔وہ ایک ذہین خاتون تھیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کو خوابوں کے ذریعے تسلی دی کہ وہ ایک عظیم انسان کو جنم دینے والی ہیں۔

ترکہ

تاجر باپ نے ترکہ میں بہت کچھ چھوڑا۔اس ترکہ کی تفصیل یہ بیان کی جاتی ہے ایک خاتون غلام ام ایمن (برکہ) اور دو مرد غلام شقران اور صالح تھے۔اس کے علاوہ 5 بڑے اعلیٰ نسل کے اونٹ تھے اور بھیڑوں کا ایک گلہ بھی وراثت میں ملا۔شہر مکہ میں حضرت عبداللہ کی ایک دکان تھی جس میں کپڑا فروخت بھی ہوتا تھا اور سلتا بھی تھا۔سامان جنس میں بہت کچھ نقد، کھجور اور چمڑا تھا جو قریش کے دستور کے مطابق تجارت میں لگایا جاتا اور اس سے نفع ملتا۔

شیبہ بن ہاشم کے جس مکان میں بی بی آمنہ رہتی تھیں، وہ بھی عبداللہ کے حصے میں آیا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو وراثت میں ملا۔مگر دادا اور والدہ کی وفات کے بعد ابوطالب نے جس

محبت سے ان کی پرورش کی اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ کیونکہ ایک بچے کو ایک سرپرست کی ضرورت ہوتی ہے۔ گو کہ اس کے پاس دولت کی وافر مقدار موجود ہو۔

واقعہ ابرہہ

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے صرف 50 دن پہلے شہر مکہ کے لوگوں نے حرم کعبہ کے ساتھ ابرہہ کی فوج کی گستاخی اور اس کا انجام بد دیکھا تھا۔ یہ مکہ کی تاریخ کا انتہائی عجیب وغریب واقعہ تھا۔ یمن کے سردار ابرہہ نے صنعا میں بڑا گرجا گھر بنایا تھا تاکہ لوگ اس میں آکر اللہ کی عبادت کریں اور در پردہ سبب اس کی عربوں کی تجارتی شاہراہ پر قبضہ کرنا تھا جو عربوں کی معیشت کی جڑ تھی۔ ادھر کسی نے اس گرجا گھر میں جا کر رفع حاجت کر دی جس پر اس کو غصہ آ گیا۔ اس نے 60,000 کا لشکر جمع کیا۔ اس میں گیارہ ہاتھی بھی شامل تھے اور بیت اللہ حرم کعبہ کو گرانے چل پڑا۔ بیت اللہ سے قریب ہی اس کا ہاتھی ''محمود'' اڑ گیا اور آگے نہ گیا۔ عبدالمطلب اس کے پاس آئے اور اپنے 1200 اونٹوں کا مطالبہ کیا جو ابرہہ نے قبضہ میں لے لیے تھے۔ اس نے پوچھا کعبہ کا کیا کرو گے۔ عبدالمطلب نے کہا جس کا گھر ہے وہی حفاظت کرے گا۔ میں اپنے مال کا ذمہ دار ہوں۔ اس نے اونٹ واپس کر دیئے۔ عبدالمطلب نے مکہ والوں سے کہا پہاڑوں میں چلے جاؤ۔ چنانچہ سب لوگ پہاڑوں میں پناہ گزیں ہو گئے اور اللہ نے اپنے گھر کی حفاظت ابابیلوں سے کروائی۔ خاص قسم کے پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ آئے، جن کے پنجوں میں کنکر تھے وہ اُنہوں نے برسائے، جس پر بھی وہ کنکر گرتا، اس کے اعضاء ٹوٹ کر گرنے لگتے۔ ابرہہ واپس بھاگا، مگر وہ اور اس کی فوج اللہ کے

عذاب کا شکار ہوگئی۔ اس کا تفصیلی ذکر ''سورۃ الفیل'' میں آیا ہے۔ ابرہہ کا یہ واقعہ بہت مشہور ہوا اور لوگوں میں یہ بات پھیل گئی کہ کوئی ایسا بندہ پیدا ہونے والا ہے جو دنیا میں انقلاب لائے گا اور کعبہ کو نجاستوں سے پاک کرے گا۔ خود مکہ کے لوگوں نے بھی طویل عرصہ تک صرف خدائے واحد کی عبادت کی۔ یہ واقعہ بیشتر اہل سیر کے نزدیک محمد ﷺ کی پیدائش سے صرف 50 دن پہلے پیش آیا تھا۔ فروری 571ء میں اس وقت کی دو سپر پاورز رومن اور اہل فارس تھیں۔ حبشہ کا رومیوں سے گہرا تعلق تھا۔ مگر اس واقعہ کے بعد اہل فارس نے بڑی جلد یمن پر قبضہ کر لیا۔

اس واقعہ کی وجہ سے دنیا کی نگاہیں خانہ کعبہ کی طرف متوجہ ہوگئیں۔ اُنہیں بیت اللہ کے شرف و عظمت کا ایک خدائی نشان نظر آ گیا اور یہ بات دلوں میں بیٹھ گئی کہ اس گھر کو اللہ نے تقدیس کے لیے منتخب کیا ہے۔ جس طرح بہار آنے سے پہلے اس کی علامتیں نمایاں ہونے لگتی ہیں، بارش ہونے سے پہلے ہی ٹھنڈی ہوائیں جسم و روح کو شادماں کرتی ہیں۔ اسی طرح رسول اکرم ﷺ کی شکل میں پوری انسانیت پر فصل بہار آنے والی تھی جس کے لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے جگر گوشہ اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مل کر اللہ کے سامنے دست سوال دراز کیا تھا۔

''اے ہمارے پروردگار ان میں ایسا رسول بھیجنا جو ان ہی میں سے ہو جو ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے، اُنہیں حکمت و کتاب کی تعلیم دے، ان کو پاکیزہ بنائے۔ بے شک تیری اور صرف تیری ذات وہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے جس کی حکمت بھی کامل ہے۔'' (سورۃ البقرۃ-129)

حضور اکرم ﷺ نے فرمایا ''انا دعوۃ ابی ابراھیم'' (اپنے باپ ابراہیم کی دعا کا جواب ہوں) یہ ہی وہ نور کامل تھا جس کی بشارت موسیٰ علیہ السلام نے دی۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام اور حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام نے دی تھی۔
میں اس رسول کی خوشخبری دینے والا ہوں جو میرے بعد آئے گا جس کا نام احمد ہوگا۔ (سورۃ الصّف۔ آیت 6)

ولادت باسعادت

دوشنبہ کا مبارک دن تھا، ربیع الاوّل کا مہینہ تھا، اس کی نویں تاریخ تھی۔ 22 اپریل 571ء، آپ ﷺ اس دنیا میں تشریف لائے۔ عام الفیل تھا۔

خدا کی رحمتوں کا آج اس قدر وفور ہے
جدھر نظر اُٹھایئے سرور ہی سرور ہے
عرب کی سرزمین کا ذرہ ذرہ کوہِ طور ہے
فضائے شرق غرب پر محیط ابر نور ہے

آپ ﷺ کی والدہ فرماتی ہیں ''جب آپ ﷺ کی ولادت ہوئی تو میرے جسم سے ایک نور نکلا جس سے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے۔''

(طبقات ابن سعد)

کسریٰ کے ایوان کے 14 کنگورے گر گئے۔ اس کا مطلب ہے کہ 14 پشتوں کے بعد کسریٰ کی بادشاہت ختم ہو جائے گی اور ایسا ہی ہوا۔ آتش پرستوں کا آتش کدہ جس میں ہزار ہا سال سے آگ جل رہی تھی۔ کبھی ایک لمحے کے لیے بھی اسے بجھنے نہیں دیا گیا تھا، اس میں اچانک آگ ٹھنڈی ہو گئی۔ دریائے ساوا (جاری دریا) یکا یک خشک ہو گیا اور اس کے ارد گرد گرجے منہدم ہو گئے۔ (بیہقی)

عبدالمطلب کو پوتے کی پیدائش کی خبر ملی تو نہایت خوش ہوئے۔ ان کی اماں بی بی آمنہ نے بیٹے کا نام ''احمد'' رکھا اور دادا نے پوتے کا نام ''محمد'' رکھا۔ یہ بالکل نیا نام تھا۔ اُنہوں نے کہا کہ ''میں چاہتا ہوں کہ اس زمین پر بھی اور اس آسمان پر بھی میرے پوتے کی تعریف کی جائے۔'' اُنہوں نے دین ابراہیمی کے مطابق ساتویں دن عقیقہ کیا۔ قرآن میں نام ''محمد'' 4 بار آیا ہے اور ایک سورۃ کا نام ''محمد'' ہے۔

سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی والدہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دودھ پلایا۔ پھر ابولہب کی لونڈی ثوبیہ (بعض روایات میں ثُوَیْبَہ کا لفظ ملتا ہے) نے پلایا، پھر عرب دستور کے مطابق بنو سعد کی ایک خاتون ''حلیمہ'' کو دودھ پلانے کی سعادت حاصل ہوئی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حلیمہ کے ساتھ شہر سے دور گاؤں کی صاف ستھری فضا میں مدت رضاعت پورا کرنے کیلئے بھیج دیا گیا تاکہ بچہ کے جسم و اعصاب بھی مضبوط ہوں اور بچہ خالص عربی زبان بھی سیکھ لے۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنو سعد میں

ابن اسحٰق کہتے ہیں کہ بی بی حلیمہ بیان کرتی تھیں کہ وہ اپنے شوہر کے ساتھ اپنا چھوٹا سا دودھ پیتا بچہ لے کر کچھ عورتوں کے قافلے کے ساتھ بچہ لینے نکلیں۔ یہ قحط کے دن تھے۔ عالم یہ تھا کہ نہ اونٹنی دودھ دیتی تھی اور نہ ہی حلیمہ کے پستانوں سے دودھ وافر نکلتا تھا۔ بچہ بھی مسلسل روتا رہتا تھا جب گدھی پر سوار ہو کر چلیں تو گدھی کمزوری کی بنا پر سست رفتار تھی۔ بار بار پیچھے رہ جاتی تھیں جس سے قافلے والے تنگ آ گئے۔ بہرحال مکہ پہنچ گئیں۔ مکہ پہنچیں تو سب عورتوں کو مالدار گھرانوں کے بچے مل گئے۔ اگرچہ

محمد ﷺ کو سب عورتوں پر پیش کیا گیا مگر کسی نے یتیم بچہ لینا گوارا نہ کیا کہ ان کو بیوہ ماں اور بوڑھا دادا کم معاوضہ دیں گے۔ خدا کی شان حلیمہ سعدیہ کو بھی کوئی بچہ نہ مل سکا تو اُنہوں نے اپنے شوہر سے مشورہ کر کے محمد (ﷺ) کو ہی قبول کر لیا۔ اب ان کو کیا پتہ کہ ان کا تو نصیب جاگنے والا تھا۔ اس لیے کوئی بچہ نہ مل سکا تھا۔ پھر محمد ﷺ کو ان کے پاس آنا تھا کہ ان کی برکتوں کا ظہور شروع ہو گیا۔ حلیمہ کے پستانوں میں دودھ وافر مقدار میں اُتر آیا اور دونوں بچوں نے سیر ہو کر دودھ پیا۔ پھر جب قافلہ چلا تو جس گدھی پر حلیمہ محمد ﷺ کے ساتھ سوار تھیں، وہ تیز دوڑنے لگی اور قافلہ والوں میں سب سے آگے نکل گئی۔ سارے قافلے والے حیران تھے کہ یہ اسی گدھی پر سوار ہے جس پر آتے وقت وہ سوار تھیں۔ مگر وہ یہ نہ جانتے تھے کہ واپسی کے وقت ''سوار'' ایک خاص ہستی ہے۔ چنانچہ یہ فوائد اور برکتیں گاؤں جا کر بھی جاری رہیں۔ اونٹنی بھی دودھ دیتی رہی اور بکری بھی جبکہ باقی لوگ خوشحالی کے انتظار میں رہا کرتے تھے۔ یہ برکتوں کا سلسلہ یونہی جاری رہا اور حلیمہ سعدیہ خوشحال ہو گئیں اور دو سال پورے ہو گئے۔ بچہ کی واپسی کا وقت آ گیا وہ بچہ کو واپس نہ دینا چاہتی تھیں مگر مکہ گئیں اور ماں کو قائل کیا کہ مکہ میں جو وبا پھیلی ہے، بچہ اُس سے متاثر ہو سکتا ہے۔ بی بی آمنہ نے اجازت دے دی۔ چنانچہ وہ آپ ﷺ کو واپس لے کر آ گئیں۔

شقِّ صدر

آپ ﷺ کی عمر 4 سال کی ہوگئی۔ آپ ﷺ حلیمہ کے بچوں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے رضاعی بہن بھائی کے نام عبداللہ، انیسہ اور شیماء تھے اور واقعہ شق صدر جو عمر کے چوتھے سال پیش آیا۔ اس کی تفصیل صحیح مسلم میں حضرت انسؓ سے مروی ہے۔ محمد ﷺ بچوں کے ساتھ گھر سے دور کھیلنے گئے ہوئے تھے کہ وہاں جبرئیلؑ نمودار ہوئے۔ اُنہوں نے بچے کو لٹایا، اس کا سینہ چاک کیا، اس میں سے گوشت کا ایک لوتھڑا نکال دیا اور دل کو طشت میں رکھے زم زم کے پانی سے دھویا۔ پھر اس کو اس کی جگہ پر رکھ کر سینہ بند کر دیا۔ یہ دیکھ کر بچے خوفزدہ ہوگئے اور گھر جا کر اطلاع کی۔ کہنے لگے محمد ﷺ کو قتل کر دیا گیا ہے۔ ان کے گھر کے لوگ جھٹ پٹ پہنچے دیکھا کہ محمد ﷺ کا رنگ اُترا ہوا تھا۔ اس سے حلیمہ ڈر گئیں اور اُنہوں نے ارادہ کر لیا کہ بچہ کو بحفاظت اُن کی ماں کے پاس پہنچا دیں۔ چنانچہ وہ ان کو لے گئیں۔ پورا واقعہ کہہ سنایا اور بچہ ماں کے حوالے کر دیا۔

ماں کے ساتھ مختصر عرصہ

آپ ﷺ نے 6 سال کی عمر تک ماں کے ساتھ دن رات گزارے۔ پھر آپ ﷺ کی والدہ نے شوہر کے قبر کی زیارت کے لیے یثرب جانے کا ارادہ کیا چنانچہ عبدالمطلب اور ایک لونڈی ایمن کے ساتھ روانہ ہوئیں۔ یثرب میں ایک مہینہ

قیام کیا، واپس مکہ آ رہی تھیں کہ بیمار ہو گئیں اور ابھی مقام ''ابواء'' تک پہنچی تھیں کہ انتقال کر گئیں۔ ان کو اُسی جگہ دفنا دیا گیا اور عبدالمطلب اپنے چھ سالہ پوتے کو لے کر مکہ واپس آ گئے اور اپنی شفقت و محبت کے خزانے لٹانے لگے۔ روایت میں آتا ہے کہ ہجرت کے ساتویں سال میں محمد ﷺ ایک سفر کے دوران مقام ابواء سے گزر رہے تھے تو وہاں رک گئے اور اپنی والدہ کی قبر پر پہنچ کر فاتحہ پڑھی، دعائے خیر کی اور نم آنکھوں سے لوٹ آئے۔

والدہ کی وفات کے بعد دادا عبدالمطلب بہت پیار سے آپ ﷺ کی پرورش کرتے رہے۔ وہ مکہ کے سردار تھے۔ ان کے لیے کعبہ کے سائے میں فرش بچھایا جاتا تھا جس کے اردگرد ان کے بیٹے بیٹھتے مگر محمد ﷺ فرش پر جا کر بیٹھ جاتے۔ چچا ان کو فرش سے اُتارتے تو عبدالمطلب منع کرتے اور کہتے کہ ''میرے بیٹے کو چھوڑ دو، خدا کی قسم اس کی شان ہی کچھ اور ہے۔ مجھے اُمید ہے کہ یہ ایسے بلند مرتبہ پر پہنچے گا کہ کوئی دوسرا اس تک نہیں پہنچ سکا۔'' ابھی عمر عزیز آٹھ برس ہوئی تھی کہ دادا کا سہارا بھی چھوٹ گیا۔ وہ مکہ میں وفات پا گئے اور وفات سے پہلے آپ ﷺ کو ابوطالب کی کفالت میں دینے کی وصیت کر گئے جو آپ ﷺ کے والد کے سگے بھائی تھے۔ کثیر العیال تھے مگر اُنہوں نے اپنی شفقت کی گود ان کے لیے کھول دی اور مرتے دَم تک حمایت جاری رکھی۔ اس دوران مکہ میں آپ ﷺ نے بکریاں بھی چرائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''ہر نبی نے بکریاں چرائی ہیں۔'' صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین نے پوچھا۔

''اے اللہ کے رسول (ﷺ) کیا آپ ﷺ نے بھی بکریاں چرائی ہیں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''ہاں میں چند قیراط کے عوض بکریاں چراتا تھا۔'' (بخاری)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چونکہ پوری انسانیت کا نگہبان بننا تھا اس لیے یہ صبر آزما اور مشکل کام کرایا گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''لوگو! بکریوں کے ریوڑ پر بھیڑیا حملہ آور ہوتا ہے تو جھنڈ اور ریوڑ کے درمیان کی بکریوں کو نہیں اُٹھاتا۔ ریوڑ سے الگ، ریوڑ کے کنارے پر ریوڑ کے پیچھے، ریوڑ سے دور بکریوں کو نشانہ بناتا ہے۔ اس امت کو بھی شیطانی بھیڑیوں سے خطرہ ہوگا اور ان کا نشانہ وہی فرد یا گروہ ہوگا جو امت کے اجتماعی وجود سے الگ ہو جائے گا۔ (مشکوٰۃ المصابیح)

روئے مبارک کی نمایاں برکت

مکہ میں قحط سالی تھی، لوگ ابوطالب کے پاس دعا کی درخواست لے کر آئے۔ ابو طالب نے ایک بچے کو اُٹھایا، ان کی پیٹھ کعبہ سے لگا دی۔ اُن کا چہرہ ایسا ابر آلود سورج کی طرح تھا کہ گھنے بادل ابھی چھٹے ہوں۔ اُن کے ہاتھ میں ابوطالب کا ہاتھ تھا۔ ابوطالب کی انگلی پکڑ رکھی تھی۔ دعا کرنی شروع کی۔ دیکھتے ہی دیکھتے ایسے بادل اُمنڈ کر آئے کہ پوری وادی جل تھل ہوگئی۔ شہر و بیاباں شاداب ہو گئے۔

بے مثال حیا

بچپن میں کعبہ کی تعمیر کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بھاری پتھر اُٹھا اُٹھا کر لا رہے تھے، جس سے آپ کے مونڈھے چھل گئے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا عباس رضی اللہ عنہ نے

چاہا کہ آپ کی لنگی کھول کر آپ ﷺ کے کندھے پر رکھ دیں اور اس پر آپ ﷺ پتھر رکھیں۔ ابھی (تہبند) یا (لنگی) پوری طرح کھلنے بھی نہ پائی تھی کہ فرطِ حیا سے آپ ﷺ پر اضطراب طاری ہو گیا اور بے ہوش ہونے لگے تھے کہ چچا نے دوبارہ لنگی باندھ دی۔

''آپ ﷺ کنواری پردہ نشین خاتون سے زیادہ حیادار تھے۔''

(بخاری)

پہلا سفر شام

آپ ﷺ کی عمر عزیز بارہ سال تھی تو ابو طالب کے ساتھ تجارتی سفر پر ملک شام روانہ ہو گئے۔ ابھی بصریٰ پہنچے تھے کہ قافلہ نے بحیرا راہب کے گرجے کے باہر پڑاؤ ڈالا۔ خلاف توقع بحیرا راہب گرجے سے نکلا۔ قافلے والوں کی میزبانی کی۔ اس نے چند اوصاف کی بناء پر محمد ﷺ کو نبی کی حیثیت سے پہچان لیا اور آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ''اللہ ان کو رحمۃ للعالمین'' بنائے گا۔ جب اس سے پوچھا گیا کہ تم نے کیسے جانا؟ تو اس نے کہا جب تم لوگ گھاٹی کے اس طرف آئے تو کوئی درخت یا پتھر ایسا نہ تھا جو سجدے کے لیے جھک نہ گیا ہو۔ یہ چیزیں نبی کے علاوہ کسی کو سجدہ نہیں کرتیں۔ پھر میں اُنہیں مہر نبوت سے پہچانتا ہوں۔ اُنہیں واپس لے جاؤ، آگے نہ جاؤ کیونکہ یہودیوں سے ان کو خطرہ ہے۔ اس لیے ابو طالب کے غلاموں کی معیت میں ان کو واپس مکہ بھیج دیا گیا۔

پاسِ رضاعت

حضور اکرم ﷺ نے دائی حلیمہ کا دودھ پیا تھا۔ اس لیے وہ آپ ﷺ کی رضاعی ماں ہوئیں اور آپ ﷺ نے ہمیشہ اس رضاعت کا پاس رکھا۔ حضرت حلیمہ جب بھی آتیں، ان کا احترام فرماتے۔ ایک مرتبہ حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنھا حضرت خدیجہؓ سے نکاح ہونے کے بعد آئیں اور اپنے علاقے کی خشک سالی اور جانوروں کی ہلاکت کا شکوہ کیا۔ آپ ﷺ نے خدیجہؓ کو متوجہ کیا۔ اُنہوں نے 40 بکریاں اور کھانے پینے کے سامان سے لدا ہوا اونٹ عطا فرمایا۔ جب آپ ﷺ کی نبوت کا چرچا ہوا تو حضرت حلیمہ اور ان کے شوہر نے آ کر اسلام قبول کیا اور ان کے رضاعی بہن بھائی شیما اور عبداللہ بھی مسلمان ہوئے۔ حضرت عمرؓ بن سعد بیان کرتے ہیں کہ ایک عورت آئی اور آپ ﷺ سے ملنے کی اجازت چاہی، جب حضور ﷺ نے اُنہیں دیکھا تو بے اختیار میری ماں میری ماں کہتے ہوئے اُٹھے، اپنی چادر بچھا کر اُنہیں بٹھایا۔ فرطِ محبت سے اپنا ہاتھ ان پر رکھا اور ماں ماں کہتے رہے۔ ان کی ہر ضرورت پوری فرمائی۔ صحابہ کرامؓ یہ طرزِ عمل دیکھ رہے تھے۔ حضور ﷺ کے وصال کے بعد جب بھی وہ مدینہ آئیں، ابوبکر و عمر رضی اللہ عنہم نے ان کی اسی طرح تعظیم کی۔ 8 ہجری میں فتح مکہ کے بعد غزوۂ حنین ہوا تو مسلمانوں کو فتح ہوئی اور بہت سارا ساز و سامان اور لونڈی غلام قبضہ میں آئے۔ حضور ﷺ نے چند روز انتظار کیا کہ ان کے سردار مصالحت کے لیے آئیں مگر جب وہ نہ آئے تو سب کچھ تقسیم کر دیا۔ اس کے بعد کچھ لوگ آئے اور اُنہوں نے حضور ﷺ کی رضاعت کا

واسطہ دیا۔ آپ ﷺ نے کہا تم نے دیر کردی ہے مگر دیکھو کچھ کرتا ہوں۔ حضور ﷺ نے نماز کے بعد اعلان کیا کہ میں اپنے اور اپنے خاندان کے لونڈی غلام واپس کرتا ہوں۔ یہ دیکھ کر مہاجرین و انصار نے بھی اپنا اپنا حصہ پیش کر دیا۔ قبائل عرب نے بھی اُن کی تقلید کی۔ یوں رسول اکرم ﷺ کی رضاعت کی وجہ سے ہوازن کے پورے قبیلے والے آزاد ہو گئے اور اللہ نے ان کو آزادی کے ساتھ ساتھ دولت ایمان سے بھی سرفراز فرمایا۔ ہمارے لیے یہ پیغام ہے کہ ہم بھی رضاعت کے رشتوں کا احترام کریں۔ اگرچہ بہت جگہوں پر اب وہ بچوں کو دودھ پلوانے کی اچھی رسم باقی نہیں رہی ہے مگر ایسے واقعات ہوتے رہتے ہیں جس میں ایک عورت بوقت ضرورت دوسری عورت کے بچے کو دودھ پلا دیا کرتی ہے اور اگر مدت رضاعت ثابت ہو جائے تو ان ماؤں اور ان بہن بھائیوں کا ویسا ہی احترام کرنا چاہیے جیسا ہمارے نبی ﷺ نے ہمارے لیے اُسوہ چھوڑا۔

جنگ فجار

آپ ﷺ کی عمر 15 برس کی تھی تو جنگ فجار پیش آئی۔ جنگ میں ایک طرف قریش اور ان کے ساتھ بنو کنانہ، دوسری طرف قیس غیلان تھے۔ اس کو حرب فجار اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں حرم اور حرام مہینے دونوں کی حرمت چاک ہوئی۔ اس جنگ میں حضور اکرم ﷺ بھی شریک ہوئے۔ آپ ﷺ اپنے چچاؤں کو تیر پکڑاتے تھے، اس جنگ میں قریش کو فتح ہوئی تھی۔

نبوت سے پہلے کے دو اہم واقعات

حضرت ابو طالب کے ساتھ رہتے ہوئے دو اہم واقعات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شخصیت کی تعمیر کا اہم حصہ ہیں۔ مکہ میں گانے بجانے کی محفلیں ہوا کرتی تھیں۔ گرمی کے دن تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پُرلطف ذکر سن کر چاہا کہ اس میں شرکت کی جائے۔ نوجوانی کا زمانہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ساتھی چرواہے سے طے کرلیا کہ وہ بکریوں کی نگرانی کرے گا۔ چراگاہ سے پیدل چلتے شہر پہنچے تو تھکن اور گرمی سے چور ہو چکے تھے۔ مکہ اور مدینہ کی گرمیوں کے رات دن ایک جیسے ہوا کرتے ہیں۔ بہرحال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سوچا ابھی تو وقت ہے ایک درخت کے نیچے آرام کرنے لیٹے اور قدرت خداوندی کہ سو گئے اور جب اُٹھے تو بہت دیر ہو چکی تھی۔ اس کے بعد کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کسی ایسی محفل میں شرکت کا ارادہ نہ کیا۔ یہ اللہ کا خاص کرم تھا کہ اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت سے پہلے ان لہولعب کی سرگرمیوں سے بچا کر رکھا۔

دوسرا واقعہ یہ ہے کہ ایک سرسبز مقام پر کھجور کے دو درخت تھے۔ جن میں پھل کی بہتات ہوتی۔ وہاں بوانہ نامی بت بھی نصب تھا۔ لوگ وہاں جاتے، بوانہ پر جانور بھینٹ چڑھاتے، سر منڈاتے اور مشرکانہ رسوم انجام دیتے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس تقریب میں جانے سے ہر مرتبہ انکار کر دیتے۔ آخر ایک مرتبہ سب پھوپھیوں اور چچاؤں نے مل کر اصرار کیا۔ اُن کے مطابق وہ ایک تفریح کی جگہ تھی، وہاں پہنچے تو سب لوگ اپنے اپنے اشغال میں لگ گئے مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیر تک نظر نہ آئے پھر جب سامنے آئے تو ان

کے چہرے پر خوف و ہراس تھا۔ پوچھنے پر فرمایا ''جب بھی میں اس بت کے قریب جانا چاہتا ہوں، ایک سفید رنگ دراز قد شخص میرے قریب آجاتا ہے اور کہتا ہے ''محمد! پیچھے ہٹ جایئے، بت کو ہاتھ نہ لگایئے۔'' حضرت ام ایمن کہتی ہیں کہ اس واقعہ کے بعد سے آپ ﷺ کبھی کسی ایسی تقریب میں نہ گئے۔ جہاں بت پر بھینٹ چڑھائی جاتی ہو۔ گو کہ محمد ﷺ کے سامنے مکہ میں بتوں پر بھینٹ چڑھائی جاتی تھی مگر آپ ﷺ نے کبھی اس میں حصہ نہیں لیا اور نہ ہی قریب گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے بننے والے نبی کی حفاظت شروع ہی سے کی۔

مظلوموں کی مدد کے لیے حلف الفضول

نبوت سے پہلے محمد ﷺ ایک معاہدے میں شریک ہوئے تھے۔ جس کا بنیادی مقصد کمزوروں اور مظلوموں کی مدد کرنا تھا اور اس عہد پر حلف لیا گیا تھا۔ محمد ﷺ نے فرمایا: ''میں بنی جدعان کے مکان پر جس عہد نامے میں شریک ہوا، اگر اس سے غداری کے بدلے میں مجھے کوئی سرخ اونٹوں کی بھی پیش کش کرے تو میں اس سے غداری پسند نہیں کرسکتا۔'' اس میں حضور ﷺ کے چچا زبیر بن عبدالمطلب نے سب سے پہلے آواز اُٹھائی۔ اُنہوں نے بنی ہاشم، بنی زہرہ اور بنی اوس بن عبدالعزیٰ کے بنی تمیم بن مرہ کے لوگوں کو ساتھ ملایا۔ عبداللہ بن جدعان کے گھر جمع ہوئے۔ جہاں ان کے کھانے پینے سے ضیافت کی گئی، پھر ان سب نے خدا کے نام پر عہد اور حلف لیا۔ ''کہ جب تک دریائے صوفہ میں تری باقی ہے، ہم مظلوم کا ساتھ دیتے رہیں گے اور اس کا حق اس کو دلا کر رہیں گے۔''

حلف الفضول پر عمل کیا جاتا رہا۔ سُہیلی نے لکھا ہے کہ قبیلہ خثعم کا ایک آدمی مکہ آیا، عمرہ کرنے اس کے ساتھ اس کی بیٹی بھی تھی جو اپنے وقت کی حسین ترین لڑکی تھی۔ نبیہ ابن حجاج نے اس لڑکی کو دیکھا تو اس کو اس کے باپ سے چھین کر اپنے ساتھ لے گیا۔ وہ شخص فریاد کرنے لگا تو کسی نے کہا کہ حلف الفضول والوں کے پاس جاؤ۔ وہ کعبہ کے قریب آیا اور آواز لگائی۔ ''اے حلف الفضول والو!'' اس فریاد کو سنتے ہی لوگ دوڑ دوڑ کر اس کے پاس پہنچ گئے۔ تلواریں میان سے باہر کیں اور بولے ''تمہارے لیے مدد آ گئی۔ تمہارے ساتھ کیا حادثہ پیش آیا۔'' اس نے اپنا کیس پیش کیا۔ لوگ فوراً نبیہ کے مکان پر پہنچ گئے اور اسے بلا کر کہا کہ لڑکی واپس کرو۔ نبیہ نے کہا ''آج رات مجھے اس کے ساتھ گزارنے دو، میں کل واپس کر دوں گا۔'' حلف الفضول والوں نے کہا ''ہم لڑکی تمہارے پاس نہیں رہنے دیں گے۔'' آخر اس نے مجبور ہو کر لڑکی کو نکالا اور اس کے باپ کو واپس کر دیا۔

حلف الفضول کا نام اس لیے رکھا گیا کہ اس میں شامل ہونے والے لوگوں کے نام میں ''فضل'' شامل تھا۔ یہ حلف اس لیے وجود میں آیا کہ قبیلہ زبید کا ایک آدمی مال لے کر مکہ آیا، یہ مال اس سے مکہ کے ایک امیر و بارسوخ سردار نے خرید لیا اور مال تو لے لیا مگر قیمت روک دی۔ یہ زبیدی آدمی مختلف قبیلوں کے سرداروں کے پاس گیا جن میں بنی عبدالدار، بنی مخزوم، بنی جمح، بنی سہم اور بنی عدی شامل ہیں، چونکہ عاص مکہ کا معزز اور بااثر سردار تھا تو ان سب نے خوف سے اس کے معاملے میں پڑنے سے انکار کر دیا اور ڈانٹ ڈپٹ کر بھگا دیا۔ اگلے دن صبح سویرے زبیدی جبل ابوقیس پر چڑھا اور بڑے پُراثر چند اشعار پڑھے۔ اس کی فریاد کا زبیر بن عبدالمطلب پر بہت اثر ہوا۔ عبداللہ بن جدعان جو بزرگ اور دانشمند رحم دل آدمی تھا، اس کے گھر جمع ہو کر

حلف الفضول کی بنیاد پڑی اور اُنہوں نے مل کر عاص بن وائل سے اس شخص کو اس کے مال کی قیمت دلوائی۔ ایسے معاہدے سوسائٹیوں میں ناگزیر ہیں۔ دولت والے اور بااثر لوگ آسانی سے کسی کا حق مارنے کا ارتکاب کر سکتے ہیں اور کیا کرتے ہیں۔ اس کی مثال امریکا میں CAIR ہے جو مخفف ہے The Council of America Islamic Relations۔ ان میں وکلاء شامل ہیں جو عدالت کے ذریعے مسلمانوں کے حقوق دلواتے ہیں۔

اسی طرح بڑے پیمانے پر دیکھا جائے تو یو این او (UNO) ہے جو بین الاقوامی تنظیم ہے اور ملکوں کے درمیان جھگڑوں کا فیصلہ کرانے اور کمزور کی مدد کی اصول پر وجود میں آئی مگر بڑے ملکوں کا ویٹو (VETO) پاور کے حقوق نے اس کو بے اثر کر دیا ہے۔ اگر کہیں اسلامی حکومت واقعی موجود ہے جہاں عدالت کے فیصلے جلد ہوتے ہوں، جہاں امیر، کمزوروں، غریبوں کے حقوق کا خیال رکھنے والے ہوں تو اُنہیں ایسی تنظیموں کی ضرورت نہیں ہوتی۔

یہ واقعہ سیرت ہم کو پیغام دے رہا ہے کہ ہمارا یہ مزاج بننا چاہیے کہ ہم ظلم و ناانصافی کو بالکل گوارا نہ کریں اور ایک ایسی سوسائٹی بنائیں جس میں لوگ ظالم کے خلاف متحد ہو جائیں اور مظلوم کی حمایت میں اُٹھ کھڑے ہوں۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس میں شرکت اور ایسے معاہدے کی تعریف یہ بتاتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نبوت سے پہلے ہی انصاف پسند تھے اور نبوت کے بعد بھی باقی کی تمام زندگی عدل و انصاف کو رائج کرنے میں لگا دی اور عملی طور پر یہ ثابت کیا کہ انصاف کیسے قائم کیا جاتا ہے اور انصاف کے کیا فوائد ہیں، جن سے انسانیت بہرہ مند ہوتی ہے۔

فکرِ معاش

محمد ﷺ جب اس عمر کو پہنچ گئے جب معاشی جدوجہد کے دروازے کھولنے پڑتے ہیں تو آپ ﷺ نے بھی اپنے والد اور عرب کے دستور کے مطابق تجارت کا پیشہ ہی اپنایا۔ ان دنوں آپ ﷺ نے مختلف تجارتی میلوں میں شرکت کی۔ اسی غرض سے نجد، یمن، بحرین اور شام کے سفر کیے۔ ہر بار دیانت، امانت، معاملہ فہمی اور خوش اسلوبی سے کام انجام دیا۔ جب سفر پر نہیں جاتے تو شہر ہی میں مصروف تجارت ہوتے، اس ضمن میں ایک واقعہ کتب سیرت میں درج ہے۔

وعدہ پورا کرنا (ایفائے عہد)

عبداللہ بن ابی العمساء بیان کرتے ہیں کہ میں نے آپ ﷺ سے تجارتی معاہدہ کیا۔ بات طے نہ ہونے پائی تھی کہ مجھے ایک ضروری کام پیش آ گیا۔ میں نے آپ ﷺ سے کہا، آپ ﷺ یہیں ٹھہریں میں ابھی آتا ہوں۔ گھر میں کام میں کچھ ایسا منہمک ہو گیا کہ بات ہی ذہن سے نکل گئی۔ 3 دن بعد اتفاق سے اُدھر سے گزر ہوا تو کیا دیکھتا ہوں کہ آپ ﷺ وہیں میرا انتظار کر رہے ہیں۔ میں پشیمان ہو کر آپ ﷺ کی طرف بڑھا تو آپ ﷺ نے صرف یہ فرمایا کہ ”تم نے مجھے بڑی زحمت دی۔ میں اسی مقام پر 3 دن سے زیادہ سے موجود ہوں۔“ (بحوالہ ابوداؤد سیرت رسول ﷺ)

الصادق

قیس بن السائب مخزومی کہتے ہیں کہ میں نے زمانہ جاہلیت میں محمد ﷺ بن عبداللہ سے بہتر کوئی ساتھی نہیں پایا۔ اگر ہم آپ ﷺ کا سامان تجارت لے کر جاتے تو واپسی پر آپ ﷺ ہمارا استقبال کرتے اور خیر وعافیت پوچھ کر چلے جاتے، بعد میں جب ہم حساب دیتے تو اس پر کوئی تکرار و حجت نہیں فرماتے۔ جو ہم کہتے اسے مان لیتے۔ ان کے برعکس دوسرے شرکائے تجارت پہلے نفع ونقصان کی بات کرتے اور مال لینے پر اصرار کرتے۔

الامین

اگر آپ ﷺ ہمارا تجارتی مال لے جاتے تو واپسی پر گھر جانے سے پہلے پائی پائی کا حساب کرتے۔ مال خرید کر لاتے تو ہمارے حوالے کرتے۔ اہل وعیال کی خیریت دریافت کرتے۔ سائب ابن ابی سائب ایک ہمارے تجارتی شریک تھے۔ فتح مکہ کے موقع پر وہ مسلمان ہوئے تو صحابہؓ نے ان کی تعریف کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''میں ان کو تم سے زیادہ جانتا ہوں۔ اُنہوں نے بھی بحیثیت تاجر آپ ﷺ کی بہت تعریف کی اور تصدیق کی۔ قریش کے ایک بڑے تاجر حضرت ابوبکر صدیقؓ بھی آپ ﷺ کے شریک کاروبار تھے۔ وہ شروع ہی سے آپ ﷺ کی صداقت و امانت کے گرویدہ تھے۔ سچ بولنے اور معاملات کو بہتر طور پر ادا کرنے Good Dealing کی وجہ سے آپ ﷺ الامین کے لقب سے یاد کیے جاتے۔

مسند احمد بن حنبل میں لکھا ہے کہ مشرقی عرب یعنی بحرین (العساء) کے قبیلے عبدالقیس کا ایک وفد مدنی زندگی میں حاضر خدمت ہوا۔ آپ ﷺ نے ان کے علاقے کے بارے میں تفصیل سے بات کی، وہ حیرت زدہ رہ گئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''میں نے تمہارے ملک کی خوب سیر کی ہے۔''

طبری کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا نے آپ ﷺ کو اور قریش کے ایک شخص کو حبانہ کے میلے میں بھیجا۔ یہ مقام تیامہ میں مکہ سے کچھ دن کی دوری پر ہے۔ جنوب میں واقع ہے۔ وہاں رجب میں تین دن کے لیے میلہ لگتا تھا اور لوگ اپنا سامان تجارت لے کر جاتے تھے۔ ایک روایت یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ دو مرتبہ مال تجارت لے کر حرش بھی گئے جو طائف سے کچھ آگے یمن جانے والے راستے پر واقع ہے۔ ان تجارتی سفروں کی کامیابی اور آپ ﷺ کی امانت و دیانت، صداقت کی شہرت پھیل گئی۔ اس چرچے کو حضرت خدیجہؓ نے بھی سنا، وہ بھی تجارت کرتی تھیں اور ان کا مالِ تجارت بسا اوقات قافلۂ قریش کے نصف سے زیادہ پر مشتمل ہوتا تھا۔

دوسرا سفر شام

آپ ﷺ 25 سال کے ہوئے تو تجارت کی غرض سے ملک شام کا سفر کیا، اس مرتبہ مکہ کی ایک معزز تاجر خاتون خدیجہ نے اپنا مال اپنے غلام میسرہ کے ساتھ محمد ﷺ کے سپرد کیا۔ حضرت خدیجہؓ نے محمد ﷺ کی امانت، دیانت، صداقت اور اعلیٰ اخلاق کے قصے سن کر یہ پیشکش کی جسے آپ ﷺ نے قبول کر لیا اور روانہ ہو گئے۔ یہ سفر تجارتی لحاظ سے بڑا کامیاب رہا۔ اسی سفر میں تجارت میں کسی شخص سے

قیمت کے معاملے میں آپ ﷺ کا اختلاف ہوا۔ اس نے کہا لات وعزیٰ کی قسم کھایئے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''میں نے کبھی اس طرح کی قسم نہیں کھائی۔'' آپ ﷺ نے نبوت سے پہلے بھی کبھی کوئی مشرکانہ حرکت یا بات نہیں کی۔ اس تاجر نے آپ ﷺ کی بات مان لی۔ اور میسرہ سے کہا۔ ''اللہ کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، یہ وہی ہیں جن کا ذکر ہماری کتابوں میں ملتا ہے۔'' اسی سفر میں میسرہ نے دیکھا چاہے کیسی ہی دھوپ ہو، آپ ﷺ پر سایہ چھایا رہتا ہے۔ واپسی پر غلام میسرہ نے سارے واقعات خدیجۃ الکبریٰؓ کو سنائے، وہ بہت متاثر ہوئیں۔ مکہ کے بڑے بڑے معززین ان سے نکاح کے خواہشمند تھے مگر وہ راضی نہ ہوتی تھیں۔ اب اُنہوں نے محمد ﷺ کے بارے میں سوچنا شروع کر دیا۔ اپنی دوست نفیسہ سے ذکر کیا جس نے جا کر محمد ﷺ سے بات کی۔ اُنہوں نے اپنے چچا ابوطالب سے بات کی۔ ابوطالب نے خدیجہؓ کے چچا سے بات کی۔ اس طرح 20 اونٹوں کے مہر پر آپ ﷺ کا نکاح خدیجہؓ سے کر دیا گیا۔ اس وقت خدیجہؓ کی عمر 40 سال اور محمد ﷺ 25 سال کے تھے۔ آپ ﷺ نے اپنی زندگی کے بہترین 25 سال حضرت خدیجہؓ کے ساتھ گزارے اور ان کی زندگی میں کسی سے شادی نہیں کی۔ حضرت ابراہیمؓ کے علاوہ تمام بچے ان ہی کے بطن سے پیدا ہوئے۔ سب سے پہلے قاسم پیدا ہوئے، ان ہی کے نام پر کنیت ابوالقاسم پڑی پھر حضرت زینب، رقیہ، ام کلثوم، فاطمہ پھر عبداللہ پیدا ہوئے، جن کا لقب طاہر اور طیب تھا۔ لڑکے بچپن ہی میں انتقال کر گئے، جس کی وجہ سے آپ ﷺ کو ''ابتر'' کہا گیا اور جواب میں سورۂ کوثر نازل ہوئی۔

چاروں بیٹیاں بڑی ہوئیں، ان کی شادیاں ہوئی، حضرت فاطمہ کے علاوہ سب آپ ﷺ کی زندگی ہی میں انتقال کر گئیں۔ بی بی فاطمہ کا انتقال آپ ﷺ کے

دنیا سے پردہ فرما جانے کے 6 ماہ بعد ہوا۔صبر کی انتہا دیکھیے اپنی زندگی میں اپنے چھ بچوں کو خود قبر میں اُتارا۔ان کی آنکھوں کی ٹھنڈک کیلئے اللہ تعالیٰ نے حضرت فاطمہؓ اوران کی اولاد کی خوشیاں دکھائیں۔

آپ ﷺ کی حضرت خدیجہؓ کے ساتھ شادی شدہ زندگی سے یہ سبق ملتا ہے کہ آپ ﷺ نے زندگی کے بہترین سال ایک بوڑھی عورت کے ساتھ گزارے۔ حضرت خدیجہؓ کی وفات کے وقت عمر 65 برس تھی اور محمد ﷺ 50 برس کے تھے۔ ان کے ساتھ نہایت خوشگوار زندگی بسر کی اوران کی زندگی میں دوسری شادی نہیں کی۔ ایسا پیار کرتے تھے کہ ان کی وفات کے بعد بھی ان کی سہیلیوں کو تحائف بھیجا کرتے تھے۔اگر کبھی حضرت خدیجہؓ کی بہن ہالہ آجاتیں جن کی آواز خدیجہؓ سے ملتی تھی تو بے قرار ہوجاتے اور ہالہ کا محبت سے استقبال کرتے۔بعد کے زمانوں میں آپ ﷺ نے جو شادیاں کیں انہیں نفس پرستی کہا گیا۔بڑے بے غیرت ہیں، وہ لوگ جو ایسا کہتے ہیں، وہ نہایت ہی گستاخ ہیں۔یہ حقیقت ہے کہ نبی ﷺ کی زندگی سے زیادہ باعفت زندگی کوئی گزار نہیں سکتا۔

حضرت خدیجہؓ سے شادی کے بعد ان کے کاروبار میں برکت ہوتی چلی گئی۔ آپ ﷺ کی امانت و صداقت کا چرچا ہونے لگا۔ مکہ میں لوگ اپنی امانتیں آپ ﷺ کے پاس رکھواتے تھے۔متعدد لوگوں کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے نہ کسی کو دھوکا دیا، نہ کسی سے بدمعاملگی کی، نہ کسی کا حق مارا اور نہ کسی سے جھگڑا کیا، نہ ہی کبھی وعدہ خلافی کی۔انہی خصوصیات کی بناء پر آپ ﷺ مکہ میں ''صادق اور امین'' کے لقب سے پہچانے جانے لگے اور آپ ﷺ کی یہ شہرت اس وقت بھی رہی جب لوگ آپ ﷺ کے سخت مخالف ہو گئے تھے۔

حضرت زیدؓ آپ کے بیٹے کی حیثیت سے

زیدؓ بن حارثہ 8 سال کے تھے کہ ڈاکوؤں کے ہتھے چڑھ گئے جنہوں نے ان کو پکڑ کر عکاظ میں جا کر بیچ دیا۔ حضرت خدیجہؓ کے بھتیجے حکیم بن حزام نے ان کو خریدا اور پھوپھی خدیجہؓ کی خدمت میں پیش کر دیا۔ شادی کے بعد حضور ﷺ کو وہ بہت پسند آئے۔ زیدؓ اُس وقت 15 سال کے تھے۔ حضور ﷺ ان پر بہت شفقت فرماتے۔ زیدؓ کے والد اور چچا کو ان کا پتہ چل گیا۔ وہ لوگ ڈھونڈتے ہوئے نبی محمد بن عبداللہ ﷺ کے پاس پہنچ گئے اور کہا ہمارے بیٹے کو ہمیں واپس کر دو اور جو بھی قیمت تم لینا چاہو ہم دینے کے لیے تیار ہیں۔

محمد ﷺ نے فرمایا: ''کوئی قیمت نہیں لوں گا، بچے سے پوچھ لو، اس کی مرضی ہے تو اس کو لے جاؤ۔'' جب زید بن حارثہؓ سے پوچھا گیا تو اُنہوں نے کہا ''میں آپ لوگوں کے ساتھ نہیں جاؤں گا۔ آپ ﷺ کے پاس ہی رہوں گا۔'' اس وقت حضرت زیدؓ کی عمر 15 سال تھی۔ اُنہوں نے کہا ''میں نے آپ ﷺ میں جو اخلاق دیکھے ہیں وہ کسی میں نہیں دیکھے۔'' باپ اور چچا، حضرت زیدؓ کو برا بھلا کہتے ہوئے لوٹ گئے کہ عجیب لڑکا ہے، غلامی کو آزادی پر ترجیح دیتا ہے۔ محمد ﷺ حضرت زیدؓ کی اس بات سے خوش ہو گئے اور کعبہ کے پاس جا کر اعلان کیا کہ میں اس کو آزاد کرتا ہوں اور اس کو اپنا متبنیٰ بناتا ہوں، آج سے یہ زید بن محمد کہلائے گا۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے اپنے چچا ابوطالب کے بیٹے حضرت علیؓ کو اپنی شفقت میں لے لیا اور اپنے پاس رکھ لیا۔ حضرت علیؓ کی عمر اس وقت 5 سال تھی۔ ان دونوں نے حضور ﷺ کی آغوش میں تربیت پائی۔ یاد رہے کہ حضور ﷺ اس وقت نبوت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے۔

حجر اسود کی تنصیب

حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عمر مبارک 35 برس تھی۔ ابھی نبوت سے سرفراز نہیں ہوئے تھے، خانہ کعبہ کی عمارت بوسیدہ ہو چکی تھی اور کچھ بارش ہوئی تو پانی سیلاب کی طرح اُمنڈ کر کعبہ کے گرد آ گیا تو اب یہ خدشہ ہوا کہ عمارت ہی گر جائے گی۔ پہلے عمارت زیادہ اونچی نہ تھی، دروازے بھی دو تھے، ایک اس جگہ جہاں آج ہے اور ایک شمالی جانب، اس کی مخالف سمت میں قائم عمارت مستطیل شکل میں تھی۔ مکہ والوں کی عزت اور اثر و رسوخ کعبہ ہی کی وجہ سے تھا۔ اُنہوں نے فیصلہ کیا کہ نئی عمارت بنائی جائے۔ تمام قبیلوں نے اپنے اپنے حصے بانٹ لیے کہ کس طرف اور کتنا حصہ تعمیر کریں گے۔ ان سب کا متفقہ عہد تھا کہ کعبہ کی تعمیر صرف حلال کمائی سے کی جائے گی۔ کسی ناجائز آمدنی، کسی سود کی آمدنی اور کسی پر ظلم کر کے غصب کیا ہوا مال، اس کی تعمیر میں استعمال نہیں کیا جائے گا۔ پہلے مرحلے پر پرانی عمارت کو گرانے کا مرحلہ تھا، جس سے سب ڈرتے تھے کہ کہیں اللہ کا عذاب نہ آ جائے۔ ولید بن مغیرہ اُٹھا، اس نے کچھ حصہ گرایا پھر لوگوں نے چند دن انتظار کیا جب کوئی آفت نہ آئی تو پوری عمارت ڈھا دی گئی۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رکھی ہوئی بنیادیں نظر آنے لگیں تو اس پر نئی تعمیر شروع ہوئی۔ ایک ماہر تعمیرات رومی کی خدمات حاصل کی گئیں اور عمارت کی تعمیر شروع ہو گئی۔ جب حجر اسود کو اس کی جگہ رکھنے کا وقت آیا تو آپس میں قبیلوں میں جھگڑا شروع ہو گیا کہ اس کی سعادت مجھے ملنی چاہیے۔ چار پانچ روز گزر گئے جب مفاہمت ہوتی نظر نہ آئی، قریب تھا کہ ایک بڑی جنگ آپس میں شروع ہو جائے تو ان میں ایک

عمر رسیدہ اور تجربہ کار سردار ابواُمیہ مخزومی نے مشورہ دیا کہ جو شخص بھی صبح سویرے حرم میں سب سے پہلے آئے گا، اس کو حکم بنا لیا جائے۔ اس بات پر سب راضی ہو گئے۔ اللہ کی شان دیکھیے کہ سب سے پہلے سرورِ کونین حضرت محمد ﷺ داخل ہوتے ہیں، تو سب پکار اُٹھتے ہیں۔ صادق اور امین آ گئے۔ آپ ﷺ تجویز پیش کرتے ہیں کہ ایک چادر لائی جائے، آپ خود اپنے دست مبارک سے حجرِ اسود اُٹھا کر چادر میں رکھتے ہیں، پھر سب سردار چادر کے کونے پکڑتے ہیں اور عمارت کے قریب لاتے ہیں پھر آپ ﷺ خود اُٹھا کر حجرِ اسود کو اس کی جگہ پر رکھ دیتے ہیں۔ اس تدبیر سے مکہ والے ایک بڑی جنگ اور خونریزی سے بچ گئے۔ آپ ﷺ کا انصاف ملاحظہ کیجیے کہ کسی کی حق تلفی نہ ہوئی اور سب نے حصہ لے لیا۔ اس کے بعد عمارت کی تعمیر شروع ہوئی، اس مرتبہ دروازہ اونچا رکھا گیا جو دو میٹر سطح مطاف سے اونچا ہے، پھر دوسرا دروازہ بھی نہ رکھا گیا، اب مکہ والوں کے پاس پیسوں کی کمی پڑ گئی تو اُنہوں نے کچھ حصہ چھوڑ دیا اور کعبہ کی شکل چوکور ہو گئی۔ اس عمارت میں ستون ڈالے گئے اور اس پر چھت بھی ڈالی گئی۔ کعبہ کے باہر کا وہ حصہ جس کے گرد چھوٹی محرابی دیوار بنا دی گئی ہے، اس کو حطیم کہتے ہیں۔ کعبہ پر غلاف چڑھانا بھی پرانی روایت ہے۔ کہتے ہیں یمن کی قوم تبع کے ایک سردار نے محمد ﷺ کی آمد سے برسوں پہلے اس پر سب سے پہلے غلاف چڑھایا تھا جو اس کی عظمت اور خوبصورتی میں اضافہ کرتا ہے۔ محمد ﷺ فرماتے تھے ''میرا دل چاہتا ہے کہ کعبہ اسی صورت پر بناؤں جو ابراہیم علیہ السلام نے بنایا تھا۔'' اس حدیث پر عبداللہ ابن زبیرؓ نے عمل کیا جب وہ مکہ کے گورنر تھے مگر چونکہ لوگ اس مستطیل شکل کو دیکھنے کے عادی نہ تھے اور ان تک یہ حدیث بھی نہ پہنچی تھی، بعد کے گورنر نے اس عمارت کو ڈھا کر واپس قریش کے طرز کی عمارت بنا ڈالی جو

آج بھی ویسی ہی چلی آتی ہے، بس مرمت اس کی ہوتی رہتی ہے۔

حجر اسود کو جنت سے اُتارا گیا پتھر کہتے ہیں۔ اس کو پہلی مرتبہ بحرین کے قرامطہ نے چوری کیا اور ساتھ لے گئے۔ طبری کی کتاب ''تاریخ مکہ'' میں درج ہے کہ 7 ذی الحجہ 318 ہجری بحرین کے حاکم ابوطاہر قرامطی نے مکہ معظّمہ پر قبضہ کرلیا۔ خوف وہراس کا یہ عالم تھا کہ اس سال حج بھی نہ ہوسکا۔ حجر اسود، حاکم اپنے ساتھ بحرین لے گیا۔ پھر بنو عباس کے خلیفہ معتصم باللہ نے ابوطاہر قرامطی کے ساتھ ڈیل بنائی 30.000 دینار ادا کیے گئے، 22 سال بعد حجر اسود 339 ہجری کو ملا۔ وصولی کے لیے ایک بڑے عالم وفد کے ساتھ بحرین گئے۔ ان کے سامنے جب ایک پتھر خوشبودار غلاف سے نکال کر دیا گیا کہ یہ لے جایئے۔ شیخ نے پانی منگوایا اور پتھر پانی میں ڈالا تو وہ پتھر اس میں ڈوب گیا، پھر اس کو آگ میں ڈالا گیا تو وہ پتھر گرم ہوکر پھٹ گیا۔ شیخ نے اسے لینے سے انکار کر دیا۔ دوسرے پتھر پر بھی یہ ہی عمل دہرایا گیا اور وہ بھی ایسا ہی نکلا یہاں تک کہ ایک پتھر دیا گیا جو پانی پر پھول کی طرح تیر رہا تھا اور وہ آگ میں ڈالا گیا تو آگ نے اسے نہ چھوا اور وہ ٹھنڈا ہی رہا۔ چنانچہ وہ اصلی حجر اسود لے جا کر کعبہ میں نصب کر دیا گیا۔

حجر اسود کی حفاظت کیلئے 24 کے قریب گارڈ ہر وقت موجود ہوتے ہیں جن میں سے کوئی نہ کوئی ایک محافظ حجر اسود کے پاس آپ کو کھڑا نظر آتا ہے۔ حجر اسود کو چوری کرنے اور اس کو نقصان پہنچانے کی غرض سے اس پر کئی بار ضرب لگائی گئی جس کی وجہ سے آج حجر اسود 8 چھوٹے چھوٹے پتھروں کا مجموعہ ہے۔ ان تمام ٹکڑوں کو جوڑا گیا ہے پھر اس کو چاندی کے حلقے میں نصب کر دیا گیا ہے، اس کی صفائی اور حفاظت کا خصوصی اہتمام کیا جاتا ہے۔ اس کو چومنا اور اس کا استلام ہر چکر میں کرنا باعث سعادت ہے۔ کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھی اس کا استلام کیا ہے۔

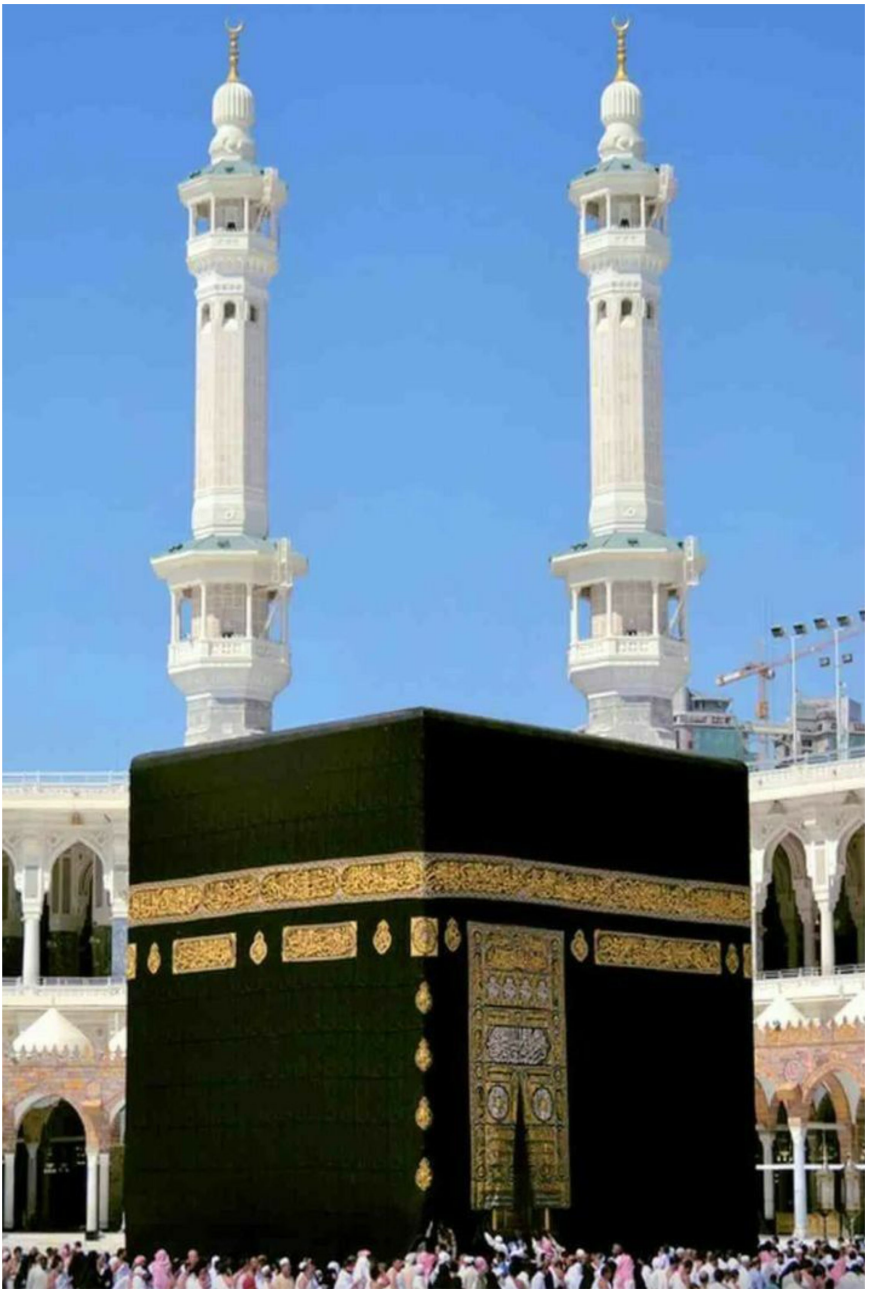



مسجد الحرمین الشریفین



غارِ حراء (اندرونی منظر)



غارِ حراء (بیرونی منظر)

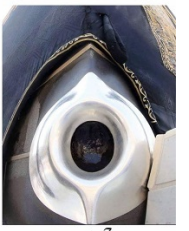

حجرِ اسود



مقامِ ابراہیم

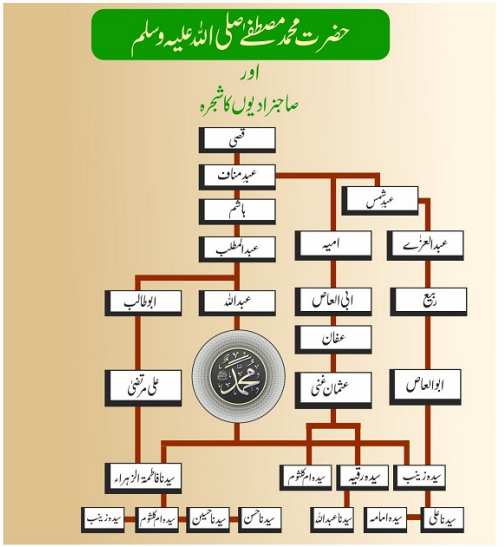



محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کے بعد کی زندگی کے اہم واقعات

مکی دور

تیسرا باب

وحی کی اقسام

محمد ﷺ سے جب پیر کے دن کی فضیلت کے بارے میں پوچھا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: ''یہ وہ دن ہے جس میں، میں پیدا ہوا اور جس میں مجھے پیغمبر بنایا گیا اور جس میں مجھ پر وحی کے نزول کی ابتدا ہوئی۔'' (ابوقتادہؓ۔ صحیح مسلم)

تقویم کے کلینڈر کے حساب سے جس سال محمد ﷺ پر نزول وحی کی ابتداء ہوئی وہ ماہ رمضان تھا اور اس مہینہ پیر کا دن جس تاریخ پر پڑا وہ ماہ رمضان کی 21 ویں رات تھی۔

محمد ﷺ کے دادا عبدالمطلب دین ابراہیمی پر تھے اور رمضان میں غار حرا میں جا کر عبادت کرتے تھے۔ محمد ﷺ کو نبوت سے پہلے تنہائی محبوب ہوگئی تھی اور آپ ﷺ کوہِ حرا کے ایک غار میں جا رہتے۔ ساتھ میں ستو اور پانی ہوتا تھا۔ یہ ایک چھوٹا سا غار ہے جس کی لمبائی 4 گز (12 میٹر) اور چوڑائی پونے دو گز (1.45 میٹر) ہے، اوپر سے یہ ایک کول کی شکل کا نظر آتا ہے۔ آپ ﷺ رمضان بھر اس غار میں قیام کرتے۔ آنے جانے والے مسکینوں کو کھانا کھلاتے اور باقی اوقات میں اللہ تعالیٰ کی عبادت کرتے اگرچہ کوئی خاص شکل نماز کی اس وقت باقی نہ رہ گئی تھی۔ آپ ﷺ صرف کائنات کے انتظام پر غور و فکر اور تدبر فرماتے۔ دنیا کی دلچسپیوں اور اس کی خوشیوں غموں پریشانیوں سے اپنے ذہن کو پاک صاف رکھ کر اللہ کے لیے یکسو رہا کرتے۔ اس طرح آپ ﷺ نے تین سال تک ماہ رمضان اسی طرح

گزارے۔ جب آپ ﷺ کی عمر 40 سال ہوگئی تو نبوت کے آثار جگمگانا شروع ہوئے۔ سب سے پہلے آپ ﷺ کو سچے خواب آنا شروع ہوئے۔ یہ سلسلہ چھ ماہ تک چلا۔ رات کو آپ ﷺ جو کچھ دیکھتے، صبح سے شام تک بالکل واقعات اسی طرح پیش آتے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زمین والوں کے ساتھ رحم و کرم کا معاملہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ ایک تحقیق کے مطابق رمضان المبارک کی 21 ویں شب تھی۔ 10 اگست 610ء کی تاریخ تھی، قمری حساب سے عمر عزیز 40 سال چھ مہینے اور شمسی حساب سے 39 سال 3 مہینے اور 22 دن تھی۔

پہلی وحی

اللہ تعالیٰ قران مجید میں فرماتے ہیں شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْ اُنْزِلَ فِیْهِ الْقُرْآنُ (سورۃ البقرۃ۔ آیت 185)

آپ ﷺ غار حرا میں تھے کہ ایک فرشتہ آیا اور اس نے کہا پڑھو اور آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس پر اس نے زور سے مجھے بھینچا کہ میری قوت نچوڑ دی۔ پھر چھوڑ کر کہا پڑھو۔ میں نے کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے مجھے دوبارہ دبوچا اور کہا پڑھو میں نے پھر کہا میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔ اس نے تیسری بار پکڑ کر مجھے دبوچا اور پھر چھوڑ کر کہا۔ ''اِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ...'' (چھ آیتیں سورۂ علق) ''پڑھو اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔ انسان کو لوتھڑے سے پیدا کیا۔'' ان آیات کو اخذ کرنے کے بعد آپ پلٹے اور اپنے گھر تشریف لے گئے، نہایت خوفزدہ تھے۔ حضرت خدیجہؓ سے کہا کہ مجھے اُڑھاؤ۔

زَمِّلُوْنِیْ زَمِّلُوْنِیْ ۔اور اُنہوں نے آپ ﷺ کو چادر اوڑھا دی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ کا خوف جاتا رہا۔اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت خدیجہؓ کو پورا واقعہ سنایا اور کہا یہ مجھے کیا ہو گیا ہے؟ مجھے تو اپنی جان کا خوف ہے۔حضرت خدیجہؓ جو آپ ﷺ کے ساتھ 15 سال کا وقت گزار چکی تھیں، آپ ﷺ کی خوبیوں سے اچھی طرح واقف تھیں، آپ ﷺ کو ان الفاظ میں تسلی دیتی ہیں۔''اللہ کی قسم! اللہ آپ کو ہرگز رسوا نہ کرے گا۔آپ ﷺ صلہ رحمی کرتے ہیں، کمزوروں کا بوجھ اُٹھاتے ہیں، مسکینوں، غریبوں کا بندوبست کرتے ہیں، مہمان کی میزبانی کرتے ہیں اور حق کے مصائب پر اعانت کرتے ہیں۔''

حضرت خدیجہؓ، حضرت محمد ﷺ کو اپنے چچازاد بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں جو بہت بوڑھے اور نابینا ہو چکے تھے۔ان کو آپ ﷺ نے تمام ماجرا سنایا۔ وہ اس وقت کے مذہب عیسائیت کو قبول کر چکے تھے اور عبرانی لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔اُنہوں نے کہا''یہ تو وہی ناموس ہے جو اللہ تعالیٰ، موسیٰ علیہ السلام پر نازل کر چکے ہیں۔کاش میں اس وقت زندہ ہوتا اور توانا ہوتا تو آپ ﷺ کی مدد کرتا جب آپ ﷺ کی قوم آپ ﷺ کو نکال دے گی۔''''اچھا میری قوم مجھ کو نکال دے گی۔''محمد ﷺ نے کہا۔ورقہ بولے۔''جب بھی اس طرح کا پیغام کوئی لے کر آیا ہے تو اس سے ضرور دشمنی کی گئی ہے۔اگر میں نے تمہارا زمانہ پایا تو ضرور مدد کروں گا۔''اس پہلی وحی کے بعد ورقہ بن نوفل انتقال کر گئے۔وحی کا نزول کچھ عرصہ رکا رہا مگر آپ ﷺ جب دلبرداشتہ ہوکر اپنے آپ کو ہلاک کرنے کیلئے نکلتے تو آپ ﷺ کو وہی فرشتہ نظر آجاتا جو آپ ﷺ کو یقین دلاتا کہ''آپ اللہ کے نبی ہیں۔''حضرت جابر بن عبداللہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے بندش وحی کے

بارے میں تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا۔ ''میں چلا جارہا تھا کہ مجھے اچانک آسمان سے ایک آواز سنائی دی۔ میں نے اوپر نگاہ اُٹھائی تو کیا دیکھتا ہوں، وہی فرشتہ جو حرا میں میرے پاس آیا، آسمان وزمین کے درمیان ایک کرسی پر بیٹھا ہے۔ ایک روایت میں ہے جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے جبرئیل علیہ السلام کو اس حال میں دیکھا کہ ان کے 600 پر ہیں اور ان کی ہستی جدھر نظر دوڑاؤ وہیں ہر طرف چھائی ہوئی تھی۔ آپ ﷺ خوفزدہ ہوگئے اور گھر کی طرف لوٹے اور کہا مجھے اوڑھاؤ اور پھر سورۂ مدثر کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں۔ یٰٓاَیُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۝ قُمْ فَاَنْذِرْ ۝ وَ رَبَّكَ فَكَبِّرْ ۝ وَ ثِيَابَكَ فَطَهِّرْ ۝ وَ الرُّجْزَ فَاهْجُرْ ۝ اس کے بعد تو سلسلہ وحی مستقل جاری ہوگیا اور 23 سال جاری رہا۔

وحی کی اقسام

علامہ ابن قیمؒ نے وحی کی مندرجہ ذیل اقسام کا ذکر کیا ہے۔

(۱) سچا خواب: سب سے پہلے آپ ﷺ کو سچے خواب نظر آنا شروع ہوئے یعنی جو کچھ آپ رات کو دیکھتے، دن میں بالکل ایسا ہی پیش آیا کرتا۔

(۲) فرشتہ آپ کو نظر نہ آیا مگر آپ ﷺ کے دل میں وہ بات ڈال دیتا اور آپ ﷺ کے منہ سے وحی جاری ہوجاتی جسے آپ لکھوالیا کرتے۔۔

(۳) فرشتہ آدمی کی شکل اختیار کرلیتا اور آپ ﷺ سے مخاطب ہوتا۔ کہتے ہیں اکثر آپ ﷺ کے ایک صحابی دحیہ کلبیؓ کی شکل میں آتا جو انتہائی خوبصورت آدمی تھے۔ جو کچھ وہ کہتا آپ ﷺ اسے یاد کرلیتے۔

(۴) آپ ﷺ کے کانوں میں گھنٹی کے ٹن ٹن کی آوازیں آتی یعنی پہلے گھنٹی کی آواز اور پھر وحی کے عربی زبان کے الفاظ۔ یہ سخت ترین وحی کی شکل تھی۔ سخت سردی کے زمانے میں بھی آپ ﷺ کی پیشانی سے پسینہ بہنے لگتا اور آپ ﷺ اگر اونٹنی پر سوار ہوتے تو اونٹنی زمین پر بیٹھ جاتی۔

(۵) فرشتہ اپنی اصلی صورت میں نظر آتا اور جو اللہ تعالیٰ پیغام بھیجتے وہ پہنچا دیتا۔ ایسی صورت دو مرتبہ پیش آئی جس کا ذکر سورۃ النجم کی 6، 7 اور 8 ویں آیت میں آیا ہے۔

(۶) وہ وحی جو سات آسمانوں کے اوپر عرش معلیٰ سے آپ ﷺ پر وحی کی گئی۔

(۷) فرشتے کے واسطے کے بغیر اللہ تعالیٰ سے آپ ﷺ کا حجاب میں رہ کر خطاب ہوا جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ گفتگو کا ذکر قرآن میں آیا ہے لیکن نبی ﷺ سے گفتگو کی خبر حدیث دیتی ہے۔

نزول وحی کا ایک واقعہ: حضرت عمیر بن وھب اپنے اسلام لانے کا واقعہ خود بیان کرتے ہیں کہ وہ کٹر دشمن اسلام تھے۔ نبی ﷺ سے انتہائی نفرت کرتے تھے اور مسلمانوں کو اذیت دینے میں پیش پیش تھے۔ جب غزوۂ بدر میں کفار مکہ کو شکست ہوئی اور ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے اور بڑے بڑے سردار اور ان کی اولاد قید ہوئیں تو ان قیدیوں میں عمیر بن وھب کا نوجوان بیٹا بھی تھا۔ ایک روز مکہ میں وہ صفوان بن اُمیہ کے ساتھ بیٹھ کر اپنی شکست کا ذکر کر کے بڑے رنجیدہ تھے۔ وہ سردارانِ قریش کی موت پر آنسو بہانے کے بعد بولے، اب اس کے بعد زندہ رہنے کا کوئی مزہ نہیں کہ اتنے میں عمیر نے کہا۔ بات تو سچ ہے مگر رب کعبہ کی قسم! اگر میں مقروض نہ ہوتا اور عیالدار نہ ہوتا تو محمد ﷺ کو ابھی جا کر قتل کر دیتا۔''

صفوان نے کہا ''تمہارا سارا قرضہ میں ادا کر دوں گا اور تمہارے بعد تمہارے

بچوں کی خبر گیری بھی کروں گا، جاؤ جا کر یہ کام کرو۔'' دونوں نے رازداری کا وعدہ کیا کہ کسی کو اس بات کی خبر نہ کریں گے۔ پھر اس نے تلوار خوب تیز کروائی اور اس پر زہر لگوایا اور بیٹے سے ملنے کے بہانے مدینہ پہنچ گیا۔ مسجد نبوی ﷺ میں پہنچا تو حضرت عمرؓ نے دیکھا کہ گلے میں تلوار لٹکی ہوئی ہے اور اس کا رخ حضور اکرم ﷺ کی طرف ہے، اس کی گردن میں چادر ڈال کر اس کو قابو کیا اور حضور اکرم ﷺ کے پاس لے آئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا، عمر! اس کو چھوڑ دو اور عمیر سے پوچھا کیسے آئے ہو؟ بولا۔ ''میرا بیٹا آپ ﷺ کی قید میں ہے، اسی کے لیے آیا ہوں۔'' محمد ﷺ مسکرائے اور فرمایا۔ ''پھر تلوار گردن میں کیوں لٹکا رکھی ہے؟'' بولا۔ ''یہ تلواریں ہمارے کس کام کی۔ بدر میں کچھ کام نہ آئیں۔'' محمد ﷺ نے فرمایا۔ ''اچھا، تم نے اور صفوان نے تو مکہ میں حطیم میں بیٹھ کر یہ طے کیا تھا کہ تم میرے قتل کے لیے آئے ہو۔'' اور آپ ﷺ نے تمام باتیں اس کو بتا دیں جن کی وحی الٰہی نے آپ ﷺ کو خبر دی تھی۔ وہ جانی دشمن ہکا بکا رہ گیا اور پکار اُٹھا۔ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں اور آپ ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ آپ کو وحی کے ذریعے خبر دیتا ہے، وہاں اس وقت میرے اور صفوان کے سوا کوئی نہ تھا۔'' پھر محمد ﷺ نے اس کے بیٹے کو بلا معاوضہ رہا کر دیا اور وہ بیٹے کے ساتھ دولت اسلام بھی لے کر مدینہ سے مکہ چلا گیا۔ فتح مکہ کے وقت وہ حضور ﷺ کی خدمت میں آتا ہے اور عرض کرتا ہے، میرا دوست صفوان آپ ﷺ کے خوف کی وجہ سے چھپ گیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا میں اسے امان دیتا ہوں۔ حضرت عمیرؓ عرض کرتے ہیں کہ کوئی نشانی عطا ہو جائے۔ حضور ﷺ اپنی چادر اُتار کر اُسے دے دیتے ہیں۔ عفو و درگزر کی اس شاندار مثال سے عمیرؓ کا دل و

دماغ ہی روشن نہیں ہوتا، ہم میں سے ہر پڑھنے والے کا دل گداز ہوجاتا ہے کہ اپنے جانی دُشمن پر قابو پانے کے باوجود کوئی سزا تو کیا دیتے، عفو کا بے پایاں مظاہرہ کیا ہے اور یہ مظاہرہ ہمیں فتح مکہ کے وقت عام معافی کے اعلان میں بھی نظر آتا ہے۔

مکہ میں خفیہ تبلیغ

اسلام کے ابتدائی زمانے میں جو لوگ ایمان لائے ان میں حضرت علیؓ، زید بن حارثہؓ، حضرت ابوبکر صدیقؓ جو آپ ﷺ کے دوست تھے، پھر حضرت ابوبکرؓ کی کوششوں اور اللہ کی تائید سے ایک مالدار، نفیس، باحیا تاجر حضرت عثمانؓ ایمان لائے، پھر سعد بن ابی وقاصؓ، عبدالرحمٰن بن عوفؓ، زبیر بن عوامؓ اور طلحہؓ مشرف بہ اسلام ہوئے۔ عبداللہ بن مسعودؓ غلام تھے، بکریاں چراتے تھے، بلال ابن رباح، خباب، سمیہ، یاسر، عمار بن یاسر، یہ سب غلام تھے۔ یہ روحیں سب سے ابتدائی زمانہ میں اسلام میں داخل ہوئیں۔ عمرو بن عبسہ مکہ آئے طواف کیا۔ ان کا دل کبھی بتوں پر راضی نہ ہوا۔ ان کو بتایا گیا کہ ایک آدمی مکہ میں عجیب باتیں کرتا ہے، وہ اس سے ملنے گیا اور سوالات کیے، آپ ﷺ کون ہیں؟ محمد ﷺ نے فرمایا میں نبی ہوں۔ نبی کیا ہوتا ہے؟ جواب دیا گیا کہ جس کو اللہ بھیجتا ہے۔ پوچھا گیا آپ کیا پیغام لے کر آئے ہیں؟ محمد ﷺ نے فرمایا اپنے گھر والوں کے ساتھ اچھا سلوک کرو، رحم کے رشتوں کا خیال کرو، بتوں کی پوجا چھوڑ دو، اللہ کی عبادت کرو۔'' اُنہوں نے کہا یہ تو

بہت اچھی باتیں ہیں، میں آپ ﷺ کے دین میں آنا چاہتا ہوں۔ میں آپ ﷺ کی مدد کرنا چاہتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''ابھی آپ واپس جائیے، آپ دور سے آئے ہیں۔ کچھ مدت انتظار کر لیجیے، جب آپ یہ سنیں کہ میرا پیغام پھیل رہا ہے تو آپ واپس آیئے گا۔ وہ چلے گئے۔ ایک طویل عرصہ غالباً 15 سال بعد اُنہوں نے سنا کہ محمد ﷺ مدینہ آ گئے ہیں اور اُنہوں نے ایک ریاست قائم کر لی ہے۔ وہ حاضر خدمت ہوئے اور آپ ﷺ سے ملاقات کی اور پوچھا آپ ﷺ کو یاد ہے، میں کون ہوں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جی! آپ وہ ہیں جو بالکل اسلام کے ابتدائی دنوں میں آئے تھے۔ محمد ﷺ کا حافظہ دیکھیے، پہچان گئے۔ وہ مدینہ میں رک گئے اور نبی ﷺ کے بڑے وفادار ساتھیوں میں ان کا شمار ہوا۔ (صحیح مسلم)

رسول اللہ ﷺ اپنے رشتہ داروں اور دوستوں کے پاس ہی جاتے تھے اور اسلام سمجھاتے تھے۔ یہ خفیہ تبلیغ تھی جو 3 سال جاری رہی۔ ان کا آپس میں تعلق گہری محبت کی مثال بن گئی۔ اللہ کی نظر میں ان کی بہت قدر ہے۔ یہ ہی نام ہمیں نبی ﷺ کے ساتھ ہر جگہ نظر آتے ہیں۔ چاہے جنگ ہو یا امن، انتہائی عاشق رسول ﷺ اور عبادت گزار لوگ تھے۔ یہ مال کے حساب سے نچلے درجے کے تھے اور تمام نبیوں کے بہترین ساتھی، ہمیشہ ایسے ہی لوگ ہوتے ہیں مگر اسلام کے سب سے اونچے درجے پر فائز ہوئے۔

اعلانیہ تبلیغ

خفیہ تبلیغ کرتے تین سال گزر گئے۔ 40 لوگوں کا قافلہ تیار ہو گیا۔ مگر اسلامی تحریک کے ان اوّلین علمبرداروں میں سے کوئی ایک بھی ایسا نہ تھا جو اعلیٰ درجہ کے قومی یا مذہبی منصب پر مامور ہو یعنی ان کے مفادات اور اغراض و مقاصد کسی سے وابستہ نہ تھے۔ ہمیشہ ایسے ہی آزاد فطرت نوجوان تاریخ میں بڑی تبدیلی لانے کا موجب ہوا کرتے ہیں۔ دوسرے اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ محمد ﷺ کا کردار اور اخلاق اتنے ہی اعلیٰ تھے کہ ان کی پیش کردہ بات کو دل قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتے تھے۔

قریش نے اس دعوت اسلامی کو کوئی اہمیت نہ دی کیونکہ اس کا اثر Main Stream پر نہ پڑا تھا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ بھی ایسی ہی بات ہے جو نبوت سے پہلے کچھ لوگ زید بن عمرو، اُمیہ بن الصلت وغیرہ جو ایک اللہ کے قائل تھے، بتوں سے بیزاری ظاہر کرتے تھے اور کعبہ کا پردہ پکڑ کر دعائیں مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ! ہمیں معلوم ہے تو ایک ہے، تیرا کوئی شریک نہیں مگر ہمیں معلوم نہیں کہ تیری عبادت کیسے کریں، اے اللہ رہنمائی عطا فرما۔

دوسری بات یہ کہ اس دعوت کو پھیلانے کے لیے کسی میڈیا کی مدد بھی نہیں لی گئی تھی۔ پھر نبوت کے چوتھے سال سورۃ الشعراء کی یہ آیت نازل ہوئی۔

وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ (اور اپنے قریبی لوگوں کو خبردار کیجئے (دعوت دیجئے)

اس آیت کے نزول کے بعد آپ ﷺ نے بنی ہاشم کو کھانے کی دعوت پر جمع کیا، ان کے ساتھ بنی مناف کے بھی کچھ لوگ تھے۔ کل 45 آدمی تھے۔ سب کھانے پینے

میں شریک ہوئے۔ آپ ﷺ ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ اپنی دعوت دین کا آغاز کریں کہ یہی طریقہ (Idea) آپ ﷺ کے چچا ابولہب کے دماغ میں آ گیا اور اس نے اپنی بات پہلے رکھ دی۔

اس نے نبی ﷺ کو دھمکانا شروع کیا۔ ''محمد (ﷺ) جو تم نے نیا دین نکالا ہے اور باپ دادا کے دین کو غلط اور برا کہتے ہو تو یہ حرکتیں چھوڑ دو ورنہ تمہارے بھائیوں کو یہ حق ہوگا کہ تم کو قید کر دیں کیونکہ ان کو یہ گوارا نہیں کہ قریش تم پر حملہ کر دیں اور پھر سارا عرب بھی ان کا ساتھ دے گا۔ وہ مسلسل لوگوں کو بھڑکا تا رہا تم لوگ سب ابھی سے اس کا ہاتھ پکڑ لو۔ اس وقت کا کیوں انتظار ہے جب دوسرے پکڑیں گے اور اس وقت دیر ہو چکی ہوگی۔ اگر ان کے حوالے کرو گے تو ذلیل ہو گے اور حمایت کرو گے تو مارے جاؤ گے۔'' آپ ﷺ چاہتے ہوئے بھی کچھ نہ بول سکے۔ آپ ﷺ کی پھوپی صفیہ نے کہا۔ ''شرم نہیں آتی، بھتیجے کی مخالفت کر رہا ہے، خدا کی قسم جاننے والے تو ایک زمانے سے کہہ رہے ہیں کہ آل مطلب میں ایک نبی ہوگا اور وہ یہی ہیں۔'' اس پر ابولہب خوب ہنسا ''تم عورت ذات کیا جانو سب مل کر حملہ آور ہوں گے تو ہم کو چیونٹیوں کی طرح مسل دیں گے۔'' اس پر ابو طالب نے جواب دیا۔ ''جب تک جان میں جان ہے، ہم آپ ﷺ کا ساتھ دیں گے۔'' یہ سن کر ابولہب جانے کے لیے اُٹھ کھڑا ہوا اور ساتھ ہی دوسرے لوگ بھی اُٹھ کر چل دیئے۔

اس کے کچھ عرصے بعد آپ ﷺ نے ایک مرتبہ پھر دعوت کا اہتمام کیا اور خاندان والوں کو گھر پر بلایا۔ کھانے سے فارغ ہونے کے بعد محمد ﷺ نے فرمایا۔ ''ساری حمد اللہ کے لیے ہے، میں اسی کی حمد کرتا ہوں، اسی سے مدد چاہتا ہوں، اس پر ایمان رکھتا ہوں، اسی پر بھروسہ کرتا ہوں اور گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی لائق

عبادت نہیں، وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔ پھر ذرا توقف کے بعد فرمایا۔ ''رہنما اپنے گھر کے لوگوں سے جھوٹ نہیں بول سکتا۔ اس اللہ کی قسم جس کے سوا کوئی معبود نہیں، میں تمہاری طرف خصوصاً اور تمام لوگوں کی طرف عموماً اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں۔ واللہ تم لوگ اسی طرح موت سے دوچار ہو گے جس طرح سو جاتے ہو اور اسی طرح اُٹھائے جاؤ گے جیسے سو کر جاگتے ہو، پھر تم سے حساب لیا جائے گا۔ اس کے بعد یا تو ہمیشہ کے لیے جنت ہے یا ہمیشہ کے لیے جہنم۔ رب کا حکم ہے کہ میں تم کو اس کی طرف بلاؤں۔ ہے کوئی جو اس کام میں میرا ساتھ دے؟'' پھر آپ ﷺ خاموش ہو گئے اور لوگوں کے چہروں کو تکنے لگے۔ محفل پر سناٹا طاری تھا۔ کچھ لوگوں کے چہروں پر حیرت طاری تھی کہ اُنہوں نے یہ پیام کبھی سنا نہ تھا اور کچھ لوگوں کو یہ باتیں پسند نہ آئیں۔ اس وقت ایک بارہ یا تیرہ سالہ دبلا پتلا لڑکا کھڑا ہو گیا۔ ''اللہ کے رسول میں آپ کا ساتھ دوں گا۔'' یہ بچہ علی تھا جنہوں نے آگے چل کر آپ ﷺ کا ساتھ دینے کا حق ادا کر دیا۔ یہ منظر دیکھ کر حاضرین میں زبردست قہقہے لگائے گئے۔ لوگوں نے اس پیغام کو مذاق میں اُڑا دیا۔ آپ ﷺ کی سنجیدہ باتوں کو بالکل سنجیدگی سے نہیں لیا۔

محمد ﷺ کی دعوت کے اس طریقہ میں ہم مسلمانوں کے لیے ایک بہترین مثال ہے کہ ہم جہاں کہیں جائیں، مسلمان ملک ہو یا غیر مسلم، پڑوسی ہو یا دوست احباب سب کو جمع کر کے اپنے دین کی دعوت کو ضرور پہنچائیں۔ دعوت کا جواب کیا آتا ہے اس سے بددل نہ ہوا جائے بلکہ اپنی ذمہ داری ادا کر دی جائے آج کل تو چھوٹے موٹے کتابچے اور پمفلٹ اور بروشرز (Brochures) بھی اسلام کی تعلیمات پر تیار ملتے ہیں وہ بھی دیئے جا سکتے ہیں۔

اس کے بعد آپ ﷺ نے مروجہ میڈیا کے ذریعے مدد لی، کوئی اعلان کرنا ہوتا تو ایک شخص کسی بلندی پر چڑھ کر سب کو پکارتا۔ لوگ جمع ہوجاتے اور وہ بات پہنچا دیتا۔ چنانچہ محمد ﷺ صبح سویرے کوہِ صفا پر چڑھ گئے اور پکارا ''یا صباحاہ'' (ہائے صبح کی آفت) آپ ﷺ نے پکار کر کہا۔ ''اے بنی فہر اے بنی عدی، یہاں تک کہ سب اکٹھا ہو گئے اور جو نہ آ سکتا تھا اس نے اپنا قاصد بھیج دیا کہ دیکھیں معاملہ کیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''اگر میں کہوں کہ اس پہاڑ کے پیچھے سے ایک حملہ آور فوج چلی آ رہی ہے تو کیا تم سچ مانو گے؟'' مجمع نے بآواز بلند پکار کر کہا۔ ''ہاں، ہم نے آپ ﷺ کو ہمیشہ سچ بولتے پایا ہے۔'' ''تو پھر میں یہ کہتا ہوں کہ ایک اللہ پر ایمان لے آؤ، اے بنو عبدالمطلب، اے بنو عبد مناف، اے بنو زہرہ، اے بنو تمیم، اے بنو مخزوم، اے بنو اسد، ورنہ تم پر سخت عذاب نازل ہوگا۔ (بخاری، عباسؓ)

مسلم میں ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا ''اے جماعت قریش اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ۔ اے بنی کعب اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ، اے محمد کی بیٹی فاطمہ اپنے آپ کو جہنم سے بچاؤ کیونکہ میں تم لوگوں کو اللہ سے بچانے کا کچھ بھی اختیار نہیں رکھتا۔ البتہ تم لوگوں سے نسب اور قرابت کے تعلقات ہیں، جنہیں میں باقی اور تر و تازہ رکھنے کی کوشش کروں گا۔''

مکہ کی آبادی اس وقت تقریباً ایک ہزار لوگوں پر مشتمل تھی۔ ایک چھوٹا سا گاؤں جیسا تھا، سب لوگوں تک آپ ﷺ نے اللہ کی بات پہنچا دی۔

آپ ﷺ کے چچا ابولہب بول اُٹھا: ''تبا لك ألهذا جمعتنا'' غارت ہو تم نے کیا اس لیے ہم کو جمع کیا تھا۔ ان کے بڑے ناراض ہو کر چلے گئے، ان کو لگا یہ

بالکل بے کار بات ہے اور یہاں آ کر ان کا وقت ضائع ہوا ہے۔ اس کے بعد سورۃ الحجر کی آیت 94 نازل ہوئی: فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ (آپ ﷺ کو جو حکم ملا ہے اسے کھول کر بیان کیجیے اور مشرکین سے رخ پھیر لیجیے۔) اس کے بعد آپ ﷺ نے لوگوں کو سمجھایا کہ یہ تمام بت کتنے ناکارہ ہیں، جو بھی ان کو پوجتا ہے اپنے اور اللہ کے درمیان وسیلہ بناتا ہے، وہ کھلی گمراہی میں ہے۔ اس پر شدید ردعمل (Reaction) آیا اور تمام اکابرین اپنے اس نظام کو بچانے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوئے کیونکہ بتوں کا انکار اور ایک اللہ پر ایمان لانے کا مطلب تھا اپنے آپ کو محمد ﷺ کے حوالے کر دیا جائے اور ان کی Supremacy کو تسلیم کیا جائے۔ ان کو اپنا برائیوں میں بھرا طرزِ زندگی چھوڑنا پڑے گا۔ اس سے نمٹنے کیلئے اُنہوں نے درج ذیل Tactis اپنائیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ آج بھی وہی جاہلیت کے طریقے اپنائے جا رہے ہیں اور تمام لوگوں کو اسلام سے دور کرنے اور خوفزدہ کرنے کی بالکل یہی کوششیں کی جا رہی ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ پہلے دو بدو یعنی آمنے سامنے ایک چھوٹے ماحول میں یہ کام کیا جاتا تھا۔ اب پرنٹ میڈیا، اخبار، آرٹیکل اور کمپیوٹر میں سوشل میڈیا اور ٹیلی ویژن کے ذریعے سے بڑے پیمانے پر اس کی تشہیر کی جا رہی ہے۔

مکہ میں دعوت اسلامی کو درپیش چیلنجز

دعوت کے خلاف مہم

(۱) مذاق اُڑانا، جھوٹا کہنا، تذلیل کرنا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کبھی پاگل کہا جاتا۔

وَقَالُوْا یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْ نُزِّلَ عَلَیْهِ الذِّكْرُ اِنَّكَ لَمَجْنُوْنٌ (6-15)۔

''ان کفار نے کہا اے وہ شخص جس پر قرآن نازل ہوا تو یقیناً پاگل ہے۔''

اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جادوگر اور جھوٹا کہتے۔

وَعَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ وَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا سٰحِرٌ كَذَّابٌ o

''اُنہیں حیرت ہے کہ خود ان ہی میں سے ایک ڈرانے والا آیا ہے اور کافر کہتے ہیں یہ جادوگر ہے، جھوٹا ہے۔'' (4-38)

یہ کفار محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آگے پیچھے پر غضب اور منتقمانہ نگاہوں اور بھڑکتے جذبات کے ساتھ چلتے تھے۔ یعنی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مسلمانوں کے ساتھ ان کے دلوں میں بغض بھرا ہوا تھا۔ قرآن میں 51-68 ذکر آیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اردگرد کمزور و مظلوم صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کو دیکھتے تو مذاق اُڑاتے۔

(۲) محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کو مسخ کرنا، شکوک و شبہات پیدا کرنا، جھوٹا پروپیگنڈا

کرنا، آپ ﷺ کی شخصیت پر واہیات اعتراضات کرنا اور یہ سب اس کثرت سے کرنا کہ لوگوں کو سوچنے کا موقع ہی نہ مل سکے اور جھوٹ سچ لگنے لگے۔

قرآن کے متعلق کہتے ''یہ پہلے لوگوں کے افسانے ہیں، جنہیں آپ ﷺ نے لکھوالیا ہے۔'' (5-25)

''یہ محض جھوٹ ہے جسے اس نے گھڑ لیا ہے اور کچھ دوسرے لوگوں نے اس پر اس کی مدد کی ہے۔ یہ کیسا رسول ہے، کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے۔'' (7-25)

قرآن کریم میں ایسے بہت سے اعتراضات آئے ہیں اور ان کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں۔

دلائل کے مقابلے میں جب گالیاں دی جاتی ہیں تو روز بہ روز نئی نئی گالیاں ایجاد کی جاتی ہیں کیونکہ ایک گالی تھوڑے عرصے بعد اپنا اثر کھو دیتی ہے اور حق کا چہرہ واضح نظر آنے لگتا ہے۔ محمد ﷺ کو ''ابن ابی کبشہ'' کہا گیا۔ ابی کبشہ ستارہ شعریٰ کا پجاری تھا۔ یعنی ان کے دین سے الگ ایک دین کا پیرو تھا۔ اس لیے محمد ﷺ کو ابی کبشہ کا بیٹا کہا گیا کہ وہ بھی نئے دین کے موجد تھے۔ گویا گالی محمد ﷺ کو نہیں بلکہ آپ ﷺ کے نظریہ، آپ ﷺ کے دین کو دی جارہی تھی۔

محمد ﷺ کو ''پاگل'' مجنوں کہنے والوں سے سوال ہے کہ کیا کسی مجنوں نے کبھی کوئی تحریک چلائی ہے اور لوگوں کو جمع کیا ہے۔ یہ ہی بات ''جادوگر'' کہنے والوں سے بھی کہی جاتی ہے کہ تاریخ میں بھلا کون سا جادوگر گزرا ہے جس نے جادو کے زور سے لوگوں کے ذہن و دماغ کو متاثر کر کے ان کی سیرت کو تبدیل کیا ہو اور ایک انقلاب برپا کیا ہو۔ اسی طرح کلام الٰہی کو شاعری کہنے والوں سے بھی پوچھیے کہ کیا کبھی کوئی ایسا

شاعر پیدا ہوا ہے جو اس بے داغ سیرت و کردار کا حامل ہو۔ کیا شاعروں نے ایسی اصلاحات برپا کی ہیں۔ یہی بات ''کاہن'' کہنے والوں کے لیے بھی ہے۔ کاہن جو مذہبی اطوار رکھتے تھے، ایک عجیب پراسرار سی فضا بناتے تھے۔ چلّوں، مَنتروں میں مشغول رہنے والے غیب کی خبریں بتاتے تھے، پیٹ بھرنے کے لیے مریدی کا چکر چلاتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے سورۃ الحاقہ میں جواب دیا کہ ''نہ وہ شاعر ہیں اور نہ کاہن ہیں۔'' (الحاقہ 41-42)

گویا اللہ کے کلام کے حسن و جمال و کمال کو اُنہوں نے قبول نہ کیا اور کہا کہ محمد ﷺ سحر زدہ ہیں، مجنون ہیں، جن نے آکر پڑھایا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے قرآن میں رہتی دنیا تک کے ایسے لوگوں کو چیلنج کر دیا کہ تم سب انسان مل کر اور جنوں کو ساتھ ملا کر کوئی ایک سورت یا چند آیت ہی بنا کر لاؤ۔ آج تک دنیا اس سے عاجز رہی ہے۔ کوششیں ضرور کی گئیں مگر ناکام ہوئیں کیونکہ قرآن کے مقابلے میں وہ بے ہودہ کمزور اور بے وقعت ثابت ہوئیں۔

(۳) قرآن میں دیئے گئے نبیوں کے قصوں سے دنیا کے دوسرے قصوں کا مقابلہ کرنا اور لوگوں کو ان میں اُلجھائے رکھنا۔

کاہن، جادوگر، ساحر اور جھوٹا کہنے کی گالیاں کچھ اثر نہیں کر رہی تھیں کیونکہ محمد ﷺ کا کردار اور ان کی 40 سالہ زندگی ان سب کے سامنے تھی۔ چنانچہ نضر بن حارث حیرہ کے یمن گیا اور وہاں سے رستم و اسفندیار کے قصے سیکھ کر واپس آیا۔ جہاں نبی ﷺ کچھ نوجوانوں کو بٹھا کر قرآن سناتے، وہیں یہ پہنچ جاتا اور اپنے قصے سنانا شروع کر دیتا اور نوجوان اس کی چٹ پٹی باتوں میں کھو جاتے۔ ابن عباسؓ روایت

کرتے ہیں کہ اس نے چند لونڈیاں خرید رکھی تھیں جو گاتی بجاتی تھیں اور جس نوجوان کے بارے میں پتہ چلتا کہ وہ محمد ﷺ کی باتوں سے متاثر ہو رہا ہے، تو وہ اس کو اپنے پاس لے آتا اس پر ایک لونڈی مسلط کر دیتا جو اسے کھلاتی پلاتی اور گانے سناتی۔ یہاں تک کہ وہ محمد ﷺ کی تعلیمات سے ہٹ جاتا۔

آج کل یہ ترکیب خوب زوروں پر چل رہی ہے کہ مسلمانوں اور غیر مسلم نوجوان لوگوں پر ٹک ٹاک پروگراموں (Tik Tok Shoes) پر پُرتشدد اور جنسی جرائم سے بھرپور فحش فلمیں وغیرہ کے ذریعے لوگوں کے ذہن مفلوج کیے جا رہے ہیں اور لوگ کسی بھی سنجیدہ بات کو سننے، سمجھنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اسلام میں حلال و حرام کی پابندیاں، لذت و خواہشات پر کنٹرول ان کو نہیں بھاتا اور وہ لادینیت کا شکار ہو رہے ہیں۔ دن اور رات ''موبائل فون'' میں پرتشدد مختلف قسم کے اور واٹس ایپ گروپ میں دلچسپی بڑھتی جا رہی ہے اور اخلاقیات کا جنازہ نکالا جا رہا ہے۔

آج کل باقاعدہ سوشل میڈیا کے لوگوں کا ڈیٹا جمع کیا جاتا ہے، پھر اسے فروخت کیا جاتا ہے اور شاطر حضرات بیٹھتے ہیں کہ وہ کون سے کمزور پہلو ((Points ہیں جس سے مسلمانوں، خاص طور پر نوجوانوں کے ذہنوں کو ان کے ذریعے گمراہ کیا جائے، پڑھے لکھے طبقے کیلئے یہ کام ملحد (Intellectuals) بھی کر رہے ہیں۔ یہ کام دین میں جدیدیت کے فتنوں کی ایجاد سے بھی ہو رہا ہے اور تفریح کے نام پر، فلموں ڈراموں کی بھرمار اور ان میں بداخلاقی اور مذہب سے انحراف اور اس کا مذاق بھی دکھایا جا رہا ہے۔ ایس ایم ایس (Message) کو فارورڈ (Forward) کرنے کا رواج اتنا عام ہو گیا ہے کہ گھنٹوں موبائل فون (Cell Phone) پر بیٹھے بیٹھے جانے اَن جانے

بے کار فضول اور غلط قسم کی پوسٹس (Posts) کو خوب شیئر (Share) کیا جارہا ہے۔ یہ کیا خدمت ہے جو ہم آج کر رہے ہیں۔ نہ یہ اسلام کی خدمت ہے اور نہ ہی مسلمانوں کی، بلکہ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنے کے مترادف ہے۔ کاش ہم ان چالوں کو سمجھنے والے بن جائیں۔

(۴) داعی حق کے ساتھ غنڈہ گردی: جب استہزا، برے القاب سے پکارنے جیسے غلط طریقوں کا کوئی خاطر خواہ نتیجہ نہ نکلا تو اہل مکہ غنڈہ گردی پر اُتر آئے۔ وہ حرکات جو روزمرہ کا معمول بن گئی تھیں، یہ تھیں کہ آپ ﷺ کے محلہ دار جو بڑے بڑے سردار تھے، بڑے اہتمام سے آپ ﷺ کے راستے میں کانٹے بچھاتے تھے۔ نماز پڑھتے وقت شور وغوغا مچاتے، ہنسی اُڑاتے، عین حالت سجدہ میں اوجھڑی لا کے ڈالتے اور کبھی چادر گلے میں لپیٹ کر گلا گھونٹتے۔ ابولہب مکہ کا سردار، آپ ﷺ کا چچا اور اس کی بیوی بلا ناغہ کئی سالوں تک آپ ﷺ کے گھر کے باہر کے راستے میں کانٹے، غلاظت اور کوڑا کرکٹ ڈالتی رہی۔ آنحضور ﷺ روزانہ اس راستے کی صفائی کرتے اور کہتے یہ کیسا حق ہمسائیگی ہے۔ آپ ﷺ کے صحن میں کھانا پکتا تھا، گندگی پھینکی جاتی جو سیدھے آکر گھر میں پکتے کھانے میں گرتی، اسی پریشانی کے زمانے میں سورۂ لہب نازل ہوئی تھی جس میں اللہ تعالیٰ نے خوشخبری سنائی کہ ابولہب کے ہاتھ ٹوٹ گئے، یعنی وہ کامیاب نہ ہوگا یہ اور اس کی بیوی جہنم میں جانے والے ہیں۔

ایک مرتبہ محمد ﷺ حرم مکہ میں مصروف نماز تھے کہ ابوجہل کی شہہ پر عقبہ بن ابی معیط اُٹھا اور اونٹ کی اوجھڑی (پیٹ کی آنتیں) حالت سجدہ میں آپ ﷺ کی گردن پر لاکر ڈال دی تاکہ ذرا ہلیں اور نعوذ باللہ آپ ﷺ کی گردن ٹوٹ جائے۔ پھر

آپ ﷺ کی بیٹی فاطمہ آئیں اور اُنہوں نے اپنے ننھے ہاتھوں سے اس گندگی کو ہٹایا اور وہاں پر موجود کمزور مسلمانوں کی رسول اللہ ﷺ کی مدد کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔

ایک مرتبہ آپ ﷺ راستہ چل رہے تھے کہ کسی شقی نے سر پر مٹی ڈال دی۔ ایک مرتبہ رسول خدا ﷺ نماز میں مصروف تھے کہ عقبہ نے آپ ﷺ کی گردن میں چادر ڈال کر اس کو خوب بل دیئے اور گلا گھونٹنے کی کوشش کی، یہاں تک کہ آپ ﷺ گھٹنوں کے بل گر پڑے۔ کوئی اور ہوتا تو اس توہین آمیز سلوک کے بعد اس دعوتی کام کو فوراً ختم کر دیتا مگر وہ رحمت اللعالمین ﷺ میرے اور آپ تک پیغام پہنچانے کے لیے یہ سب تکالیف برداشت کرتے رہے اور تحریک حق کا راستہ ایک لحظہ کیلئے بھی نہ رکا۔ توحید اور حسن اخلاق کے جیسے عزیمت ہتھیار نے غنڈہ گردی کو شکست دی اور کارواں بڑھتا گیا۔

(۵) حمایتیوں کو توڑنے کی کوشش: اہل مکہ حضور ﷺ کے قتل کے دَرپے تھے، مکہ میں ابوطالب کی حمایت اور بنو ہاشم کی سرپرستی کی موجودگی میں ان کی مخالفت کر کے جنگ کی آگ بھڑکنے کا خطرہ تھا تو اب یہ کوشش کی کہ ابوطالب کی سرپرستی سے محروم کر دیا جائے۔ یہ کوششیں کئی بار کی گئی اور ہر بار ناکام ہوئیں۔ حضور ﷺ کے جواب جو آپ ﷺ نے ابوطالب اور مکہ کے سرداروں کی شرارتوں کے جواب میں دیئے وہ جذبہ صادق اور مجاہدانہ عزیمت کی عکاسی کرتے ہیں۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”چچا جان خدا کی قسم! اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ کر چاہیں کہ اس مشن کو چھوڑ دوں تو میں اس سے باز نہیں آؤں گا۔ یہاں تک کہ اللہ اس مشن کو غالب کر دے یا میں اس جدوجہد میں ختم ہو جاؤں۔“

ایک مرتبہ کفار نے ابوطالب سے کہا یہ عمارہ بن ولید ہے، اسے آپ اپنا بھتیجا بنا

لیجیے۔ محمد کو ہمارے حوالے کر دیجیے تا کہ ہم اس کا کام تمام کر دیں۔ ابو طالب سخت غصہ ہو گئے، میں تمہارے بھتیجے کو پالوں اور اپنے بھتیجے کو قتل کرنے کے لیے دے دوں۔ ہرگز نہیں، ایسا کبھی نہیں ہوسکتا۔ قریش ناکام لوٹے۔ آپ ﷺ کے ساتھیوں میں سے بھی جو کوئی کسی کی حمایت میں تھا، اس کو اس سے توڑنے کی کوشش کی گئی کیونکہ قبائلی زندگی میں بغیر کسی فرد کی حمایت یا قبیلہ کی حمایت کے زندہ رہنا محال تھا۔

(۶) عمرہ اور حج کے لیے آنے والوں کو محمد ﷺ کے اثر سے روکنے کے لیے تمام حرم جانے والے راستوں پر چوکیاں لگا دی گئیں، لوگ بٹھا دیئے گئے کہ جو محمد ﷺ کے پیغام کے بارے میں لوگوں کو بتائے اور ان سے کہے، اس آدمی سے بچ کے رہنا۔ چنانچہ اس منصوبے کے ذریعے اللہ نے شہر سے ایسی خبر نکالی کہ محمد ﷺ کا نام اور ان کا پیغام تمام لوگوں تک پہنچ گیا۔ ''بدنام اگر ہوں گے تو کیا نام نہ ہوگا'' کے مصداق لوگوں کے دلوں میں محمد ﷺ کے متعلق جاننے کی جستجو بیدار ہوگئی۔

محمد ﷺ بھی حج کے اجتماعات ہوں، حاجیوں کے خیمے ہوں یا میلے، بازار ہر جگہ آپ ﷺ جاتے اور لوگوں کو توحید کی دعوت دیتے، بتوں کی پرستش سے روکتے۔ آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے آپ ﷺ کے مخالفین بھی چلے آتے اور لوگوں کو بتاتے یہ شخص غلط کہہ رہا ہے اس کی باتوں میں نہ آنا۔ جو لوگ بعد میں صحابیت کے شرف سے سرفراز ہوئے، ان میں سے بہت سے لوگوں نے یہ قصے بیان کیے ہیں۔ اس سے یہ بات پتہ چلی ہے کہ اللہ کے دین کی دعوت دینے کے لیے تمام ایسے مقامات جہاں لوگوں کا اجتماع ہوتا ہو، وہاں پہنچ کر چاہے ایک ٹیبل لگا کر اس پر اسلامی کتابیں، بروشرز رکھ کر اور کچھ Attractions رکھ کر دعوت کا کام رسول اللہ ﷺ کی سنت ہے۔

سودے بازیاں: مشرکین کی یہ کوشش تھی کہ اسلام اور جاہلیت دونوں بیچ راستے میں ایک دوسرے سے جاملیں یعنی کچھ لو اور کچھ دو کے اصول پر، چنانچہ ابن جریر اور طبرانی کی روایت ہے کہ مشرکین نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ تجویز پیش کی کہ ایک سال آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے معبودوں کی پوجا کریں اور ایک سال وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رب کی عبادت کیا کریں گے۔ اس طرح ہم اور تم اس کام میں شریک ہوجائیں گے۔ اب اگر تمہارا معبود ہمارے معبود سے بہتر ہے تو تم اس سے اپنا حصہ حاصل کر چکے ہوگے اور اگر ہمارا معبود، تمہارے معبود سے بہتر ہے تو ہم اس سے اپنا حصہ حاصل کر چکے ہوں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے پوری سورۂ کافرون نازل فرمادی۔ اس صاف اور مسکت جواب سے ان کی پیشکش رَد ہوگئی۔

چنانچہ ایسی کوششیں ہر زمانے میں کی جاتی رہی ہیں، اکبر بادشاہ نے ہندوستان میں ہندوؤں کے مذہب میں اسلام کو ملا کر ایک ''دین الٰہی'' نام کا ایجاد کیا تھا جو اس کی موت کے بعد ہی اپنی موت مر گیا۔ چین میں سنکیانگ کے صوبے میں جن مسلمانوں نے کچھ اسلامی اصولوں پر سمجھوتہ کرلیا ہے وہ مزے میں ہیں اور یوعید کے مسلمانوں پر جو مظالم توڑے جارہے ہیں اس لیے کہ وہ دین کا کوئی حصہ چھوڑنے پر راضی نہیں ہیں۔ بقول شاعر ''باطل دوئی پسند ہے حق لاشریک ہے۔''

حضرت حمزہؓ کا قبول اسلام

سنہ 6 نبوی کی بات ہے جب مکہ کے مسلمانوں پر ظلم وستم کا دور چل رہا تھا، ایک دن محمد ﷺ کوہِ صفا کے قریب تھے کہ ابوجہل آ پہنچا، اس نے آپ ﷺ کو دیکھ کر بہت برا بھلا کہا اور حضور ﷺ پر دست درازی کی مگر حضور اکرم ﷺ خاموش رہے۔ عبداللہ بن جدعان کی لونڈی یہ منظر دیکھ رہی تھی اس نے جیسے ہی حضرت حمزہؓ کو کمان گردن میں حمائل کیے ہوئے دیکھا، دوڑی ہوئی ان کے پاس آئی اور سارا قصہ سنایا۔ یہ سن کر حضرت حمزہؓ کو سخت غصہ آیا، سیدھے حرم پہنچے اور جاتے ہی ابوجہل کے سر پر کمان ماری جس سے اس کا سر زخمی ہوا اور کہا ''تم نے میرے بھتیجے کو برا کہا ہے، اگر ایسا ہے تو سن لو میں بھی اس کے دین پر ہوں۔ ہمت ہے تو میرے مقابلے پر آؤ۔ ابوجہل کی حمایت میں بنی مخزوم کا ایک شخص اُٹھا مگر اس نے یہ کہہ کر بٹھا دیا کہ میں نے اس کے بھتیجے کو واقعی برا کہا تھا۔

محمد ﷺ کا صبر رنگ لایا اور اللہ تعالیٰ نے اس ''شر'' میں سے ایسی خیر پیدا کی کہ مکہ کا سب سے بہادر، معزز اور بااثر انسان مسلمانوں کی صف میں آملا۔ آپ ﷺ کے چچاؤں میں وہی ایک آپ ﷺ سے ہمدردی رکھتے تھے اور عمر میں بھی دو یا تین سال ہی بڑے تھے۔ اسلام وہ ''حمیت اقارب'' میں لائے تھے، اسلام سے واقفیت اور لگاؤ نہ تھا۔ اب اُنہوں نے اللہ سے دعا مانگی کہ اے اللہ اگر محمد ﷺ حق پر ہیں تو میرا سینہ کھول دے ورنہ مجھے موت دیدے، پھر وہ نبی ﷺ کی خدمت میں گئے اور دین کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ آپ ﷺ ان کو سمجھاتے رہے، قرآن سناتے رہے۔ یہاں تک کہ ان کا دل مطمئن ہوگیا اور اُنہوں نے دل سے کلمہ پڑھا۔ ان کے اسلام لانے سے مسلمانوں نے بہت قوت محسوس کی اور اُنہوں نے بعد کی زندگی میں اسلام کی بہت خدمات انجام دیں۔

حضرت عمرؓ کا قبولِ اسلام

محمد ﷺ نے مکہ میں اوّل اوّل دعوت کا کام انفرادی طور پر کیا اور خفیہ طور پر کیا۔ سب دارارقم میں جمع ہو کر قرآن سیکھتے تھے۔ حالات نامساعد تھے، نیا دین تھا۔ انفرادی طور پر تبلیغ کرنے سے آہستہ آہستہ ایمان قبول کرنے والوں کی تعداد بڑھتی گئی۔ حضرت عثمانؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ، سعد بن ابی وقاصؓ، طلحہ بن عبداللہؓ، بلال حبشیؓ، ابوعبیدہ ابن الجراحؓ، ارقم بن ابی ارقمؓ وغیرہ سابقون الاوّلون میں شامل تھے۔

حضرت ارقمؓ جو نوعمر صحابی تھے، ان کا مکان پہاڑی پر واقع تھا۔ حرم سے دور تھا، رات کے وقت صحابہؓ جمع ہوتے، آپ ﷺ ان کو قرآن سناتے۔ مکی سورتوں کا انداز بیان بڑی نغمگی لیے ہوئے تھا۔ چھوٹی چھوٹی آیتیں جو تزکیہ نفس کے لیے تھیں، دنیا کی محبت کی برائیاں بیان کرتی تھیں۔ جنت دوزخ کے نظارے بیان کرتی تھیں، یہ آیتیں دوسری دنیا کی سیر کراتی تھیں، لوگوں کے دل سکون پاتے تھے اور ہر فرد چپکے چپکے لوگوں کو دعوت دینے کا کام کر رہا تھا۔ اس طرح 40 آدمیوں کی جماعت تیار ہوگئی۔ حضرت عمرؓ کا قبول اسلام کا واقعہ اسی زمانے میں پیش آیا۔ محمد ﷺ دعا کرتے تھے کہ یا اللہ! ابوجہل یا عمر کے ذریعے سے اسلام کو قوت عطا فرما۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عمرؓ کے حق میں دعا قبول فرمائی۔ ایک دن وہ غصہ میں تلوار لیے ہوئے نکلے کہ آج محمد ﷺ کا کام تمام ہی کر دیتا ہوں۔ راستے میں جو صحابی نعیم بن عبداللہ ملے اُنہوں نے ان کا رخ موڑنے کے لیے کہا کہ عمر پہلے اپنے گھر کی تو فکر کرو۔ تمہاری بہن فاطمہ اور بہنوئی سعید بن زید بھی ایمان لا چکے ہیں۔ وہ پلٹ کر ان کے گھر پہنچ گئے۔ سعید بن زید شوہر اور

بیوی فاطمہ، حضرت خباب بن ارتؓ سے قرآن سن رہے تھے۔ عمر کی آمد کی آواز سن کر خباب چھپ گئے۔ حضرت عمر نے کہا کہ تم نے اپنا دین چھوڑ دیا ہے۔ تو اُنہوں نے کہا ''ہاں'' بس حضرت عمر نے پٹائی شروع کر دی۔ مگر بہن بھی ان کی تھیں ڈٹ گئیں۔ عمر جو چاہے کر لو، اسلام ہمارے دلوں سے نہیں نکل سکتا۔ بہن کے سر پر لکڑی ماری جس سے ان کے سر سے خون بہہ نکلا تھا۔ الفاظ اور خون نے ان کے دل پر اثر کیا۔ غصہ ٹھنڈا ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ اچھا جو پڑھ رہے تھے مجھے دکھاؤ۔ ان اوراق پر سورۂ طٰہٰ لکھی تھی پڑھا تو بولے کتنا عمدہ کلام ہے۔ یہ سن کر خباب بھی نکل آئے اور کہا مجھے لگتا ہے اللہ نے اپنے نبی ﷺ کی دعا قبول کر لی ہے۔ خبابؓ نے کہا کہ عمر اسلام کی طرف آجاؤ۔ کہا مجھے محمد ﷺ کے پاس لے چلو، وہ خبابؓ کے ساتھ کمر میں تلوار لٹکائے دارارقم پہنچے، دستک دی۔ ایک صحابیؓ نے سوراخ میں سے عمر کو تلوار کے ساتھ دیکھا تو حضور ﷺ کو خبر دی۔ حضور ﷺ کے چچا حمزہ بھی اسلام لا چکے تھے اور موجود تھے، کہا آنے دو نیک ارادہ سے آئے ہیں تو ٹھیک ورنہ اسی کی تلوار سے اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ حضور ﷺ نے فرمایا آنے دو، دروازہ کھول دیا گیا۔ حضور ﷺ نے پوچھا عمر کس ارادے سے آئے ہو۔ کہا اللہ کے رسول ﷺ پر ایمان لانے کے لیے حاضر ہوا ہوں۔ اس پر حضور ﷺ نے زور سے اللہ اکبر کا نعرہ لگایا۔ باقی مسلمانوں نے بھی نعرۂ تکبیر بلند کیا اور خوشی و مسرت کی لہر دوڑ گئی۔

محمد ﷺ کے اس عمل سے صحابہ اور بعد کے آنے والوں نے یہ سبق سیکھا کہ حالات کتنے ہی خراب ہوں دعوت و تبلیغ کا کام جاری رہنا چاہیے اور اس کو خفیہ رکھا جانا چاہیے چنانچہ آج کے دور کے دو واقعات کا ذکر کروں گی۔

(1) جب ترکی کو لادینی ریاست (Secular State) بنا دیا گیا تو اذان اور

نماز جرم ہوگیا۔ حجاب جرم ہوگیا اور عدنان مندریس کو عربی میں اذان کا حکم جاری کرنے پر پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ وزیراعظم عدنان مندریس 10 سال وزارت عظمیٰ کے منصب پر رہے، ڈیموکریٹ پارٹی کی بنیاد رکھی۔ ان کی پھانسی کے بعد اسلام کے لیے کوششیں ختم نہیں ہوگئیں بلکہ خفیہ دعوت وتبلیغ کا کام جاری رہا، لوگ تہہ خانوں میں چھپ کر قرآن پڑھتے اور سیکھتے تھے، ان میں شامل ہونے والوں کی کڑی تفتیش ہوتی تھی۔ ترکی کی تاریخ سے جو لوگ واقفیت رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اسلام کے لیے کوششیں جاری رہیں، پارٹیاں بنتی رہیں، جیتتی رہیں، ہارتی رہیں، یہاں تک کہ اللہ نے اس جماعت پر اپنا ہاتھ رکھ دیا جو اس کے دین کی سربلندی کے لیے کام کر رہی تھی اور آج رجب طیب اردگان کی صورت میں ایسا لیڈر مل گیا ہے جن سے مسلم دنیا کو بڑی اُمیدیں وابستہ ہیں۔

(2) اسی طرح تاشقند، بخارا اور دوسری ریاستوں کا ملک جو پہلے ''خراسان'' کہلاتا تھا، بعد میں مملکت روس کہلایا اور کمیونزم کے نظام نے اسلام پر سخت پابندی لگا دی۔ 70 سال کی پابندی رہی، مدرسے اصطبل بن گئے۔ مسجدوں پر تالے پڑ گئے۔ قرآن پڑھنا، قرآن رکھنا جرم قرار دے دیا گیا۔ جاسوسی کا نظام اس قدر ترقی کر گیا تھا کہ گھر والے پڑوسی سب ایک دوسرے کی جاسوسی میں مصروف تھے۔ شراب خانے عام ہوگئے، علماء کو پھانسی دے دی گئی، جیلیں بھر دی گئیں۔ ان سے قرآن کا ایک صفحہ مل جاتا تو 20 سال کی قید ہوتی تھی۔ جاسوسی کرتے تھے اور پولیس ہر دَم چھاپے مارتی تھی۔ دن کے 2 بجے ہوں یا رات کے، کوئی وقت سکون کا نہ تھا، تو کیا اسلام ختم ہوگیا؟ نہیں! محمد ﷺ کے شیدائیوں نے آپ ﷺ کے ہی اُسوہ پر عمل کیا۔

1995ء میں جب روس جنگ ہار گیا اور اس کی گرفت ڈھیلی پڑ گئی تو ریاستوں کو بھی مذہبی آزادی دے دی گئی۔ مفتی اعظم اپنی ٹیم کے ساتھ جب انڈیا کے مسلمانوں کے پاس دورے پر گئے، نوجوان بھی ساتھ تھے۔ جب قرآن کا حلقہ شروع ہوا تو ان نوجوانوں نے بہترین قرأت وتجوید کے ساتھ قرآن سنا کر حیران کر دیا۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ"

ترجمہ: بے شک ہم نے اس ذکر (قرآن) کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں۔

ان لوگوں نے بتایا کہ مدرسہ تو تھے نہیں، ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ علماء کو درزی اور قالین بافی اور لکڑی کے کام سکھائے گئے، تو ان کی دکانوں میں بچے جانے لگے اور بظاہر کام سیکھنے والے بچے دراصل زبانی قرآن سن کر یاد کرتے تھے۔ فقہ کی کلاس لیتے تھے، حدیث سنتے تھے۔

سوویت یونین میں خفیہ طریقہ جو اپنایا گیا وہ یہ تھا کہ ایک فرضی تابوت لے کر رات کو جاتے تھے۔ قبر کھودتے تھے، اس کے اندر بچے اور استاد قرآن یاد کرتے تھے۔ باہر ایک کھڑا رہتا تھا، کسی کے قدموں کی چاپ سن کر یا لوگوں کی آمد دیکھ کر وہ اطلاع کرتا سب باہر نکل آتے اور مٹی قبر میں ڈالنا شروع کرتے۔ آنے والا یہ دیکھ کر مطمئن ہو جاتا، ہمارے ساتھ تعزیت کے الفاظ بولتا اور چلا جاتا اور ہم پھر قبر کے اندر اُتر جاتے اور قرآن یاد کرنا اور کروانا شروع کر دیتے۔ اسی طرح دین اسلام کو زندہ رکھا گیا۔

جو لوگ عافیت میں رہتے ہیں کوئی پابندی نہیں ہے مگر پھر بھی قرآن سے اور قرآن کی تبلیغ سے غفلت میں ہیں، ان کو اپنے علاقے اور وقت کی قدر کرنا چاہیے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شیدائی قرآن سے غافل نہیں ہو سکتے۔

استقامت و استقلال

محمد ﷺ خود استقامت کا پہاڑ تھے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اللہ کی راہ میں جتنا مجھے ستایا گیا کسی کو نہ ستایا گیا۔ جان سے، مال سے، آبرو سے، شہرت سے غرض ہر طرح کی اذیتیں دی گئیں مگر آپ ﷺ اپنے مشن پر ڈٹے رہے اور آپ ﷺ کے پائے استقلال میں ذرا بھی لغزش نہ آئی۔ آپ ﷺ کے زیر تربیت جو آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ تھے، وہ بھی نہایت سخت اذیتوں سے گزرے اور آپ ﷺ ان کو بھی صبر کی تلقین کرتے رہے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں ''عمار بن یاسرؓ'' جن کی والدہ سمیہؓ اور والد یاسرؓ اور بھائی عبداللہؓ اسی راہ میں شہید کر دیئے گئے۔ جب آپ ﷺ کا گزر ہوا کہ چاروں لوگوں کو اذیت دی جا رہی ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا ''اے آل یاسر صبر کرو، تم سے جنت کا وعدہ ہے۔ جب عمار کو زرہ پہنا کر تپتی ریت پر لٹایا جاتا اور جب انگارے بچھا کر اس پر لٹایا گیا تو محمد ﷺ ادھر سے گزرے تو عمار کے سر پر ہاتھ پھیرا اور آگ سے کہا کہ تو ٹھنڈی ہو جا جیسا ابراہیم پر ٹھنڈی ہوئی تھی۔ اپنی ماں اور بھائی باپ کے بعد ظالموں کے ظلم حد سے بڑھ گئے۔ پانی میں غوطے دیئے گئے تو حواس کھو بیٹھے اور کافروں نے آپ کے منہ سے کفر کے کلمات کہلوائے۔ عمارؓ روتے ہوئے حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں پہنچ کر سارا ماجرا بیان کیا تو حضور ﷺ نے کیفیت پوچھی تو اُنہوں نے کہا کہ دل ایمان سے بھرا ہوا ہے۔ حضور ﷺ نے کہا بس جب کبھی ایسی جان پر بن آئے تو ایسے کلمات کہہ کر جان بچا سکتے ہو۔ چنانچہ ان کی ایمانی کیفیت یہ تھی کہ حضور ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک ہوئے پھر چاروں خلفاء کے دور میں بھی جہاد میں حصہ لیا اور 90 برس سے زیادہ عمر تھی لڑتے ہوئے حضرت علیؓ کی فوج میں رہ کر جام شہادت نوش کیا۔

مشرکین مکہ کا (Reverts) نومسلموں کے ساتھ سلوک

اسلام کی دعوت اپنے آغاز سے ہی اتنی اثر پذیر تھی کہ جو بھی سنتا اس کی چاشنی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہتا اور مخالفانہ ہتھکنڈوں کے باوجود لوگوں کی تعداد اس نئے دین میں بڑھتی جارہی تھی۔ یہ دیکھ کر پہلے تو اُنہوں نے سودے بازی کی کوششیں کیں جس کو رسول اللہ ﷺ نے قبول نہ کیا تو پھر اُنہوں نے تشدد کو تیز تر کر دیا۔ مخالفین حق نیتوں کے لحاظ سے کھوٹے اور دلیل کے لحاظ سے کھوکھلے ہوتے ہیں۔ ان کے سامنے اصل مسئلہ اپنے مفاد اور اپنے اقتدار کا ہوتا ہے، وہ دلیل کے جواب میں تشدد سے کام لیتے ہیں مگر حق کی تحریک انسان کے قلب میں جاگزیں ہوجاتی ہے اور حق کا سودا جس سر میں سما جائے پھر اس کا سر نہ کسی کے آگے جھکتا ہے اور نہ کسی تشدد کو خاطر میں لاتا ہے۔ ہم یہاں چند اصحاب کا تذکرہ کریں گے کہ کس طرح وہ آزمائشوں کی بھٹی سے کندن بن کر نکلے۔

خباب بن الارت تمیمیؓ جو کہ ایک غلام تھے، ان کو ان کی مالکہ ام نمار نے بڑی تکلیفیں پہنچائیں۔ جلتے انگارے بچھا کر ان کو لٹا دیا گیا، ان کی کمر کی چربی پگھلی تو آگ ٹھنڈی ہوئی۔ حضرت عمرؓ کو ایک مرتبہ اُنہوں نے اپنی پیٹھ دکھائی جس پر برص جیسے سفید داغ اس ظلم کی گواہی دے رہے تھے۔ معاشی مار بھی ماری گئی، ان سے کام کرالیا جاتا اور اجرت ادا نہ کی جاتی کہ پہلے انکار کرو، وہ یہی کہتے کہ ایسا کبھی نہ ہوگا۔

حضرت بلال بن ابی رباح حبشیؓ اُمیہ بن خلف کے غلام تھے، جب سورج اپنی تیزی کے وقت پر آتا تو اس تپتی ریت پر لٹا کر ان کے سینے پر بھاری پتھر رکھ دیا جاتا تاکہ کروٹ بدل نہ سکیں، کبھی آہنی زرہ پہنا کر ان کو تیز دھوپ میں بٹھایا جاتا اور کبھی

گلے میں رسی ڈال دی جاتی اور لڑکے گھسیٹتے پھرا کرتے، آپ ''احد احد'' پکارتے تھے اور کافرین طیش کھاتے۔ اُمیہ نے ان کی آزادی کی بھاری قیمت رکھی مگر حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ان کو خرید کر آزاد کر دیا۔

بسینہؓ اور زنیرہؓ، حضرت عمر کے گھرانے کی کنیزیں تھیں جن کو حضرت عمر نہایت ظالمانہ طریقے سے مارا کرتے، تھک جاتے تو رک جاتے اور پھر تازہ دم ہو کر مارنا شروع کر دیتے۔ ابوجہل نے ایک مرتبہ ایسی چوٹ ماری کہ ان کی آنکھیں ضائع ہو گئیں، مگر کچھ عرصہ بعد اللہ کی رحمت سے بینائی لوٹ آئی۔ حضرت ابوبکرؓ نے ان کو خرید کر آزاد کرایا۔

حضرت عثمانؓ کو ان کے چچا نے رسی سے باندھ کر پیٹا۔

حضرت زبیر بن عوامؓ کو ان کے چچا چٹائی میں لپیٹ کر ناک میں دھواں دیتے مگر وہ پوری عزیمت سے کفر کا انکار کرتے رہے۔

حضرت سعید بن زیدؓ کو ان کے چچازاد بھائی حضرت عمر نے رسیوں سے باندھ کر پیٹا، عبداللہ بن مسعودؓ کو بھی حرم پاک میں قرآن پڑھنے پر مشرکین نے بہت زدوکوب کیا پھر بھی تلاوت جاری رکھی۔

حضرت ابوذر غفاریؓ نے جب قرآن کو حرم پاک میں پڑھا تو کفار ان پر ٹوٹ پڑے، خوب مار پیٹ رہے تھے کہ حضور ﷺ کے چچا عباس وہاں پہنچ گئے اور ان سے کہا کہ کیا غضب کرتے ہو، تمہارے قافلے غفار کے قبیلے کے قریب سے گزرتے ہیں، ہوش کرو تو وہ باز آئے۔ بعد میں ابوذرؓ نے جا کر اپنے قبیلے میں اسلام پھیلایا۔

بہت سے صحابہؓ کی زندگی کے ان کربناک لمحات کی داستان طویل ہے مگر ایک چیز جو اِن میں مشترک ہے وہ یہ کہ کسی نے بھی اس ظلم کے نتیجے میں ''حق'' کا ساتھ نہ چھوڑا۔ مرد، خواتین، غلام، لونڈیاں، لڑکے، شرفائے شہر غرض جو کوئی بھی اسلام کی پکار

پر لبیک کہتا اس کے اندر سے ایک نیا انسان نمودار ہو جاتا اور نئی قوتیں جاگ جاتیں۔

وہ یہ راز جان گئے تھے کہ کائنات کے نظام کے چلانے والے کا پیامبر پیام لایا ہے اس کو قبول کرنا ہی کامیابی ہے۔ دنیا کی زندگی کی تمام کاوشیں اچھی یا بری سب جلد ہی ختم ہو جانے والی ہیں اور پھر ایک دوسری دنیا کا اجر لامتناہی ان کا منتظر ہے اور برے کاموں کے برے انجام میں بھڑکتی آگ بھی منتظر ہے تو کیوں نہ اس ابدی زندگی کا انتخاب کیا جائے جس کے نتیجے میں اس فانی دنیا کے انسانوں کی زندگی میں بھی سکون و اطمینان اُتر آتا ہے۔

طفیل بن عمرو الدوسی کا قبول اسلام

مکہ کے باہر کے جن لوگوں نے اسلام قبول کیا ان میں طفیل بن عمروؓ کا واقعہ مشہور و معروف ہے۔ وہ یمن کے قبیلہ دوس سے تعلق رکھتے تھے، مکہ معظّمہ 11 نبوی میں جب آئے تو مشرکین مکہ نے ان کو خبردار کیا کہ ہمارے یہاں ایک شخص ہے جس کی باتیں جادو جیسی ہیں، اس شخص کو نہ تم اپنے پاس آنے دینا نہ اپنی قوم سے ملاقات کرنے دینا، کیونکہ اس کی باتیں باپ بیٹے اور میاں بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیتی ہیں۔ وہ برابر مجھے Convince کرتے رہے، یہاں تک کہ میں نے ارادہ کرلیا کہ میں اپنے کانوں میں روئی ٹھونس لوں گا اور ہرگز اس کی باتیں نہ سنوں گا۔ چنانچہ اگلے دن کانوں میں روئی بھرے وہ کعبہ کے طواف کے لیے گئے لیکن اللہ کی شان محمد ﷺ جو پڑھ رہے تھے، اس کی کچھ باتیں ان کے کان میں پڑ ہی گئیں پھر اُنہوں نے سوچا وہ شاعر ہیں، اپنی قوم کے سردار ہیں، سمجھ بوجھ والے ہیں، سن کر دیکھوں۔ اگر اچھی نہ ہوئیں تو رد کردوں گا۔ چنانچہ جب محمد ﷺ اپنے گھر کی طرف چلے تو وہ بھی ان کے پیچھے پیچھے ان کے گھر پہنچ گئے اور حضور ﷺ سے درخواست کی کہ اپنا دین پیش کریں، چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے اسلام کی چند باتیں پیش کیں جن کو سن کر طفیل نے اسلام قبول کرلیا اور درخواست کی کہ میں قبیلہ دوس کی طرف جاتا ہوں اور ان کو اسلام کی دعوت دوں گا۔ وہاں پہنچے اپنے والد اور بیوی پر اسلام پیش کیا تو اُنہوں نے فوراً قبول کرلیا۔ پھر اپنے قبیلے کو اکٹھا کیا اور ان پر اسلام پیش کیا تو صرف ابوہریرہؓ

ایمان لائے۔ چنانچہ وہ دوبارہ محمد ﷺ کے پاس آئے اور کہا میری قوم کے لیے بددعا کیجیے، وہ کفر پر تل گئی ہے۔ محمد ﷺ نے فرمایا ''اللھم اھد دوسا وات بھم (اے اللہ قبیلہ دوس کو ہدایت دے اور ان کو لے آ)

اپنی قوم میں جانے سے پہلے رسول اللہ ﷺ سے اُنہوں نے ایک نشانی طلب کی تو حضور اکرم ﷺ کی دعا سے ان کی پیشانی چمکنے لگی پھر اُنہوں نے سوچا لوگ کہیں گے کہ یہ کوئی بیماری ہے، چنانچہ خود ان کی دعا سے وہ نور ان کی (Cane) چھڑی میں منتقل ہوگئی اور اس کا اوپری حصہ جگمگانے لگا۔ وہ مسلسل اپنی قوم کو دعوت دیتے رہے۔ رسول اللہ ﷺ تو مدینہ ہجرت کر گئے تھے، غزوۂ خندق کے بعد پھر مدینہ میں 80 یا 90 خاندانوں کے ساتھ مدینہ منورہ میں حاضر ہوئے پھر مسلسل حضور اکرم ﷺ کے ساتھ رہے۔

حضرت ضماد ازدیؓ کا قبول اسلام

البدایہ والنہایہ میں لکھا ہے کہ یمن کے باشندے ضماد ازدی سحر دور کرنے والے منتر جانتے تھے اور اس کام میں عرب میں مشہور تھے۔ انہوں نے جب سنا کہ محمد ﷺ پر جنون کا اثر ہے تو اُنہوں نے قریش سے کہا کہ میں محمد ﷺ کا علاج منتر سے کرسکتا ہوں، چنانچہ وہ محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا آؤ محمد! میں تمہیں منتر سناؤں۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا پہلے مجھ سے سن لو پھر آپ ﷺ نے ان کو وہ اپنے الفاظ سنائے جو آپ نے جمعہ کے خطبہ شروع کرنے سے پہلے سنے ہوں گے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ نَحْمَدُہٗ وَنَسْتَعِیْنُہٗ مَنْ یَّھْدِہِ اللّٰہُ فَلَا مُضِلَّ لَہٗ وَمَنْ یُّضْلِلْہُ فَلَا ھَادِیَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ

ترجمہ: سب تعریف اللہ کے لیے ہے، ہم اس کی نعمتوں کا شکر ادا کرتے ہیں اور ہر کام میں اسی کی مدد چاہتے ہیں، جسے اللہ تعالیٰ راہ دکھائے اسے کوئی گمراہ نہیں کرسکتا اور جسے اللہ راستہ نہ دکھائے اس کی کوئی رہبری نہیں کرسکتا۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ یکتا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور رسول ہیں۔"

یہ سن کر ضماد نے کہا ان کلمات کو پھر سنا دیجیے۔ دو تین مرتبہ آپ ﷺ نے ان کلمات کو سنایا اور پھر بے اختیار بول اُٹھے۔ میں نے بڑے بڑے کاہن اور ساحر دیکھے ہیں، شاعروں کا کلام سنا لیکن ایسا کلام تو میں نے کسی سے بھی نہیں سنا۔ یہ کلمات تو ایک گہرے سمندر جیسے ہیں۔ محمد ﷺ لائیے اپنا ہاتھ بڑھائیے میں اسلام کی بیعت کرلوں اور وہ بیعت سے مشرف ہوکر چلے گئے۔

چوتھا باب

ہجرت حبشہ

جب مسلمانوں پر مکہ میں رہنا دوبھر ہو گیا۔ ان کے گھر والوں اور عزیزوں کی مخالفت نا قابل برداشت ہو گئی تو محمد ﷺ نے ان کو حبشہ کی طرف ہجرت کی اجازت دے دی۔ آپ ﷺ کو معلوم تھا وہاں کا بادشاہ اصحمہ نجاشی ایک عادل بادشاہ ہے اور وہ مسلمانوں کو چین سے رہنے دے گا۔ چنانچہ 5 نبوی میں 12 مرد اور 4 عورتوں نے حبشہ کی جانب ہجرت کی۔ ان میں عثمان بن عفانؓ اور ان کی زوجہ حضرت رقیہؓ (محمد ﷺ کی صاحبزادی) بھی شامل تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا حضرت ابراہیم اور حضرت لوط علیہ السلام کے بعد یہ پہلا گھرانہ ہے جس نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی ہے۔ اس ہجرت کا مقصد آزادی سے اپنے دین پر عمل کرنا تھا۔ یہ ہجرت ہم کو پیغام دیتی ہے کہ انسان ہجرت تو کرتے ہی رہتے ہیں کبھی مال کمانے کے لیے اور کبھی کسی سے شادی کے لیے مگر سب سے افضل ہجرت اللہ کے دین پر عمل کرنے میں آسانی کے لیے ہجرت کرنا ہے۔

یہ سب ہم کو سورۂ کہف میں بیان کردہ قصے میں بھی ملتا ہے کہ کس طرح وہ نوجوان جو دین پر عمل کرنا چاہتے تھے اور حالات ان کے ملک میں سخت مخالف تھے تو اُنہوں نے غار میں پناہ لینا منظور کر لیا اور اپنے ملک کی عیش و عشرت اور آسانی کی زندگی کو اللہ کی خاطر چھوڑنا پسند کیا۔

دوسری ہجرت حبشہ اس لیے ہوئی کہ مسلمانوں کو گئے ہوئے ایک سال ہی ہوا تھا کہ یہ خبر مشہور ہو گئی کہ مشرکین مکہ حرم میں سب سجدہ میں گر گئے اور اُنہوں نے اسلام

قبول کرلیا جبکہ مشرکین کا سجدہ کرنا اس رعب وجلال کی وجہ سے تھا جو قرآن میں پایا جاتا ہے۔ جب محمد ﷺ نے حرم کے صحن کعبہ میں سورۂ نجم کی تلاوت شروع کی اور اس کی آخری آیت 62 میں اللہ کا حکم آیا فَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ وَاعْبُدُوْا ۝ اللہ کے لیے سجدہ اور اس کی عبادت کرو۔ تو محمد ﷺ کے ساتھ سب لوگ سجدہ میں چلے گئے یہ سن کر مہاجرین واپس آ گئے تو ظلم وستم اور بڑھ گیا۔ اگلے سال اس مرتبہ 82 مرد اور 18 عورتوں نے ہجرت حبشہ کی۔

حبشہ کی طرف ہجرت کرنے والوں میں قوم کے شرفاء (Elite) ہی تھے کیونکہ تشدد (Torture)، ذہنی اور جسمانی سے سب ہی گزر رہے تھے۔ مگر ہجرت آج جتنی آسان ہے اس وقت نہ تھی۔ لوگ عام طور پر ایک ہی جگہ رہتے ہوئے زندگیاں گزار دیتے تھے۔ دوسرے آمدورفت کے راستے بھی پرامن نہ تھے۔ بڑے بڑے مالدار لوگ بھی جاتے ہوئے اپنا مال وزر ساتھ نہ لے جاسکتے تھے۔ سوجانے والوں نے اپنا وطن اپنے رشتہ دار اپنے لائف اسٹائل کو قربان کر کے نئے ملک میں غریبی کی حالت میں اپنے دین پر رہنے کو ترجیح دی اور نئی جگہ پر رہنے (Settle) ہونے کے چیلنجوں (Challenges) کو قبول کرلیا کیونکہ اس اقلیت (Minority) کو دین پر عمل کرنے میں آزادی تھی چنانچہ مسلمان حبشہ میں 14 سال مقیم رہے۔ 7 ہجری میں فتح خیبر کے بعد آپ ﷺ نے سب کو مدینہ آنے کو لازم کردیا تو وہ سب وہاں آ گئے۔ حبشہ میں مسلمانوں کا قیام، ان تمام مسلمانوں کے لیے یہ پیغام دیتا ہے کہ جہاں امن ہو اور عبادت کی سہولت ہو وہاں جاکر وہاں کے قانون پسند شہری (Law Abiding Citizen) بن کر رہا جاسکتا ہے۔

مداہنت سے پرہیز کا حکم

وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ط

''تم سے یہود و نصاریٰ ہرگز راضی نہ ہوں گے جب تک تم ان کے طریقے پر نہ چلو گے۔''

پھر جب کفار مکہ کی تدبیریں اسلام کے خلاف کارگر نہ ہوئیں تو رؤسائے قریش آپ ﷺ کے چچا ابوطالب کے پاس آئے اور کہا ''اپنے بھتیجے کو اس نئے دین کی تبلیغ سے روکیے ورنہ ہم آپ سے اور ان سے ایسی جنگ چھیڑیں گے کہ ایک فریق کا صفایا ہو کر رہے گا۔'' ابوطالب پر اس دھمکی کا بڑا اثر ہوا اور اُنہوں نے محمد ﷺ کو بلا کر کہا۔ ''بھتیجے تمہاری قوم کے لوگ آئے ہیں اور ایسی ایسی باتیں کر رہے ہیں، تم مجھ پر اور اپنے آپ پر رحم کرو اور اس معاملے میں، مجھ پر اتنا بوجھ نہ ڈالو جو میرے بس سے باہر ہو۔'' یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے جو جواب دیا وہ اسلامی تاریخ میں سنہری الفاظ سے لکھنے کے قابل ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''خدا کی قسم اگر یہ لوگ میرے دائیں ہاتھ پر سورج اور بائیں ہاتھ پر چاند رکھ دیں کہ میں اس کام کو نہ کروں اور اس کام کو اس کی حد تک پہنچائے بغیر چھوڑ دوں کہ یا تو اللہ اسے غالب کر دے یا میں اسی راہ میں فنا ہو جاؤں تو بھی نہیں چھوڑ سکتا۔''

آپ ﷺ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں اور آپ ﷺ لوٹنے لگے تو ابوطالب نے پکارا۔ ''بھتیجے تم اپنی بات کھلم کھلا کرو، تمہاری آنکھیں اس سے ٹھنڈی ہوں، وہ لوگ اپنی جمعیت کے ساتھ تم تک نہیں پہنچ سکتے، یہاں تک کہ میں مٹی میں دفن کر دیا جاؤں۔''

ابن اسحاق کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ خانہ کعبہ کا طواف کر رہے تھے تو کفار قریش کے بڑے بڑے سردار ولید بن مغیرہ، اُمیہ بن خلف، عاص بن وائل سہمی اور

اسود بن مطلب نے کہا۔ ''اے محمد! آؤ جس کی تم عبادت کرتے ہو اس کی ہم بھی عبادت کریں اور جس کی ہم عبادت کرتے ہیں اس کی تم بھی عبادت کرو، اس طرح ہم اور تم اس کام میں مشترک ہو جائیں گے۔'' اس پر سورۃ الکافرون نازل ہوئی، جس میں اعلان کیا گیا ہے کہ جس کی تم لوگ عبادت کرتے ہو اس کی عبادت میں نہیں کر سکتا۔ ایسی سودے بازی کی کوششیں بار بار کی گئیں اور ہر بار کفار کو منہ کی کھانی پڑی۔

شاہ حبش نجاشی کے دربار میں حاضری

یہی تربیت محمد ﷺ نے اپنے عمل سے اپنے صحابہ کرامؓ کی فرمائی کہ چاہے جیسے بھی مشکل حالات ہوں اور کفار کتنے ہی زور آور اور طاقتور ہوں ہرگز ان سے دبنا نہیں ہے۔ دین کو جوں کا توں پیش کر دینا ہے اور نتائج اللہ پر چھوڑ دینا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ جب مہاجرین نے مکہ والوں کے ظلم و ستم سے تنگ آ کر رسول اللہ ﷺ کی اجازت سے حبشہ ہجرت کی ہے اور بادشاہ نجاشی کے دربار میں جب مسلمان طلب کیے جاتے ہیں تو ایسے وقت میں حضرت جعفر بن عبدالمطلب کی تقریر حق کی گواہی دیتی نظر آتی ہے۔ نجاشی نے پوچھا۔ ''یہ کون سا دین ہے جس کی بنیاد پر تم نے اپنی قوم سے علیحدگی اختیار کی ہے اور کسی دوسرے دین میں بھی داخل نہیں ہوئے؟'' حضرت جعفرؓ نے کہا۔ ''اللہ نے ہم ہی میں سے اپنا ایک رسول بھیجا جس کی عالی نسبی، سچائی، دیانت اور پاک دامنی کے ہم قائل تھے۔ اس نے ہم کو ایک اللہ کی طرف بلایا اور سمجھایا کہ صرف اسی کی عبادت کریں، پتھر کے بت اور دوسرے سب معبود چھوڑ دیں۔ اس نے ہمیں سچ بولنے، قرابت جوڑنے، امانت ادا کرنے اور پڑوسیوں سے اچھا سلوک کرنے کی تاکید کی۔

حرام کاری اور خون ریزی سے دور رہنے کا حکم دیا۔ اس نے ہمیں اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرنے سے منع کیا۔ اس نے ہمیں نماز پڑھنے کی تعلیم دی۔ جن چیزوں کو اس نے حلال ٹھہرایا ہم نے حلال مانا اور جن چیزوں کو اس نے حرام ٹھہرایا، ہم نے حرام جانا۔ ہم اس کے دین پر ایمان لے آئے، اس پر ہماری قوم ہم سے بگڑ گئی اور ہم پر ظلم وستم کے پہاڑ توڑ دیئے۔ ہم آپ کے پاس پناہ کے لیے آئے ہیں اور اُمید کرتے ہیں کہ ہم پر ظلم نہ کیا جائے گا۔'' نجاشی نے کہا ''جو تمہارے پاس دین کی کوئی چیز ہے اسے پڑھ کر سناؤ۔'' حضرت جعفرؓ نے سورۂ عنکبوت اور روم کی ابتدائی آیات تلاوت کیں جن کو سن کر نجاشی اتنا رویا کہ اس کی داڑھی تر ہوگئی۔ اس کے بعد اس نے مکہ کے دونوں کافر سرداروں کو واپس بھیج دیا مگر اگلے دن وہ دونوں پھر آدھمکے اور کہا کہ حضرت مریمؑ کے بارے میں یہ لوگ بڑی بات کہتے ہیں۔ نجاشی نے مسلمانوں کو بلا بھیجا اور ان سے حضرت مریمؑ کے بارے میں دریافت کیا۔ اگرچہ وہ بہت گھبرائے مگر یہی فیصلہ کیا کہ جو بھی قرآن میں درج ہے وہی کہیں گے۔ اُنہوں نے کہا کہ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام، اللہ کے بندے، اس کے رسول، اس کی روح اور اس کا وہ کلمہ ہیں جس کو اللہ نے کنواری پاک دامن حضرت مریم علیہا السلام کی طرف القاء کیا تھا۔'' اور سورۂ مریم تلاوت کی۔

اس پر نجاشی نے زمین سے ایک تنکا اُٹھایا (مسواک کا ایک تار) اور کہا حضرت عیسیٰ علیہ السلام اس قول سے اس تنکے کے برابر بھی بڑھ کر نہ تھے، اس کے بعد نجاشی نے مسلمانوں کو امان دی اور وہ کافی دن امن وامان سے وہاں رہتے رہے یہاں تک کہ ہجرت مدینہ کا حکم آیا تو اُنہوں نے مدینہ ہجرت کی اور کفار مکہ کی کوششیں ناکام ہوگئیں۔

ہمارے لیے لمحہ فکریہ ہے کہ کیا ہم اس دور میں جب مسلمان تعداد کی کثرت میں ہے اور معاشی طور پر مالا مال ہیں مگر سیاسی طور پر پس ماندہ، تو کیا ہم کفار سے مرعوب ہوکر اپنے دین

میں کمی اور بیشی پر آمادہ ہو جائیں گے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیم تو یہ ہے کہ دین کو اس کی اصل حالت میں قبول کرو۔ کمی بیشی کا اختیار صرف اللہ تعالیٰ کو ہے جو اسے مکمل کر کے دین میں بھیج چکا ہے۔ اگر آج ہم عیسائیوں سے مرعوب ہو کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا مان لیں، یا اللہ کی حدود کے قوانین کو ظلم و بربریت سمجھ کر اس کو بدلنے کی نیت کریں تو یہ ہمارا دین سے نکل جانا تصور کیا جائے گا کیونکہ اسلام میں مداہنت کی گنجائش نہیں ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے خاندان کا معاشرتی مقاطعہ

(Social Boycott)

شعب ابی طالب میں محصوری

محرم 7 نبوی میں جب قبیلہ بنو ہاشم اور بنی عبدالمطلب کے سارے مسلم و کافر افراد نے ایک ہو کر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حفاظت کا عہد و پیمان کیا تو اس سے مشرکین پریشان ہو گئے اور ان کا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کرنے کا خواب پورا ہوتا نظر نہ آیا کیونکہ اگر وہ ایسا اقدام کرتے تو وہ دونوں قبیلے باقی لوگوں کے خون کی ندیاں بہا دیتے۔ چنانچہ اُنہوں نے قتل کا منصوبہ چھوڑ کر ظلم کی ایک اور راہ کا انتخاب کیا، جو انتہائی سنگین تھا۔ ان سب نے وادی محصب میں جمع ہو کر خیف بنی کنانہ میں یہ عہد و پیمان کیا کہ (۱) بنی ہاشم، بنی عبدالمطلب سے نہ شادی بیاہ کریں گے (۲) نہ خرید و فروخت کریں گے (۳) نہ ان سے میل جول رکھیں گے (۴) نہ ان کے گھروں میں جائیں گے (۵) نہ بات چیت کریں گے۔ جب تک کہ وہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کے لیے ان کے حوالے نہ کر دیں۔ ایک

لکھنے والے نے یہ عہد نامہ لکھا اور اس کو کعبہ کے اندر لٹکا دیا۔ ناچار بنو ہاشم اور بنو عبدالمطلب، شعب ابی طالب میں پناہ گزیں ہوگئے۔ ان لوگوں میں بہت سے مشرک بھی تھے مگر قبیلہ کی حمایت میں اُنہوں نے مشکل میں ساتھ دیا۔ جتنا ساز وسامان ساتھ لے گئے تھے، وہ جلد ہی ختم ہوگیا۔ محصورین بھوک سے تڑپنے لگے، چھوٹے بچوں کی رونے کی آوازیں جب گونجتیں تو مشرکین خوشی سے جھوما کرتے۔ وہ لوگ صرف حرمت والے مہینوں میں ہی خرید وفروخت کے لیے نکلا کرتے تھے جو حج وعمرہ کے مہینے تھے۔ لوگ سامان ضرورت فروخت کرتے تھے مگر ظالم مشرکین ان لوگوں کا سامان مہنگے داموں میں بیچنے والوں سے خریدنے کا وعدہ کرتے اتنی قیمت بڑھا دیتے کہ وہ لوگ خرید ہی نہ سکیں۔ ایسے ہی ایک موقع پر ابوجہل نے کسی تاجر سے وعدہ کیا زیادہ دام دینے کا، مگر محصورین کے جانے کے بعد ان سے سستے داموں لیا۔ کچھ لوگ چھپ چھپا کر کچھ غلہ بھیج دیا کرتے تھے۔ حکیم بن حزام ایک روز اپنی پھوپھی خدیجہؓ کو گیہوں بھجوا رہا تھا کہ ابوجہل نے اسے روک دیا، پھر ابوالبختری کے کہنے پر جانے دیا۔

حج وعمرہ کے مہینوں میں مسلمان شعب ابی طالب سے نکل کر لوگوں کو دین اسلام کی دعوت دینے ضرور جاتے تھے۔ جس خیمے میں جاتے لوگوں کو بتاتے ''لوگو! اللہ ایک ہے، اسی کی عبادت کرو، میں اللہ کا رسول ہوں۔ بت پرستی چھوڑ دو یہ نہ تمہیں نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان'' لوگ توجہ کرنے لگے کہ اتنے میں پیچھے سے ابولہب آدھمکتا اور کہتا اس کی باتیں نہ سننا یہ ساحر ہے، یہ کذاب ہے۔ اس کو ماننے والے رشتوں کو توڑ دیتے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ مگر آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کا دعوتی کام جاری رہا۔

جب حالات حد سے گزر گئے، لوگ درختوں کے پتے کھا کھا کر بیمار ہو گئے اور پیٹ کی آگ بجھانے کے لیے چمڑا بھون بھون کر کھانے لگے تو اللہ کی رحمت جوش میں آئی اور کچھ لوگ جو شروع ہی سے اس معاہدہ کے خلاف تھے، ناراض بھی تھے، محرم کا مہینہ اور نبوت کا دسواں سال تھا کہ ہشام بن عمرو جو بنی عامر سے تعلق رکھتا تھا اور چھپ کر کھانے پینے کی کچھ چیزیں بھجوا دیا کرتا تھا۔ یہ زہیر بن ابی امیہ مخزومی کے پاس پہنچا اور اس سے کہا یہ کیسی بات ہے کہ تم خود تو مزے سے کھاؤ پیو اور تمہارے ماموں شکنی کی باتیں چاٹ لی ہیں۔ چنانچہ جب مطعم نے اس لٹکے ہوئے صحیفے کو اُتارا تو واقعی جہاں جہاں اللہ کا نام لکھا تھا صرف وہ باقی تھا، ساری تحریر کیڑے کھا چکے تھے اور یوں معاہدہ پھاڑ دیا گیا اور تین سالہ دور قید و ابتلا کا ختم ہوا۔ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے گھر والوں، قبیلہ والوں نے آزادی کی فضا میں سانس لینے کا آغاز کیا۔

یہ نبوت کا دسواں سال تھا۔ محمد ﷺ کے نام لیواؤں کے ساتھ ایسے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ آج ہم دیکھتے ہیں کہ فلسطینی 70 سال سے انہی حالات سے دوچار ہیں ان پر ہر طرح کی پابندیاں لگی ہوئی ہیں، چھپ چھپا کر کچھ کھانے پینے کا سامان کسی نے بھیج دیا تو بھیج دیا، وہ اپنی بقا کی جنگ لڑ رہے ہیں اور ان شاء اللہ ایک دن آئے گا، وہ اس ظلم و ستم سے رہائی پائیں گے۔

اسی طرح یہ 1441 ہجری ہے اور صفر کا مہینہ ہے، کشمیر کے مسلمانوں کو بھی کرفیو کی پابندی نے گھروں میں محصور کر دیا ہے نہ کچھ خرید سکتے ہیں نہ باہر نکل سکتے ہیں۔ چاروں طرف پہرہ ہے، فوجی، پولیس والے اور غنڈے دندناتے پھر رہے ہیں۔ لوگوں کے گھر ان کی قبر بن رہے ہیں۔ اللہ ہی لوگوں کے دلوں میں رحم ڈالے گا جو کچھ لوگ کھڑے ہوں اور وہ اس سے رہائی پائیں۔

جن مسلمان ملکوں پر اقتصادی پابندیاں (Economic Sanctions) لگی ہیں، ان میں ملک شام (Syria) 1986، سوڈان (1993)، یمن، افغانستان، لیبیا، ایران، زمبابوے شامل ہیں جو اقوام متحدہ (UN) کی طرف سے لگائی گئیں تو کہیں امریکہ (US) کی طرف سے اور کہیں یورپ کی طرف سے۔ ان کی وجہ سے ان ممالک میں بہت بڑی تعداد میں اموات واقع ہوئیں۔ ان پر تجارت کی پابندی کے ساتھ کھانے پینے کی اشیاء (Food) اور ادویات پر بھی پابندی ہے، جو ان ملکوں کی تباہی کا سبب ہے۔

جاہلیت اور ظلم کی یہ شکل جو بدو عربوں میں 1441 ہجری سال پہلے تھی، آج 2019ء کی تہذیب یافتہ دنیا میں بھی اسی طرح بلکہ اس سے بھی زیادہ ارتقائی اور ظالمانہ شکل میں موجود ہے۔



حضرت عمرو بن عبسہؓ کا قبول اسلام

اس دور جاہلیت میں بھی کچھ ایسی پاک روحیں تھیں، جو بتوں کی گندگی سے بچی ہوئی تھیں اور ان کی عبادت کو گمراہی سمجھتی تھیں۔ انہی میں ایک عمرو بن عبسہ بھی تھے۔ وہ قبیلہ بنی سلیمہ سے تھے۔ اُنہوں نے جب سنا کہ مکہ میں ایک شخص ہے جو بتوں کی عبادت کو غلط کہتا ہے اور ایک اللہ وحدہٗ لاشریک کی عبادت کرنے کو کہتا ہے تو وہ سیدھے مکہ معظّمہ پہنچ گئے اور حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ اس وقت محمد ﷺ دین کے کام کو پوشیدہ طور پر کر رہے تھے۔ گنتی کے لوگ مسلمان ہوئے تھے، وہ جب حضور ﷺ کے پاس پہنچے تو پوچھا۔ ''آپ کون ہیں؟'' محمد ﷺ نے فرمایا ''میں اللہ کا نبی ہوں۔'' پوچھا ''نبی کا کیا مطلب ہے؟'' جواب دیا ''اللہ نے مجھے رسول بنا کر بھیجا ہے۔'' پوچھا ''آپ کو کن کاموں کی تبلیغ کرنے بھیجا ہے۔'' فرمایا۔ ''میں یہ حکم لے کر آیا ہوں کہ صلہ رحمی کی جائے، بتوں کو توڑ دیا جائے اور لوگ اللہ کے ایک ہونے کے قائل ہو جائیں، اس کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کریں۔'' پوچھا۔ ''اس دین پر آپ ﷺ کے ساتھ کون ہے؟'' فرمایا۔ ''یہ آزاد اور غلام سب کے لیے ہے۔'' تو اُنہوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر بیعت کر لی۔ مگر ان کو آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اس وقت جاؤ کیونکہ یہ مشکل زمانہ ہے، جب تم کو یہ خبر مل جائے کہ میں ظاہر ہو گیا ہوں تو آ جانا۔ پھر وہ واپس چلے گئے اور مسلسل ان کے بارے میں مطلع رہے۔ جب یہ سنا کہ وہ مدینہ ہجرت کر گئے ہیں اور مشرکین مکہ جو ان کو قتل کرنا

چاہتے تھے، اس پر قدرت نہیں پا سکے تو عمرو بھی مدینہ پہنچ گئے اور کہا ''آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے وہ سکھایئے جو اللہ حکم دیتا ہے یعنی نماز وغیرہ۔

مشکوٰۃ المصابیح میں لکھا ہے کہ اُنہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا۔ اسلام کیا کام سکھاتا ہے؟ فرمایا ''حسن کلام اور کھانا کھلانا'' پوچھا۔ ''ایمان کے کیا تقاضے ہیں۔'' فرمایا۔ ''صبر کرنا (یعنی احکام شریعت پر جمے رہنا) اور سخی ہونا۔ پوچھا کون سا اسلام افضل ہے۔ فرمایا۔ ''اس شخص کا اسلام افضل ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں۔'' پوچھا ایمان کے تقاضوں میں کون سا عمل افضل ہے۔ فرمایا۔ ''اچھے اخلاق۔'' پوچھا کون سی نماز افضل ہے؟ فرمایا۔ ''لمبی نماز پڑھنا اور دل لگا کر پڑھنا۔'' پوچھا، کون سی ہجرت افضل ہے؟ فرمایا۔ ''جو چیز تیرے رب کو ناگوار ہو، اس کو چھوڑ دینا۔'' پوچھا، کون سا جہاد افضل ہے؟ فرمایا۔ ''وہ جس کا گھوڑا بھی جہاد میں قتل کیا گیا اور وہ خود بھی شہید ہو جائے۔'' پوچھا، عبادت کے لیے کون سا وقت افضل ہے؟ فرمایا۔ ''رات کا پچھلا پہر یعنی تہجد۔''

محمد ﷺ کی تبلیغ کے نئے زاویے

(رکانہ سے کشتی)

روئے زمین پر چلنے والے لوگوں میں سب سے معتبر سب سے عظیم شخص محمد ﷺ نے جس طرح اپنے پیروؤں کو زندگی کے بہت سے شعبوں میں رہنمائی کی، وہاں آپ ﷺ نے انسانوں کی صحت کے بارے میں بھی رہنمائی دی ہے۔

آپ ﷺ نے مارشل آرٹ، کشتی لڑنا اور سوئمنگ کرنا، تیراندازی کرنا، گھوڑے پر سوار ہونا اور مختلف کھیلوں کی ترغیب دی ہے کہ اس سے انسانی جسم مضبوط رہتا ہے اور انسانوں کی بہت سی صلاحیتیں (Skills) پروان چڑھتی ہیں جو جان کی حفاظت کے کام آتی ہیں اور جہاد فی سبیل اللہ میں بھی استعمال ہوتی ہیں۔

A Sound body has sound mind۔ انسانی ذہن کی بہترین کارکردگی کے لیے مضبوط اور صحت مند جسم کی ضرورت ہوتی ہے۔ خود محمد ﷺ ایک بہترین تنومند اور صحت مند جسم کے مالک تھے۔

آپ ﷺ کی عمر مبارک 50 سال کی تھی، مکہ میں مقیم تھے، ایک دن چلتے ہوئے مضافات مکہ میں نکل گئے۔ وہاں ایک مشرک پہلوان رکانہ نامی سے ملاقات ہوگئی، وہ بکریاں چرا رہا تھا۔ عصر کا وقت تھا، اس نے محمد ﷺ کو دیکھتے ہی کہا تم وہی ہو جو ہمارے معبودوں کو برا کہتے ہو اور اپنے معبود عزیز وحکیم پر ایمان لانے کی دعوت

دیتے ہو۔ میرا اور تمہارا رشتہ داری کا تعلق نہ ہوتا تو میں تمہیں قتل کر دیتا۔ وہ نوجوان قریشی تھا۔ بولا۔ ''چلو آج کشتی لڑو اگر میں ہار گیا تو 10 بکریاں تمہاری'' اس کو یہ زعم تھا کہ وہ مکہ کا بہترین ریسلر ہے، اس نے آج تک مات نہیں کھائی تھی۔ محمد ﷺ نے اس کی شرط کو منظور کر لیا۔ مقابلہ شروع ہوا۔ رسول اللہ ﷺ اس پر غالب آ گئے، اس کو اپنے دونوں ہاتھوں پر اُٹھایا اور زمین پر پٹک دیا۔ یہ اچانک شکست اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ اس نے دوبارہ مقابلہ پر آنے کو کہا اور 10 بکریاں بڑھا دیں دوبارہ بھی ایسا ہی ہوا۔ پھر اس نے دس بکریاں اور بڑھا دیں مگر تیسری بار بھی اس کو شکست ہوئی۔

اب اس نے کہا کہ آپ ﷺ کے معبود نے آپ ﷺ کی مدد کی اور میرے معبود لات و عزیٰ نے مجھے چھوڑ دیا۔ آپ ﷺ 30 بکریاں لے جایئے۔ محمد ﷺ نے فرمایا کہ تم بکریاں اپنے پاس ہی رکھو۔ میں تجھے اسلام کی دعوت دیتا ہوں، اگر تم نے اسلام قبول کر لیا تو اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے محفوظ کر لو گے۔ مگر اس نے کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ تم ایک بڑے جادوگر ہو۔

کشتی میں ہارنے کے بعد اس نے کسی معجزہ کا مطالبہ کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''اچھا پھر اس کے بعد تم اسلام قبول کر لو گے۔'' اس نے وعدہ کر لیا۔ قریب ہی ایک درخت تھا۔ محمد ﷺ نے اس درخت سے کہا۔ ''اللہ کا حکم مان اور یہاں آ جا۔'' درخت کے دو حصے اسی وقت ہو گئے۔ ایک حصہ اپنی جگہ پر رہا اور دوسرا حصہ رکانہ اور محمد ﷺ کے درمیان آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ حیران تھا مگر اس نے کہا اس سے کہیے اپنی جگہ پر واپس چلا جائے۔ آپ ﷺ نے اسے حکم دیا وہ اپنی شاخوں سمیت چلا گیا اور جا کر اس حصہ سے جڑ گیا۔ آپ ﷺ نے رکانہ سے فرمایا۔ ''اسلام قبول کر لے''

مگر اس نے کہا تم نے معجزہ تو خوب دکھایا لیکن مجھے یہ بات ناپسند ہے کہ میرے شہر کی عورتیں اور بچے یہ کہیں کہ ایک شخص کا رعب رکانہ کے دل میں داخل ہو گیا۔ اس نے پھر 30 بکریاں دینی چاہیں مگر محمد ﷺ نے منع فرما دیا۔ رسول اللہ ﷺ نے اسلام قبول کرنے پر اصرار نہ کیا اور نہ ہی دل شکستہ ہوئے۔ آپ ﷺ لوٹ گئے

رکانہ ابن عبد یزید الرقیشی کے دل میں اسلام کا بیج ڈال دیا گیا۔ اور وہ فتح مکہ کے موقع پر مشرف بہ اسلام ہوئے اور اسلام کے لیے خدمات انجام دیں۔ ہم دیکھتے ہیں کہ محمد ﷺ نے تبلیغ کے لئے تدریس و تلقین کو ہی کافی نہ سمجھا بلکہ لوگوں کے مزاج کا لحاظ کر کے ان کے سامنے دین پیش کیا۔

شق القمر کا معجزہ

حضرت انس ؓ سے روایت ہے کہ اہل مکہ نے رسول اللہ ﷺ سے سوال کیا کہ ان کو کوئی معجزہ دکھا دیں لہٰذا آپ ﷺ نے انگلی سے چاند کی طرف اشارہ کیا اور اس کے دو ٹکڑے ہو گئے (بخاری) دوسری روایت عبداللہ ابن مسعود سے ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں چاند پھٹ گیا، اس کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ ایک ٹکڑا پہاڑ پر اور دوسرا پہاڑ کے نیچے نظر آیا۔ (صحیح بخاری)

اسی واقعہ پر سورۂ قمر کی آیتیں نازل ہوئیں

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَ انْشَقَّ الْقَمَرُ (۱) وَ اِنْ يَّرَوْا اٰيَةً يُّعْرِضُوْا وَ يَقُوْلُوْا سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ (۲) وَ كَذَّبُوْا وَاتَّبَعُوْٓا اَهْوَآءَهُمْ وَ كُلُّ اَمْرٍ مُّسْتَقِرٌّ (۳) وَ لَقَدْ جَآءَهُمْ مِّنَ الْاَنْۢبَآءِ مَا فِيْهِ مُزْدَجَرٌ (۴) حِكْمَةٌۢ بَالِغَةٌ فَمَا تُغْنِ النُّذُرُ (۵)

ترجمہ: ''قیامت قریب آ لگی ہے اور چاند پھٹ گیا ہے۔ اور ان لوگوں کا حال یہ ہے کہ اگر وہ کوئی نشانی دیکھتے ہیں، تو منہ موڑ لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ تو ایک چلتا ہوا جادو ہے۔ انہوں نے حق کو جھٹلایا اور اپنی خواہشات کے پیچھے چل نکلے اور کام کو آخر کسی ٹھکانے پر ٹک رہنا ہے۔ اور ان لوگوں کو (پچھلی قوموں کو) کے واقعات کی اتنی خبریں پہنچ چکی ہیں جن میں تنبیہ کا بڑا سامان تھا۔ دل میں اتر جانے والی دانائی کی باتیں تھیں، پھر بھی یہ تنبیہات (ان پر) کچھ کارگر نہیں ہو رہی ہیں۔''

ہمارے زمانے کے بعد کے آنے والوں نے اس کا انکار یہ کہہ کر کیا ہے کہ چاند تو

پوری دنیا پر طلوع ہوتا ہے اگر ایسا ہوتا تو دنیا کی تاریخوں میں اس کا ذکر ہوتا۔ عموماً دنیا کے آدھے حصے پر رات اور آدھے حصے پر دن ہوتا ہے پھر رات کے مختلف اوقات میں لوگوں کی مختلف مصروفیات ہوتی ہیں۔ چاند پر کون نظر جماتا ہے جبکہ اس کا اعلان بھی پہلے سے نہ کیا گیا ہو۔ اور نہ ہی کوئی دھماکہ ہوا ہو۔ ہمارے زمانے میں چاند گرہن اور سورج گرہن کے اعلان کے باوجود بہت سے لوگ اس سے بے خبر رہتے ہیں۔ پھر آج کل کی طرح تاریخ بنانے کے لیے نہ کاغذ تھے نہ کمپیوٹر اور نہ ہی پڑھنے لکھنے کا رواج۔ نہ تاریخ سازی کا شوق، تاہم مالابار کی تاریخ میں آتا ہے کہ ایک رات ان کے راجہ نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا۔ بہرحال ''شق القمر'' کا ذکر قرآن میں آیا ہے۔ بہت سی احادیث میں ذکر ہے جس سے پتہ چلتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ اس وقت منیٰ میں موجود تھے۔ چاند کی 14 تاریخ تھی، ابھی چاند طلوع ہی ہوا تھا۔ آپ ﷺ نے اشارہ کیا اور چاند دو ٹکڑے ہو گیا پھر نبی ﷺ نے فرمایا دیکھو اور گواہ رہو۔ ایک لمحہ کے بعد ہی چاند کے دونوں ٹکڑے باہم مل گئے۔ یہ واقعہ ہجرت سے 5 سال قبل کا ہے۔

عام الحزن (غم کا سال)

محمد ﷺ اللہ کے بندے اور بشر تھے۔ اللہ کا پیغام پہنچانے میں آسانی پیدا کرنے کے لیے، اللہ نے ان کے دو بڑے مددگار مقرر کردیئے تھے۔ ایک آپ ﷺ کے چچا ابوطالب اور دوسرے آپ ﷺ کی زوجہ حضرت خدیجہؓ۔ ان دونوں کی موجودگی میں کسی احمق اور کسی جابر کی جرأت نہ ہوئی کہ آپ ﷺ کو کوئی تکلیف پہنچا سکیں۔ مگر نبوت کے دسویں سال شعب ابی طالب سے نکلنے کے بعد آپ ﷺ کے چچا بہت کمزور ہو گئے تھے، بیمار پڑ گئے۔ قریبی سردار جن کی تعداد 25 تھی۔ وہ ابوطالب کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا۔ ''اپنے بھتیجے سے کہیں کہ وہ ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیں۔'' ابوطالب نے محمد ﷺ کو بلوایا اور کہا ''بھتیجے یہ تمہاری قوم کے معزز لوگ ہیں، چاہتے ہیں کہ تم کچھ اُنہیں عہد و پیمان دو اور کچھ وہ تمہیں عہد و پیماں دے دیں اور پھر ان کی بات رکھی کہ کوئی بھی فریق دوسرے کے معاملے میں نہ پڑے۔ ایک دوسرے سے الگ الگ رہیں۔'' اس کے جواب میں حضور ﷺ نے وفد کو مخاطب کر کے فرمایا۔ ''آپ لوگ صرف ایک بات مان لیں۔ جس کی بدولت آپ عرب کے بادشاہ بن جائیں گے اور عجم آپ کے زیر نگیں آ جائے گا۔'' آخر ابوجہل نے کہا ''ایسی ایک بات تو کیا دس باتیں ماننے کو تیار ہیں۔ بتاؤ تو سہی وہ بات کیا ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''بس لا الہ الا اللہ کہہ دیں اور جو کچھ پوجتے ہیں سب کو پوجنا چھوڑ دیں۔'' اس کے بعد وہ سب ہاتھ پیٹ کر اور تالیاں بجا

کر اس کی مخالفت کرنے لگے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ ایک ہی خدا کو پوجیں۔ چلو اُٹھو اور اپنے دین پر ڈٹ جاؤ اور وہاں سے نکل گئے۔ اس پر سورۂ ص کی ابتدائی آیات نازل ہوئیں جو اس واقعہ کی ترجمانی کرتی ہیں۔ ابوطالب 10 نبوی رجب میں شعب ابی طالب کی محصوری کے چھ مہینے بعد انتقال کر گئے۔ انتقال کے وقت کچھ سردار پاس بیٹھے تھے اور حضور ﷺ ان سے فرما رہے تھے کہ چچا جان بس آپ لا الہ الا اللہ کہہ دیں مگر ان سرداروں نے ان کو غیرت دلائی کہ مرتے وقت باپ دادا کا دین چھوڑ رہے ہو تو ان کے منہ سے جو آخری الفاظ نکلے وہ یہ ہی تھے کہ ''عبدالمطلب کے دین پر'' اور وہ خالق حقیقی سے جا ملے۔ حضور ﷺ نہایت غمزدہ ہوئے مگر پھر سورۃ القصص کی آیت 56 نازل ہوئی:

اِنَّكَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ ۚ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِیْنَ ۝

ترجمہ: ''بیشک آپ جسے چاہیں اس کو ہدایت یافتہ نہیں بنا سکتے لیکن اللہ جس کو چاہے اس کو ہدایت یافتہ بنا دیتا ہے اور وہ ہدایت پانے والوں کو خوب جانتا ہے۔''

صحیح بخاری میں حضرت عباسؓ سے مروی ہے کہ اُنہوں نے کہا کہ آپ ﷺ اپنے چچا کے کیا کام آسکے جبکہ وہ آپ ﷺ کی حفاظت کرتے تھے۔ آپ ﷺ کے لیے دوسروں سے جھگڑے اور لڑائی مول لیتے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''وہ جہنم کی ایسی جگہ پر ہیں جہاں بہت ہلکا عذاب دیا جاتا ہے اور اگر میں نہ ہوتا تو وہ جہنم کی سب سے نچلی جگہ پر ہوتے۔''

ابوطالب کی وفات کے تین دن بعد یا دوسری روایت کے مطابق دو ماہ بعد حضرت ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ بھی وفات پا گئیں۔ ان کی عمر 65 برس تھی اور حضور ﷺ 50 سال کے تھے۔ ایک ہی سال میں دو صدمے اُٹھانے پڑے۔ وہ بھی اپنی عزیز ترین غمگسار ہستیوں کے۔ حضور ﷺ پر اس کا بہت اثر ہوا اور آپ ﷺ بہت غمگین رہنے لگے۔ اسی لیے اس سال کا نام عام الحزن یعنی غم کا سال پڑ گیا۔ حضرت خدیجہؓ ایک عام بیوی نہ تھیں بلکہ السابقون الاوّلون میں تھیں۔ حضور ﷺ کے بعد تمام انسانوں میں ایمان لانے پر اوّل نمبر پر تھیں۔ اُنہوں نے دور رسالت سے پہلے بھی آپ ﷺ کے ساتھ نہایت پیار و محبت کا برتاؤ کیا اور اوّلین وحی جو غار حرا میں نازل ہوئی، اس پر جس طرح آپ ﷺ کو تسلی دی، وہ تاریخ میں سنہرے حروف میں لکھنے کے قابل ہے۔ اسلام کی اس راہ حق میں حضور ﷺ کے ساتھ سچی رفاقت کا حق ادا کر دیا۔ تحریک حق کی حمایت میں اپنا مال بھی خرچ کیا اور قدم قدم پر مشورے بھی دیئے اور دلی جذبہ سے تعاون کیا۔ صحیح بخاری میں ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ حضرت جبرئیلؑ، محمد ﷺ کے پاس تشریف لائے اور کہا ''اے اللہ کے رسول، یہ خدیجہ آ رہی ہیں، ان کے پاس برتن ہے جس میں کھانا اور پینے کا مشروب ہے۔ اللہ نے ان کے لیے سلام بھیجا ہے اور میرا بھی سلام ان کو پہنچا دیجیے، جب وہ آپ ﷺ کے پاس پہنچیں اور جنت میں ایک موتی کے محل کی بشارت دیں جس میں نہ شور ہے نہ تھکان۔

شہر طائف میں دعوتی کردار

حضرت ابوطالب کی وفات کے بعد ابوجہل مکہ کا بڑا سردار بنایا گیا۔ اب حضور ﷺ تنہا رہ گئے تھے، آپ ﷺ کی غمگسار اور حمایت کار بیوی حضرت خدیجہؓ بھی وفات پا چکی تھیں۔ ابوجہل اور اس کے ساتھیوں کی اذیتیں آپ ﷺ کے لیے بہت بڑھ گئی تھیں۔ ایک دن آپ ﷺ گھر سے نکلے اور کوچے کوچے دعوت اسلام کے لیے پھرے مگر کسی نے بات نہ سنی کیونکہ نئی اسکیم کے تحت بات کسی کو سننی نہیں تھی کیونکہ سننے سے اثر ہوتا ہے اور بحث سے معاملہ طول پکڑتا ہے اور دل بدلتے ہیں، صرف طنز و استہزاء کی پالیسی رکھی گئی۔ آپ ﷺ شام کو دلگرفتہ واپس آئے اور سوچا کہ مکہ کی زمین اب بنجر ہو چکی ہے۔ ضدی اور ہٹ دھرم رہ گئے ہیں، باقی جو دعوت قبول کر چکے تھے وہ یا تو حبشہ چلے گئے تھے یا کمزور و بے بس تھے چنانچہ آپ ﷺ نے ایک نئے شہر طائف جانے کی ٹھانی۔ زید بن حارثہ کو ساتھ لیا۔ پیدل چل پڑے، راستے میں جو قبائل آئے ان کو اسلام کی دعوت دی مگر کسی نے قبول نہ کی، پھر طائف پہنچے وہاں 3 سردار بھائی تھے جو نہایت اجڈ اور گنوار تھے۔ آپ ﷺ نے ان کے سامنے بات رکھی۔ اقامت حق کے کام میں ان کی حمایت طلب کی جو جواب دیا گیا وہ یہ تھا۔ اگر واقعی خدا نے تم کو بھیجا ہے تو وہ کیا کعبہ کا غلاف نچوانا چاہتا ہے، ارے کیا خدا کو تمہارے علاوہ رسالت کے لیے کوئی اور مناسب آدمی نہ مل سکا۔

خدا کی قسم میں تجھ سے بات نہ کروں گا کیونکہ اگر تو اپنے کہنے کے مطابق واقعی اللہ کا

رسول ہے تو پھر تجھ کو جواب دینا خلاف ادب ہے، اگر تو جھوٹ کہہ رہا ہے تو اس قابل نہیں کہ تجھ سے بات کی جائے۔ یہ جواب سن کر آپ ﷺ اُٹھ کھڑے ہوئے اور فرمایا۔ ''تم نے جو کچھ کہا بہر حال کسی سے اس کا ذکر نہ کرنا۔ آپ ﷺ نے طائف میں 10 دن قیام فرمایا۔ آپ ﷺ ایک ایک سردار کے پاس گئے مگر کوئی نہ مانا۔ سب کا ایک ہی جواب تھا کہ ہمارے شہر سے نکل جاؤ بلکہ ساتھ ہی اوباشوں کو شہہ دے دی کہ ان کو نکال دو۔ یہ لوگ تالیاں پیٹتے، گالیاں دیتے، شور مچاتے آپ ﷺ کے پیچھے لگ گئے۔ ایک بڑا ہجوم جمع ہو گیا۔ آپ ﷺ جا رہے تھے اور یہ آپ ﷺ کے دائیں بائیں کھڑے تھے، پھر آپ ﷺ پر پتھر پھینکنے شروع کر دیئے۔ زید بن حارثہؓ آپ ﷺ کو بچاتے اور وہ خود بھی زخمی ہو گئے۔ آپ ﷺ چلتے رہے جہاں کہیں آپ ﷺ تکلیف میں بیٹھتے، وہ ظالم آپ ﷺ کو کھڑا کر دیتے اور آپ ﷺ کے پاؤں پر پتھر مارتے جس سے آپ ﷺ کے پاؤں زخمی ہو گئے اور جوتے خون سے بھر گئے، یہاں تک کہ ربیعہ کے بیٹے عقبہ اور شیبہ کا باغ نظر آیا تو آپ ﷺ نے اس میں پناہ لی۔ یہ طائف سے 3 میل دور تھا، تب وہ ہجوم واپس چلا گیا۔ آپ ﷺ ایک دیوار کے سہارے کھجور کے درخت کے سائے میں بیٹھ گئے۔ قدرے اطمینان ہوا تو آپ ﷺ نے اللہ سے دعا فرمائیں یہ دعائے مستفیض کے نام سے مشہور ہے۔

''بار الٰہا! میں تجھ سے اپنی کمزوری، بے بسی اور لوگوں کے نزدیک اپنی بے قدری کا شکوہ کرتا ہوں۔ یا ارحم الراحمین تو کمزوروں کا رب ہے اور تو ہی میرا بھی رب ہے تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا کسی بیگانے کے جو میرے ساتھ تندی سے پیش آئے؟ یا کسی دشمن کے جس کو تو نے میرے معاملے کا مالک بنا دیا ہے۔ اگر مجھ پر تیرا

غضب نہیں ہے تو مجھے کوئی پروا نہیں۔ لیکن تیری عافیت میرے لیے زیادہ کشادہ ہے۔ میں تیرے چہرہ کے اس نور کی پناہ چاہتا ہوں جس سے تاریکیاں روشن ہوگئیں جس پر دنیا و آخرت کے معاملات درست ہوگئے کہ تو مجھ پر اپنا غضب نازل کرے یا تیرا عتاب مجھ پر وارد ہو۔ تیری ہی رضا مطلوب ہے، یہاں تک کہ تو خوش ہو جائے اور تیرے بغیر کوئی زور اور طاقت نہیں۔''

اب عتبہ اور شیبہ جو دشمن اسلام تھے مگر جذبہ قرابت کی وجہ سے ان کے دل میں رحم آیا اور اُنہوں نے انگور کی پلیٹ اپنے غلام عداس کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ جاؤ ان کو دے آؤ۔ جب اس نے انگور پیش کیے تو آپ ﷺ نے بسم اللہ کہہ کر ہاتھ بڑھایا اور کھانا شروع کیا تو اس نے پوچھا کہاں کے رہنے والے ہو؟ میں نے یہ کلمہ کبھی نہیں سنا۔ رسول اللہ ﷺ نے پوچھا تم کہاں کے رہنے والے ہو اور تمہارا دین کیا ہے؟ اس نے کہا میں عیسائی ہوں اور نینوی کا رہنے والا ہوں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا اچھا تم مرد صالح یونس بن متی کی بستی کے رہنے والے ہو۔ اس نے کہا آپ ﷺ یونس بن متی کو کیسے جانتے ہو؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا وہ میرے بھائی تھے، نبی تھے اور میں بھی نبی ہوں۔ یہ سن کر عداس رسول اللہ ﷺ پر جھک گیا۔ آپ ﷺ کی پیشانی ہاتھ اور پاؤں چومنے لگا اور اس نے کہا ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس نے اسلام قبول کرلیا اور اس طرح اس غلام کو شرف صحابیت نصیب ہوگیا۔ عتبہ شیبہ دونوں دیکھ رہے تھے پوچھا یہ کیا معاملہ ہے؟ عداس نے کہا آپ ﷺ نے مجھے ایسی بات بتائی ہے جو نبی کے سوا کوئی نہیں بتا سکتا۔ اُنہوں نے کہا کہ دیکھو کہیں یہ تمہیں تمہارے دین سے نہ پھیر دے۔ تمہارا دین

اس سے بہتر ہے۔تھوڑی دیر ٹھہر کر آپ ﷺ وہاں سے نکلے اور مکہ کی راہ پر چل پڑے۔غم واندوہ کی شدت تھی۔ دل پریشان تھا، جب ''قرن منازل'' پہنچے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے، ان کے ساتھ پہاڑوں کا فرشتہ تھا، وہ آپ ﷺ سے گزارش کرنے آیا تھا حکم ہوتو اس بستی کو جو دو پہاڑوں کے درمیان ہے، کچل ڈالے۔

اس واقعہ کی تفصیل صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ جب اُنہوں نے ایک دن محمد ﷺ سے پوچھا کہ کیا آپ ﷺ پر احد کے دن سے بھی زیادہ سخت دن گزرا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہاں عائشہ! تمہاری قوم سے جن تکلیفوں کا سامنا مجھے کرنا پڑا ان میں سب سے زیادہ سخت مصیبت کا دن وہ تھا جب میں طائف میں عبد یالیل، مسعود اور حبیب کے پاس گیا اور اُنہوں نے میری بات منظور نہ کی اور میں واپس ناکام ونڈھال مکہ کی طرف آرہا تھا تو قرن شعالب پہنچ کر سر اُٹھایا تو دیکھا مجھ پر ایک بادل سایہ کیے ہوئے ہے۔اوپر دیکھا تو وہ جبرئیل تھے۔اُنہوں نے کہا کہ جو آپ کی قوم نے آپ ﷺ سے کہا، اللہ نے وہ سن لیا۔اب اس نے پہاڑوں کا فرشتہ آپ ﷺ کے پاس بھیجا ہے، آپ ﷺ جو چاہیں حکم دیں۔ چاہیں کہ دو پہاڑوں کے درمیان ان کو کچل دوں تو ایسا ہی ہوگا۔محمد ﷺ نے جواب دیا۔نہیں! بلکہ مجھے اُمید ہے کہ اللہ ان کی نسل میں ایسے لوگ پیدا کرے گا جو صرف ایک اللہ کی عبادت کرے گی اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے گی۔سبحان اللہ۔ یہ واقعہ محمد ﷺ کے اخلاق عظیمہ کی شاندار مثال ہے کہ آپ ﷺ نے اپنی ذات پر تکلیفوں کے باوجود ان کے لیے برا نہ سوچا اور قدرت رکھتے ہوئے نہ برا کیا۔ثقفی

قبیلہ میں ایک نوجوان محمد بن قاسم پیدا ہوا اور اس نے ہندوستان میں دین اسلام پھیلایا۔ ان قبیلوں کی نسلوں سے بڑے بڑے جانباز اور اسلام کے خدمت گار اس سرزمین میں پیدا ہوئے۔ سات آسمانوں کے اوپر سے آنے والی اس غیبی مدد کی وجہ سے آپ ﷺ کا دل مطمئن ہوگیا۔ آپ ﷺ چلتے رہے، وادی نخلہ میں قیام فرمایا۔ اس دوران اللہ تعالیٰ نے جنات کی ایک جماعت بھیجی جن کا ذکر قرآن میں سورۂ احقاف اور سورۂ جن میں آیا ہے۔

جنوں کی آمد اور ان کا قبول اسلام۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دوسری مدد تھی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ حقیقت واضح کردی کہ اگر تمام انسان دعوت حق کا انکار کردیں تو ہماری ایسی مخلوقات موجود ہیں جو آپ ﷺ کا ساتھ دینے کو تیار ہیں۔ آپ ﷺ مکہ کے قریب پہنچے اور کوہ حرا کے قریب قیام فرمایا اور کچھ لوگوں سے پناہ کی درخواست کی۔ مطعم بن عدی نے آپ ﷺ کی درخواست قبول کرلی۔ وہ آپ ﷺ کو لے کر ہتھیار بند ہوکر اپنے بیٹوں کے ساتھ آیا۔ آپ ﷺ کو حرم لے گیا، آپ ﷺ نے طواف کیا۔ ابوجہل نے کہا۔ اگر تم نے پناہ دی تو ہم نے بھی پناہ دی۔ پھر آپ ﷺ بحفاظت اپنے گھر چلے گئے۔ حضور ﷺ مطعم بن عدی کا احسان کبھی نہ بھولے اور اس کے بیٹے جبیر بن مطعم جو مسلمان ہوگئے۔ انہوں نے بدر کے قیدیوں کے بارے میں بات کی تو آپ ﷺ نے رہا کردیا اور فرمایا ''اگر مطعم زندہ ہوتا اور ان سارے بدبودار قیدیوں کی رہائی کی درخواست کرتا تو میں سب کو آزاد کردیتا۔''

نبوت کا گیارہواں سال

بیعت عقبہ اولیٰ

حضور ﷺ حج کے ایام میں اپنی دعوتی سرگرمیاں تیز کر دیتے کیونکہ اس زمانے میں سارے عرب سے لوگ آیا کرتے تھے اور مکہ میں عکاظ، مجنہ اور ذوالمجار کے میلے لگتے۔ حضور ﷺ منیٰ تشریف لے جاتے کیونکہ حج کا بڑا اجتماع وہیں ہوتا تھا۔

حضرت ربیعہؓ اپنے والد کی زبان سے سنا ہوا واقعہ بیان کرتے ہیں کہ اُن کے والد اپنی نوجوانی میں اپنے والد کے ہمراہ منیٰ میں موجود تھے۔ اُنہوں نے دیکھا کہ محمد ﷺ عرب قبائل کی قیام گاہوں پر جاتے، اُنہیں دعوت اسلام دیتے۔ ایسے میں آپ ﷺ کے پیچھے پیچھے ایک اور شخص بھینگا، خوش رو، زلفوں والا عدنی حُلیہ پہنے ہوتا اور کہتا یہ شخص تم کو لات وعزیٰ کو چھوڑنے کی دعوت دیتا ہے، تم اس کی ہرگز نہ مانو اور نہ اس کی سنو۔ یہ سن کر میں نے اپنے والد سے پوچھا۔ ''یہ تردید کرنے والا کون ہے؟'' اُنہوں نے جواب دیا۔ اس دعوت دینے والے کا چچا عبدالعزیٰ ابولہب بن عبدالمطلب ہے۔ اس کے باوجود آپ ﷺ ہر اس شخص کو دعوت دیتے رہے جس کا عرب میں کوئی مرتبہ یا عرب میں اس کی شہرت تھی۔ ان سے یہی کہا کرتے تھے کہ ''میں تمہاری طرف اللہ کا رسول بنا کر بھیجا گیا ہوں، میں حکم دیتا ہوں کہ صرف اللہ کی عبادت کرو، کسی اور کو شریک نہ ٹھہراؤ۔ تم میں سے کون ہے جو میری بات سنے اور میری مدد کرے۔''

آپ ﷺ بنی کندہ میں سے (قحطان) کے خیمے پر تشریف لے گئے، اس کے

سردار ''ملیح'' سے ملے۔ اسلام پیش فرمایا۔ اس نے آپ ﷺ کی بات نہ مانی اور انکار کر دیا۔ بنی کلب کی شاخ، بنوعبداللہ کے خیموں میں گئے۔ اہل یمامہ میں سے بنو حنیفہ کے سردار ربیعہ نے بڑی درشتی سے جواب دیا۔ ان کے لوگ بے حد سختی سے پیش آئے۔ عربوں میں ان سے برا کوئی جواب دینے والا نہ تھا۔

حافظ ابن کثیر کلبی کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ محمد ﷺ بنی عامر کے پاس گئے اور ان پر دعوت اسلام پیش کی۔ اُنہوں نے اپنی حمایت کا یقین دلایا۔ اتنے میں بحیرہ بن فراس قشیری آیا اور پوچھا یہ کون ہے۔ اُنہوں نے بتایا ''محمد بن عبداللہ قریشی ہیں۔ اپنے آپ کو اللہ کا رسول بتاتے ہیں، ہم سے حمایت چاہی ہے تاکہ رب کی تبلیغ کا فرض ادا کر سکیں۔ ہم نے لبیک و مرحبا کہا۔ ہم آپ کو اپنے شہر لے جائیں گے، اپنی جانوں کی طرح آپ ﷺ کی حفاظت کریں گے۔'' یہ سن کر وہ بولا۔ ''اس بازار عکاظ سے شاید ہی کوئی قبیلہ ایسی سخت چیز لے جا رہا ہو، کیا تم تمام عرب کے مقابلے پر نکلو گے؟ اس شخص کی قوم اسے خوب پہچانتی ہے، اگر اس میں کچھ بھلائی ہوتی تو کیا اس کا ساتھ نہ دیتے، اس کی قوم نے اسے نکال دیا ہے، اس کو جھٹلایا ہے، کیا تم اس کو جگہ دے کر اس کی مدد کرو گے؟ تمہاری رائے بہت بری ہے، پھر وہ حضور ﷺ سے مخاطب ہوا اور کہا جایئے اپنی قوم سے مل جایئے، اگر آپ میری قوم کے پاس نہ ہوتے میں آپ ﷺ کا سر تن سے جدا کر دیتا۔''

یہ سن کر حضور ﷺ اُٹھ کھڑے ہوئے اور اپنی اونٹنی پر سوار ہو گئے۔ بحیرہ نے اونٹنی کے پیٹ پر زور سے ڈنڈا مارا جس سے وہ اُچھل پڑی اور حضور ﷺ کو نیچے گرا دیا۔ بنی عامر میں اس وقت ایک خاتون ''ضباعہ'' نام کی تھی جو مکہ میں آپ ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کر چکی تھیں۔ اس نے اپنے چچیرے بھائیوں کو مخاطب کیا۔ ''اے

آل عامر! اب میرا تم سے کوئی تعلق نہیں ہے، تمہارے سامنے یہ بدسلوکی ہو رہی ہے اور تم میں سے کوئی اُنہیں بچا نہیں سکتا۔'' تین بھائی اُٹھے اور اُنہوں نے اس بدبخت کی خوب پٹائی کی۔ حضور ﷺ نے ان بھائیوں کے لیے دعا فرمائی، اللہ تعالیٰ نے اُنہیں ہدایت دی۔ بعد میں وہ ایمان لائے اور شہادت کے مرتبہ پر فائز ہوئے۔

حضور ﷺ نہ بددل ہوئے اور نہ دل شکستہ۔ بلکہ اس جواب کے باوجود قبائل بنو عبس، بنو سلیم، بنو محارب، غزارہ، عزرہ، حضرموت کے رہنے والوں کو دعوت دی ان سب کا جواب نفی میں تھا ''سب یہی کہتے''۔ تمہارا قبیلہ تمہیں خوب جانتا ہے جب وہ حمایت نہیں کرتا تو ہم بھی معذور ہیں۔

قبیلہ بنی ذہل بن شعبان میں دعوت دیتے وقت حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ بھی ساتھ تھے۔ ان کے سردار نے شوق سے بات سنی مگر یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ ہماری قوم کے ایران سے معاہدے ہیں اور وہ آپ ﷺ کی حمایت کر کے ان سے نہیں لڑ سکتے۔ حضور ﷺ اُٹھ کھڑے ہوئے، اللہ اپنے دین کی خود مدد کرے گا اور ان کو بشارت دی ایک دن آئے گا جب اس دین کے ماننے والوں کو اللہ کسریٰ کی زمین اور دولت کا وارث بنائے گا۔

پھر بنی بکر بن وائل کی قیام گاہ پر تشریف لے گئے۔ ان کو دعوت اسلام پیش کی اور حمایت چاہی۔ اُنہوں نے بھی کچھ اسی قسم کا جواب دیا تو حضور ﷺ نے ان کو بھی یہ کہا میری بات مانو گے تو ایک وقت آئے گا جب تم ان کی منزلوں پر اُترو گے، ان کی خواتین سے نکاح کرو گے۔ ان کے بچے تمہارے غلام بنیں گے۔ یہ فرما کر آپ ﷺ وہاں سے واپس ہو گئے۔ اس کے بعد پیچھے پیچھے ابولہب آیا اور اس نے کہا ہماری قوم میں یہ شخص بڑی شان والا تھا مگر اب اس کے دماغ میں فتور آ گیا ہے۔ اُس نے کہا کہ ہاں

جب وہ کسریٰ کی شکست اور عربوں کی فتح کی بات کر رہا تھا تو ہم نے بھی یہی خیال کیا۔ اس سوال وجواب کے 15 برس بعد ہی مخبر صادق حضور ﷺ کی پیش گوئی حقیقت بن گئی۔

یہ واقعات بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ بیعت عقبیٰ اولیٰ جو دعوت اسلامی کے لیے ایک بڑا ٹرننگ پوائنٹ تھا، ایسے آسانی سے حاصل نہیں ہوا۔ اس کے پیچھے ایک جہد مسلسل تھی۔ حضور ﷺ نے اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے دن رات ہر روز سال بہ سال کوششیں کیں۔ صرف اس لیے کہ اللہ کا پیغام نہ صرف وقت کے ان تمام موجود لوگوں کو پہنچے بلکہ بعد کے آنے والی نسلوں یعنی مجھ تک اور آپ تک بھی پہنچ جائے۔ میرے اور آپ کے اوپر محمد ﷺ کا یہ احسان عظیم ہے اور اس کا شکرانہ مجھ پر اور آپ پر واجب ہے۔

اسی طرح حضور ﷺ ایک دن جبل نور اور منیٰ کے درمیان مکہ سے کوئی تین میل دور عقبہ کی گھاٹی پر پہنچے تو ایک جگہ چھ لوگوں کو دیکھا جو سر منڈوا رہے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا۔ ''تم کون لوگ ہو۔'' اُنہوں نے کہا ہم یثرب سے آئے ہیں، بنو خزرج سے تعلق ہے۔'' پوچھا ''کیا یہودیوں کے دوست ہو؟'' کہا۔ ''ہاں۔'' فرمایا۔ ''کیا آپ بیٹھ کر میری کچھ باتیں سن سکتے ہیں۔'' اُنہوں نے حامی بھری تو حضور ﷺ نے ان پر اسلام پیش کیا۔ آپ ﷺ نے کلام اللہ کی تلاوت کی۔ اُنہوں نے آپ ﷺ کے چہرے کو دیکھا۔ زبان وحی ترجمان سے قرآن سنا تو ان کے دل نے گواہی دی کہ یہ وہی نبی ہے جس کا یثربی یہودی تذکرہ کرتے ہیں۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ ہم سے بازی لے جائیں، ان کا دامن تھام لو۔ چنانچہ اُنہوں نے آپ ﷺ کی تصدیق کی، آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔ وہ بڑے سمجھدار لوگ تھے۔ بولے ہماری قوم میں بہت عداوت ہے۔ ہوسکتا ہے، آپ ﷺ کے طفیل ہماری قوم سے عداوت ختم

ہوجائے اور وہ باہم مل جائیں۔ ابھی ہم جا کر دوسرے لوگوں سے بات کرتے ہیں پھر اگلے سال آئیں گے تو آپ ﷺ کو اپنے پاس بلائیں گے وہ چھ لوگ یہ تھے۔

(۱) حضرت ابو اُمامہ اسعد بن زرارہ (خزرج) (۲) حضرت عوف بن حارث (۳) حضرت رافع بن مالک عجلان (بنی زریق) (۴) حضرت قطبہ بن عامر (بنی سلمہ) (۵) حضرت عقبہ بن عامر (بنی حرام بن کعب) (۶) حضرت جابر بن عبداللہ (بنی عبید بن عدی)

یہ لوگ انصار میں ''السابقون الاوّلون من الانصار'' شمار ہوتے ہیں۔ اسی لیے حضور ﷺ نے فرمایا ''مدینہ قرآن سے فتح کیا گیا۔''

یہ چھ یثربی نور ایمان کو دل میں بسائے اپنے وطن لوٹے تو ہر مجلس، ہر گلی اور ہر گھر میں رسول اللہ ﷺ کا چرچا ہونے لگا۔ بعثت خوشبو کی طرح پھیل گئی۔ اگلے سال حج کا موسم آیا تو اس قبیلے کے لوگ دیدار رسول اللہ ﷺ کا دل میں ارمان لیے سفر پر روانہ ہوئے۔ یہ لوگ منیٰ کے مقام پر ملے جہاں پچھلے سال ملاقات کی تھی۔ تاریخ میں اس مقام کو ''عقبیٰ اولیٰ'' کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے ان کے سامنے قرآن پاک کی تلاوت فرمائی۔

جوں جوں وہ سنتے جاتے تھے، ان کے چہرے کا رنگ بدلتا جاتا تھا، آخر میں اُسید نے کہا ''کیا ہی خوب کلام ہے۔ تم لوگ اسلام میں داخل ہوتے وقت کیا کرتے ہو؟'' آپ ﷺ نے بتایا ''جاؤ جا کر نہاؤ، کپڑے بدلو، پھر ہم تمہیں کلمہ شہادت پڑھائیں گے، پھر دو رکعت نماز پڑھنا۔'' چنانچہ اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ پھر اُنہوں نے کہا میرے ساتھ سعد بن معاذ بھی ہے اگر وہ بھی اس دین کو قبول کر لے تو ہمارے قبیلے کے تمام افراد اس دین میں داخل ہو جائیں گے۔ پھر وہ خود سعد کے پاس گئے تو

اس نے پوچھا کہو کیا کر کے آئے ہو؟ اُنہوں نے کہا میں نے ان کو منع کر دیا ہے اور اُنہوں نے میری بات مان لی ہے کہ ہم وہی کریں گے جو تم کو پسند ہے، مگر ایک مشکل آن پڑی ہے، بنی حارثہ اسعد بن زرارہ کے قتل کے درپے ہیں، حالانکہ وہ جانتے ہیں کہ اسعد تمہارا بھائی ہے وہ گویا تم کو ذلیل کرنا چاہتے ہیں۔ بھائی کی محبت جاگ اُٹھی اور وہ غضبناک ہو کر چلا اور سیدھا اُسید کے پاس پہنچا۔ دیکھا تو وہ اور مصعب اطمینان سے بیٹھے ہیں۔ اب وہ سعد کی چال سمجھ گئے اور مصعب کو ڈانٹنے لگے کہ یہ کیا دھندا شروع کیا ہے تم لوگوں نے۔ کیوں ایسی بات لے کر ہمارے گھروں میں آتے ہو جو ہمیں ناگوار ہے۔ مصعب نے اسی دھیمے لہجے میں بات کی جو جا کر دلوں کو چھو لیتی ہے۔ ہمارے پاس ذرا دیر کے لیے بیٹھ کر ہماری بات غور سے سن لیجیے، پسند آئے تو مان لیجیے اگر آپ کو ہماری بات پسند نہ آئی تو پھر ہم وہ چیز تمہارے سامنے نہیں لائیں گے، جس سے تم نفرت کرتے ہو۔ سعد کہنے لگا ''یہ تم نے انصاف کی بات کہی ہے، بیٹھ گیا اور ان کی باتیں غور سے سننے لگا۔ اُنہوں نے پہلے بنیادی باتیں کیں، پھر قرآن سنایا۔ اب اس کے چہرہ کا بھی رنگ بدلنے لگا، اور صاف معلوم ہو رہا تھا کہ وہ قبول حق کے لیے آمادہ ہے۔ چنانچہ اس نے بھی حق کے پیغام پر لبیک کہا اور وہ اپنے لوگوں کے پاس آیا۔ آتے ہی اس نے یوں خطاب کیا۔ ''اے بنی عبدالاشہل میرے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ سب کہنے لگے ''تم ہمارے سردار ہو۔ تمہاری رائے ہم سے بہتر ہے، خوبیوں کے لحاظ سے اعلیٰ ہو، بابرکت ہو۔''

''تو پھر سن لو، جب تک تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ پر ایمان نہیں لاؤ گے، تمہارے مردوں اور عورتوں سے مجھ پر بات کرنا حرام ہے۔'' پھر کیا تھا تمام قبیلے والے مرد و زن آتے گئے اور اسلام قبول کرتے گئے۔ ان دو سرداروں کی وجہ سے

ایک کثیر تعداد نے اسلام کو گلے لگایا اور تحریک حق کی طاقت اتنی بڑھ گئی کہ پھر اس کے بعد اس کی کرنیں مدینہ کے بہت سارے گھروں تک پہنچ گئیں۔ یہاں نہ کسی قسم کی مخالفت تھی اور نہ ہی جسمانی تشدد بلکہ مدینہ کے لوگ جب اپنے مکی اسلامی بھائیوں کی روداد سنتے تو ان کو افسوس ہوتا اور ان کی مدد وحمایت کا جذبہ ان کے دل میں موجزن ہوجاتا اور جب نبوت کے تیرہویں سال حج کے موقع پر یہ لوگ مکہ گئے تو اب ان کے ساتھ 73 مرد اور 2 عورتیں تھیں، جنہوں نے بیعت کی، انہوں نے عقبہ ثانیہ میں حصہ لیا۔ مصعب بن عمیر اور اسعد بن زرارہ کی کوششوں سے مدینہ کے بہت سے گھروں میں دعوت اسلام پہنچ گئی۔ اب مدینہ کے مسلمان اس قسم کی باتیں کرنے لگے تھے کہ ہم کب تک محمد ﷺ کو ان مشرکوں کے پاس تنہا بھٹکنے کے لیے چھوڑیں گے، کب تک ہمارے مسلمان بھائی مکہ میں ظلم وتشدد سے بھری زندگی گزارتے رہیں گے۔ ہم کو اللہ کے رسول ﷺ کو اپنے گھر لے آنا چاہیے۔ چنانچہ جب بیعت عقبہ ثانیہ ہوئی تو اُنہوں نے نبی کریم ﷺ کو یثرب آنے کی دعوت دی۔ آگے کے صفحات میں ہم بیان کریں گے کہ کس طرح کے عہد و پیمان ہوئے اور نبی ﷺ نے ہجرت کا ارادہ کرلیا اور اللہ کے حکم کا انتظار کرنے لگے جبکہ صحابہؓ کو ہجرت کی اجازت عطا ہوگئی۔



نبوت کا بارہواں سال

الاسراء والمعراج

خاتم النبیین سیّدالمرسلینؐ کی مکی زندگی کا ایک واقعہ الاسراء والمعراج ہے۔ جب محمد ﷺ اور آپ ﷺ کے اصحابؓ پر ہر طرح کا ظلم و تشدد ہورہا تھا۔ آپ ﷺ کو قولی اور جسمانی ہر طرح سے ٹارچر کیا جارہا تھا اور آپ ﷺ اس قسم کی صورتحال سے پریشان تھے تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو معراج کی سیر کرائی تاکہ آپ ﷺ کو عین الیقین حاصل ہوجائے اور آپ ﷺ کا دل اس پر مطمئن ہوجائے کہ آپ ﷺ حق پر ہیں اور یہ صورتحال عارضی ہے۔ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا (بے شک ہر تنگی کے ساتھ آسانی ہے) (سورہ الم نشرح آیت 8)

اس واقعہ کی تفصیل حدیثوں کی کتابوں میں 25 صحابہ سے مروی ہے اور قرآن بھی اس واقعہ کی تصدیق کرتا ہے۔

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِہٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَہٗ لِنُرِیَہٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ط اِنَّہٗ ھُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ o (سورۂ بنی اسرائیل، آیت 1)

ترجمہ: ''پاک ہے وہ ذات جو ایک رات اپنے بندے کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ لے گئی تاکہ اس کو اپنی نشانیاں دکھائے بے شک وہ سننے اور جاننے والا ہے۔''

روایات کے مطابق آپ ﷺ حطیم میں تھے۔ ان کے پاس تین آدمی آئے، ان کے پاس سونے کا ایک طشت لایا گیا جو حکمت، دانائی اور ایمان سے پُر تھا۔ پھر آپ ﷺ کا سینہ چاک کر دیا گیا گویا Heart Surgery ہوئی۔ دل نکال کر اس کو زم زم سے دھویا گیا اور اس میں سے کثافت نکال دی گئی اور اس میں حکمت و دانائی اور ایمان بھر دیا گیا۔ پھر آپ ﷺ کے پاس ایک چوپایہ لایا گیا جو قد میں خچر سے کم تھا اور گدھے سے اونچا تھا۔ اس کا نام براق تھا۔ آپ ﷺ اس پر سوار ہوئے۔ جہاں تک اس کی نگاہ جاتی تھی وہاں تک اس کا ایک قدم پڑتا تھا یعنی اتنا تیز رفتار تھا۔ مسجد اقصیٰ پہنچنے کے بعد اس میں داخل ہوئے، بیت المقدس پر اس وقت عیسائیوں کا اقتدار تھا۔ حضرت جبرئیل علیہ اسلام نے اُنگلی کے اشارے سے چٹان میں سوراخ کیا اور اس میں براق کو باندھ دیا گیا۔ پھر حضور ﷺ نے دیکھا لوگ آتے گئے، صفیں بندھ گئیں اور جبرئیلؑ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر امامت کے لیے آگے کر دیا۔ آپ ﷺ نے دو رکعت نماز پڑھائی۔ جبرئیلؑ نے بتایا کہ آپ ﷺ کے پیچھے آج انبیاء علیہم السلام نے نماز ادا کی ہے۔ اس کے بعد آپ ﷺ کو دو پیالے پیش کیے گئے۔ ایک شراب کا اور دوسرا دودھ کا۔ آپ ﷺ نے دودھ پسند فرمایا۔ جبرئیلؑ نے کہا آپ ﷺ فطرت کی راہ پر ہیں، اگر شراب پسند کرتے تو امت گمراہ ہو جاتی۔ پھر آپ ﷺ کے سامنے ایک سیڑھی نمودار ہوئی، آپ ﷺ اس پر سوار ہو کر آسمانوں پر پہنچے، پہلے آسمان پر پہنچ کر دروازہ کھٹکھٹایا۔ محافظ فرشتے نے پوچھا کون ہے؟ جبرئیلؑ نے کہا ساتھ محمد ہیں۔ پوچھا کیا بلائے گئے ہیں؟ جواب دیا ہاں۔ اس نے دروازہ کھول دیا اور مرحبا کہا۔ پہلے آسمان پر ایک شخص نظر آیا جس کے دائیں طرف بھی ایک اور بائیں طرف بھی جب یہ دائیں طرف دیکھتے تو ہنس پڑتے اور

بائیں طرف دیکھتے ہیں تو رو پڑتے ہیں۔ محمد ﷺ نے سلام کیا اس نے محمد ﷺ کو دیکھ کر کہا نیک پیغمبر اور نیک بیٹے ہیں۔ حضرت محمد ﷺ نے جبرئیل سے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جبرئیلؑ نے کہا یہ آدم علیہ السلام ہیں، دائیں طرف اہل جنت ہیں اور بائیں طرف اہل دوزخ ہیں۔ پھر جبرئیلؑ آپ ﷺ کو لے کر دوسرے آسمان کی طرف چڑھے۔ دروازہ کھٹکھٹایا، حضرت یحییٰؑ اور حضرت عیسیٰؑ سے ملاقات ہوئی اور اُن سے بھی وہی پہلے والے سوال و جواب کیا۔ تیسرے آسمان پر حضرت یوسفؑ، چوتھے آسمان پر ادریسؑ، پانچویں آسمان پر ہارونؑ، چھٹے آسمان پر حضرت موسیٰؑ اور ساتویں آسمان پر ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی۔ سب پہچان گئے اور ''نیک پیغمبر اور نیک بھائی مرحبا'' کہا اور سب کو محمد ﷺ نے سلام کیا۔ حضرت ابراہیمؑ، محمد ﷺ سے مشابہ تھے اور آپ ﷺ ان کی نسل میں سے ہیں۔

اس کے بعد آپ ﷺ کے سامنے بیت المعمور کر دیا گیا۔ پوچھنے پر جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ بیت المعمور ہے، اس میں 70 ہزار فرشتے روزانہ نماز ادا کر کے جب نکل کر چلے جاتے ہیں تو دوسرے 70 ہزار فرشتے آتے ہیں اور ہر روز اسی طرح ہوتا ہے، نئے سے نئے فرشتے آتے رہتے ہیں، پرانے والوں کو آج تک دوبارہ نماز ادا کرنے کا موقع نہیں ملا۔ پھر آپ ﷺ کے سامنے سدرۃ المنتہیٰ کو لایا گیا، اس بیری کے پتے جیسے ہاتھی کے کان اور اس کے پھل یعنی بیر اتنے بڑے جیسے حجر کے مٹکے، سدرۃ المنتہیٰ کی جڑ میں 4 نہریں نظر آئیں۔ دو باطنی اور دو ظاہری۔ ظاہری نہریں فرات اور نیل ہیں جو عراق اور مصر میں واقع ہیں باطنی نہریں کوثر اور رحمہ ہیں جو جنت میں ہیں۔

پھر جبرئیلؑ سدرۃ المنتہیٰ پر رک گئے اور محمد ﷺ اگلے مقام تک گئے جہاں قلم سے لکھنے کی آواز آ رہی تھی۔ وہاں آپ ﷺ کو روزانہ 50 نمازوں کی فرضیت کا

حکم ملا۔ سورۃ البقرۃ کی آخری دو آیتیں رب ذوالجلال نے عطا کیں۔ اس میں جبرئیل واسطہ نہیں تھے۔ ساتھ ہی اس قانون کا بھی اعلان فرما دیا کہ کبیرہ گناہوں کی وجہ سے مسلمان ہمیشہ عذاب میں نہ رہیں گے بلکہ توبہ سے معاف ہو جائیں گے، اگر توبہ نہ کر سکے تو جہنم میں تو ایک معین مدت تک عذاب بھگت کر جہنم سے نکال لیے جائیں گے۔

پچاس نمازوں کا تحفہ لے کر جب موسیٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرے تو اُنہوں نے پوچھا کیا لائے ہو، جواب دیا 50 نمازیں۔ اُنہوں نے کہا کہ میں تم سے زیادہ لوگوں کو جانتا ہوں، وہ اس کی پابندی نہ کر سکیں گے۔ جایئے کمی کی درخواست کیجیے۔ محمد ﷺ گئے تو نمازیں 40 کر دی گئیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا جایئے اور کمی کی درخواست کیجیے۔ چنانچہ وہ جاتے رہے اور کمی کراتے رہے۔ یہاں تک کہ 5 رہ گئیں اور پھر محمد ﷺ نے کہا بس اب مجھے شرم آتی ہے۔ میں نے اس کو تسلیم کر لیا ہے چنانچہ ایک ندا آئی کہ میں نے اپنے فریضہ کو باقی رکھا ہے، میرے یہاں بات بدلی نہیں جاتی۔ ان 5 نمازوں کا ثواب 50 کے برابر ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ملاقات ہوئی تو اُنہوں نے فرمایا۔ ''اے محمد! میری طرف سے اپنی اُمت کو سلام کہنا اور اُنہیں بتانا بلاشبہ جنت کی مٹی اچھی ہے۔ میٹھا پانی ہے اور چٹیل میدان ہے اور اس کے پودے سبحان اللہ، والحمدللہ اور لا الہ الا اللہ واللہ اکبر ہیں۔

مشاہدات معراج

محمد ﷺ کو بہت سے مشاہدات بھی کرائے گئے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے معراج کے سفر میں کچھ لوگوں کو دیکھا کہ جن کے ہونٹ آگ کی قینچیوں سے کاٹے جا رہے ہیں، پوچھنے پر جبرئیلؑ نے بتایا کہ یہ آپ ﷺ کی امت کے خطیب ہیں جو دوسروں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور خود عمل نہیں کرتے تھے۔

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے دیکھا کہ کچھ لوگوں کے تانبے کے ناخن تھے جن سے وہ اپنے چہروں کو اور سینوں کو چھیل رہے تھے۔ پوچھنے پر جبرئیلؑ نے جواب دیا۔ یہ آپ ﷺ کی اُمت کے وہ لوگ ہیں جو لوگوں کا گوشت کھاتے ہیں اور ان کی بے آبروئی کرنے میں پڑے رہتے ہیں۔ (یعنی غیبت کرتے ہیں)

حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس رات مجھے سیر کرائی گئی ایسے لوگوں پر سے گزر ہوا جن کے پیٹ اتنے بڑے تھے جیسے انسانوں کے رہنے کے گھر ہوتے ہیں، ان میں سانپ تھے جو باہر سے ان کے پیٹوں میں نظر آ رہے تھے۔ میں نے کہا۔ ''اے جبرئیلؑ! یہ کون لوگ ہیں؟'' انہوں نے کہا کہ ''یہ سود کھانے والے ہیں۔''

پھر آپ ﷺ کا گزر ایسی قوم پر ہوا جن کے سر پتھروں سے کچلے جا رہے تھے۔ ٹوٹنے کے بعد سر پھر سے جڑ جاتے تھے، یہ سلسلہ جاری تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ کہا، یہ وہ لوگ ہیں جو نماز سے کاہلی کرتے ہیں اور سوتے رہ جاتے ہیں۔

اس کے بعد ایسے سوراخ پر سے گزر ہوا جو چھوٹا سا تھا۔ اس میں سے ایک بیل نکلا، بیل چاہتا ہے جہاں سے نکلا ہے اس میں داخل ہو جائے، آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون ہے؟ جواب دیا یہ وہ شخص ہے جو برا کلمہ (گناہ کا) کہہ دیتا ہے، اس پر وہ نادم ہوتا ہے اور واپس لینا چاہتا ہے مگر اس کی طاقت نہیں رکھا۔

پھر آپ ﷺ کا گزر ایک ایسی قوم پر ہوا جو جیسے ہی بیج بوتے ہیں ایک دَم پودے نکلتے ہیں اور بڑے ہو جاتے ہیں پھر کھیتی ایک ہی دن میں کاٹ لی جاتی ہے مگر کھیتی پھر سے ویسی ہی تیار ہو جاتی ہے جیسے پہلے تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کون لوگ ہیں؟ جواب دیا، یہ وہ لوگ جو اللہ کی راہ میں جہاد کرتے ہیں، ان کی ایک نیکی 70 گنا تک بڑھا دی جاتی ہے اور یہ لوگ جو کچھ خرچ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کا بدل عطا فرماتے ہیں۔

پھر آپ ﷺ ایک ایسی وادی پر پہنچے جہاں بہت خوشبو پھیلی ہوئی تھی اور آواز بھی آ رہی تھی، پوچھا یہ کیا جگہ ہے؟ جبرئیلؑ نے جواب دیا۔ یہ جنت کی آواز ہے، وہ کہہ رہی ہے اے میرے رب جو لوگ میرے اندر رہنے والے ہیں، ان کو لائیے اور اپنا وعدہ پورا کیجیے۔ آپ ﷺ جنت میں گئے اور مزید مشاہدات کیے۔ پھر آپ ﷺ کا گزر ایسی جگہ پر ہوا جہاں ایسی آواز آ رہی تھی جو بہت ناگوار تھی۔ آپ ﷺ نے پوچھا یہ کیا آواز ہے؟ جبرئیلؑ نے جواب دیا۔ ''یہ جہنم کی آواز ہے، یہ کہہ رہی ہے جو لوگ میرے اندر رہنے والے ہیں ان کو لائیے اور اپنا وعدہ پورا کیجیے۔'' پھر آپ ﷺ نے جہنم کا مشاہدہ بھی کیا۔

محمد ﷺ نے اللہ تعالیٰ کو دل کی آنکھوں سے دیکھا یا سر کی (جسمانی) آنکھوں

دیکھا، اس میں اختلاف ہے، کچھ لوگ دل کی آنکھوں کے قائل ہیں اور کچھ سر کی آنکھوں کے، مگر راجح قول یہ ہے کہ دیدار الٰہی جنت میں جانے کے بعد جسمانی سر کی آنکھوں سے ہوگا۔ وہ ایک دل کی کیفیت تھی۔ محمد ﷺ کا جبرئیلؑ کے ساتھ بیت المقدس جانا پھر آسمانوں کی سیر کرنا، یہ سب ایک رات میں ہوگیا جبکہ اس زمانے میں صرف بیت المقدس کے سفر میں ایک مہینہ لگتا تھا۔ صبح کو محمد ﷺ نے یہ واقعہ بیان کیا تو لوگ تعجب کرنے لگے اور آپ ﷺ کو جھٹلانے لگے۔ حضرت ابوبکرؓ کے پاس لوگ گئے اور پوچھا تو آپ ﷺ نے کہا اگر محمد ﷺ کہتے ہیں تو بالکل یہ بات سچ ہے۔ لوگوں نے کہا تم تصدیق کرتے ہو۔ اُنہوں نے کہا ''ہاں۔ میں تو ان باتوں کی تصدیق بھی کرتا ہوں کہ آسمان سے آپ ﷺ کے پاس خبریں آتی ہیں۔'' اسی دن سے آپ رضی اللہ عنہ کا لقب ''صدیق'' پڑ گیا۔

قریش مکہ نے کہا ''اگر آپ ﷺ سچے ہیں تو ذرا بیت المقدس کی عمارت کا نقشہ بیان کیجیے۔ ہم تو وہاں جاتے رہتے ہیں حضور ﷺ کو اس بات پر بے چینی ہوئی کیونکہ دیکھا تو تھا مگر ہر چیز محفوظ نہ کی تھی۔ یکا یک اللہ تعالیٰ نے پوری عمارت سامنے کردی۔ قریش جو کچھ پوچھتے رہے، وہ جواب دیتے رہے۔ (صحیح مسلم)

ان سب نے کہا کہ بالکل صحیح بتایا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے قریش مکہ کو یہ بھی بتایا کہ مجھے سفر میں فلاں وادی میں فلاں قبیلے کا قافلہ ملا۔ ان کا ایک اونٹ براق کو دیکھ کر بھاگ گیا تھا۔ میں نے ان کو بتایا کہ تمہارا اونٹ فلاں جگہ پر ہے۔ پھر واپسی کے وقت مقام ضجنان میں قافلے والے سو رہے تھے۔ مجھے پیاس لگی میں نے ڈھکے ہوئے برتن سے پانی پیا، پھر اس کو ڈھک دیا۔ یہ قافلہ بھی تنعیم کی گھاٹی سے ظاہر

ہونے والا ہے۔ان کے آگے آگے چتکبرے رنگ کا اونٹ ہے جس پر سیاہ وسفید رنگ کے 2 بورے لدے ہیں۔ان سب باتوں کی تصدیق مکہ والوں نے قافلہ والوں سے کیں اور ساری باتیں سچ ثابت ہوئیں۔مگر جن کو محمد ﷺ کی رسالت کا انکار کرنا تھا، وہ انکار ہی کرتے رہے۔

آج کل کے ملحدین بھی معراج کو نہیں مانتے۔ان کو تو چھوڑ دیتے ہیں کہ وہ جب اللہ کا ہی انکار کرتے ہیں اور اس کی بھیجی ہوئی ہر چیز کا انکار کرتے ہیں مگر آج کل کے مسلمان دانشور بھی ان کی پڑھائی ہوئی باتوں پر تو ایمان لاتے ہیں مگر حضور ﷺ کے اس عظیم معجزہ پر ایمان لاتے ہوئے ان کے دل تنگ ہوجاتے ہیں۔مگر یہ ایک اٹل حقیقت ہے جس کی سچائی ہر آنے والے زمانے کے نئے علوم کی واقفیت کی وجہ سے اس معراج کے معجزے کے اسرار کھلتے جارہے ہیں۔ایک مہینہ کا سفر، آج ایک گھنٹہ میں جہاز کے ذریعے طے ہوتا ہے۔آسمان بالا کے سفر کے بھی اسرار کھل جائیں گے مگر ہمارا ایمان ہے کہ حضور ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے آسمانوں پر بلایا اور ان سے کلام کیا۔ اور ان کو امام الانبیاءؑ بنایا، ان کو جنت دوزخ دکھائی گئی۔

بیعت عقبہ ثانیہ

مسلمانوں کی تعداد یثرب میں بڑھتی رہی۔ جب پہلی بیعت عقبہ ہوئی تو یثرب کے مسلمان مرد 12 تھے اور ان کی خواہش پر ایک معلم کو ان کے ساتھ بھیجا گیا۔ محمد ﷺ نے مصعب بن عمیرؓ کا انتخاب کیا، وہ نوعمر بھی تھے، محمد ﷺ کے عاشق، سمع واطاعت کے پابند، زیرک اور ہوشمند بھی تھے۔ ان کی دن رات کی کوششوں سے اسلام گھر گھر پہنچ گیا۔ آپؓ ان کے امام بھی تھے، ان کے پیچھے اوس وخزرج اور دوسرے تمام قبائل کے لوگ نماز پڑھتے تھے جو چند سال پہلے تک ایک دوسرے کے خون کے پیاسے تھے اور جنگیں لڑ لڑ کر خستہ حال ہو چکے تھے۔ مصعبؓ نے مدینہ کے حالات و مسائل کا براہِ راست مطالعہ کیا۔ ان کا قیام یثرب میں ایک سال رہا جب دوسرے سال حج کا موقع آیا تو مصعبؓ مدینہ سے مکہ واپس آئے اور حضور ﷺ کو ان کے سیاسی، اجتماعی، تہذیبی، تمدنی اور معاشی ومعاشرتی حالات سے آگاہ کیا۔ اس سال مرد 73 اور عورتیں 2 تھیں، حج کے لیے آئے تھے۔ ایام تشریق یعنی منیٰ میں تین دن قیام کے دوران کا وقت ملاقات کے لیے طے ہوا۔ مقام عقبہ تھا۔ یہ معاہدہ تاریخ کا اہم ترین موڑ ثابت ہوا۔

عین اس وقت جب یہ معاہدہ ہو رہا تھا تو عباس بن نضلہ انصاری نے اپنے ساتھیوں کو مخاطب کر کے کہا تھا۔ ''جانتے ہو اس شخص سے کس بات کا عہد و پیمان باندھ رہے ہو۔'' اُنہوں نے کہا ''ہاں خوب جانتے ہیں۔'' یاد رکھو ان کے ہاتھ پر بیعت کر کے تم سرخ وسفید سے سیاہ سے جنگ یعنی دنیا بھر سے لڑائی مول لے رہے ہو۔ جنگ سے تمہارے مال تباہی کے اور تمہارے اشراف ہلاکت کے خطرے میں پڑ جائیں

گے۔ اگر تمہارا خیال یہ ہو کہ اس سے گھبرا کر تم اس کو دشمنوں کے حوالے کر دو گے تو بہتر ہے، کہ آج ہی اسے چھوڑ دو کیونکہ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی رسوائی ہے اور اگر تمہارا ارادہ ہے کہ جو مدینہ آنے کی دعوت اور اس کی حفاظت کرنے کی دعوت تم اس کو دے رہے ہو اور مال کی تباہی اشراف کی ہلاکت کے باوجود نبھاؤ گے تو بے شک اس کا ہاتھ تھام لو کیونکہ خدا کی قسم یہ دنیا اور آخرت کی بھلائی ہے۔''

اسی بات کو ان کے ایک کم عمر سردار اسعد بن زرارہ نے کہا ''اے اہل یثرب! ٹھہر جاؤ ہم ان کی طرف بار بار اونٹوں پر نہیں آئے، ہم جانتے ہیں کہ یہ اللہ کے رسول ہیں، اور آج یہاں سے ان کو نکال کر لے جانا تمام عرب سے دشمنی مول لینا ہے۔ اس کے نتیجے میں تلواریں تم پر برسیں گی اور تمہارے لوگ قتل ہوں گے، بخدا اس کو برداشت کرنے کی طاقت پاتے ہو تو ان کا ہاتھ تھام لو اور اس کا اجر اللہ کے ذمہ ہے اور اگر تم کو اپنی جانیں عزیز ہیں تو ان کو چھوڑ دو اور عذر کر دو کیونکہ اس وقت عذر کر دینا اللہ کے نزدیک زیادہ قابل قبول ہے۔''

اس پر اہل وفد نے پوری ذمہ داری کے ساتھ یہ جواب دیا تھا کہ ہم مال کی تباہی اور اشراف کی ہلاکت کے خطرے میں ڈالنے کو تیار ہیں۔ پھر اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ سے کہا ''ہمارے دوسرے لوگوں کے درمیان پیمان وفا قائم ہیں ہم ان کو ختم کر دیں گے۔ مگر کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ ادھر ہم یہود سے معاہدہ ختم کریں اور ادھر آپ ﷺ کو غلبہ و قوت حاصل ہو اور آپ ﷺ ہمیں بے یار و مددگار چھوڑ کر اپنی قوم سے جا کر مل جائیں۔''

حضور ﷺ یہ سن کر مسکرائے اور فرمایا ''نہیں بلکہ میرا خون تمہارا خون اور تمہاری حرمت میری حرمت ہے۔ میں تم میں سے ہوں اور تم مجھ سے ہو، تم جس سے لڑو گے

میں اس سے لڑوں گا اور جس سے تم صلح کرو گے میں بھی صلح کرلوں گا۔'' اس یقین دہانی پر معاہدہ کی تکمیل ہوئی۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ''حضرت موسیٰ ؑ نے اپنی قوم میں سے 12 نقیب مقرر کیے تھے اور میں بھی تم میں سے 12 نقیب مقرر کر رہا ہوں۔ پس تم میں سے کسی کے دل میں کوئی خیال پیدا نہ ہو کیونکہ میرے لیے اسے جبرئیل نے منتخب کیا ہے، پھر ان کے نام گنوائے گئے اور آپ ﷺ نے ان لوگوں سے فرمایا ''تم لوگ اپنی اپنی قوم کے ذمہ دار ہو۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں کی طرح۔'' یہ حضرات وہ لوگ تھے جو اپنی اپنی قوم میں بڑا اثر و رسوخ رکھتے تھے۔ اپنے قبیلہ کے سردار تھے یا سردار کے دست راست تھے اور اہم ذمہ داریوں پر فائز تھے اور اپنی ذمہ داری سے رسول اللہ ﷺ کو ایک رسول، قائد اور رہنما تسلیم کر چکے تھے۔

ہجرت کا اذن عام

بیعت عقبہ ثانیہ کے بعد محمد ﷺ نے اپنی قوم کے تمام مسلمانوں کو اور مہاجر مسلمانوں کو ہجرت مدینہ کی اجازت دے دی۔ مکہ میں رہنے والے تمام مسلمانوں کو حکم دیا کہ وہ سب ہجرت کر کے مدینہ پہنچ جائیں۔ ادھر اپنے بھائیوں انصار سے جا ملیں۔ یہی حکم حبشہ میں ہجرت کرنے والوں کے لیے بھی تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اللہ نے اب تمہارے لیے بھائی بنا دیئے ہیں۔ اور ایسا گھر مہیا کر دیا ہے جس میں تم امن کے ساتھ رہ سکتے ہو۔''

صحابہ وصحابیات کی ہجرت مدینہ

چنانچہ بہت سے صحابہ وصحابیات ؓ ہجرت کر کے مدینہ جانے شروع ہو گئے اور خود محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی ہجرت کے لیے وحی کا انتظار کرنے لگے۔ ابن ہشام لکھتے ہیں کہ جب صہیب رومی ؓ نے ہجرت کا ارادہ کیا تو کفار قریش ان کی راہ روک کر کھڑے ہو گئے اور بولے۔ ''جب تم یہاں آئے تھے تو فقیر وحقیر تھے اور اب مالدار ترین ہو۔ یہ سب مال تم نے یہاں کمایا ہے تم یہاں سے کچھ نہیں لے جا سکتے۔'' صہیب ؓ نے کہا ''اچھا تو اگر میں تمہیں سارا مال دے دوں تو جانے دو گے؟'' بولے ''ہاں۔'' صہیب ؓ نے کہا ''تو پھر گواہ رہو میں نے تم کو سارا مال وجائیداد دے دیا اور خالی ہاتھ تن تنہا مدینہ کوچ کر گئے جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنا تو فرمایا۔ ''صہیب ؓ نے بڑا نفع کمایا۔''

ہجرت کے لیے قربانی دینے والوں میں عورتیں بھی پیچھے نہ رہیں۔ چنانچہ ام سلمہ ؓ کے بارے میں آیا ہے کہ وہ ان کا شوہر اور چھوٹا بچہ ہجرت کر کے مدینہ جانے لگے تو اُم سلمہ ؓ کے قبیلے والوں نے ان کو روک لیا اور کہا ہماری بیٹی نہیں جائے گی پھر ان کے شوہر کے قبیلے والے آئے اور بچہ لے گئے کہ یہ ہمارا بچہ ہے تمہارے پاس نہیں رہے گا اور ان کے شوہر اکیلے بیوی بچے کو چھوڑ کر ہجرت کر گئے۔ وہ اکیلی مکہ کی پہاڑی پر روز شام کو آتیں اور گریہ وزاری کرتیں، آخر ان کے قبیلے والوں کو ان پر رحم آیا اور اُنہوں نے بچہ ان کو واپس کر دیا اور وہ تن تنہا بچہ کے ساتھ اونٹ پر بیٹھ کر بچے کو لے کر مدینہ چلی گئیں اور نرم دل کافر نے ان کی ہمراہی اختیار کی اور مدینہ چھوڑ دیا۔

چنانچہ مکہ میں صرف وہ مسلمان رہ گئے جو کسی کے غلام تھے اور جانے کے وسائل نہ

پاتے تھے کیونکہ ہجرت فرض ہو چکی تھی، اس طرح مکہ کے مسلمان اور مدینہ کے مسلمان مل کر ایک قوت بننے لگے اور پھر محمد ﷺ بھی جب وہاں پہنچ گئے تو ایک ریاست کی بنیاد رکھ دی گئی اور محمد ﷺ نے معاہدے کیے، یہودیوں کے ساتھ اور دوسرے قبیلوں کے ساتھ کیونکہ اس نئی ریاست کو خطرات لاحق تھے۔ کفار قریش یعنی مکہ والوں سے بھی خطرہ تھا اور اردگرد کے قبائل سے بھی۔ مگر محمد ﷺ ایک بڑے سیاست داں بھی تھے اور اُنہوں نے ان مسائل داخلی سے بہترین طور پر مقابلہ کیا۔

جب نظریاتی ریاست بنتی ہے تو اس کے لیے لوگوں کو بڑی قربانی دینی پڑتی ہے۔ وسائل بھی بہت کم ہوتے ہیں اگر بہترین لیڈر میسر آجائے تو وہ قوم ترقی کرتی ہے۔ پاکستان بھی ایک ایسی ریاست کے طور پر اُبھری تھی جس کی پیدائش میں لاکھوں لوگوں کا خون تھا مگر افسوس ایک سچے محب وطن لیڈر کے نہ ہونے سے وہ دنیا میں اپنا مقام ابھی تک حاصل نہ کرسکی۔ ایک نظریاتی ریاست اسرائیل بھی ہے جس نے بالکل ریاست مدینہ کا طریقہ (Patent) اختیار کرکے اپنا وجود منوا لیا۔ اس کی ایک وزیراعظم گولڈا میئر کہتی ہے کہ اپنی ریاست کی بقا کے لیے دفاع کو مضبوط کرنے کا ہنر میں نے محمد ﷺ کی زندگی سے سیکھا ہے۔ دنیا بھر سے یہودیوں کو بلا کر آبادکاری کی گئی اور سہولیات بہم پہنچائی گئیں اور 1973ء میں جب اسرائیل کی اقتصادی حالت (Economy) بہت خستہ تھی اور عربوں سے جنگ بھی سر پر کھڑی تھی، اس نے ایک تاریخ ساز معاہدہ امریکا کے ساتھ کیا جو جنگی اسلحے (War Weapons) خریدنے کا تھا۔ اس نے کہا تھا جب ہم جیت جائیں گے تو کوئی یاد نہ رکھے گا کہ ہم کھانے میں صرف بریڈ (Bread) کھاتے تھے۔ ہمیں دنیا فاتح کی حیثیت سے جانے گی۔ یہ بات اس نے ایک انٹرویو کرنے والے کو بتائی جب اُس

سے پوچھا گیا آپ نے کس یقین پر یہ فیصلہ کیا تو اس نے کہا ''میں نے محمد ﷺ کی زندگی کا تفصیلی مطالعہ کیا ہے اور مجھے پتہ چلا ہے کہ ان کی موت کے دن چراغ میں تیل جوڑا لا گیا وہ یہودی کے پاس زرہ رہن رکھ کر لایا گیا تھا۔ مگر آپ ﷺ کے گھر میں 9 تلواریں لٹک رہی تھیں۔ دنیا یہ بھول گئی کہ چراغ میں تیل کہاں سے آیا مگر سب کو یہ بات یاد ہے کہ محمد ﷺ نے جو ریاست اسٹیبلش کی تھی اس کے بعد ان کے ساتھیوں نے محنت کر کے آدھی دنیا پر حکومت کی۔ اس بات کو شائع (Publish) کرنے سے اس لیے منع کیا گیا تھا مگر گولڈا میئر (Golda Meir) کی موت کے بعد واشنگٹن پوسٹ کا نمائندہ انٹرویو لینے والا جب ایک روز آیا تو اس نے اس کو یہ بات بتائی۔ اس نے یہ بھی کہا کہ پھر میں نے تاریخ اسلام کا مطالعہ کیا تو مجھے پتہ چلا کہ طارق بن زیاد نے جب اسپین فتح کیا تو اس کی آدھی فوجوں کے پاس پہننے کے لیے پورے کپڑے بھی نہ تھے اور کھانے کے لیے روٹی کا ایک سوکھا ٹکڑا اور پانی ہوتا تھا۔ تین دن اُنہوں نے اس پر گزارا کیا اور آج کوئی نہیں جانتا کہ طارق بن زیاد کون تھا؟ اور کوئی نہیں جانتا کہ اس کی فوج کس حال میں رہی۔

ہجرتِ مدینہ

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ

کی

ہجرت کا سفر

ہجرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ کو ہجرت مدینہ کی اجازت دی تو حضرت ابوبکرؓ نے بھی ہجرت کرنے کا ارادہ کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''ابھی ٹھہر جاؤ، مجھے اُمید ہے کہ مجھے بھی ہجرت کی اجازت مل جائے گی۔'' حضرت ابوبکرؓ ٹھہر گئے اور ہجرت کی تیاریاں شروع کر دیں۔ آپؓ نے دو اونٹنیاں خریدیں اور ان کو 4 ماہ تک چارہ کھلا کر تیار کیا۔

اِدھر قریش مکہ ایک رات دارالندوہ میں جمع ہوئے اور مشورہ کیا کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے۔ اس کا ذکر سورۃ الانفال میں یوں آتا ہے ''اور جب کافر لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں تدبیریں سوچ رہے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قید کر دیں یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قتل کر دیں یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جلاوطن کر دیں اور وہ اپنی تدبیر کر رہے تھے اور اللہ بھی اپنی تدبیر فرما رہا تھا۔ اللہ تدبیر کرنے والوں میں سب سے بہتر ہے۔'' (آیت 30)

ابن عباس کہتے ہیں کہ اس موقع پر ابلیس ملعون ایک بڑے میاں کی صورت میں ظاہر ہو گیا۔ مشورہ کی اس مجلس میں ایک شخص داخل ہوا جس کو کوئی نہیں جانتا تھا۔ اس نے کہا میں شیخ نجدی ہوں اور مجھے آپ لوگوں کے جمع ہونے کا پتہ چلا تو میں نے چاہا کہ تمہارے پاس حاضر ہو جاؤں اور اپنی خیر خواہانہ رائے سے تم کو محروم نہ کروں۔ ان لوگوں نے اسے بھی شامل کر لیا۔ مکہ کے ایک شخص ابوالبختری نے رائے پیش کی کہ ان کو کسی گھر میں قید کر دیا جائے جس کا دروازہ لاک ہو اور ایک روشن دان کھلا رکھو تا کہ اس میں سے کھانا دیتے رہیں اور ہوا کا انتظام رہے۔'' یاد رہے کہ اس وقت عرب میں جیل

خانے نہ ہوتے تھے۔ فیصلہ اسی وقت تلوار کے زور پر کرلیا جاتا تھا۔ یہ ایک انوکھی رائے تھی مگر شیخ نجدی چیخ اُٹھا، اس نے کہا بالکل بری رائے ہے اگر اس پر عمل کرو گے تو اس کے ماننے والے آجائیں گے اور تم سے جنگ کر کے اسے چھڑا کر لے جائیں گے۔ یہ سن کر سب نے کہا شیخ نجدی نے صحیح کہا۔ پھر ایک شخص نے رائے دی کہ اس کو اونٹ پر بٹھا کر نکال دو، آگے کہاں تک جا سکے اور اس کا کیا بنے تمہیں کوئی نقصان نہ ہوگا۔ یہ سن کر ابلیس ملعون بولا۔ ''تم جانتے نہیں ہو کیا کہ اس کی زبان میں کتنی مٹھاس ہے، لوگ اس کے گرویدہ ہو جاتے ہیں۔ اللہ کی قسم اگر تم نے اس رائے پر عمل کیا تو باہر جا کر بہت سے لوگوں کو اپنی طرف مائل کر کے تم پر حملہ آور ہوگا اور تمہیں وطن سے نکال دے گا۔ یہ سن کر سب کہنے لگے کہ شیخ نے صحیح کہا۔ پھر اس کے بعد ابوجہل بولا۔ ''میں تم کو ایسی رائے دوں گا، کہ اس سے بہتر کوئی رائے نہیں، میرے خیال میں قریش کے جتنے قبیلے ہیں سب میں سے ایک ایک نمائندہ نوجوان لیا جائے جو یکبارگی مل کر اس پر حملہ کر کے قتل کر دیں۔ ایسا کرنے سے تمام قبیلوں پر ان کے خون کی ذمہ داری آجائے گی اور بنو ہاشم ان سب سے قصاص نہ لے سکیں گے اور دیت لینے پر راضی ہو جائیں گے۔ یہ سن کر ابلیس بولا اس جوان نے صحیح رائے دی ہے سب نے اس پر اتفاق کر لیا اور مجلس برخواست ہوگئی۔

حضرت جبرئیل علیہ السلام ہجرت کا حکم لے کر حاضر ہو گئے۔ کفار کی باتوں سے باخبر کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؓ کو اپنے بستر پر سونے کی تلقین کی اور کہا کہ آپ سب کو امانتیں ادا کر کے مدینہ ہجرت کر جائیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دشمنی اپنی جگہ مگر وہ سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صادق و امین مانتے تھے اور امانتیں آپ کے پاس ہی رکھواتے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر سے باہر نکلے، ایک مٹھی میں خاک اُٹھائی اور ان پر

پھینک دی، پھر آپ ﷺ سورۂ یٰسٓ کی آیت (ہم نے ان کے آگے بھی ایک دیوار کھڑی کر دی اور پیچھے بھی دیوار کھڑی کر دی تھی، پس ہم نے اُنہیں ڈھانک لیا ہے اور وہ دیکھ نہیں سکتے۔ آپ ﷺ کو کسی نے نہیں دیکھا، وہ سب وہیں منتظر جمے رہے۔ آپ ﷺ گھر سے نکل کر سیدھے حضرت ابوبکرؓ کے گھر پہنچے۔ ان سے کہا اکیلے میں بات کرنا چاہتا ہوں۔ اُنہوں نے کہا اللہ کے رسول ﷺ آپ کی منکوحہ عائشہ اور اسماء ہیں۔ آپ ﷺ بات کر سکتے ہیں۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہے، حضور ﷺ نے ہجرت کی خبر سنائی تو حضرت ابوبکرؓ رونے لگے۔ مجھے پہلی مرتبہ پتہ چلا کہ آنکھیں خوشی کے موقع پر بھی بہنے لگتی ہیں۔ اُنہوں نے سونے کے سکوں کی تھیلی اُٹھائی اور دونوں چل پڑے۔ حضور ﷺ نے مکہ سے جنوب کا رخ اختیار کیا حالانکہ مدینہ مکہ کے شمالی جانب تھا۔ کافی آگے چل کر ایک پہاڑی پر چڑھ گئے۔ وہاں ایک چھوٹا سا غار نظر آیا۔ حضرت ابوبکرؓ پہلے اس میں داخل ہوئے تاکہ کچھ موذی جانور ہوں تو ان کو ہی نقصان پہنچے۔ پھر حضور ﷺ داخل ہوئے اور وہاں تین دن قیام کیا۔ یہ صفر کا مہینہ تھا اور نبوت کو 13 سال ہو چکے تھے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ عبداللہ ایک سخن فہم نوجوان اور گہری سوجھ بوجھ کے مالک تھے۔ حضرت ابوبکرؓ کے بیٹے عبداللہ روزانہ رات کے آخری حصے میں مکہ جاتے، لوگوں کی باتیں سنتے اور یاد رکھتے اور آکر حضور ﷺ کو بتاتے۔ اُنہوں نے بتایا کہ کفار مکہ نے مکہ سے نکلنے والے ہر راستے پر لوگوں کو بھیج دیا تھا اور ان دونوں کو زندہ یا مردہ لانے پر 100 اونٹ کا انعام رکھا تھا۔ اس لیے بہت لوگ زور و شور سے تلاش کر رہے تھے۔ عبداللہ جب جاتے تو ابوبکر کا غلام عامر بن فہیرہ بکریوں کا ریوڑ

لے کر نکلتا تا کہ عبداللہ کے پاؤں کے نشان مٹ جائیں۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے مشرکین غار کے دہانے پر آ پہنچے۔ وہ اگر ذرا جھک کر دیکھتے تو حضور ﷺ کو پا لیتے، حضرت ابوبکرؓ بہت ڈرے تو حضور ﷺ نے تسلی دی ''ان دو کے بارے میں تمہارا کیا خیال ہے جن کے ساتھ تیسرا اللہ ہے۔'' مسند احمد میں روایت بیان کی جاتی ہے کہ اللہ نے مکڑی کو حکم دیا اور اس نے وہاں جالا بُن دیا اور مشرکین نے سوچا اگر کوئی اس میں داخل ہوتا تو یقیناً یہ مکڑی کا جالا ٹوٹ چکا ہوتا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے فیصلہ کیا کہ یہاں سے نکلا جائے چنانچہ ابوبکرؓ نے ایک راستہ بتانے والے کا انتظام کر رکھا تھا جن کا نام عبداللہ بن ارقط تھا۔ وہ دو تازہ دَم اونٹنیاں لے کر حاضر ہو گیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا میں قیمتاً لوں گا۔ اِدھر اسماء بنت ابوبکرؓ کھانا لے کر آئیں مگر ان کو باندھنے والا بندھن بھول آئی تھیں چنانچہ اُنہوں نے اپنی کمر سے پٹکا نکالا اور اس کو پھاڑا اور آدھا لے کر اس سے کھانا باندھ دیا اور آدھا اپنی کمر میں واپس باندھ لیا۔ (دور جہالت میں خواتین دوپٹہ کی طرح کی چیز کمر میں باندھا کرتی تھیں) حضور ﷺ نے ان کو ''ذات النطاقین'' کا لقب عطا کیا۔ اس کے بعد عبداللہ اور اسماء تو لوٹ گئے اور عامر بن فہیرہ بھی پیچھے بکریوں کا ریوڑ لیے چلے گئے تا کہ راستہ کے نشان مٹ جائیں۔ پھر عبداللہ نے جو راستہ اختیار کیا وہ بھی مزید جنوب کی طرف تھا۔ پھر ساحل سمندر کے ساتھ ساتھ چلا پھر آخر کار شمال کی طرف مدینہ کی طرف مڑ گیا۔

اسی راستے پر آج کل کی ہائی وے (Highway) بنی ہوئی ہے جسے لوگ مدینہ جانے کے لیے استعمال کرتے ہیں جو طریق ہجرت بھی کہلاتی ہے کیونکہ انجینئرز کا خیال ہے اس سے بہتر کوئی راستہ نہیں ہے جو پرانی سڑک تھی اس کے راستہ میں میدان بدر آتا

تھا اور بہت سی بستیاں آباد تھیں۔ وہ دونوں مبارک سوار چلتے رہے، یہاں تک ایک رات اور آدھا دن گزر گیا تو ایک خیمہ نظر آیا جس میں اجازت لے کر وہ دونوں اندر داخل ہوئے اور کھانے کے لیے کچھ طلب کیا۔ اس نے کہا قحط کا زمانہ ہے، شوہر بکریوں کو چرانے لے گیا ہے، اتنے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر خیمے میں بیٹھی ایک کمزور سی بکری پر پڑی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دودھ دوہنے کی اجازت چاہی، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے تھن پر ہاتھ لگایا وہ دودھ سے بھر گئے۔ اُم معبد کے برتن دودھ سے بھر گئے، سب نے خوب سیر ہو کر دودھ پیا اور اُم معبد کے بڑے برتن کو دودھ سے بھرا چھوڑ کر آگے نکل گئے۔ بعد میں ان کے شوہر آئے، دودھ دیکھ کر حیران ہوئے۔ اُم معبد نے ان کا حال سنایا کہ وہ ایک مبارک شخص تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سراپے کا حسین نقشہ کھینچا۔ ان کے شوہر نے کہا یہ وہی لوگ معلوم ہوتے ہیں جن کی تلاش قریش کو ہے۔ جب آپ لوگ مکہ کی حدود سے باہر نکل گئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مکہ کی طرف منہ کر کے فرمایا۔ ''اے مکہ میں تجھ سے محبت کرتا ہوں، اگر تیرے رہنے والے مجھے نہ نکالتے تو میں نہ نکلتا۔''

اِدھر بنی مدلج کے سردار سراقہ بن جعشم کے پاس کچھ لوگ آئے جو شکار سے واپس آئے تھے۔ اُنہوں نے کہا ہم نے تین آدمیوں کو دریا کے کنارے چلتے دیکھا ہے۔ وہی محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے ساتھی معلوم ہوتے تھے۔ اس نے کہا نہیں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہاں کہاں کوئی اور ہوگا۔ وہ لوگ خاموش ہو گئے اور وہ خود گھر جا کر گھوڑے پر سوار ہو کر 100 اونٹوں کے لالچ میں سرپٹ اسی راستے پر گھوڑا دوڑانے لگا۔ یہاں تک کہ وہ قریب پہنچ گیا۔ مگر قریب پہنچ کر گھوڑے کے پاؤں زمین میں دھنس گئے اور وہ خود گر پڑا۔ اس نے تیر نکال کر فال نکالی جس سے پتہ چلا، یہ سفر اس کے لیے مبارک

نہیں ہے، مگر اس نے پھر بھی سفر جاری رکھا، مگر جیسے ہی وہ آگے بڑھا تو گھوڑے کے پاؤں پھر سے زمین میں دھنس گئے اور اس نے آسمان میں دھواں ہی دھواں دیکھا جس سے وہ خوفزدہ ہو گیا۔ اب اس نے ان کو گرفتار کرنے کا ارادہ ترک کر دیا اور جان لیا کہ یہ مبارک ہستی ہے جو ایک دن نام پیدا کرے گی اور قوت و عظمت کا مظہر ہو گی۔ اب وہ قریب آیا اور اس نے اپنا کھانا دینے کی پیشکش کی جسے منع کر دیا گیا۔ پھر اس نے کہا مجھے امان لکھ دیں۔ حضور ﷺ نے عامر بن فہیرہ کو حکم دیا اور اس نے چمڑے کے ٹکڑے پر امان لکھ دی۔ پھر اس سے کہا گیا کہ ہماری خبر کسی کو نہ دینا۔ اس نے وعدہ کر لیا۔، وہ مکہ پہنچ کر ہر تلاش کرنے والے کی حوصلہ شکنی کرتا کہ وہاں مت جاؤ، میں سب جگہ دیکھ کر آ چکا ہوں۔ حضور ﷺ نے سراقہ سے یہ بھی فرمایا تھا کہ تم کسریٰ کے کنگن پہنو گے۔ اس نے کہا فارس کے بیٹے ہرمز کے۔ تو کوئی جواب نہ دیا گیا۔

آٹھ سال بعد جب حضور ﷺ طائف کی فتح کے بعد جعرانہ میں مقیم تھے، سراقہ آ گیا اور اس نے اسلام قبول کر لیا۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب فارس فتح ہوا اور تمام زَر و جواہر کے انبار مسجد نبوی ﷺ میں لگ گئے تو حضرت عمرؓ نے سراقہ کو بلایا جو مدینہ ہی میں مقیم تھے اور ان کو کنگن پہنائے گے، تاج پہنایا گیا، کمر میں بادشاہ کا قیمتی پٹکا باندھا گیا اور مدینہ کی گلیوں میں پھرایا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اس سے کہا ''کہو اللہ کا شکر ہے، سب تعریف اللہ کی ہے جس نے ان چیزوں کو ہرمز کے بیٹے سے چھین لیا اور عرب کے دیہاتی سراقہ کو پہنا دیا۔''

محمد ﷺ اور ابوبکر مدینہ کی طرف رواں دواں ہیں۔ اب عبداللہ بن ارقط ساتھ نہیں تھے کیونکہ انہوں نے ان کو جب سیدھے راستے پر ڈال دیا تو پھر وہ واپس چلے

گئے۔ وہ ایک نہایت صادق اور امین شخص تھے جو اگرچہ مسلمان نہیں تھے مگر اپنے قول کے پکے تھے، انہوں نے کسی کو بھی نبی ﷺ کے سفر سے مطلع نہیں کیا۔ ان کے اگلے حالات کے بارے میں تاریخ خاموش ہے۔

آپ ﷺ مدینے کی طرف رواں دواں تھے کہ راستے میں بریدہ اسلمی ملے۔ جو انعام کے لالچ میں تلاش میں نکلے تھے۔ قریب آئے اور محمد ﷺ سے بات چیت کی۔ دین کی حقانیت نے دل پر اثر کیا۔ اسی وقت مسلمان ہو گئے اور ان کے قبیلے کے 70 آدمی بھی مسلمان ہو گئے۔ پورے قافلے کے ساتھ آپ ﷺ کی رفاقت میں چل پڑے۔ حضور ﷺ کا عمامہ نیزے پر اُٹھائے، پرچم بنائے ہوئے تھے۔

اسی راہ میں حضرت زبیر بن عوامؓ ملے جو تجارتی گروہ کے ساتھ ملک شام سے واپس آ رہے تھے۔ اُنہوں نے کپڑوں کے دو جوڑے حضور اقدس ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کی خدمت میں پیش کیے۔

اسی راہ میں ایک قافلہ ملا جو اپنی راہ جا رہا تھا۔ ان میں سے لوگ حضرت ابوبکر صدیقؓ کو تاجر کی حیثیت سے پہچانتے تھے۔ اُنہوں نے پوچھا یہ تمہارے ساتھ کون آدمی ہے؟ اُنہوں نے جواب دیا۔ ''یہ میرا رہنما ہے، راستہ بتاتا ہے۔'' یہ ایک ذو معنیٰ جواب تھا جو حقیقت پر مبنی تھا۔

حضور اکرم ﷺ اور آپ ﷺ کے شریک سفر حضرت ابوبکر صدیقؓ ایک بڑے مشقت بھرے سفر کے بعد 8 ربیع الاوّل کو ''قبا'' پہنچے۔ دوپہر کا وقت تھا۔ لوگ انتظار کر کے دھوپ کی تیزی کی وجہ سے واپس اپنے گھروں کو جا چکے تھے۔ چونکہ محمد ﷺ کی آمد کی خبر مسلمان سن چکے تھے، اس لیے وہ روزانہ صبح کو

آپ ﷺ کے استقبال کے لیے جمع ہوجاتے اور دھوپ تیز ہونے پر واپس چلے جاتے۔ ایک یہودی کا ملازم جو درخت پر کام کررہا تھا، اس نے سواروں کو دیکھ کر پہچان لیا کہ یہی وہ لوگ ہیں۔ اس نے زور سے صدا لگائی ''جس کا تم انتظار کررہے تھے وہ آ گیا ہے۔'' لوگ چاروں طرف سے امنڈ پڑے اور آ کر حضرت ابوبکرؓ کو سلام کرنے لگے کیونکہ ان پر عمر رسیدگی کے آثار تھے اور محمد ﷺ کو اُنہوں نے پہلے دیکھا بھی نہ تھا۔ محمد ﷺ پر وحی نازل ہورہی تھی۔ آپ ﷺ خاموش بیٹھے تھے۔ ''اللہ آپ کا مولیٰ ہے، جبرئیل اور صالح مومنین بھی اور اس کے فرشتے آپ ﷺ کے مددگار ہیں۔'' (سورۃ التحریم)

''قبا'' میں قیام
حضرت علیؓ کی آمد اور مسجد کی تعمیر

قبا میں آباد قبیلہ عمرو بن عوف کے سردار ''کلثوم بن ہدم'' کے مکان پر حضور ﷺ کا قیام ہوا۔ قبا میں آپ ﷺ کے قیام کی مدت مختلف روایات کے مطابق 12 یا 25 دن رہی۔ صحابہ کرامؓ آپ ﷺ سے ملنے آتے رہے اور دل میں محبت کی شمعیں فروزاں کرتے رہے۔ آپ ﷺ ابھی قبا میں ہی تھے کہ حضرت علیؓ امانتیں ادا کر کے فوراً سفر ہجرت کے لیے نکل پڑے، پیادہ پا تھے، دن بھر چھپتے رہتے اور رات بھر چلتے رہتے۔ چلتے چلتے پاؤں پھٹ گئے، تلوے زخمی ہو گئے۔ وہ جیسے ہی قبا پہنچے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ نے اچانک اُنہیں سامنے دیکھ کر بے اختیار اپنے سینے سے لگا لیا۔ دیر تک پیار کرتے رہے، ان کے پیروں کے زخم دیکھ کر حضور ﷺ کی آنکھیں آنسوؤں سے بھر گئیں۔ حاضرین بھی سب اشکبار ہو گئے۔ حضور ﷺ نے اپنا لعاب دہن حضرت علیؓ کے پیروں پر لگایا، جس سے زخم ٹھیک ہو گئے۔

اسی قیام کے دوران آپ ﷺ نے ''مسجد قبا'' کی بنیاد رکھی۔ یہ روئے زمین کی پہلی مسجد ہے جس کی بنیاد حضور اکرم ﷺ نے رکھی۔ مسجد نبوی ﷺ دوسرے نمبر پر آتی ہے۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ کے ساتھ مل کر اس کی تعمیر میں حصہ لیا۔ بھاری

پتھر ڈھوئے اور مسجد مکمل ہونے کے بعد اس میں نماز بھی ادا کی۔ یہ ہی وہ مسجد ہے جس کی شان قرآن کریم نے بیان کی ہے:

''لَمَسْجِدٌ اُسِّسَ عَلَى التَّقْوٰى مِنْ اَوَّلِ يَوْمٍ اَحَقُّ اَنْ تَقُوْمَ فِيهِ ۚ فِيهِ رِجَالٌ يُّحِبُّوْنَ اَنْ يَّتَطَهَّرُوْا ۚ وَاللّٰهُ يُحِبُّ الْمُطَّهِّرِيْنَ o''

ترجمہ: ''یقیناً یہ مسجد جس کی بنیاد پہلے دن سے تقویٰ پر رکھی گئی، اس بات کی زیادہ حقدار ہے کہ آپ اس میں کھڑے ہوں، اس میں ایسے لوگ ہیں جو پاک صاف ہونے کو پسند کرتے ہیں اور اللہ پاک صاف لوگوں کو پسند کرتا ہے۔''

(سورۃ التوبہ آیت 108)



ہجرت کی فرضیت اور اہمیت

ہجرت کا لفظ ''ہ ج ر'' سے ہے جس کے معنی ہیں چھوڑ دینا۔لوگ مختلف ضرورتوں کے لیے ہجرت کرتے رہتے تھے اور کرتے رہتے ہیں۔کوئی مال و دولت کمانے دوسرے مما لک چلا جاتا ہے تو کوئی شادی بیاہ کر کے دوسرے ملک آبستا ہے۔وغیرہ وغیرہ۔

اسلامی اصطلاح میں ہجرت اس وقت فرض ہو جاتی ہے جب اور جہاں دین اسلام پر عمل کرنا مشکل ہو جاتا ہے تو جو لوگ استطاعت رکھتے ہیں ان پر ہجرت فرض ہے مگر جو لوگ مستضعفین میں آتے ہیں، یعنی مالی حیثیت سے کمزور ہوں، بوڑھے ہوں یا بیمار ہوں یا بچے ہوں ان پر سے یہ فرض ساقط ہو جاتا ہے۔

مسلمان آج ہجرت کرنا بھی چاہیں تو ہجرت کرنا آسان نہیں ہے کیونکہ ویزہ اور اقامہ کی پابندیاں ہیں۔کوئی آپ کو اپنے ملک میں گھسنے نہیں دیتا۔اس لیے جن لوگوں نے دارالکفر میں مال کمانے کے لیے ہجرت کی ہے ان کو چاہیے کہ اب اپنی اپنی نیت درست کر لیں اور ایسی جگہوں جیسے امریکا، کینیڈا، لندن اور یورپ میں پناہ گزین ہو گئے ہیں، اپنے گفتار، کردار، معاملات سے دین اسلام کی منہ بولتی تصویر بن جائیں۔چاہے ایک لفظ بھی منہ سے نہ بولیں مگر لوگ ان کی صداقت اور دیانت سے متاثر ہوں اور دین اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنا پسند کریں۔اس کے علاوہ مسلمانوں کو ایسی اسلامی تنظیموں سے بھی جڑ جانا چاہیے جو اللہ کے دین کی طرف بلاتی ہوں تا کہ مسلمان، مسلمان سے مل کر تقویت پکڑ لے۔وہ اور ان کی نسلیں دین اسلام پر قائم رہ سکیں۔

جب کوئی اللہ کے لیے ہجرت کا ارادہ کر لے تو اس کے لیے اللہ ضرور کوئی صورت

پیدا فرمائے گا۔

وَمَنْ يُّهَاجِرْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ يَجِدْ فِي الْاَرْضِ مُرٰغَمًا كَثِيْرًا وَّسَعَةً ط
(سورۃ النساء۔آیت 100)

چونکہ ہجرت میں بہت سخت تکلیف ہوتی ہے۔آبائی وطن چھوڑنا پڑتا ہے۔اموال دشمنوں کے قبضے میں رہ جاتے ہیں، جائیداد سے ہاتھ دھونے پڑتے ہیں۔اعزا و اقرباء جدا ہوجاتے ہیں، اس لیے اس عمل کا ثواب بھی بڑا ہے۔اللہ تعالیٰ سورۂ آل عمران آیت 195 میں فرماتا ہے۔

''سوجن لوگوں نے ہجرت کی اور اپنے گھروں سے نکالے گئے اور اُنہیں میری راہ میں تکلیفیں دی گئیں اور اُنہوں نے قتل کیا اور مقتول ہوئے، میں ضرور ان خطاؤں کا کفارہ کردوں گا۔ضرور ان کو ایسے باغوں میں داخل کروں گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہوں گی۔یہ انہیں اللہ کے پاس سے بدلہ ملے گا اور یہ اللہ ہی کے پاس اچھا بدلہ ہے۔''

اس کے علاوہ سورۃ البقرۃ آیت 20 اور سورۃ النحل آیت 41 میں بھی اسی طرح کا مضمون بیان کیا گیا ہے۔

ہجرت اور جہاد دونوں کی شریعت اسلامیہ میں اہمیت ہے۔پردیس میں نیا نیا پہنچنے کی وجہ سے ابتداً تکلیفیں پہنچتی ہیں مگر جلد ہی رحمت و برکت کے دروازے کھل جاتے ہیں اور ظاہری و باطنی منافع ملنے لگتے ہیں اور معاش میں بھی فراوانی ہوجاتی ہے جیسا کہ ہم دیکھتے ہیں کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ ہوا۔شروع میں تکالیف

عسرت اور بعد میں ملک کی فتوحات اور غنائم کی کثرت ہوگئی۔ صرف وطن چھوڑ دینا ہجرت نہیں ہے بلکہ یہ بھی لازم ہے کہ گناہ چھوڑ دیئے جائیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''حقیقی مہاجر وہ ہے جو ان چیزوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔'' (بخاری)

حضرت عمرو بن عبسہؓ نے رسول اللہ ﷺ سے پوچھا۔ ''کون سی ہجرت افضل ہے؟'' آپ ﷺ نے فرمایا ''تو ان کاموں کو چھوڑ دے جو تیرے رب کو ناگوار ہوں۔'' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''مجاہد وہ ہے جو اللہ کی فرمانبرداری میں اپنے نفس سے جہاد کرے اور مہاجر وہ ہے جو گناہوں اور خطاؤں کو چھوڑ دے۔'' اس لیے اگر ہمیں کبھی ہجرت اور جہاد کا موقع نہ ملے تو ہم ان احادیث پر عمل کر کے ہجرت اور جہاد کے ثواب کو حاصل کر سکتے ہیں۔

ہجرت کا ثواب وہ بھی پالے گا جو ہجرت کی نیت سے گھر سے نکلا اور راستے میں اس کو سانپ نے کاٹ لیا، گولی لگ گئی، بیماری سے مر گیا یا جہاز کریش میں مر گیا۔ صحیح احادیث میں ایسے اصحابؓ کا ذکر کیا گیا ہے۔

دنیا ایک Global Village بن گئی ہے۔ آج نام نہاد اسلامی ریاستیں ہوں یا غیر مسلم ریاستیں ہر جگہ برائیاں وفحاشیاں ایک ہی قسم کی چل رہی ہیں۔ ہجرت کرے تو کہاں کرے۔ پس ہجرت یہ ہے کہ اپنی نسلوں کی حفاظت کیجیے اور رسول اللہ ﷺ کے احکام پر عمل کیجیے۔ سیرت کا مطالعہ کیجیے۔ نبی ﷺ نے ہجرت کرتے وقت کس طرح تدابیر اختیار کیں اور پھر اللہ پر بھروسہ کے ساتھ نکل کھڑے ہوئے۔

یہودی عالم عبداللہ بن سلام کا قبول اسلام

محمد ﷺ جب مدینہ تشریف لائے تو کچھ روز آپ ﷺ نے قبا میں قیام کیا۔ آپ ﷺ کی آمد کی خبر ہر سُو گونج رہی تھی۔ مدینہ کے ایک یہودی قبیلے بنو قینقاع کے ایک عالم ''عبداللہ بن سلام'' نے بھی یہ خبر سنی تو بلند آواز سے تکبیر (اللہ اکبر) کہی۔ گھر میں ان کی پھوپھی نے تکبیر سن کر کہا۔ ''اللہ تجھے غارت کرے، تجھے اگر موسیٰ بن عمران کے آنے کی خوش خبری ملی ہوتی تو اس سے بڑھ کر اظہار مسرت نہ کرتا۔'' عبداللہ نے کہا۔ پھوپھی جان خدا کی قسم یہ موسیٰ بن عمران کے بھائی ہیں، ان ہی کے دین پر ہیں، وہی پیغام لائے ہیں جو موسیٰ لائے تھے۔ وہ بولیں: کیا یہ وہی نبی ہے جس کے بارے میں ہمیں بتایا جاتا ہے کہ وہ قیامت کے قریب آئے گا تو عبداللہ نے کہا۔ جی ہاں۔ وہی ہے۔ پھر وہ تیار ہو کر ''قبا'' چلے گئے۔ وہ کہتے ہیں جب میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور ان کا چہرہ دیکھا تو میرے دل نے گواہی دی، یہ ایک جھوٹے کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ پھر اُنہوں نے آپ ﷺ کی اجازت سے تین سوال کیے۔ (1) قیامت کی پہلی علامت کیا ہے؟ (2) اہل جنت کی پہلی غذا کیا ہوگی۔ (3) کیا وجہ ہے کہ بچہ کبھی باپ کی شکل پر اور کبھی ماں کے مشابہ ہوتا ہے؟

آپ ﷺ نے ان سوالات کے جواب میں ارشاد فرمایا۔ (1) قیامت کی پہلی علامت آگ کا نکلنا ہے جس میں دھواں ہوگا اور وہ لوگوں کو دھکیل کر لے جائے گی۔ مشرق سے مغرب تک پھیلی ہوگی۔ (2) اہل جنت کی پہلی غذا مچھلی کی کلیجی ہوگی۔

(3) باپ یا ماں جس کا نطفہ غالب ہوتا ہے، بچہ اس کی شکل پر ہوتا ہے۔

یہ جوابات سن کر عبداللہ بن سلام بول اُٹھے۔

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللّٰهِ

پھر اُنہوں نے کہا ''حضور! یہود ایک بہتان باز قوم ہے، بہتر ہوگا، پہلے آپ ﷺ ان کو بلائیں، میرے بارے میں ان سے پوچھیں۔''

چنانچہ نبی ﷺ نے ان کے کچھ عالموں کو طلب کیا اور وہ آ گئے اور عبداللہ بن سلام پردہ کے پیچھے چھپ گئے۔

حضور ﷺ نے ان پوچھا ''تمہارے درمیان عبداللہ بن سلام کیسے آدمی ہیں؟ کہنے لگے، ''وہ ہمارے سردار ہیں اور ہمارے ایک سردار کے بیٹے ہیں۔ ہمارے ایک باعزت فرد ہیں۔ ایک بلند پایہ عالم ہیں۔'' جب وہ یہ سب کہہ چکے تو عبداللہ بن سلام اوٹ سے نکل آئے۔ اور ان کو مخاطب کر کے کہا۔ ''اے گروہ یہود خدا کا خوف کرو اور جو دین حضور ﷺ کے ذریعے آیا ہے، اسے اپنا لو۔ کیونکہ اللہ کی قسم تم خوب سمجھتے ہو کہ حضور ﷺ اللہ کے بھیجے ہوئے نبی ہیں۔ میں آپ ﷺ پر ایمان لاتا ہوں، آپ ﷺ کی تصدیق کرتا ہوں، اس پر وہ بہت برہم ہوئے اور بولے۔ ''تم جھوٹے ہو، یہ ہمارا سب سے برا آدمی ہے، برے آدمی کا بیٹا ہے اور پھر اُن کی برائیاں شروع کر دیں، سب یہودی وہاں سے چلے گئے۔

یہودیوں کے متعلق ان کے جھوٹ، دشمنی اور سرکشی کا یہ پہلا تجربہ محمد ﷺ کو حاصل ہوا۔ عبداللہ بن سلام پھر اپنے گھر گئے اور اپنے گھر والوں کو دعوت اسلام دی سب نے اس کو قبول کر لیا۔ وہ اور ان کے گھر والے ہمیشہ محمد ﷺ کے وفادار رہے

اوران کی زندگی ہی میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو جنت کی بشارت دی۔

یہود کی فاسد ذہنیت کا اندازہ حضرت صفیہ بنت حیئ بن اخطب کے بیان سے بھی ہوتا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ قبا میں قیام کے دوران محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے میرے والد حی بن اخطب اور چچا ابو یاسر ان سے ملنے گئے۔ واپس آ کر آپس میں باتیں کرنے لگے۔ چچا نے پوچھا کیا یہ وہی نبی موعود ہیں؟ اس نے کہا۔ ''ہاں خدا کی قسم'' پوچھا گیا'' کیا تم نے اسے پہچان لیا ہے؟ اور یقین کر لیا ہے۔ اُس نے کہا۔ ہاں۔ اچھا پھر اب کیا سوچا ہے؟ میرے دل میں اس کے لیے دشمنی ہی دشمنی ہے جب تک زندہ ہوں۔ وہ آخر عمر تک دشمنی پر قائم رہا اور قبیلے سمیت مدینے سے نکال دیا گیا۔

پانچواں باب

مدینہ کو روانگی

مسجدِ قباء: یہ وہ بابرکت مسجد ہے جس میں حضور اکرم ﷺ ہر ہفتے پابندی سے نماز پڑھنے جاتے، کبھی سوار ہوتے اور کبھی پیدل ہو جاتے اور وہاں دو رکعت نماز پڑھتے تھے۔ (بخاری)

یہ ہی وہ مسجد ہے جس میں دو رکعت نماز پڑھنے کا ثواب ایک عمرہ ادا کرنے کے برابر بتایا گیا ہے۔

''قبا'' میں قیام کے کچھ روز بعد حضور اکرم ﷺ نے مدینہ جانے کا پروگرام بنایا۔ عمرو بن عوف نے باادب عرض کیا ''حضور ہم سے کوئی خطا ہو گئی ہے جو آپ ﷺ تشریف لے جا رہے ہیں۔'' حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''مجھے (مدینہ) اس بستی میں جانے کا حکم اللہ کی طرف سے ہوا ہے۔ جو تمام بستیوں پر غالب رہے گی۔''

12 ربیع الاوّل سنہ ایک ہجری جمعہ کے دن 100 آدمیوں کے ساتھ یہ قافلہ مدینے کے لیے روانہ ہوا۔ راستے میں جمعہ کا وقت ہو گیا۔ محلہ بنو سالم میں نماز کا اہتمام ہوا۔ آپ ﷺ نے جمعہ کا خطبہ دیا، یہ خطبہ التقویٰ کے نام سے مشہور ہے۔ جس کو ہم نے یہاں نقل کیا ہے۔ بعد میں نماز جمعہ کی اس جگہ پر ایک مسجد تعمیر کر دی گئی جو مسجد جمعہ کے نام سے مشہور ہے۔

حضور ﷺ نے اپنے ننھیالی رشتہ دار قبیلے بنو عمار کو اطلاع کرا دی تھی اور لوگ آپ ﷺ کے انتظار میں آنکھیں بچھائے کھڑے تھے۔

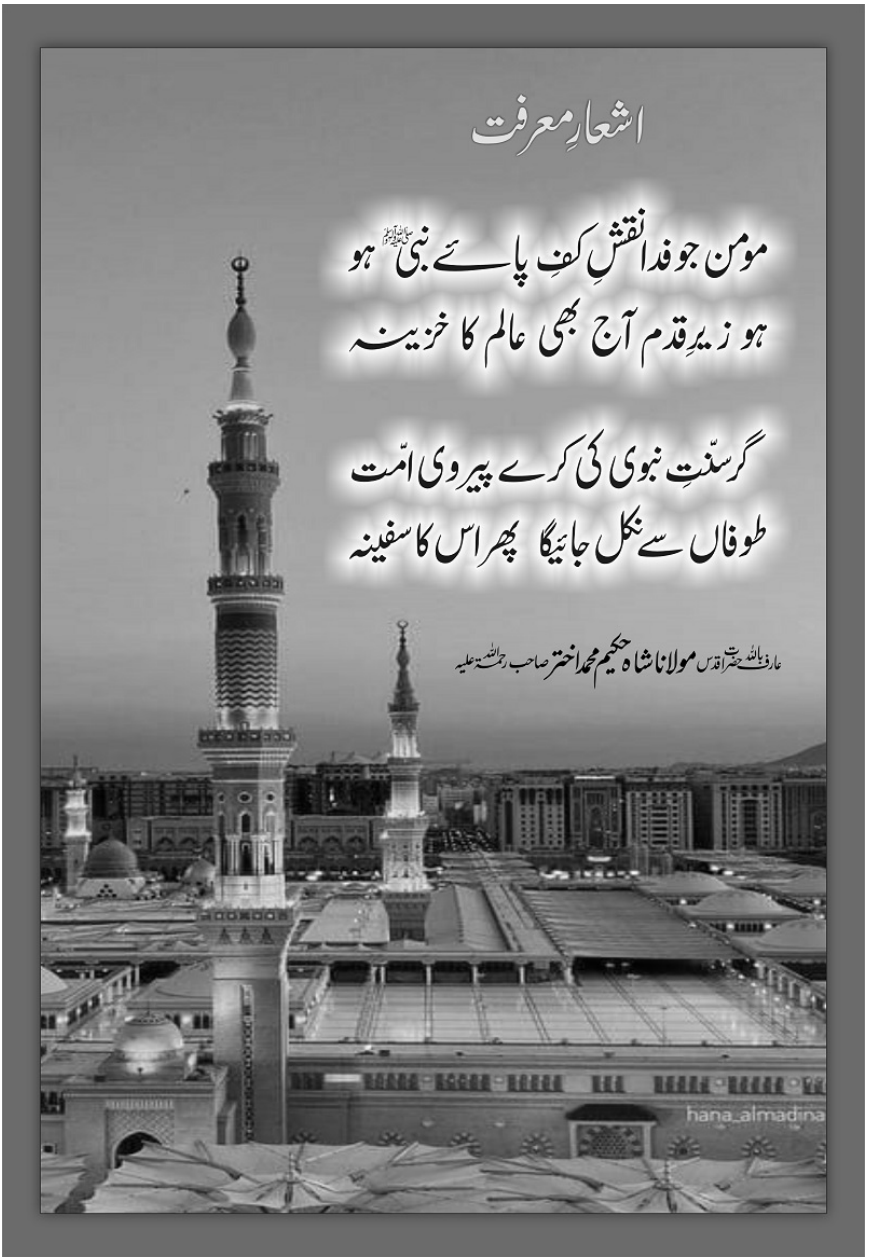
اشعارِ معرفت
مومن جو فدا نقشِ کفِ پائے نبی ﷺ ہو
ہو زیرِ قدم آج بھی عالم کا خزینہ
گر سنّتِ نبوی کی کرے پیروی امّت
طوفاں سے نکل جائیگا پھر اس کا سفینہ
عارف باللہ حضرت اقدس مولانا شاہ حکیم محمد اختر صاحب رحمۃ اللہ علیہ
hana_almadina




مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

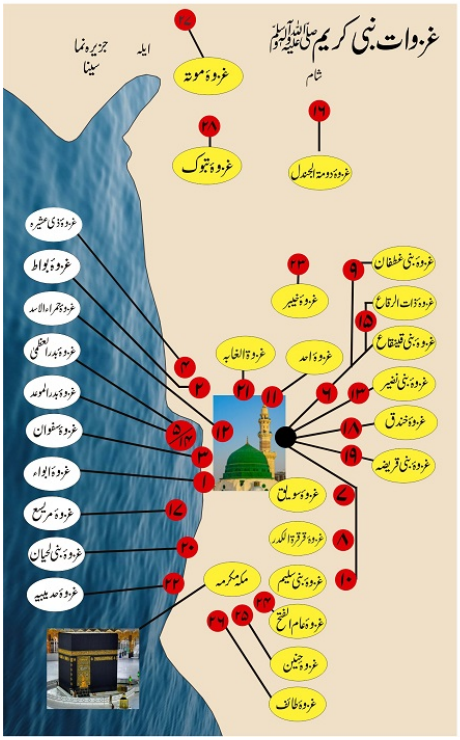
غزوات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم
جزیرہ نما سینا
ایلہ
شام
غزوۂ موتہ
غزوۂ تبوک
غزوۂ دومۃ الجندل
غزوۂ بنی عطفان
غزوۂ ذات الرقاع
غزوۂ بنی قینقاع
غزوۂ بنی نضیر
غزوۂ تخلق
غزوۂ بنی قریضہ
غزوۂ سویق
غزوۂ قرقرۃ الکدر
غزوۂ بنی سلیم
غزوۂ ذات السلاسل
غزوۂ حنین
غزوۂ طائف
غزوۂ ذی العشیرہ
غزوۂ ابواط
غزوۂ بحران
غزوۂ بدر الاولیٰ
غزوۂ بدر الموعد
غزوۂ دومۃ الجندل
غزوۂ ابواء
غزوۂ مریسیع
غزوۂ بنی لحیان
غزوۂ حدیبیہ
غزوۂ خیبر
غزوۂ وادی القریٰ
غزوۂ احد
غزوۂ الخابہ
مکہ مکرمہ

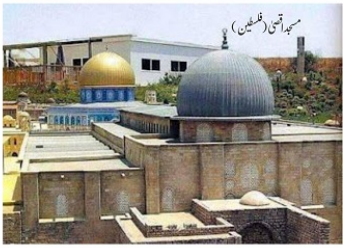
مسجد اقصیٰ (فلسطین)


مسجد قبا (مدینہ منورہ)


مسجد جمعہ (مدینہ منورہ)

مدینہ
میں آمدِ
رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم

ہجرت کا پہلا سال

مدینہ میں رہنے والے تمام مسلمان بے چینی سے آپ ﷺ کی آمد کے منتظر تھے۔ پورا یثرب، یثرب کا ہر قبیلہ، ہر قبیلے کا فرد، سرکار دو عالم ﷺ کی میزبانی کا شرف حاصل کرنا چاہتے تھے۔ جوش مسرت میں لوگ گھر سے باہر کھڑے تھے۔ سڑک کے دونوں کناروں پر عاشقانِ رسول ﷺ استقبال کے لیے تیار تھے۔ بریدہ اسلمی آگے آگے جھنڈا لہراتے چل رہے تھے۔ ہر زبان پر یہ ہی ترانہ تھا۔ ''جاء نبیّ اللہ'' یعنی اللہ کے رسول آ گئے ہیں۔

ایک جھلک دیکھنے کیلئے لوگ مشتاق تھے۔ خواتین چھتوں سے یہ منظر دیکھ رہی تھیں۔ سبحان اللہ، الحمدللہ اور اللہ اکبر کے الفاظ فضا میں گونج رہے تھے۔ سبحان اللہ کیا نور کی فضا تھی، کیا خوبصورت نظارہ تھا۔ لوگ اونٹنی کی نکیل پکڑ پکڑ کر التجا کر رہے تھے کہ حضور! ہمارے گھر تشریف لے چلیے۔ مگر حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''اس اونٹنی کی نکیل چھوڑ دو۔ ''خلو فانہا مامورۃ'' اس کا راستہ چھوڑ دو، یہ اللہ کی طرف سے مامور ہے۔ جہاں یہ بیٹھے گی وہیں اس کا قیام ہوگا۔ بچیاں آپ ﷺ کے استقبال کے لیے ترانہ گا رہی تھیں، جو آج بھی اسی طرح مقبول و معروف ہے۔

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا	مِنْ ثَنِيَاتِ الْوَدَاعِ
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا	مَادَعَا لِلّٰهِ دَاعِ
اَيُّهَا الْمَبْعُوْثُ فِيْنَا	جِئْتَ بِالْاَمْرِ الْمُطَاعِ

''وداع کی گھاٹیوں سے چودھویں کا چاند طلوع ہو چکا ہے۔ہم پر اس نعمت کا شکر لازم ہے۔ جب تک اللہ سے دعا مانگنے والا کوئی باقی ہے۔ اے وہ مقدس ذات جو ہم میں رسول بنا کر بھیجی گئی۔آپ ایسا دین لے کر آئے ہیں جس کی اطاعت ہم پر واجب ہے۔''

آپ ﷺ بنو مالک بن نجار کے محلے میں پہنچے تو بچیوں نے والہانہ استقبال کیا۔ ''ہم بنو نجار کی بچیاں ہیں، کیا خوش نصیبی ہے کہ آج محمد ﷺ ہمارے پڑوسی ہیں۔'' حضور ﷺ نے پوچھا۔''کیا تم کو مجھ سے محبت ہے؟'' اُنہوں نے کہا۔''ای واللہ یارسول اللہ۔'' (جی ہاں اے اللہ کے رسول)۔حضور ﷺ نے فرمایا۔''میں بھی تم سے محبت کرتا ہوں۔'' حضرت براء بن عازب کہتے ہیں کہ اہل مدینہ آپ ﷺ کی آمد پر جس قدر خوش ہوئے کسی اور موقع پر اس درجہ خوش نہیں ہوئے۔

حضرت ابوایوب انصاریؓ کے مکان پر قیام

اللہ نے ازل سے یثرب میں میزبانیٔ رسول ﷺ کی سعادت حضرت ابوایوب انصاریؓ کا مقدر بنادی تھی۔اونٹنی وہاں رک گئی (بخاری)

حضرت ابوایوب انصاریؓ کی خوش نصیبی کا کیا کہنا۔ابوایوبؓ بے تابی سے لپکے اور کجاوہ اُٹھا لیا اور آپ ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے۔اونٹنی کو اسعد بن زرارہ

دیکھ بھال کے لیے اپنے گھر لے گئے۔

مؤرخین کا بیان ہے کہ ظہور اسلام سے سات صدی پہلے یمن کا بادشاہ تبع اسعد 40 یہودی علماء کے ساتھ یثرب کی طرف سے گزرا۔ اس نے اس شہر پر حملے کا ارادہ کر رکھا تھا۔ اس وقت شہر میں موجود کچھ علماء یہود تبع سے ملے اور کہا تھا۔ اے بادشاہ! تورات میں اس بستی کا نام طیبہ ہے، یہ بستی اولاد اسماعیل میں آنے والے آخری نبی کا مقام ہجرت ہے۔ ان کا قیام یہیں رہے گا۔ تم اس بستی پر ہرگز غالب نہ آسکو گے۔ یہ بستی حفاظت الٰہی کے حصار میں ہے۔ یہ سن کر بادشاہ نے اپنا ارادہ بدل دیا۔ اس کے ہمراہی علماء نے یہیں قیام کی اجازت چاہی۔ بادشاہ نے ان کے لیے مکانات بنوا کر ان کو آباد کر دیا اور ایک مکان بطور خاص نبی آخر الزماںؐ کے لیے مختص کر دیا۔ (ماخوذ از سیرت مصطفیٰ ﷺ) اس پر سیکڑوں سال گزر گئے مگر ابو ایوب انصاریؓ کا مکان اسی مقام پر واقع تھا۔ اللہ نے اس بادشاہ کی خواہش قبول کر لی۔ وہی آپ ﷺ کی قیام گاہ بنا۔

مسجد نبوی ﷺ کی تعمیر

حضور ﷺ ابو ایوب انصاریؓ کے مکان میں مقیم ہوئے اور مدینہ کے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ملاقات کی۔ آپ ﷺ کو سب سے پہلی فکر یہ تھی کہ مسلمانوں کے مرکز کے طور پر مسجد کی تعمیر کی جائے۔ آپ ﷺ کی قیام گاہ سے قریب ہی ایک وسیع زمین تھی۔ آپ ﷺ چاہتے تھے کہ اسی پر مسجد بنائی جائے۔ چنانچہ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ یہ زمین دو یتیم بچوں کی ملکیت ہے۔ اُنہوں نے

ہدیہ کے طور پر دینے پر اصرار کیا مگر حضور ﷺ نے وہ زمین قیمت دے کر خریدی۔ امام زہری کے مطابق اس کی قیمت 10 دینار حضرت ابوبکر صدیقؓ نے ادا کی۔

اس کے بعد مسجد تعمیر کرنے کا کام شروع ہو گیا۔ مسجد کا عرض 100 فٹ رکھا گیا اور طول بھی 100 فٹ رکھا گیا۔ اس طرح تقریباً 10,000 اسکوائر فٹ جگہ پر مسجد بنائی گئی۔ مسجد کی تعمیر میں بہت سے لوگوں نے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اس میں سے ایک خود محمد ﷺ تھے۔ وہ بھی عام صحابہؓ کی طرح ایک معمار، ایک مزدور، ایک کارکن کی حیثیت سے ہمہ تن مصروف تھے۔ سب کی زبان پر یہ دعا جاری تھی۔

اللھم انه لاخیر الا خیر الآخرة
فانصر الانصار والمهاجرة

ترجمہ: اے اللہ خیر تو صرف آخرت کی خیر ہے
آپ انصار و مہاجرین کی مدد فرمائیے

(بخاری)

مسجد بنانے میں حضور ﷺ کے ساتھ دینے کی وجہ سے صحابہؓ کے جوش و خروش میں اضافہ ہو گیا۔ چونکہ قبلہ بیت المقدس تھا۔ اس لیے اس رخ پر کھجور کی درخت کاٹ کر لگا دیئے گئے۔ مسجد کی دیواریں مٹی اور گارے کی اینٹوں سے بنائی گئیں۔ ستونوں کی جگہ پر کھجور کے تنے لگائے گئے۔ چھت پر کھجور کی شاخیں اور پتے ڈلوا دیئے گئے۔ فرش کے لیے زمین پر ریت اور چھوٹی چھوٹی کنکریاں ڈالی گئیں۔ کل تین دروازے لگائے گئے۔ ان میں ایک بڑا دروازہ بنایا گیا جس کے پائے پتھر کے تھے۔ مسجد کے صحن میں ایک چبوترہ (صفہ) بنایا گیا جس پر سائبان ڈالا گیا اس پر بھی

کھجور کے تنے کھڑے کر کے چھت پر کھجور کے پتے ڈال دیئے گئے۔ اس طرح یہ ان لوگوں کی عارضی قیام گاہ بنا جو اپنا سب کچھ چھوڑ کر مدینہ ہجرت کر کے آئے تھے اور اپنے پاس کچھ مال نہ رکھتے تھے۔ مسجد نبوی 12 دن کے مختصر عرصے میں مکمل ہوگئی۔

مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد اس سے متصل دو حجرے بھی بنائے گئے جو آپ ﷺ کے اہل وعیال کے لیے تھے۔ ان کی تعمیر میں بھی وہی چیزیں استعمال کی گئیں جن سے مسجد نبوی بنی تھی۔ حضور ﷺ کے اہل وعیال مکہ میں رہ گئے تھے۔ ان کو بلانے کے لیے حضور ﷺ نے زید بن حارثہؓ اور اپنے غلام رافع کو بھیجا۔ واپس آنے والوں میں حضرت سودہؓ، آپ کی بیٹی حضرت فاطمہؓ وام کلثومؓ تھیں کیونکہ آپ ﷺ کی بڑی بیٹی حضرت زینبؓ چونکہ ابوالعاص کے نکاح میں تھیں، ان کو آنے نہیں دیا گیا اور دوسری بیٹی حضرت رقیہؓ جو حضرت عثمانؓ کے نکاح میں تھیں، وہ بعد میں ان ہی کے ساتھ مدینہ آئیں۔ ساتھ ہی حضرت ابوبکرؓ کے گھر والے بھی آ گئے، جن میں حضرت عائشہؓ بھی شامل تھیں۔ اہل وعیال کے آتے ہی حضور ﷺ اپنے گھر میں منتقل ہو گئے۔

بعد میں جیسے جیسے ازواج مطہرات میں اضافہ ہوتا گیا، اسی طرح کے چھوٹے چھوٹے حجرے بھی ساتھ ہی تعمیر ہوتے گئے۔ مسجد کی تعمیر سے دنیا کے سامنے حضور ﷺ کی یہ سنت آئی کہ مسلمانوں کو اپنی آبادی بسانے اور کالونی قائم کرنے کا آغاز مسجد سے کرنا چاہیے۔ مسلمانوں کی بستیوں میں مسجد کے لیے جگہ مختص کر دینی چاہیے اور اس کی تعمیر کی فکر ہونی چاہیے۔ مسلمانوں کی شناخت اور مرکزیت مسجد سے وابستہ ہوتی ہے۔ مسلمانوں کے ایمانی اور اجتماعی وجود کے لیے مسجد ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اسی طرح دوسری سنت یہ سامنے آئی کہ محمد ﷺ نے صحابہؓ کے

ساتھ مل کر پتھر گارا ڈھویا، ایک ادنیٰ کارکن کی حیثیت سے شریک ہوئے۔ اُنہوں نے محنت اور مزدوری کے پیشے کا وقار بڑھایا۔ پیشوں کی تحقیر کا دروازہ بند کر دیا اور واضح کر دیا کہ اللہ کی بارگاہ میں انسان کی برتری یا کمتری کا معیار پیشے اور مشغلے نہیں ہیں۔ کردار و عمل اور خوف آخرت کی دولت ہے۔ اس میں مساوات کا درس بھی ہے اور اعلیٰ و ادنیٰ کی تفریق ختم کرنے کا اعلان بھی ہے۔

لیڈر کا کام صرف حکم دینا اور اطاعت کرانا نہیں ہوتا بلکہ مل کر Team Work ہوتا ہے۔ بعد میں آپ ﷺ کے عمل سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ ﷺ صحابہؓ کے ساتھ ہر چیز میں شریک کار رہے۔ چاہے وہ مسجد کی تعمیر ہو یا جنگ کا میدان ہو۔ کھانے پینے کی قلت ہو یا لوگوں کی حفاظت کو خطرہ۔ آپ ﷺ ہر جگہ مسلمانوں کے ساتھ ساتھ نظر آتے ہیں۔

مسجد نبوی میں کیے جانے والے کام

یہ مسجد ادائے نماز کے لیے تو تھی ہی اس میں اور بھی بہت سے اُمور انجام دیئے جاتے تھے۔ وہ اسلام کی پہلی یونیورسٹی تھی جہاں صحابہؓ مختلف اسلامی علوم سیکھتے تھے۔ ۱۔ قرأت قرآن ۲۔ تعلیم القرآن ۳۔ تعلیم حکمت وسنت ۴۔ تزکیہ نفس اور تزکیہ اصلاح میں وہ سیکھا کرتے تھے: ۱۔ تقویٰ کا حصول ۲۔ ذکر اللہ ۳۔ شکر نعمت ۴۔ مشاہدۂ فطرت ۵۔ تفکر و تدبر ۶۔ عبرت پذیری ۷۔ جہاد

صحابہ کرامؓ مختلف زبانیں یہیں سیکھا کرتے تھے۔ باقاعدہ کلاسز کی شکل میں یہ

کام ہوتے۔ لکھنے اور پڑھنے کے تمام مواقع یہاں پر میسر تھے۔ اسلامی تعلیمات کے براہ راست (Live) لیکچرز یہاں سنتے۔ گویا عبادت، تعلیم، تربیت اور تزکیہ سب باہم مربوط تھے۔

یہ ایک ایسا مرکز تھا جس میں اس چھوٹی سی ریاست کا انتظام بھی یہاں سے چلایا جاتا تھا۔ مختلف قسم کی جنگی مہمات یہیں سے بھیجی جاتیں۔ جنگوں کے لیے فنڈ ریزنگ بھی یہاں ہوتی۔ پارلیمنٹ بھی یہی تھی اور عدالت بھی یہی تھی۔ اسی مسجد میں بیٹھ کر آپ ﷺ نے اوّلین اسلامی حکومت قائم فرمائی۔ یہیں سے دنیا کے بادشاہوں کو دعوتی خطوط روانہ کیے۔ یہیں فوجی لشکر طے ہوئے۔ یہیں سے غرباء کی حاجت روائی کی جاتی تھی۔ یہیں پر مختلف فرماں رواؤں کے وفود ملنے آتے تھے۔ یہیں پر حسان بن ثابت شاعر اسلام شعروں میں دشمنوں کے خلاف جوابی کارروائی کرتے تھے۔



مدینہ آمد کے بعد حضور ﷺ کے اقدامات

بیعت عقبہ کے ذریعے رسول اللہ ﷺ اور اہل یثرب کے ساتھ جو روابط استوار ہوئے اور جس طرح اُنہوں نے مکمل سمع واطاعت کا عہد کیا، اب اس کے عمل کا وقت تھا۔ اس علاقے میں سیاسی قوت نہ ہونے کے برابر تھی۔ محمد ﷺ نے آتے ہی معاشرہ کو منظم کرنا شروع کیا۔ لوگوں میں یعنی مہاجرین اور انصار میں سلسلہ بھائی چارہ ''مواخاۃ'' قائم کیا۔ لٹے پٹے مہاجروں کو انصار میں تقسیم کر دیا اور ان کو ان کا بھائی بنا دیا۔ صحیح بخاری میں مروی ہے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ کو سعد بن ربیعؓ کا بھائی بنایا تو سعدؓ نے کہا میں سب سے زیادہ مالدار ہوں، آپ میرا آدھا مال لے لیجیے۔ دو بیویاں ہیں جس کو آپ پسند کریں، میں اسے طلاق دے دیتا ہوں، آپ اپنی بیوی بنا لیجیے۔ اس نے جواب دیا: اللہ آپ کے مال واولاد میں برکت دے بس بازار کا راستہ بتا دیجیے۔ چنانچہ وہ بنی قینقاع کے بازار گئے۔ کریڈٹ پر کچھ پنیر اور گھی لیا، اس کو فروخت کیا۔ پھر ہر روز بازار جاتے رہے یہاں تکہ کہ حضور ﷺ نے ان کے لباس پر زرد رنگ کا اثر دیکھ کر پوچھا کہ کیا ہوا ہے، جواب دیا میں نے شادی کر لی ہے اور مہر میں ایک گٹھلی کے برابر سونا دیا ہے۔ اسی طرح جب انصار نے اپنے باغات مہاجر بھائیوں میں تقسیم کرنا چاہے تو مہاجر تیار نہ ہوئے تو اُنہوں نے کہا ٹھیک ہے۔ آپ ہمارے باغوں میں کام کریں ہم اس کے پھلوں میں آپ کو حصہ دار بناتے ہیں، چنانچہ وہ راضی ہو گئے۔ اس طرح مہاجر بھائیوں نے بھی کوئی ناجائز فائدہ نہ اُٹھایا، صرف اتنا ہی جتنی ضرورت تھی۔ حضرت عمرؓ کے بھائی عتبان بن مالکؓ، حضرت عثمانؓ

کے بھائی اوس بن ثابتؓ، حضرت ابوبکرؓ کے بھائی خارجہ بن زیدؓ، محمدؐ+علی مرتضیٰؓ۔

اس بھائی چارے کا مقصد جیسا کہ امام محمد غزالیؒ نے لکھا ہے کہ جاہلی عصبیتیں ختم ہوجائیں۔حمیت وغیرت جو بھی ہو اسلام کے لیے ہو، نسل ورنگ، وطن کے امتیازات ختم کردیئے جائیں۔ بلندی اور پستی کا معیار صرف تقویٰ ہو۔

ابن قیمؒ کہتے ہیں حضرت انس بن مالکؓ کے گھر میں یہ بھائی چارہ قائم کرایا۔کل 90 آدمی تھے 45 مہاجر 45 انصار

کچھ مہاجر مزید ہستیوں کے نام اوران کے انصاری بھائی

زبیر بن عوام+کعب بن مالک

طلحہ بن عبداللہ+ابی بن کعب

مصعب بن عمیر+ابوایوب

ابوحذیفہ+عباد بن بشیر

عمار بن یاسر+حذیفہ بن یمان

سلمان فارسی+ابوالدرداء

ابوذر غفاری+منذر بن عمر

یہ فیملی والے لوگ تھے، اور جو تنہا تھے اور جو نوعمر مہاجرین تھے اور اپنے آپ کو تعلیم کے لیے وقف کرنا چاہتے تھے ان کے رہنے کے لیے مسجد نبوی میں ایک چبوترہ بنادیا گیا تھا۔ یہ لوگ اصحابہ صفہ کہلاتے تھے۔ان کے طعام کا انتظام مدینہ کی سوسائٹی کرتی تھی۔حضور ﷺ خود ان کی ضروریات کو پورا کروانا اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے۔

مدینہ کے مسلمان قبیلوں کی دینی نگرانی کے لیے 12 نقیب یا حواری مقرر کیے گئے تھے۔ابواُمامہ، اسعد بن زرارہؓ بنونجار پر نقیب کیے گئے تھے، ان کی اس وقت وفات

ہوگئی جب نبی ﷺ مدینہ تشریف لائے۔ یہودیوں اور منافقین نے پروپیگنڈہ شروع کردیا کہ یہ سچے نبی نہیں ہیں، ورنہ ان کا سرگرم ساتھی اس وقت نہ مرتا۔ بنونجار سے نبی ﷺ نے کہا ''میں تمہارا نقیب ہوں کیونکہ وہ آپ کے رشتہ دار بھی تھے۔ پہلے یہ مواخاتی بھائی جائیداد کے وارث بھی ہوتے تھے مگر جب یہ آیت نازل ہوئی سنہ دو ہجری میں کہ ''رشتہ دار ہی وارث ہیں'' تو پھر ان کی وراثت ختم ہوگئی۔ مگر بھائی کا اخوت کا معاملہ باقی رہا۔

حضرت انسؓ نے بیان کیا کہ انصار کے ایثار کی وجہ سے نبی ﷺ نے ایک مرتبہ انصار کو بلا کر فرمایا ''بحرین سے مال آیا ہے اور میں نے اُسے تمہیں دینے کا فیصلہ کیا ہے۔'' انصار نے کہا ''ہم اس صورت میں لے سکتے ہیں کہ جس قدر ہمیں دیا جائے مہاجرین کو بھی دیا جائے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''اگر تم نہیں لیتے تو صبر کرو یہاں تک کہ تم مجھ سے حوض کوثر پر ملاقات کرو۔'' مزید فرمایا کہ ''میرے بعد تم دیکھو گے کہ دوسروں کو تم پر ترجیح دی جارہی ہے، اس وقت تم صبر کرنا۔'' انصار کی یہ فضیلت ہے کہ نبی ﷺ نے ہجرت کے بعد پوری زندگی مدینہ منورہ میں گزاری اور فرمایا ''انصار جس گھاٹی میں چلیں گے میں اسی گھاٹی پر چلوں گا۔ اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں انصار میں سے ایک فرد ہوتا۔'' فرمایا۔ ''انصار سے مومن ہی محبت کرے گا اور منافق ان سے بغض رکھے گا جس نے ان سے محبت کی اللہ ان سے محبت کرے گا جس نے ان سے بغض رکھا، اللہ ان سے بغض رکھے گا۔''

اذان کی شروعات

مسجد نبوی کی تعمیر کے بعد جو مسئلہ سامنے آیا وہ لوگوں کو بلانے کا تھا کہ نماز باجماعت میں بلانے کے لیے کیا طریقہ اختیار کیا جائے۔ حضور ﷺ نے سب کو جمع کیا اور مشورہ کیا، کسی نے چرچ کی طرح گھنٹیاں بجانے کی رائے دی تو کسی نے یہود کی طرح ناقوس بجانے کی تو کسی نے بلند جگہ پر آگ روشن کرنے کی۔ آپ ﷺ نے اس کو پسند نہیں فرمایا کہ یہ غیر مسلموں کا طریقہ ہے۔

اسی رات حضرت عبداللہ بن زیدؓ نے خواب میں انسانی شکل میں ایک فرشتے کو دیکھا۔ عبداللہ کے ہاتھ میں ناقوس تھا۔ پوچھا کیا کرو گے؟ میں نے کہا نماز کا اعلان کروں گا۔ کہا کیا میں تم کو اس سے بہتر کچھ کلمات نہ بتاؤں؟ میں نے کہا بتایئے۔ اُنہوں نے وہ کلمات بتائے جو آج بھی اذان کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔ صبح اُٹھ کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پورا خواب سنایا۔ نبی ﷺ کو بہت پسند آیا۔ آپ ﷺ نے حضرت بلالؓ کو بلایا اور کہا نماز کے وقت عبداللہ کے ساتھ چھت پر جانا اور جو یہ کہے تم کہتے جانا۔ اس کے بعد حضرت عمرؓ بھی ایسا ہی اپنا خواب سنا رہے تھے اور لوگوں نے بھی ایسا ہی خواب بیان کیا۔ گویا یہ الفاظ اللہ کی طرف سے وحی کیے گئے کیونکہ سچے خواب وحی کا 40واں حصہ ہوتے ہیں۔

اذان کی مشروعیت کا یہ عمل ہجرت کے بعد پہلے ہی سال میں ہو گیا۔ محمد ﷺ نے اذان کے وقت ان کلمات کا جواب دینے کی ہدایت کی۔ یعنی مؤذن کے بعد وہی

کلمات دہرائیں، صرف حی علی الفلاح اور حی علی الصلوۃ سننے کے بعد لاحول ولاقوۃ الا باللہ کہیں اور اس کے بعد مسنون دعا مانگنے کی ترغیب دی ہے کہ آپ ﷺ کو اللہ مقام محمود (مقام شفاعت) عطا فرمائے۔

رسول اللہ ﷺ کے پہلے خادم حضرت انس بن مالک ؓ

جب حضور ﷺ مدینہ تشریف لائے تو ام سلیم (رُمیصہ بنت ملحان) مصعب بن عمیر کی تبلیغ سے مسلمان ہو چکی تھیں۔ ان کا ایک بیٹا 10 سال کا تھا، انس بن مالک ؓ۔ ان کو لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور کہا۔ ''اے اللہ کے رسول ﷺ اس کو اپنی خدمت کے لیے قبول فرمایئے۔ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، یہ لڑکا سمجھ دار ہے، آپ ﷺ کی خدمت کے شرف سے مشرف ہوگا۔'' حضور ﷺ نے ان کو قبول فرما لیا۔ دس سال وہ حضور ﷺ کی خدمت میں رہے، سب خدمات بجا لاتے رہے اور ان کی گواہی ہے کہ اس پوری مدت میں حضور ﷺ نے ان کو نہ کبھی ڈانٹا اور نہ ہی مارا اور نہ ہی جھڑکا، نہ یہ فرمایا کہ ایسا کیوں کیا اور ایسا کیوں نہیں کیا؟ وہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور ﷺ نے مجھ سے کوئی کام کہا اور میں باہر نکلا تو لڑکے کھیل رہے تھے میں بھی ان میں شامل ہو گیا۔ کچھ دیر بعد حضور ﷺ تشریف لائے، مجھے کھیلتے دیکھا، مجھے پیچھے سے پکڑا اور کہا آپ کو ایک کام دیا تھا۔ مجھ کو یاد آیا اور بولا جی جاتا ہوں اور فوراً چلے گئے۔

آپ ﷺ نے ان کو دعاؤں سے نوازا کہ اللہ ان کے مال، ان کی اولاد اور ان

کی عمر میں برکت عطا فرمائے۔ چنانچہ 103 سال کی عمر میں 93 ہجری میں وفات پائی۔ (بخاری) وہ انصار میں سب سے زیادہ مالدار تھے۔ کثیر العیال تھے۔ دس سالہ طویل عرصہ میں اپنے کل وقتی خادم حضرت انسؓ کے ساتھ نرمی، ملاطفت اور محبت کا یہ سلوک پوری اُمت کے لیے ماتحتوں کے ساتھ خوش معاملگی، نرم گفتاری، حسن اخلاق کا واضح پیغام ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''اخوانکم خوالکم'' (خدام اور ماتحت تمہارے بھائی ہیں) افسوس ہم نے اس سنت کو چھوڑ دیا ہے۔ ہم اپنے خادموں کے ساتھ اتنا برا رویہ رکھتے ہیں کہ چھوٹی سی غلطی پر پٹائی کر کے ان کو جان سے مار ڈالتے ہیں۔ در بدر کر دیتے ہیں، یا ان پر بھاری جرمانہ عائد کرتے ہیں۔

مدینہ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو خطبے

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے یہ دو خطبے اختصار کا شاہکار ہیں، کیا جامعیت ہے اور کس قدر فکر انگیز اور اثر انگیز ہے۔

پہلا خطبہ

ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، ہم اس کی حمد کرتے ہیں، اس سے مدد مانگتے ہیں
نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا مَنْ .....الخ
امابعد اے لوگو! تم اپنی جانوں کے لیے آگے (اچھے اعمال و اموال) بھیجو اور اس

بات کو سمجھ لو کہ ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ انسان موت کے وقت بے ہوش ہو جائے گا۔ (پھر مر جائے گا) اپنی بکریوں کو اس حال میں چھوڑے گا کہ کوئی ان کو چرانے والا نہ ہوگا۔ پھر اس کا رب اس سے سوال فرمائے گا اور درمیان میں کوئی ترجمان یا حاجب نہ ہوگا۔ اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اے شخص کیا تیرے پاس میرا رسول نہ آیا تھا جس نے تجھے حق بات پہنچائی اور میں نے تجھ کو مال دیا اور تجھ پر فضل کیا۔ اس سے تو نے اپنی جان کے لیے کیا بھیجا۔ اب وہ شخص دائیں بائیں دیکھے گا۔ تو کوئی عمل نظر نہیں آئے گا۔ پھر آگے دیکھے گا تو جہنم کے سوا کچھ نظر نہیں آئے گا۔ تم میں سے جو شخص اپنی جان کو دوزخ سے بچا سکتا ہو تو بچائے اگرچہ کھجور کا آدھا ٹکڑا ہی اللہ کے لیے خرچ کر لے اور جس کے پاس کچھ بھی نہ ہو وہ اچھی بات ہی بول دے کیونکہ ایک نیکی کا بدلہ کم از کم دس گنا بڑھا کر دیا جاتا ہے اور 700 گنا تک بڑھایا جاتا ہے۔ (ابی سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف)

مدینہ میں دوسرا خطبہ

بے شک ساری تعریفیں اللہ کے لیے ہیں میں بھی اسی کی تعریف کرتا ہوں۔ اسی سے مدد مانگتا ہوں، اپنے نفسوں کے شرور سے ہم اللہ کی پناہ لیتے ہیں اور اپنے اعمال کی برائیوں سے جسے اللہ ہدایت دے اسے کوئی گمراہ کرنے والا نہیں۔ اور جسے اللہ گمراہ کر دے اسے کوئی ہدایت دینے والا نہیں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور وہ تنہا ہے اس کا کوئی شریک نہیں۔

بلاشبہ سب سے اچھی بات اللہ کی کتاب ہے وہ شخص کامیاب ہوا جس کے دل کو اللہ نے

اپنی کتاب سے مزین کر دیا۔ اور کفر کے بعد جس کو اللہ نے اسلام میں داخل فرما لیا جسے اللہ نے اپنی کتاب کے لیے چن لیا۔ وہ لوگوں کی باتوں میں مشغول نہیں رہا، بے شک قرآن سب سے اچھی بات ہے اور سب سے زیادہ دلوں میں اثر کرنے والی ہے جو اللہ سے محبت کرے تم اس سے محبت کرو۔ اپنے دلوں میں اللہ کی محبت بٹھاؤ۔ اللہ تعالیٰ کے کلام سے اور اس کے ذکر سے ملول یعنی تنگ دل نہ ہو جاؤ اور تمہارے دلوں میں اللہ کے ذکر کی طرف سے سختی نہ آ جائے (یعنی دل غافل نہ ہو جائیں) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے چن لیتا ہے اس نے کلام اللہ اور ذکر اللہ کو بہترین اعمال بتایا ہے۔ اس نے کلام اللہ کو اور اچھی بات کو اپنے بندوں کے لیے انتخاب فرمایا ہے اور جو لوگ اپنی زندگی میں کام کرتے ہیں اس کی تفصیل بتا دی ہے۔ حلال کیا ہے؟ اور حرام کیا ہے؟ اللہ سے ڈرو جیسے اس سے ڈرنے کا حق ہے جو باتیں تم کرتے ہوں ان میں نیک بات کو اختیار کرو اور اللہ تعالیٰ سے سچا معاہدہ اور معاملہ کرو۔ اللہ نے جو تمہارے درمیان رحمت پیدا فرمائی ہے اس کے ذریعے ایک دوسرے سے محبت کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ اس بات سے ناراض ہوتا ہے کہ اس سے معاہدہ کر کے توڑ دیا جائے۔



حضرت سلمان فارسیؓ کا قبول اسلام

حضرت سلمان فارسیؓ نے محمد ﷺ کے مدینہ آنے کے 5 دن بعد حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کیا اور اپنی کہانی بیان کی۔ ان کے والد آتش پرست تھے۔ گھر والوں کے برخلاف اُنہوں نے عیسائی مذہب قبول کر لیا۔ پھر شام آ گئے۔ وہاں ایک پادری کی خدمت میں رہے اس کی خوب خدمت کی، اس کی موت کا وقت آیا تو اس نے عراق میں مقیم ایک پادری کا پتہ بتایا، وہاں چلے گئے پھر اس نے ایک عموریہ کے پادری کے پاس بھیجا۔ اس نے نصیحت کی کہ اب تو دنیا شرک سے لبریز ہو چکی ہے۔ آخری نبی کے ظہور کا وقت ہے جو صحرائے عرب سے اُٹھ کر دین کو زندہ کریں گے۔ ان کی ہجرت گاہ کھجور کے جھنڈ والی سرزمین ہوگی۔ ان کی پہچان یہ ہے کہ ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ وہ ہدیہ قبول کریں گے مگر صدقہ قبول نہ کریں گے۔ اب وہ قافلوں کی تلاش میں رہے جو اُنہیں عرب لے جائے۔ خوش قسمتی سے بنی کلب کا قافلہ جا رہا تھا، اس میں شریک ہو گئے مگر سالار قافلہ کی نیت بدلی اور اس نے سلمان کو یثرب کے ایک یہودی کے ہاتھ فروخت کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس مقام پر پہنچا دیا جس کی ان کو تلاش تھی۔ ایک دن حضرت سلمان فارسیؓ کھجور کے درخت پر کام کر رہے تھے۔ نیچے آقا بیٹھا ہوا باتیں کر رہا تھا، اس نے اپنے دوست سے کہا خدا اوس و خزرج کو غارت کرے، یہ مکہ سے آئے ہوئے آدمی کو جو اپنے آپ کو نبی کہتا ہے اس کے پیچھے دیوانے ہوئے جا رہے ہیں۔ سلمان جلدی سے نیچے اُترے اور بات کی تصدیق چاہی، اس نے ایک زوردار تھپڑ رسید کیا اور کہا جاؤ اپنا

کام کرو۔ سلمان شام کو قبا پہنچ گئے اور نبی ﷺ کی خدمت میں یہ کہہ کر کھجوریں پیش کیں کہ یہ صدقہ کی ہیں تو اُنہوں نے دیکھا، آپ ﷺ نے وہ دوسرے ساتھیوں میں تقسیم کردیں اور خود نہیں کھائیں۔ پھر کچھ دن بعد حاضر خدمت ہوئے اور محمد ﷺ کی خدمت میں کھجوروں کا ہدیہ پیش کیا جسے آپ ﷺ نے قبول کرلیا اور کھالیا۔ اس طرح دو باتوں کی تصدیق ہوگئی۔ پھر کچھ دنوں کے بعد کسی جنازے کے لیے حاضر ہوئے اور حضور ﷺ کے گرد چکر کاٹنے لگے۔ حضور ﷺ بھانپ گئے، پشت مبارک سے چادر کھسکا دی۔ سلمان فارسیؓ نے عقیدت سے مہر نبوت کو چوم لیا، فوراً کلمہ پڑھ لیا جس کی تلاش تھی وہ مجسم سامنے تھا۔ پہلے ان کا نام ''مابہ'' تھا حضور ﷺ نے سلمان رکھا۔

اب آپ ﷺ نے ان کی آزادی کی بات یہودی سے کی تو اس نے 300 بار آور کھجور کے درخت اور 40/اوقیہ چاندی مانگی۔ حضور ﷺ نے انصار سے درخواست کی اور 300 درخت آ گئے۔ حضور ﷺ نے یہ سارے درخت خود اپنے ہاتھوں سے لگائے، دعا کی اور معجزاتی طور پر اگلے سال اس میں کھجوریں آ گئیں۔ 40اوقیہ چاندی بھی جمع ہوگئی اور وہ مرد حق آزاد ہوگیا۔ ان ہی کے بہترین مشورہ پر غزوۂ احزاب میں خندق کھودی گئی اور مسلمان اس میں فتح یاب ہوئے۔

نبی ﷺ نے فرمایا ''سلمان اہل بیت میں سے ہیں، وہ خود اپنا تعارف سلمان بن اسلام کراتے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''جو کسی روشن قلب اور پاک باطن کو دیکھنا چاہے، سلمان کو دیکھ لے۔'' آپ ﷺ نے ان کو سلمان الخیر بھی کہا۔

بئرِ رومہ کا وقف

ہجرت کے بعد ایک بڑا مسئلہ مہاجرین کے لیے میٹھے پانی کا انتظام تھا۔ وادی عقیق میں ایک کنواں ''بئرِ رومہ'' تھا، اس کا پانی میٹھا تھا۔ وہ ایک یہودی کی ملکیت تھا۔ وہ مہنگے داموں پانی فروخت کرتا تھا۔ حضور ﷺ نے اپیل کی ''کوئی ہے جو اس کنویں کو خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دے اور جنت میں اس سے بہتر کا مستحق ہو۔'' حضرت عثمانؓ نے ہامی بھری اور یہودی سے کنواں خریدنے گئے مگر وہ بیچنے پر راضی نہ ہوا۔ آخر کار حضرت عثمانؓ نے ایک بڑی قیمت پر آدھا کنواں بیچنے پر راضی کر لیا۔ اب مسلمان دو دن کا پانی بھر کے رکھ لیتے اور کوئی اس کی باری کے دن پانی لینے نہ جاتا۔ ناچار اس نے حضرت عثمانؓ سے درخواست کی کہ باقی آدھا کنواں بھی تم خرید لو۔ چنانچہ اُنہوں نے وہ باقی آدھا بھی خرید کر مسلمانوں کے لیے وقف کر دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''جو کسی پیاسے کو پانی پلاتا ہے، اللہ اس کو جنت کی خالص شراب پلائے گا۔''

مدینہ منورہ کے لیے خاص دعائیں

آپ ﷺ مدینہ منورہ تشریف لائے تو اس کی ہوا مرطوب اور موسم سخت تھا جس کی وجہ سے وبائی امراض کا حملہ ہوتا تھا۔ بہت سے مہاجرین مختلف امراض کا شکار ہو گئے۔ حضرت ابوبکرؓ، عامر بن فہیرہ اور حضرت بلالؓ کو سخت بخار نے آلیا۔ اب

سب مکہ کو یاد کرنے لگے اور مکہ سے اظہار محبت کر رہے تھے کہ کتنا اچھا تھا ہمارا مکہ۔ حضور ﷺ نے یہ سنا تو اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ''اے اللہ مدینہ کو ویسی ہی محبت عطا فرما جیسی مکہ سے تھی بلکہ اس سے بھی بڑھ کر عطا فرما۔ الٰہی مدینہ کے صاع اور مد (ناپنے تولنے کے پیمانے) میں برکت عطا فرما اور مدینہ کے بخار کو جحفہ بھیج دے۔ الٰہی میرے صحابہؓ کی ہجرت کو مکمل فرمائیے اور ان کو واپس نہ لوٹائیے۔'' (بخاری)

یہ دعا بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے مدینہ کو ''حرم'' قرار دیا۔ مرکز ایمان اور طاعون و دجال سے محفوظ قرار دیا اور بروں کو چھانٹ دینے والی سرزمین قرار دیا۔ اس کا پہلا نام ''یثرب'' تھا۔ جس کے معنی سنگلاخ اور شوریدہ جگہ ہے۔ صحابہؓ نے اس کا نام ''مدینۃ الرسول'' رکھا اور حضور ﷺ نے ''طیبہ اور طابہ'' رکھا۔

قیامت کے قریب جب دجال آئے گا تو زلزلہ آئے گا اور بہت سے مدینے کے لوگ (منافقین) اس سے جا ملیں گے گو کہ وہ مدینہ میں داخل نہ ہو سکے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''میرے گھر اور منبر کے درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے اور میرا منبر قیامت کے دن میرے حوض (کوثر) پر رہے گا۔ آج کل اتنی جگہ پر خاص قسم کے رنگ کی قالینیں بچھائی جاتی ہیں جو باقی مسجد کے قالینوں سے الگ رنگ کی ہوتی ہیں۔ وہاں عشاق رسول ﷺ شوق سے جاتے ہیں اور دعائیں مانگتے ہیں۔

میثاق مدینہ (مدینے کے معاہدے)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کے پہلے ہی سال جو بڑے بڑے کام کیے ان میں ایک بڑا کام معاہدوں کا تھا۔ یہاں کا ماحول مکہ سے بالکل مختلف تھا۔ وہاں یا تو دوست تھے یا دشمن۔ نفاق کا گزر نہیں تھا۔ مدینہ کے دو بڑے عربی قبیلے اوس اور خزرج تھے اور ان کے تحت چھوٹے چھوٹے قبائل تھے۔ یہ مدینہ کے اصل باشندے تھے۔ ان میں سے بہت سے لوگ مسلمان ہو چکے تھے۔ ان کے علاوہ یہودیوں کے 3 بڑے قبیلے بنو قینقاع، بنو نضیر اور بنو قریظہ آباد تھے۔ ان کے تحت بھی بہت سے چھوٹے چھوٹے قبیلے تھے۔ یہ لوگ دوسرے ممالک سے آ کر یہاں آباد ہوئے تھے۔ یہ بڑے شاطر لوگ تھے اُنہوں نے اپنی چالوں کے ذریعے سے عربوں کی دولت ہتھیا لی تھی۔ اب سارے کاروبار ان کے قبضے میں تھے۔ صنعتیں ان کے ہاتھ میں تھیں، وہ سودی کاروبار کرتے تھے اور عربوں کو سود میں جکڑ کر ان سے خوب مال وصول کرتے تھے۔ چور بازاری کرتے تھے، غذا کی مصنوعی قلت پیدا کرتے تھے۔ اوس و خزرج کو باہم لڑانا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ ان کو اپنی چالوں کے ذریعے جنگ میں مبتلا کرتے پھر اُنہیں سودی قرضوں پر ہتھیار سپلائی کرتے تھے۔ خود بھی کوئی قبیلہ ان کا اوس کا ساتھ دیتا اور کوئی خزرج کا۔ اس طرح عربوں کی عددی قوت بھی ختم ہو جاتی جو بچ جاتے، قرضوں کے جال میں پھنسے ہوتے اور کاشتکاری کر کے جو کماتے ان کے حوالے کرتے۔ یہاں تک کہ ان کے کھانے اور پینے کے اخراجات بھی پورے نہ

ہوتے۔ اس کسمپرسی کی حالت میں اوس وخزرج نے فیصلہ کیا کہ ان کو لڑائی چھوڑ دینی چاہیے اور دونوں قبیلے ایک آدمی عبداللہ بن ابی سلول کو اپنا بادشاہ بنانے پر متفق ہوگئے۔ ابھی اس کی تاج پوشی ہونا باقی تھی کہ محمد ﷺ مدینہ تشریف لے آئے اور لوگوں نے آپ ﷺ کو اپنا رہبر ورہنما تسلیم کرلیا۔ اس صورتحال نے عبداللہ بن ابی اور اس کے ساتھیوں کے دل میں محمد ﷺ اور ان کے ساتھیوں کے خلاف بغض و حسد وعداوت پیدا کردی۔ سازشیں شروع ہوگئیں، جس کے نتیجے میں منافقین کا ایک گروہ پیدا ہوگیا جو زبان سے اپنے آپ کو مسلمان کہتا تھا اور دل میں کفر رکھتا تھا۔ اس صورتحال میں نبی ﷺ نے بیرونی دشمنوں سے بچانے، اندرونی سازشی عناصر سے بچنے اور یہود کی فتنہ انگیزیوں سے نمٹنے کے لیے تمام قبائل کے سرداروں کو جمع کیا اور تحریری معاہدوں کی دستاویز تیار کرائی جس پر سب کے دستخط لیے گئے۔ یہ ہجرت کے پانچویں ماہ میں ہوا۔

یہ سب موجودہ حالات میں بھی پوری دنیا کے لیے مشعل راہ ہے۔ ایسے حقوق کی فراہمی کسی ملک کا آئین بنانے میں بہت مددگار ہیں۔ آپ ﷺ کی سیرت کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی معاہدہ کی خلاف ورزی نہیں کی۔ ہاں یہود نے بار بار خلاف ورزی کی۔ صلح حدیبیہ کے معاہدہ میں بھی قریش نے خلاف ورزی کی۔ جس نے خلاف ورزی کی اس کو سبق سکھا دیا گیا۔ مدینہ کے مسلمانوں نے یہ نہیں سوچا کہ ہم تو داعی ہیں، واعظ ہیں، لڑنے والے لوگ نہیں ہیں۔ صبر سے کام لینا چاہیے جو لوگ ہم پر ظلم کررہے ہیں، کرتے رہیں بلکہ جب جب ضرورت پڑی مسلمانوں نے تلوار اُٹھائی اور جم کر لڑے اور دشمنوں کو بتا دیا کہ مسلمان کو ختم کرنا

آسان نہیں ہے۔اب چونکہ جہاد اور قتال کا حکم بھی آ چکا تھا۔قرآن وسنت کے مطابق اسلامی جہاد کے مقاصد میں اپنے حقوق کا تحفظ ظالموں کو کیفرِ کردار تک پہنچانا، فتنہ و فساد کا خاتمہ اور کلمہ حق کو بلند کرنا نمایاں مقاصد ہیں۔

ریاست مدینہ کا داخلی اور خارجی انتظام

محمد ﷺ نے ہجرت کے پہلے ہی سال میں مدینہ میں اسلامی ریاست کی تشکیل مکمل کر لی اور ایک نظریاتی ریاست وجود میں آ گئی اور مدینہ کے سربراہ محمد ﷺ قرار پائے۔بنوعوف، بنوساعدہ، بنوحارث، بنوجشم، بنونجار، بنواوس، بنوخزرج۔غرض ایسے بہت سارے قبیلوں سے تحریری معاہدے کیے کہ وہ اپنی سرداریوں پر قائم رہیں گے مگر مہاجرین کے ساتھ مل کر مدینہ کی ریاست کا دفاع کریں گے۔اسی طرح کے معاہدے یہودیوں سے بھی کیے گئے کہ وہ اپنے دین پر رہ سکتے ہیں۔مسلمانوں کے ساتھ مل کر مدینہ کا دفاع کریں گے۔محمد ﷺ کی اجازت کے بغیر کوئی فوجی حملہ نہیں کیا جائے گا۔قریش مکہ اور اس کے حامیوں کو کوئی پناہ نہیں دی جائے گی۔ان تمام اقدامات اور ایسے ہی دوسرے اقدامات کی مکمل دستاویز تاریخ میں محفوظ ہے کہ محمد ﷺ نے کتنی دانش مندی سے ریاست کو داخلی انتشار سے بچانے کے لیے کیسے بہترین اقدامات کیے اور مدینہ کے سیاسی معاشی اور معاشرتی احوال پر دوررس اثرات مرتب ہوئے۔

قریش مکہ چین سے نہ بیٹھے اور نہ محمد ﷺ اور ان کو ساتھیوں کو چین سے بیٹھنے دیا۔ اُنہوں نے انصار کے نام خط لکھا جس میں ان کو دھمکی دی گئی کہ محمد اور ان کے ساتھیوں

اور ہمارے درمیان سے تم ہٹ جاؤ۔ ورنہ تم نتائج کے ذمہ دار ہو گے۔ اسی طرح ایک خط میں اوس وخزرج کے وہ لوگ جو عبداللہ بن ابی کے ساتھ تھے، ان کو بھی بھڑکایا گیا کہ اس (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کر ڈالو یا نکال باہر کرو۔ انصاریوں نے تو ان کو مایوس کر دیا تھا مگر اُنہوں نے مایوس نہ کیا بلکہ ہتھیار سجا کر جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ چنانچہ ابو داؤد کی روایت کے مطابق محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فوراً ان کے پاس تشریف لے گئے اور مذاکرات کے ذریعے مسئلے کو حل کر دیا۔ فرمایا ''قریش نے تمہارے ساتھ زبردست چال چلی ہے، تم ان کی دھمکی میں آ گئے تو تمہارا ہی نقصان ہوگا۔ یہ مسلمان تمہارے ہی باپ بھائی بیٹے ہیں، کیا ان کو قتل کرو گے، تم ان کی بات ماننے سے انکار کر دو، یہ بات ان کی سمجھ میں آ گئی اور وہ ایسے قتل وقتال سے باز آ گئے۔ اسی طرح مشرکین مکہ نے یہودیوں کو بھی خط لکھا کہ تم تو مال و دولت اور قلعوں کے مالک ہو، ختم کر دو ان سارے لوگوں کو۔ مگر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا بھی بروقت استیصال کر دیا۔ ہوش مند سیاست دان حالات پر کڑی نظر رکھتا ہے اور خانہ جنگی برپا ہونے سے اپنی ریاست کو بچاتا ہے کیونکہ اگر گھر ہی محفوظ نہیں ہے تو باہر کیا خاک ریاست کی توسیع کر سکیں گے۔

اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف ٹیمیں ترتیب دیں جو ریاست مدینہ کے اطراف میں گھومتی رہتی تھیں تاکہ کہیں سے کوئی حملہ کرنے کی کوشش کرے یا اپنے جاسوس مدینہ میں داخل کرنے کی کوشش کرے تو اس کا سدباب ہو سکے اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک اطلاعات پہنچتی رہیں۔

(غزوات وسرایا)

غزوۂ ذی العُشَیرَہ

جمادی الاخریٰ، 2 ہجری میں ابوسفیان کی سرکردگی میں شام جانے والے قافلے کی خبر سن کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم 200 مہاجرین کے ساتھ گئے، قافلہ جا چکا تھا۔ یہاں قبیلہ بنی مدلج نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوستی کا معاہدہ کیا۔

غزوۂ بدر اولیٰ: مکہ کے کافر سردار کرز بن جابر فہری نے مدینہ کی چراگاہ پر رات کو حملہ کیا۔ نگراں صحابیؓ کو قتل کر کے بہت سے اونٹ اور بکریاں ہنکا لے گئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ہوئی، ان کے تعاقب میں نکلے، بدر کے قریب تک پہنچ گئے مگر وہ نہ مل سکا۔ کرز بن جابر بعد میں اسلام لے آئے۔

جب حالات بہت کشیدہ ہوں، کھنچاؤ والے ہوں، اور جنگ ناگزیر لگنے لگے، دشمن کمزور سمجھ کر مختلف حیلے بہانوں سے دھمکا رہا ہو تو ہر ملک اپنی سرحدوں کی دفاع کے لیے مناسب انتظام کرتا ہے۔ آج کے دور میں بھی اپنے ملک پر سے گزرنے والی فلائٹ پر پابندی لگا دی جاتی ہے، سرحدی جھگڑوں کا استیصال کیا جاتا ہے۔ اگر Marine فوجی کوئی حرکت کریں تو ان کا بھی جواب دیا جاتا ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اگر لشکر بھیجے تو دشمنوں نے اس کو لوٹ مار کا نام دے دیا اور ہم مسلمانوں نے اسے قبول بھی کر لیا۔ یہ تو اپنے دفاع کی بہترین تدابیر اور بیدار مغزی کی حکمت عملی تھی جو

نبی ﷺ نے اختیار کی۔ غزوات کا مقصد حضور ﷺ کے نزدیک لوگوں کا خون بہانا نہیں تھا بلکہ ان مفسد لوگوں کو بے بس کرنا تھا۔ ڈاکٹر حمید اللہ صدیقی اپنی کتاب ''عہد نبوی کے میدان ہائے جنگ'' میں لکھتے ہیں کہ حضور ﷺ کی سیاست قریش کو تباہ اور نیست و نابود کرنے کی نہ تھی بلکہ اپنے کو محفوظ رکھ کر انہیں بے بس اور مغلوب کرنے پر مشتمل تھی۔'' مکہ والوں کی تجارتی شاہراہوں پر ناکہ بندی کر کے ان کا زور توڑ دیا۔

معاہداتی رابطوں کے ذریعے مختلف قبائل کو دشمن سے توڑ کر اپنے ساتھ ملا لیا۔ اس لیے کہ بے بس ہو کر یا تو وہ مزاحمت چھوڑ دیں یا تعاون کریں۔ اپنے جاسوس کے دستے اطراف میں بھیج کر تمام خبروں سے مطلع رہتے تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو اس قافلے کی خبر مل گئی جو تجارتی تھا، پھر وہ بحفاظت نکل گیا مگر قریشیوں کا غرور کہ اس نئی ریاست کو ختم کر کے دَم لیں گے، اُنہیں میدان جنگ میں لے آیا۔

مدینہ کی حدود

مدینہ شہر دس میل لمبے اور دس میل چوڑے میدان پر پھیلا ہوا تھا۔ فاصلے فاصلے پر چھوٹی چھوٹی بستیاں آباد تھیں۔ یہ حصہ جوف مدینہ کہلایا اور اسی کو ''حرم'' قرار دیا۔ مدینۃ النبی جہاں مسجد نبوی ﷺ اور حجرات نبوی تھے اور جو Capital تھا، وسطی حصہ میں واقع تھا۔ اس کے جنوب میں گھنے باغ، جنوب مشرق میں قبا اور عوالی کی بستیاں، باغوں کے ساتھ تھیں۔ جنوب مغرب میں بھی آبادیاں تھیں۔

مدینہ کی حدود حرم محفوظ کرنے کے لیے حضور ﷺ نے کعب بن مالک ؓ کو مامور فرمایا کہ حرم مدینہ کی بلندیوں پر منارے (علم) تعمیر کراؤ چنانچہ اُنہوں نے ذات الجیش (حصیرا پہاڑی) کے ٹیلوں پر، حصیر ب (ذات الجلیل) محیض کے پہاڑوں پر صفا میں، ذوالعشیر کے مقام پر اور تیم پہاڑ پر جا بجا علامتیں برجیاں تعمیر کرائیں، جن کے کھنڈرات آج بھی موجود ہیں۔

رسول ﷺ کا یہود و نصاریٰ سے بین المذاہب مکالمہ
(Interfaith Dialogue)

یثرب میں محمد ﷺ قیام فرما تھے کہ نجران سے 60 عیسائیوں کا ایک وفد مدینۃ النبی آیا۔ یہ بڑے اہل علم تھے، ان کی بڑی قدر و منزلت تھی۔ یہاں تک کہ ان کے تقدس کی وجہ سے روم کے عیسائی بادشاہ بھی ان کی تعظیم کرتے تھے۔ اس طرح مدینہ میں یہود،

عیسائی اور مسلمانوں کی یہ اجتماعی میٹنگ منعقد ہو رہی تھی۔ بظاہر تو اس کا مقصد اپنے اپنے مذہب کا روحانی مؤقف واضح کرنا تھا۔ بے شک محمد ﷺ کے سامنے تو یہ ہی مقصد تھا مگر ان دونوں مذاہب کے معتقدین کے پیش نظر سیاسی اور مالی منافع بھی پیش نظر تھے۔ عیسائی چاہتے تھے کہ اسلام اور یہودیت کے درمیان لڑائی طول پکڑے اور اس طرح یمن یہود اور عربوں کی برتری سے آزاد ہو جائے۔ ان کو جو عربوں کی برتری اُبھرتی نظر آ رہی تھی، یہودیوں کو بھی اپنی برتری ثابت کرنے پر سیاسی اور مالی فوائد کی توقع تھی۔ بہرحال بات چیت شروع ہوئی۔ ہر ایک نے اپنے اپنے دلائل پیش کیے۔

(1) یہودیوں نے حضرت مسیح علیہ السلام اور محمد ﷺ کی رسالت کا انکار کیا اور برسرِ عام حضرت عزیر علیہ السلام کے ابن اللہ ہونے کا اقرار کیا۔

(2) عیسائیوں نے 3 خداؤں کا عقیدہ پیش کیا اور عیسیٰ علیہ السلام کو ''خدا'' ماننے کا اقرار کیا۔

(3) رسول ﷺ نے صرف خدا کی وحدانیت کا اقرار کیا۔

اس کے بعد یہود و نصاریٰ نے مل کر یہ سوال کیا کہ آپ گزرے ہوئے انبیاء میں سے کس کس نبی کی رسالت کے قائل ہیں۔

جس پر محمد ﷺ نے سورۃ البقرۃ کی آیت 136 پڑھ کر سنائی۔

ترجمہ: ''ہم اللہ پر ایمان لاتے ہیں، قرآن پر ایمان لاتے ہیں جو ہم پر نازل ہوا ہے، ان تمام تعلیمات پر ایمان لاتے ہیں جو ابراہیم، اسماعیل، اسحٰق، یعقوب اور اولاد یعقوب کو دی گئیں، جو موسیٰ اور عیسیٰ کو دی گئیں اور جو تمام نبیوں کو ان کے رب کی طرف سے دی گئیں، ہم کسی کا بھی انکار نہیں کرتے اور ہم اللہ سبحانہٗ کی ہر تعلیمات پر سر جھکاتے ہیں۔''

پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہود و نصاریٰ کو مخاطب کر کے فرمایا۔

(1) تم دونوں مذاہب کے لوگو! اپنی اپنی کتاب میں تحریف کے مرتکب ہو۔

(2) تم جن نبیوں پر ایمان لانے کے دعوے دار ہو تمہارا عمل ان کی تعلیمات سے مختلف ہے۔

(3) حضرت موسیٰ علیہ السلام اور دوسرے نبیوں کی تعلیمات میں بال برابر فرق نہیں۔

اس کے بعد وحی الٰہی کے ذریعے آپ سے کہا گیا کہ سورۃ آل عمران آیت 64 پڑھیں۔

ترجمہ: ''اے نبی یہود و نصاریٰ سے کہہ دو کہ اہل کتاب آؤ اس بات کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان یکساں ہے یعنی اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور کسی بھی ہستی کو اُس کا شریک نہ ٹھہرائیں۔ ہم میں سے ایک انسان دوسرے انسان کو اللہ کو چھوڑ کر اپنا رب نہ بنالیں۔ پس اگر وہ روگردانی کریں تو کہہ دو گواہ رہو کہ بے شک ہم اللہ کے آگے سرِ اطاعت جھکانے والے ہیں۔''

سب دَم بخود بیٹھے تھے کوئی جواب نہ بن پڑا۔ تو ان میں سے ایک بہترین عالم ابو حارثہ نصرانی اپنے ساتھی کے کان میں بولا۔ ''جناب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو کچھ فرماتے ہیں، وہ سچ ہے وہ صحیح ہے۔'' تو اس کے ساتھی نے کہا۔ ''پھر تم اس پر ایمان کیوں نہیں لار ہے۔'' اس نے کہا ''مجھے اپنی قوم کا رویہ روکتا ہے، میری قوم میری تعظیم و توقیر کرتی ہے۔ مگر وہ خود اسلام کی منکر ہے اگر میں مسلمان ہو گیا تو میرے سارے اعزازات ختم ہو جائیں گے۔''

بالکل اسی طرح آج بھی ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام کی حقانیت پر ایمان لانے کے باوجود لوگ اسلام کا اقرار نہیں کرتے۔ کسی کو اس کا عہدہ روک رہا ہے تو کسی پر مال و زر کی کشش

حاوی ہوجاتی ہے، کسی پر اس کا نام ونمود اس کی بصیرت پر چھا جاتا ہے۔

آخر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دونوں سے کہا اگر تم ایمان نہیں لاتے تو آؤ مباہلہ کریں۔ تم بھی اپنے گھر والوں کو لے آؤ اور میں بھی اپنے اہل بیت کو لے آتا ہوں۔ ہم ایک کھلے میدان میں بیٹھتے ہیں اور کہتے ہیں اللہ جھوٹے کو ہلاک کردے، اس پر اللہ کی لعنت ہو۔ اس پر یہود نے کہا۔ ''ہم تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے معاہدہ کے پابند ہیں، اس مباہلہ میں شریک نہ ہوں گے۔ مگر نصاریٰ وعدہ کے مطابق کھلی جگہ آنے کی ہمت نہ کر سکے کیونکہ ان کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رسالت کا یقین تھا اور یہ بھی یقین تھا کہ وہ سب ہلاک ہوجائیں گے۔ وہ اس بات پر راضی ہوئے کسی امین کو ہمارے ساتھ بھیج دیجیے جو ہمارے درمیان جو اختلافات ہیں ان کو سلجھائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ابوعبیدہ بن الجراح رضی اللہ عنہ کو ان کے ساتھ بھیج دیا۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امت کو دعوت کا طریقہ سکھا گئے ہیں، کہ اسلام کی دعوت صحیح طور پر کس طرح پیش کرنی ہے۔ ان تعلیمات میں نہ کمی کرنی ہے اور نہ زیادتی۔ جو نہ مانے اس پر جبر نہیں اور جہاں انتہائی ضرورت ہو مباہلہ کا طریقہ اختیار کیا جائے جو مان لے اس کو دل سے قبول کرلیا جائے۔

غزوۂ بدر

یہ اسلام کی باطل کے خلاف پہلی لڑائی ہے جو 17 رمضان المبارک 2 ہجری کو لڑی گئی۔ قرآن مجید میں بھی قتال کا حکم آ چکا تھا۔ (البقرہ 216، الحج 41,39)

مشرکین و کفار، مکہ سے محمد ﷺ کے صحیح سلامت بچ کر نکل جانے پر تلملا رہے تھے اور موقع ڈھونڈ رہے تھے کہ اس نئی ابھرتی ہوئی قوت کو کیسے ختم کر دیں۔ ان ہی دنوں ابوسفیان کی قیادت میں ایک بڑا تجارتی قافلہ شام سے مکہ کی طرف جا رہا تھا۔ راستے میں انہیں خوف ہوا کہ یثرب والے اس پر حملہ نہ کر دیں۔ اس لیے اس نے آدمی بھیج کر مکہ پیغام بھجوایا کہ اس قافلے کی حفاظت کے لیے آدمی بھیجے جائیں۔ اس پکار پر 1000 کا لشکر ابوجہل کی قیادت میں جمع ہو گیا۔ جو ساز و سامان اور اسلحہ سے لیس تھا۔ ادھر ابوسفیان نے راستہ بدل لیا۔ اور جب وہ خطرے کی حدود سے باہر ہو گیا تو اس نے پیغام بھیجا اب لڑائی کی ضرورت نہیں۔ عتبہ بن ربیعہ نے قافلہ کو روکنے کی کوشش بھی کی مگر ابوجہل راضی نہ ہوا اور لشکر لے کر مدینہ کا رخ کیا۔

محمد ﷺ بھی اس تیاری سے بے خبر نہ تھے۔ آپ ﷺ نے انصار اور مہاجرین کو جمع کیا۔ اور ان سے مشاورت کی۔ مہاجرین میں مقداد بن عمرو کھڑے ہوئے اور انہوں نے کہا۔ جس طرف آپ حکم دے رہے ہیں اسی طرف قدم اٹھائیے۔ آپ ﷺ جس طرف بھی جائیں گے ہم آپ کے ساتھ جائیں گے۔ بنی اسرائیل کی طرح نہ کہیں گے کہ تم اور تمہارا خدا جا کے لڑو۔ ہم تو یہاں بیٹھے ہیں۔ جب تک ہم میں ایک آنکھ بھی گردش کر رہی ہے ہم میدان جنگ سے پیچھے نہ ہٹیں گے۔"

حضور ﷺ نے یہ بات سن کر ان کو دعا دی پھر اپنی بات دہرائی۔ ایک تجارتی قافلہ شمال کی طرف ہے دوسرا لشکر جنوب کی طرف سے آرہا ہے۔ مشورہ دو کہ کس کے مقابلہ پر چلنا چاہیے۔ حضرت سعد بن معاذ نے عرض کیا۔ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ صلی السلام جو کچھ لائے ہیں سچ لائے ہیں، ہم نے سمع واطاعت کا پکا عہد کیا ہے۔ اس لیے آپ نے جو فیصلہ کیا ہے اس کے مطابق اقدام کیجیے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو حق دے کر بھیجا ہے، اگر آپ ﷺ ہمیں لے کر سمندر پر جا پہنچیں گے اور اس میں اُتر جائیں گے تو ہم آپ ﷺ کے ساتھ سمندر میں اُتر جائیں گے۔ ہم میں سے ایک شخص بھی پیچھے نہ رہے گا۔ دشمن سے بھڑ جانے میں ہمیں کوئی عذر نہیں ہے۔ ہم جنگ میں استقامت دکھائیں گے۔ سبھی جاں نثاری دکھائیں گے۔ کچھ بعید نہیں کہ اللہ ہم سے ایسے کارنامے انجام دلوا دے کہ آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہو جائیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے جنگ کی عام منادی کرا دی۔ کل 313 آدمی جمع ہوئے اور ان کے لیے 3 گھوڑے، 70 اونٹ تھے۔ 60 زرہیں تھیں۔ شوق شہادت اور جذبہ جہاد سے بھرپور کم سن نوجوانوں نے بھی شرکت کی اجازت چاہی جن میں 15 سالہ عمیر بن وقاص تھے جو سعد بن ابی وقاص کے بھائی تھے۔ جب ان کو واپس جانے کو کہا گیا تو حسرت سے بولے، زندگی کا کیا بھروسہ شہادت میری منتظر ہے تو ان کو اجازت مل گئی پھر وہ غزوہ بدر میں شہید ہوئے۔ حضور ﷺ نے حضرت علی، حضرت زبیر بن عوام اور سعد بن ابی وقاص کو لشکر کے آگے بھیجا کہ راستے کی خبر گیری کریں۔ چنانچہ وہ دو آدمی پکڑ کر لائے جو اونٹوں پر پانی لاد کر جا رہے تھے۔ اُنہوں نے کہا "ہم ساقی قریش ہیں، پھر ان سے پوچھا گیا کتنے لوگ ہیں، اُنہوں نے کہا ہمیں تعداد نہیں پتہ مگر بہت زیادہ ہیں۔ حضور ﷺ نے پوچھا

"روز کتنے اونٹ ذبح کرتے ہیں اُنہوں نے کہا ایک دن نو اور ایک دن دس ۔ حضور ﷺ نے فرمایا وہ 900 اور 1000 کے درمیان ہیں ۔ سرداران قریش میں سے کون کون لشکر میں شامل ہے ۔ اُنہوں نے تمام بڑے سرداروں کے نام لئے ۔ نبی ﷺ نے فرمایا ۔ مکہ نے اپنے جگر گوشے تمہارے سامنے پھینک دیئے ہیں ۔ پھر پوچھا ۔ قریش کا لشکر اس وقت کہاں ہے؟ بتایا پہاڑ کے اس طرف ہے ۔

تین آدمیوں کی سواری کے لیے ایک اونٹ تھا ۔ حضور ﷺ بھی اپنے ساتھیوں کے ساتھ باری باری سوار ہوتے تھے ۔ ساتھیوں نے چاہا کہ وہ پیدل چلیں اور حضور ﷺ اونٹ پر سوار رہیں مگر حضور ﷺ نہ مانے اور جواب دیا نہ تم مجھ سے زیادہ طاقتور ہو اور نہ میں اجر کے معاملے میں تم دونوں سے زیادہ بے پرواہوں ۔ اس طرح فوج کا سپہ سالار اعظم اللہ کا نبی ایک عام سپاہی کی طرح کبھی پیدل چلتا اور کبھی اونٹ پر سوار ہو جاتا ۔

میدان بدر پہنچ کر حضرت خبابؓ نے رائے دی کہ خیمے بدر کے کنویں کی طرف لگائے جائیں گے تو ایک تو پانی پر ہمارا قبضہ ہوگا ، دوسرے بارش ہوگئی تو جگہ اونچی اور چٹیل ہونے کی وجہ سے خشک رہے گی ۔ حضور ﷺ نے ان کی رائے کے مطابق خیمے لگوائے ، ان کی تعریف کی ان کو "ذوالرائے" کے لقب سے نوازا ۔

حضرت سعد بن معاذؓ نے مشورہ دیا کہ حضور ﷺ کے لیے ایک بلند مقام پر "عریش" یعنی (کمانڈ پوسٹ) بنائی جائے ۔ عریش کے قریب تیز رفتار اونٹنیوں اور گھوڑوں کا بھی انتظام کیا گیا تھا تاکہ فتح کی صورت میں جلد از جلد خوشخبری مدینہ پہنچائی جائے اور شکست کی صورت میں حضور ﷺ کو بحفاظت مدینہ پہنچا دیا جائے ۔ حضور ﷺ نے ان کی تعریف فرمائی اور ان کو فتح کی خوشخبری دی ۔

اس رات حضور ﷺ نے گڑگڑا کر دعائیں کیں۔ حضور اکرم ﷺ کی دعاؤں کا تفصیلی ذکر حدیث کی کتابوں میں ملتا ہے۔ جب آپ ﷺ دعا کر رہے تھے تو آنکھوں سے مسلسل آنسو بہہ رہے تھے، محویت میں چادر بار بار کندھے سے گر جاتی تھی۔ آپ ﷺ نے یہ دعا مانگی۔ ''اے اللہ! یہ قریش کے لوگ ہیں، جو اپنے تکبر و غرور کے ساتھ آئے ہیں تاکہ تیرے رسول کو جھوٹا ثابت کریں۔ اے اللہ جس مدد کا تو نے مجھ سے وعدہ کیا ہے، اب وہ بھیج دے۔ اے اللہ! اگر یہ مٹھی بھر جماعت ہلاک ہوگئی تو روئے زمین پر کہیں تیرا نام لینے والا نہ ہوگا۔ اے اللہ کل ان لوگوں کا کام تمام کر دے۔''

تمام صحابہؓ بھی دعا ذکر اور نماز میں مشغول تھے۔ اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کر رہے تھے۔ اپنی جاں نثار کرنے کے وعدے کر رہے تھے۔ وہ رات تاریخ کی عجیب رات تھی، جس میں ایک طرف تو اہل ایمان، اللہ کے حضور عاجزی کے ساتھ دعا میں مصروف تھے اور دوسری طرف کافروں کے کیمپ میں جس میں 1000 لوگ تھے، ان کے پاس 600 زرہیں تھیں 100 گھوڑے تھے جنگی سامان تلواریں برچھیاں وغیرہ لاتعداد تھے۔ اونٹوں کا ایک جم غفیر تھا۔ شرابوں کے مٹکے تھے، گانے ناچنے والی لونڈیاں تھیں جو طاقت کے نشے میں چور تھے، جاہلیت کو بچانے آئے تھے، خوب ضیافتیں تھیں، ناچ گانے تھے جنگی ترانے تھے، بہکے ہوئے نوجوانوں کا غل غپاڑہ تھا، شور ہنگامہ تھا۔ قدرت الٰہی کے سامنے یہ دونوں منظر تھے۔

حضور ﷺ کی حالت دیکھ کر ابوبکرؓ پریشان ہوگئے۔ رات آپ ﷺ کو تسلی دینے لگے۔ حضور ﷺ نے سجدہ سے سر اُٹھایا اور فرمایا ''اے ابوبکر! خوشخبری سن لو جبرئیلؑ آئے کھڑے تھے۔ فرشتوں کی جماعت صف بستہ حاضر تھی۔ دعائیں قبول

ہوگئی تھیں۔ یہاں دعا کا فلسفہ بھی سمجھ میں آ گیا کہ پہلے اپنا سب کچھ نذر کے لیے پیش کر دو یعنی اپنے پورے وسائل اکٹھے کر لو، پھر دست دعا پھیلاؤ تو در قبولیت کھلتا ہے اور بظاہر ناممکن ممکن ہو جاتا ہے۔

آپ ﷺ نے اسلحہ کی کمی کی وجہ سے جنگی ہدایات دیں کہ دشمن قریب ہو تو برچھی کا استعمال کرنا جب بالکل سامنے آ جائے تو تلوار کا استعمال کرنا، تیر اس وقت چلانا جب دشمن بالکل نشانہ پر ہو اور جان رکھنا کہ جو بندہ گھمسان کی جنگ میں صبر و ہمت دکھاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کے لیے آسانی پیدا کرتا ہے۔

چنانچہ اگلی صبح جنگ شروع ہوئی۔ مسلمانوں نے بہادری و شجاعت جاں نثاری اور فداکاری کے بے مثال نمونے پیش کیے۔ مدینہ سے نکلے ہوئے جس شوق شہادت سے وہ سرشار تھے میدان بدر میں اُنہوں نے اس کا عملی مظاہرہ کیا۔ معاذ اور معوذ دو نوں نوعمر لڑکے (عمریں 14 اور 15 سال) اُنہوں نے عبداللہ ابن مسعودؓ سے پوچھا کہ ''ابوجہل کون سا ہے، ان میں۔'' تو اُنہوں نے اشارہ کیا وہ ہے جس کے گرد بہت تلوار اُٹھائے لوگ موجود ہیں۔ مگر تم کیوں پوچھ رہے ہو؟ اُنہوں نے کہا ''ہم اس کو قتل کریں گے کیونکہ وہ محمد ﷺ کو گالی دیتا ہے۔ پھر وہ اس بھیڑ میں گھس گئے اور اس زور سے تلوار ماری کہ ابوجہل کی ٹانگ کٹ گئی مگر پلٹ کر اس کے بیٹے نے تلوار چلائی جس معاذ کا بازو کٹ گیا۔ بعد میں عبداللہ بن مسعودؓ نے ابوجہل کا سر تن سے جدا کیا اور حضور ﷺ کی خدمت میں لا پھینکا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''یہ اس امت کا فرعون تھا۔''

محمد ﷺ بھی بہ نفس نفیس اس جنگ میں ساتھ ساتھ لڑتے رہے اور حضرت زبیر

بن عوامؓ کے سامنے بنو امیہ کا مشہور جنگجو جو سر سے پیر تک زرہ میں ملبوس تھا، صرف آنکھیں نظر آ رہی تھیں، حضرت زبیرؓ نے ایسا تاک کر برچھی اس کی آنکھ میں ماری کہ برچھی اس کی کھوپڑی چیرتی ہوئی باہر نکل گئی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ حضرت زبیرؓ نے برچھی اس کی لاش سے نکالی تو وہ مڑ چکی تھی۔ حضور ﷺ نے وہ برچھی حضرت زبیرؓ سے مانگ لی اور آخری وقت تک آپ ﷺ کے پاس رہی۔ بعد میں چاروں خلفاء یادگار کے طور پر اس کو اپنے پاس رکھتے رہے، پھر وہ ان کے بیٹے عبداللہ ابن زبیرؓ کے پاس رہی۔ حضرت زبیرؓ کی برچھی کا نام تاریخ میں ''عنزہ'' بتایا گیا ہے، اسی نام پر پاکستان نے اپنی مشہور میزائل کا نام ''عنزہ میزائل'' رکھا ہے۔

حضرت عکاشہ بن محصن بھی بڑے دلیر تھے۔ دوران جنگ ان کی تلوار ٹوٹ گئی تو حضور ﷺ نے ان کو ایک کھجور کی چھڑی عنایت کی اور کہا جاؤ اس سے لڑو۔ یہ حضور ﷺ کے معجزات میں سے ہے کہ عکاشہؓ نے اس تلوار سے بہت لوگوں کو جہنم رسید کیا اور اسی معجزانہ تلوار کے ساتھ محمد ﷺ کی معیت میں بہت سی جنگوں میں شریک ہوئے اور اپنی شجاعت کے جوہر دکھائے۔ یہ آپؓ کے ہاتھ میں آتے ہی تلوار بن گئی تھی، تیز دھار چمکدار، اس کا نام تاریخ میں ''العون'' مشہور ہوا۔

جنگ بدر میں 14 یا 22 مسلمان شہید ہوئے اور کافروں کے 70 سردار مارے گئے، بھاگتے ہوئے لوگوں میں سے 70 قید ہوئے۔ بے تحاشا مال غنیمت ہاتھ آیا اور آس پاس کے قبائل پر مسلمانوں کی دھاک بیٹھ گئی۔ حضور ﷺ نے تمام کافروں کو ایک ویران کنویں میں پھنکوا دیا اور وہاں کھڑے ہو کر کہا۔ ''اے لوگو! میرے رب نے جو مجھ سے وعدہ کیا تھا، میں نے اسے سچا پایا۔ تم بتاؤ کیا تم نے بھی اپنے رب کے

وعدہ کو سچا پایا۔ صحابہؓ نے عرض کیا۔ یارسول اللہ ﷺ یہ تو مر چکے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا جو میں نے کہا اُنہوں نے سن لیا ہے۔

جنگ بدر اہل ایمان کے لیے بڑا امتحان تھا۔ ان کے سامنے ان کے باپ، بھائی، بیٹے اور رشتہ دار تھے مگر ان اللہ کے بندوں نے اللہ کو مقدم رکھا، ان کی تعریف قرآن میں آئی ہے:

وہ لوگ جو ایمان لائے سب سے بڑھ کر اللہ کو محبوب رکھتے ہیں۔
(البقرۃ آیت 165)

اور بلاشبہ نبی تو اہل ایمان کے لیے ان کو اپنی ذات پر مقدم ہے۔
(سورۃ الاحزاب آیت 6)

حضرت مصعبؓ کے مقابلے پر ان کا بھائی عبید آیا تو اُنہوں نے اسے قتل کر دیا۔ دوسرا بھائی جب بھاگنے لگا تو اس کو گرفتار کرنے میں انصاری صحابی کی مدد کی۔ حضرت ابو عبیدہؓ کے سامنے ان کے والد عبداللہ بن جراح آئے تو وہ اسے بچانے کے لیے مڑے مگر وہ دشمن اسلام تھا عبیدہ بن جراحؓ کو اسلام دشمنی کے کلمات کہنے لگا تو اُنہوں نے اسے قتل کر دیا۔ حضرت ابوعبیدہ بن جراحؓ کو حضور ﷺ نے ''امین امت'' کا لقب عطا کیا کہ اُنہوں نے باپ کی محبت کے مقابلے میں اسلام سے وفاداری کا مظاہرہ کیا۔ یہ امانت و دیانت کی بہترین مثال ہے۔ وہ عشرۂ مبشرہ میں بھی شامل ہوئے۔

حضرت عمرؓ نے اپنے ماموں عاص بن ہشام (ابوجہل کا بھائی) کو تہہ تیغ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ نے اپنے بیٹے عبدالرحمٰن جو بعد میں مسلمان ہوئے، ایک دن اُنہوں نے کہا اباجان بدر میں آپ میری تلوار کے سامنے آئے مگر میں نے آپ کو چھوڑ دیا۔ حضرت

ابوبکرؓ کی ایمان پرور آواز گونجی بیٹا اگر تم میرے سامنے آتے تو میں تمہیں کبھی نہ چھوڑتا۔

جب فتح ہوگئی تو یہ خبر لے کر زید بن حارثہؓ کو بھیجا گیا۔ اُنہوں نے جا کر قائم مقام امیر حضرت ابولبابہؓ کو یہ خوشخبری سنائی۔ اُن کے چہرے پر رنجیدگی تھی کیونکہ آپ نے اسی وقت یہ خبر سنی تھی کہ حضور ﷺ کی صاحبزادی بی بی رقیہ انتقال فرما گئی ہیں۔ بس ایک منافق نے جو یہ کیفیت دیکھی تو وہ خبریں جو پہلے اُنہوں نے مشہور کر رکھی تھیں کہ مسلمانوں کو شکست ہونے والی ہے ان پر یقین کر بیٹھے، زید بن حارثہؓ، حضور ﷺ کی اونٹنی قصویٰ پر سوار ہو کر آئے تھے تو ان کو یقین ہو گیا اور یہ خبر تیزی سے گردش کرنے لگی کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی جام شہادت نوش کر چکے ہیں اور صرف یہ دو افراد بچے ہیں۔ یہودیوں اور منافقوں میں خوشی کی لہر دوڑ گئی اور مسلمانوں کے تمام گھرانے چونکہ ابھی صحیح خبر سے مطلع نہ ہوئے تھے، رنجیدہ ہوئے۔ جنگ یقیناً کل بھی اسلحہ اور پروپیگنڈہ کے زور پر لڑی جاتی تھی اور آج بھی سوشل میڈیا کے ذریعے لڑی جاتی ہے کیونکہ یہ مخالفانہ سوشل میڈیا آج بھی حوصلے پست کرنے میں بڑا مددگار ہوتا ہے۔ اگر مخلصانہ پروپیگنڈہ کیا جائے تو یہ حوصلہ بڑھانے میں کام آ سکتا ہے۔ حضرت زیدؓ کے دس سالہ بیٹے اُسامہؓ نے جو ایک منافق کو اس بات کو پھیلانے میں پیش پیش دیکھا تو اس سے کہا ''اے اللہ کے دشمن سن لے، حضور اکرم ﷺ آنے ہی والے ہیں، ہم تجھے ان کے سامنے پیش کریں گے اور درخواست کریں گے کہ تیری گردن اُڑا دی جائے۔ یہ سن کر وہ کانپنے لگا اور بولا لوگ ایسا کہہ رہے تھے میں نے بھی کہہ دیا۔ اس واقعہ کا ذکر کرنے کا خصوصی مقصد یہ تھا کہ کیسے رسول ﷺ کے تربیت یافتہ چھوٹے بچے بھی حق کو پھیلانا اپنی ذمہ داری سمجھتے تھے اور اپنے شعور کا سکہ کیسے کافروں کے دل پر بٹھا دیا کرتے تھے۔

تین دن بعد حضور ﷺ واپس مدینہ آئے۔ ساتھ میں مال غنیمت بھی تھا اور قیدی

بھی تھے۔ آپ ﷺ نے آ کر صحابہؓ سے قیدیوں کے بارے میں مشورہ کیا تو سعدؓ بن معاذ اور حضرت عمرؓ کی یہ رائے تھی کہ ان سب کو قتل کر دیا جائے تا کہ کفر کی جڑ کٹ جائے۔ مگر حضور ﷺ کو حضرت ابوبکرؓ کا مشورہ پسند آیا کہ ان سے فدیہ لیا جائے تا کہ مسلمانوں کی مالی حالت مضبوط ہو اور مزید یہ کہ ان کو چھوڑ دیا جائے۔ ممکن ہے ان میں سے لوگ مسلمان ہو جائیں اور ہمارے دست و بازو بنیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ان میں سے 18 مسلمان ہوئے اور بعد میں اسلام کے لیے کارنامے سرانجام دیئے۔ کوئی جیل اس وقت نہ تھی اس لیے حضور ﷺ نے ایک آدمی کو ایک گھر پر بانٹ دیا اور ان کو حسن سلوک کی تلقین کی۔ حضرت مصعبؓ کے بھائی عمر و بیان کرتے ہیں کہ میں جس گھر میں تھا، وہ نہایت غریب خاندان تھا، وہ مجھے روٹی کھلاتے اور خود پورا خاندان چند کھجوروں پر گزارہ کرتا اور میں بہت شرمندہ ہوتا۔ اکثر لوگ فدیہ یعنی مقررہ رقم 4000 درہم ادا کر کے اپنے لوگ واپس لے گئے۔ جن کے پاس رقم نہ تھی ان پڑھے لکھے افراد کا یہ فدیہ رکھا گیا کہ ایک آدمی 10 مسلمان بچوں کو پڑھنا لکھنا سکھائے۔ پھر حضرت زینبؓ نے اپنے شوہر کی رہائی کے لیے اپنی ماں کا ہار فدیہ میں بھیجا تو حضور ﷺ آبدیدہ ہو گئے اور صحابہؓ سے پوچھا کہ اگر آپ پسند کریں تو خدیجہؓ کا یہ ہار زینبؓ کو واپس کر دیا جائے۔ صحابہؓ نے یہ قبول کر لیا۔ ابوالعاص سے یہ شرط کر لی کہ وہ زینبؓ کو مدینہ بھیج دیں گے۔ حضرت عباسؓ نے یہ عذر پیش کیا کہ میرے پاس رقم نہیں ہے میں اپنا اور اپنے بھتیجوں کا فدیہ نہیں دے سکتا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''اس رقم کا کیا ہوا جو آپ نے ام فضل کے پاس رکھوائی تھی اور اُنہوں نے زمین میں دفن کر دی تھی۔ آپ نے کہا تھا کہ فضل، معتثم اور عبیداللہ کو اتنا اتنا دینا اگر میں واپس نہ آؤں۔'' وہ پکار اُٹھے خدا کی قسم میں جانتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے سچے

رسول ہیں، اس رقم کا میرے اور ام فضل کے سوا کسی کو علم نہ تھا۔ پھر اُنہوں نے کہا اچھا وہ 120 اوقیہ سونا جو میری ملکیت سے آپ ﷺ نے لیا ہے وہ فدیہ میں شمار کر لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''نہیں وہ مال غنیمت ہے جو اللہ نے آپ سے ہمیں دلوایا ہے۔'' پھر ان کو کرتے کی ضرورت تھی وہ ایک لمبے چوڑے وجیہہ سردار تھے اور کسی کے کپڑے ان کو پورے نہ آتے تھے تو عبداللہ بن ابی نے اپنا کرتہ حضرت عباسؓ کو دے دیا۔ جس کا بدلہ نبی ﷺ نے اس طرح دیا کہ دفن کے وقت اپنا کرتا عنایت کیا۔

قرآن میں مسلمانوں کی اس اوّلین فتح کے دن کو ''یوم الفرقان'' کہا گیا ہے۔

ملائکہ کا نزول

میدان بدر میں فرشتوں کا نزول اہل ایمان کی تقویت کے لیے تھا۔ امام ابن کثیرؒ نے جو روایات بیان کی ہیں ان کا مفہوم ہے کہ بدر میں اسلامی فوج میں مدینہ کی جانب جبرئیل ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے۔ میسرہ کی جانب میکائل ایک ہزار فرشتوں کے ساتھ نازل ہوئے۔ صحیح بخاری میں ہے حضرت جبرئیل علیہ السلام نے حضور ﷺ سے پوچھا آپ ﷺ کے نزدیک اہل بدر کا کیا مقام ہے؟ تو حضور ﷺ نے فرمایا ''وہ مسلمانوں میں سے سب سے افضل ہیں۔'' جبرئیلؑ نے کہا ''جو ملائکہ بدر میں اُترے تھے وہ بھی فرشتوں کی جماعت میں سب سے افضل ہیں۔''

حضرت علیؓ کہتے ہیں ''بدر میں فرشتوں نے سفید عمامے پہنے ہوئے تھے اور ان کے شملے اپنی پشتوں پر چھوڑے ہوئے تھے۔ صرف جبرئیلؑ زرد عمامہ پہنے ہوئے تھے۔ روایت میں یہ تفصیل ملتی ہے کہ بدر کے میدان میں حضرت زبیرؓ بھی زرد عمامہ

پہنے ہوئے تھے۔ اسی طرح کافروں نے بھی گواہی دی کہ تم نے ہمیں نہیں مارا بلکہ سفید عمامے پہنے گھوڑے پر سوار لمبے قد کے لوگوں نے ہمیں مارا ہے۔ اسی طرح بعض صحابہؓ نے بھی گواہی دی جیسے ہی وہ آگے بڑھے کہ دشمن کا سر قلم کریں اس سے پہلے ہی اس کا سر اُنہوں نے گرتے ہوئے دیکھ لیا۔

میدان جنگ میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مٹھی خاک ہاتھوں میں اُٹھائی اور فرمایا ''شاھت الوجوہ'' اور ان کافروں کی طرف پھینکی جس کے بعد میدان لاشوں سے پٹ گیا۔

مکہ سے چلتے وقت ابوجہل اور اس کے ساتھیوں نے غلاف کعبہ پکڑ کر دعا مانگی تھی۔ ''اے اللہ ہم میں سے جو سچا ہے اسے فتح نصیب کر۔'' قرآن میں اس کا تذکرہ آیا ہے۔

''بس حقیقت یہ ہے کہ تم نے ان کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے کیا اور تو نے نہیں پھینکا اللہ نے پھینکا۔ (مومنوں کے ہاتھ جو اس کام میں استعمال کیے گئے) تو وہ اس لیے تھا کہ اللہ مومنین کو ایک بہترین آزمائش کے ساتھ کامیابی کے ساتھ گزارے۔ یقیناً اللہ سننے اور جاننے والا ہے۔ یہ معاملہ تو تمہارے ساتھ ہے اور کافروں کے ساتھ معاملہ یہ ہے کہ اللہ ان کی چالوں کو کمزور کرنے والا ہے۔ (ان کافروں سے کہہ دو) اگر تم فیصلہ چاہتے تھے تو لو فیصلہ تمہارے سامنے آ گیا۔ اب باز آ جاؤ۔ تمہارے ہی لیے بہتر ہے۔ ورنہ پھر پلٹ کر اس حماقت کا اعادہ کرو گے تو ہم بھی اسی سزا کا اعادہ کریں گے اور تمہاری جمعیت خواہ کتنی ہی زیادہ ہو، تمہاری کچھ کام نہ آ سکے گی۔ اللہ مومنوں کے ساتھ ہے۔'' (سورۃ الانفال آیت 71-19)

حضور ﷺ کے قتل کی سازش

جب بدر میں مشرکین مکہ کے بڑے بڑے سردار مارے گئے تو باقی لوگ غصہ اور انتقام کی آگ میں جلنے لگے۔ حطیم میں دو سردار صفوان بن اُمیہ اور عمیر بن وھب اپنے اپنے مقتولوں پر آہیں بھر رہے تھے۔ عمیر بن وھب جمحی مکہ میں نبی ﷺ اور صحابہؓ کو اذیتیں پہنچایا کرتا تھا اور اب اس کا بیٹا وھب بن عمیر جنگ بدر میں گرفتار ہوکر مسلمانوں کی قید میں تھا۔ اس نے صفوان سے کہا۔ ''خدا کی قسم اگر میرے اوپر قرض نہ ہوتا جس کی ادائیگی کے لیے میرے پاس کچھ نہیں اور میرے اہل وعیال نہ ہوتے تو ابھی میں محمد ﷺ کے پاس جاتا اور اسے قتل کرڈالتا۔'' اس پر صفوان نے کہا ''اچھا یہ بات ہے تو بس تم جانے کی تیاری کرو۔ تمہارا قرض میرے ذمہ ہے اور تمہارے اہل وعیال کی میں دیکھ بھال خوب اچھی طرح کروں گا۔'' چنانچہ وہ گھر گیا، تیز دھاری تلوار لی، اس کو زہر آلود کیا اور تیز رفتار اونٹنی پر سوار ہوکر مدینہ پہنچ گیا۔ ابھی وہ مسجد نبوی کے دروازے پر اونٹنی کو بٹھا ہی رہا تھا کہ حضرت عمر بن خطابؓ کی نظر اس پر پڑ گئی۔ اُنہوں نے کہا یہ اللہ کا دشمن کسی برے ارادے سے آیا ہے۔ تلوار گردن میں حمائل ہے، لے جاکر اسے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کردیا۔ اس نے جاہلیت کے طریقہ کے مطابق سلام کیا۔ حضور ﷺ نے کہا ''کہو السلام علیکم یہ اس سے بہتر تہنیت ہے۔ (سلام کے معنی تمہاری اولاد، مال اور عزت سلامت رہے) پھر آپ ﷺ نے پوچھا ''کیوں آئے ہو۔'' بولا ''میرا بیٹا آپ ﷺ کے پاس قید

ہے۔ آپ ﷺ مہربانی فرما کر اسے آزاد کر دیجیے۔'' فرمایا ''پھر تلوار گلے میں حمائل کیوں ہے۔'' بولا۔ ''بھول گیا۔ پھر یہ تلواریں ہمارے کس کام کی۔ بدر میں اُنہوں نے ہمارا کیا ساتھ دیا؟'' آپ ﷺ مسکرائے فرمایا۔ ''تم نے اور صفوان نے حطیم میں تو بیٹھ کر یہ طے کیا تھا۔ پھر آپ ﷺ نے ان دونوں کی پوری گفتگو دہرا دی۔ عمیر راز داری کی بات حضور ﷺ کے منہ سے سن کر دَنگ رہ گیا اور بے اختیار پکار اُٹھا۔ ''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے خبر دیتا ہے کیونکہ اس گفتگو کے دوران کوئی تیسرا تھا ہی نہیں۔ یقیناً آپ ﷺ پر آسمان سے خبریں آتی ہیں جسے ہم جھٹلاتے تھے۔ اللہ نے آج میرا سینہ کھول دیا۔'' پھر عمیر نے اسلام قبول کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''اپنے بھائی کو دین سمجھاؤ، اسے قرآن پڑھاؤ اور اس کے قیدی کو آزاد کر دو۔'' چنانچہ عمیر وہاں کچھ عرصہ رہے اور دین سیکھتے رہے۔ اُدھر مکہ میں صفوان منتظر ہی رہا کہ کب اس کو خوشخبری ملتی ہے، حضور ﷺ کے وفات کی مگر اس کی خوشی اس کے سینے میں دفن ہوگئی۔ جب اسے پتہ چلا کہ عمیر نے اسلام قبول کرلیا ہے۔ عمیر واپس مکہ گئے، دین کی تبلیغ کرتے رہے، ان کے ہاتھ پر بہت سے لوگوں نے دین قبول کیا۔ فتح مکہ کے سفر میں عمیر جا کر حضور ﷺ کے ساتھ شریک ہوگئے اور فاتحانہ شان سے مکہ میں داخل ہوئے۔ حضور ﷺ سے صفوان بن امیہ کے لیے امان طلب کی جو حضور ﷺ نے دے دی۔ پھر اُنہوں نے نشانی طلب کی حضور ﷺ نے اپنی چادر اُتار کر دی۔ صفوان نے جب یہ چادر دیکھی تو دل و نگاہ حق سے روشن ہوگئے۔ اس طرح دو مشرک سرداروں کو اللہ نے حضور ﷺ کے ذریعے ہدایت کا راستہ دکھا دیا۔

ہجرت کا دوسرا سال

حضرت رقیہؓ کی وفات

بنت رسول اللہ ﷺ حضرت رقیہؓ علیل تھیں جس کی وجہ سے حضرت عثمان غنیؓ جنگ بدر میں شریک نہ ہوسکے۔ ان کی وفات اس روز ہوگئی جب بدر کی فتح کی خوشخبری آئی۔ حضور ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو بدری صحابی شمار کیا، ان کو مال غنیمت میں سے حصہ بھی دیا۔

تحویل قبلہ

2 ہجری کے اہم واقعات میں تحویل قبلہ بھی ہے۔ ہجرت کے بعد سے رجب 2 ہجری تک مسلمانوں کا قبلہ بیت المقدس رہا تھا۔ ہجرت کے 16 ماہ بعد رجب 2 ہجری کو قرآن میں حکم آ گیا۔ حضور ﷺ بھی کعبہ کو قبلہ بنانے کی خواہش رکھتے تھے۔ ''اے نبی ہم آپ کے چہرے کو بار بار آسمان کی طرف اُٹھتے ہوئے دیکھ رہے ہیں چنانچہ ہم اس کا رخ اسی قبلے کی طرف پھیر دیں گے جو آپ ﷺ کو پسند ہے۔ پھر آپ ﷺ اپنا رخ مسجد حرام کی سمت کیا کیجئے۔ یہ حکم ظہر کی نماز میں مسجد بنی سلمہ میں دوران نماز آیا۔

آپ ﷺ امام تھے اور دورانِ نماز ہی آپ ﷺ نے قبلہ بدل لیا اور تمام صحابہؓ آپ ﷺ کی اقتدا میں اسی قبلہ کی طرف مڑ گئے، یہ قدرت کا موڑ تھا۔ کوئی

سوال و جواب نہ ہوا اور یہ حکم منادی نے جہاں جہاں جا کر سنایا وہاں بھی اسی طرح لوگ دوران نماز مڑ گئے۔ سبحان اللہ، اطاعت کی اعلیٰ مثال ہے۔ جس مسجد میں حضور ﷺ نے تحویل قبلہ کے حکم کی تعمیل کی اس کا نام مسجد قبلتین پڑ گیا۔ مدینہ کی زیارت کو جانے والے آج بھی اس مسجد میں دو رکعت نماز ادا کرتے ہیں۔ یہود یوں نے اس پر بہت باتیں بنائیں مگر قرآن نے اس کا جواب دیا کہ اسلام کا پیغام اللہ کی عبادت ہے۔ اس کے حکم کی تعمیل ہے۔ اسلام کسی خاص سمت کی عبادت کی دعوت نہیں دیتا، سمتیں سب اللہ کی ملکیت ہیں۔

۲ ہجری میں مختلف احکام شرعیہ کی مشروعیت

2 ہجری کے رمضان المبارک ختم ہونے میں ابھی دو دن باقی تھے کہ سورۃ الاعلیٰ کی آیتیں نازل ہوئیں۔

نماز عید الفطر

صدقہ فطر اور نماز عید الفطر کا حکم آیا۔ یہ پہلی عید تھی جو حضور ﷺ کی امامت میں ادا کی گئی۔ جس میں عید الفطر کے احکام بھی سکھائے گئے۔ تمام مردوں اور عورتوں کو عید کی نماز میں شرکت کو کہا گیا اور یہ بھی حکم دیا گیا کہ اگر کسی خاتون کے پاس اوڑھنی نہیں ہے تو وہ اپنی اسلامی بہن کی اوڑھنی میں شریک ہو کر نماز ادا کرنے آئے۔ ایک راستہ جانے کے لیے استعمال کرے اور دوسرا راستہ واپس آنے کے لیے کر لے اور

اَللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاللّٰہُ اَکْبَرُ اَللّٰہُ اَکْبَرُ وَلِلّٰہِ الْحَمْدُ
کو پڑھتا رہے۔ جب گھر سے نکلے تو کچھ کھا کر نکلے چاہے کھجور ہی ہو۔

نماز عید الاضحیٰ

پھر اسی سال ذی الحجہ میں نماز عید الاضحیٰ کی مشروعیت ہوئی۔ قربانی کا حکم آیا۔ مدینہ منورہ میں لوگ دو دن خوشی کے منایا کرتے تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''اللہ نے تم کو یہ دو دن خوشی کے دیئے ہیں، سو ان میں خوشی مناؤ۔''

آج کل دنیا Global Village ہوگئی ہے اور لوگ دوسرے ممالک میں ترک وطن کر کے آباد ہو جاتے ہیں اور ان کے تہواروں کو اپنا لیتے ہیں اور اپنے تہوار چونکہ وہاں کوئی منا نہیں رہا ہوتا ہے تو وہ بھی اس سے صرف نظر کر لیتے ہیں۔ مثلاً کرسمس اور نیو ایئر تو شوق سے منائیں اور عید، بقر عید کا خیال بھی نہ آئے جو نہایت غلط طریقہ ہے اور اس سے بچنا چاہیے۔

زکوٰۃ کی فرضیت

اسی سال پہلے سے فرض شدہ زکوٰۃ کے بارے میں مزید احکام آئے، اس کے نصاب و مصارف کی توضیح اور تعیین عمل میں آئی۔ نبی ﷺ کی حدیثوں میں اس کی واضح تفصیل ملتی ہے جبکہ قرآن میں صرف مصارف بتائے گئے ہیں مگر کس چیز پر کتنی زکوٰۃ دینی ہے، حضور ﷺ نے واضح طریقے سے ہم کو بتا دیا ہے۔

حضور ﷺ کے لیے درود وسلام

درود وسلام پیش کرنے کا حکم اسی سال آیا۔ سورۃ الاحزاب آیت 56 میں ارشاد باری تعالیٰ ہے ترجمہ: ”بے شک اللہ اور اس کے فرشتے نبی پر درود بھیجتے ہیں، اے ایمان والو! تم بھی ان پر درود وسلام بھیجا کرو۔“ درود پڑھنا اعلیٰ درجہ کی عبادت ہے، اللہ کی رحمت اپنی طرف متوجہ کرنے کا آسان طریقہ ہے۔ یہ دعا بھی ہے اور رسول اللہ ﷺ سے عشق کا اظہار بھی ہے۔ حدیث کی کتابوں میں درود کے بارے میں بہت سی حدیثیں مل جائیں گی۔

حضرت فاطمہؓ کی شادی

شوال 2 ہجری میں ہی حضرت فاطمہؓ کا نکاح حضرت علیؓ سے کیا گیا۔ یہ حضور ﷺ کی سب سے چھوٹی اور لاڈلی بیٹی تھیں۔ حضرت فاطمہؓ کو الگ گھر میں آباد کیا گیا اور نیا گھر شروع کرنے کے لیے جو چیزیں انتہائی ضروری ہوتی ہیں، ان کا اہتمام کیا گیا۔ اس موقع پر سادہ لحاف، چمڑے کا معمولی گدا، پانی کی مشک اور دو گھڑے عنایت کیے گئے۔ اس طریقے سے شادی کر کے حضور ﷺ نے اُمت کو سادگی کا پیغام دیا۔ شادی کو آج کل اتنا مشکل بنا دیا گیا ہے جو اِن اخراجات کو برداشت کر سکتے ہیں وہ تو کر لیتے ہیں باقی لوگ حسرت کے مارے ہوئے قرض اُٹھا کر اور اپنے اثاثہ بیچ کر یہ جھوٹی شان وشوکت دکھاتے ہیں اور جن کے پاس کچھ مال و

اسباب نہیں ہوتا، ان سے کوئی شادی نہیں کرتا اور لڑکیاں باپ کی دہلیز پر بیٹھے بیٹھے بوڑھی ہوجاتی ہیں۔ کاش اُمت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس اسوہ کو نظر میں رکھے تو ساری اُلجھنوں اور کلفتوں سے نکل آئے۔



بنو قینقاع کی بدعہدی اور سرکشی

مسلمانوں کی جنگ بدر میں فتح یہودیوں کو بڑی ناگوار گزری اور اُنہوں نے کھلم کھلا شر و عداوت، بغاوت و ایذا رسانی شروع کردی۔ مدینہ کے یہودی قبیلوں میں بنو قینقاع سب سے بڑا بہادر، اور مالدار قبیلہ تھا، ان کا بہت بڑا بازار تھا۔ یہ لوگ ظروف ساز، لوہار اور سنار تھے۔ ان کا قلعہ بہت بڑا تھا۔ Gated Community تھی۔ ان کے پاس 700 جوان جنگی مرد موجود تھے۔ اسی لئے وہ غرور میں مبتلا تھے۔ جب ان کا مسلمانوں کا مذاق اُڑانا اور تنگ کرنا بہت بڑھ گیا تو رسول اللہ ﷺ ان کے بازار گئے، ان کے سب لیڈروں کو جمع کیا۔ سنن ابوداؤد میں ابن عباس سے مروی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''اے جماعت یہود، اسلام قبول کرلو، اس سے پہلے کہ تم پر بھی قریش کی طرح مار پڑ جائے۔'' اُنہوں نے کہا۔ ''اے محمد ﷺ تم اس خود فریبی میں مبتلا نہ ہو کہ تم نے قریش جیسے اناڑی لوگوں سے جنگ جیت لی۔ اگر تمہاری لڑائی ہم سے ہوتی تو پتہ چل جاتا ہم مرد ہیں، جنگجو ہیں۔'' رسول اللہ ﷺ اپنے غصہ کو پی گئے، صبر کیا، مسلمانوں نے بھی صبر کیا اور آنے والے حالات کا انتظار کرنے لگے۔

ابن ھشام نے ابن عون سے روایت کیا ہے کہ ایک عرب عورت بنو قینقاع کے بازار میں کچھ بیچنے گئی، پھر وہ سنار کی دکان میں گئی، جس نے اس سے چھیڑ چھاڑ شروع کردی اور دوسرے آدمی کو اشارہ کیا جس نے اس کی بے خبری میں اس کے کپڑے کا پچھلا حصہ باندھ دیا جب وہ کھڑی ہوئی تو بے پردہ ہوگئی۔ وہ لوگ ہنسنے لگے، اس نے

مدد کے لیے پکارا، ایک مسلمان موجود تھا اس نے اس شخص کو قتل کر دیا۔ پھر ان یہودیوں نے مسلمان کو قتل کر دیا۔ اب مقتول کے گھر والوں اور یہودیوں میں بلوہ ہو گیا۔ جیسے ہی محمد ﷺ کو خبر ہوئی، وہ اپنے ساتھ 200 جانبازوں کو لے کر بنو قینقاع پہنچے۔ حضرت حمزہؓ اس کے سپہ سالار تھے۔ حضور ﷺ کو دیکھ کر وہ قلعہ بند ہو گئے۔ یہ حضور ﷺ کا رعب تھا، ان پر پست ہمتی طاری ہو گئی۔ حضور ﷺ نے 15 دن تک محاصرہ کیے رکھا۔ جب ان کا پانی ختم ہو گیا تو وہ مذاکرات کرنے لگے، ہتھیار ڈال دیئے اور آپ ﷺ کے فیصلے پر راضی ہو گئے۔ اس وقت عبداللہ بن ابی جو اپنی قوم کا بڑا جنگجو سردار تھا اس نے ان لوگوں کے لیے جان بخشی طلب کی۔ گو کہ حضور ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا مگر وہ اصرار کرتا رہا اور آپ ﷺ کے گریبان میں ہاتھ ڈال دیا، حضور ﷺ منع کرتے رہے مگر وہ نہ مانا، یہاں تک کہ آپ ﷺ نے یہ فیصلہ دیا کہ سب لوگ یہاں سے چلے جائیں، اپنے ساتھ جنگی سامان نہیں لے جا سکتے، چنانچہ وہ سب لوگ شام کی طرف نکل گئے۔ یہ واقعہ 15 شوال 2 ہجری کو پیش آیا۔

شری اور فسادی لوگوں سے سختی سے نمٹنا چاہیے، ان کے ساتھ نرمی کرنا گویا تمام دوسرے لوگوں کے ساتھ ظلم کرنا ہے جو ان کی حرکتوں کو بھگتیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کا معاہدہ بھی یاد دلایا تھا کہ ہم مدینہ میں ایک ساتھ رہیں گے اور ایک دوسرے کے حقوق کا خیال رکھیں گے اور اگر باہر کا دشمن ہو تو مل کر لڑیں گے مگر اُنہوں نے معاہدہ توڑ کر پھینک دیا، جو ان کا اپنی آبادی اور مال پر غرور کا نتیجہ تھا۔ یہ پہلا موقع تھا یہودیوں کی عبرت ناک پکڑ ہونی چاہیے تھی مگر آگے ہم دیکھیں گے کہ ان یہودیوں کی

سرکشی بجائے کم ہونے کے بڑھتی ہی گئی اور حضور ﷺ ان سے اسی طرح سے پیش آئے جس کے وہ مستحق تھے۔ یہ چاہیں اپنی کتابوں میں محمد ﷺ پر زبان طعن دراز کریں اور آپ ﷺ کو برے القاب سے یاد کریں۔ مگر حضور ﷺ کا فیصلہ ہمارے لیے سنت ہے۔ حضور ﷺ کم تعداد، کم ساز وسامان کے ساتھ اللہ پر توکل کر کے نکل کھڑے ہوئے اور اللہ نے نصرت بخشی۔ ہمت واستقلال اور توکل کی آج انتہائی ضرورت ہے۔

غزوۂ سویق

ابوسفیان جنگ بدر میں شریک نہ ہوسکا تھا اور اس کے رشتہ دار جنگ بدر میں مارے گئے تھے، اس لیے وہ انتقام کی آگ میں سلگ رہا تھا۔ اس نے کہا میں جنابت کا غسل نہ کروں گا جب تک مسلمانوں کو نقصان نہ پہنچا دوں، چنانچہ وہ 200 سواروں کا ایک دستہ لے کر مدینہ کے Subarb میں پہنچا، دو مسلمان نظر آئے ان کو قتل کر دیا، ان کے کچھ درختوں کو آگ لگا دی۔ مدینہ میں داخل ہونے کی جرأت نہ تھی اور بھاگ گیا۔ حضور ﷺ کو خبر ملی تو آپ ﷺ سواروں کو لے کر نکلے مگر وہ تیزی سے نکل گئے، حضور ﷺ نے دور تک پیچھا کیا۔ اپنے آپ کو ہلکا کرنے کے لیے وہ ستو وغیرہ کھانے پینے کی چیزیں پھینکتے ہوئے نکل گئے۔ سویق کے معنی ستو کے ہیں چنانچہ مسلمانوں کو کھانے پینے کا بہت سا سامان ہاتھ آیا۔ یہ واقعہ جنگ بدر کے دو ماہ بعد ہوا۔

کعب بن اشرف کی گستاخی اور اس کا انجام

یہودیوں میں بنی نضیر کا ایک آدمی کعب بن اشرف اسلام اور اہل اسلام سے سخت دشمنی رکھتا تھا۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو کرتا تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف جنگ کی کھلم کھلا دعوت دیتا تھا۔ یہ بڑا مالدار اور سرمایہ دار تھا۔ عرب میں اس کے حسن و جمال کے بھی چرچے تھے، اس کا اپنا ایک بڑا قلعہ تھا، وہ مکہ گیا اور وہاں جا کر ان کو ان کے مقتولین کی یاد دلا کر جنگ کے لیے بھڑکایا۔ ان کی غیرت کو بیدار کیا۔ ابوسفیان اور مشرکین یہود کو تورات کا عالم سمجھتے تھے، ان کی اپنی تہذیب و ثقافت تھی۔ وہ سمجھتے تھے کہ ان کا علم زیادہ ہے تو پوچھا ہمارا دین اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے یا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اس کے ساتھیوں کا۔ تو اس نے کہا۔ ''تم لوگ ان سے زیادہ ہدایت یافتہ ہو۔'' اس کا جواب اللہ تعالیٰ نے قرآن میں دیا۔ وہ ایک بڑا شاعر بھی تھا اور صحابہ کرامؓ کی بیویوں کے بارے میں بڑے گندے فحش اشعار کہا کرتا تھا۔ حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نظر اس کی تمام حرکتوں پر تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہؓ سے ایک دن فرمایا۔ ''کون ہے جو اس سے نمٹے گا تو محمد بن مسلمہ جو قبیلہ اوس سے تعلق رکھتے تھے۔ انہوں نے اُٹھ کر کہا۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں حاضر ہوں۔ کیا آپ چاہتے ہیں کہ میں اس دشمن رسول کی گردن مار دوں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''ہاں'' پھر اُنہوں نے پلان بنایا، اس کے پاس گئے اور کہا ''ہم بھی اُکتا گئے ہیں، محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے، اس نے ہمیں مشقت میں ڈال دیا ہے، ہم سے صدقہ طلب کیا ہے، یہ سن کر وہ بولا۔ ''ابھی تم لوگ اور اُکتاؤ گے۔'' محمد بن مسلمہ نے کہا اچھا آپ مجھے ایک یا دو وسق غلہ دے دیں۔'' اس نے کہا اپنی کوئی چیز رہن رکھو

مسلمہ نے کہا ''کیا؟'' اس نے کہا ''اپنی عورتیں۔'' اُنہوں نے کہا ''عورتوں پر تو میں بھروسہ نہیں کرسکتا، آپ بہت خوبصورت آدمی ہیں۔'' کعب کہنے لگا۔ ''اچھا تو پھر اپنے بیٹے رکھ دو۔'' مسلمہؓ نے کہا ''اگر ایسا ہوگیا تو ساری زندگی لوگ ان کو بے عزت کریں گے کہ 2 وسق کے بدلے بیٹے کو رہن رکھ دیا تھا۔ ایسا کرتا ہوں، اپنے ہتھیار رکھ دیتا ہوں۔'' کچھ دیر بعد پھر ابو نائلہؓ آئے، اُنہوں نے بھی کچھ اسی قسم کی باتیں کیں جن میں اپنی مشقت بتائی، کہا سارا عرب ہمارا دشمن ہوگیا ہے، ہماری راہیں بند ہوگئی ہیں، اہل وعیال برباد ہورہے ہیں میرے کچھ دوست ہیں، ان کے خیالات بھی میرے جیسے ہیں۔ میں اُنہیں آپ کے پاس لاؤں گا۔ آپ ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کریں۔ کعب کو لگا یہ تو میری طرف مائل ہیں اور اس نے اجازت دے دی۔

جب آدھی رات گزر گئی تو ابو نائلہؓ نے اسے زور سے آواز دی۔ وہ خوشبو میں بسا ہوا اپنی بیوی کے پاس تھا۔ آواز سن کر جانے کے لیے اُٹھا، بیوی نے کہا کہاں جارہے ہو؟ کعب نے کہا یہ تو میرا دودھ شریک بھائی ابو نائلہ ہے۔ کریم آدمی کو نیزے کی مار پر بھی بلایا جائے تو وہ جاتا ہے۔ وہ آیا تو ابو نائلہ نے اس کی بڑی تعریف کی اور اس کو باتوں میں لگا کر آگے لے آئے۔ جہاں ان کے ساتھی چھپے بیٹھے تھے، ان کو کہہ رکھا تھا کہ جب تم دیکھو کہ میرے ہاتھ میں اس کا سر ہے تو آگے بڑھ کر حملہ کرنا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ دشمن اسلام جہنم واصل ہوگیا۔ اس کے بعد یہودیوں کا کوئی ردعمل سامنے نہ آیا وہ سمجھ گئے کہ جس کسی نے بھی اضطراب برپا کیا اور مسلمانوں کو ستایا اس کے ساتھ طاقت کا استعمال کیا جائے گا۔ وہ سب خاموش ہوگئے۔ گویا سانپ بلوں میں گھس گئے ہوں۔ اس طرح ایک مدت تک کے لیے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیرون مدینہ سے پیش آنے والے خطرات کا مقابلہ کرنے میں لگ گئے اور اندر کی آگ بجھ گئی۔ یہ واقعہ 14 ربیع

الاوّل کو پیش آیا اور کچھ لوگ اس کی تاریخ 2 ہجری بتاتے ہیں۔

کچھ لوگ خاص طور پر غیر مسلم مصنفین اعتراض کرتے ہیں کہ یہ کیسے کیا گیا نہ مقدمہ چلا نہ جیل ہوئی نہ صفائی کا موقع دیا گیا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ اس وقت کوئی جیل نہ ہوتی تھی، فیصلہ وقت کے وقت ہوتا تھا، کوئی باقاعدہ جسٹس سسٹم نہ تھا، آج کل جو نام نہاد جسٹس سسٹم، بند کمروں میں رکھ کے کیا جاتا ہے، یا مرسی کی طرح شیشے کے گھر میں بٹھا کر عدالت میں پیش کیا جاتا ہے۔ وہاں یہ عام بات تھی۔ Might is Right کا قانون نافذ تھا۔ سب اس کو سمجھتے تھے، دوسری بات یہ کہ Target Killing تو آج بھی ہوتی ہے، آج کی مہذب دنیا میں ڈرون حملوں سے لوگوں کو مارا جاتا ہے، بغیر یہ دیکھے کہ وہ مجرم ہے یا نہیں، بس جنگ والے ملک کا باشندہ ہے۔ یہ شخص تو باقاعدہ مجرم تھا اور دنیا کی کوئی حکومت ملک میں امن وامان کو تباہ کرنے والے کو معاف نہیں کرتی۔

ان گستاخ مجرموں کے قتل سے مسلمانوں کو یہ پیغام دیا گیا ہے کہ شانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گستاخی، ناموس رسالت پر حملہ ناقابل معافی جرم ہے اور ایسے دریدہ دہن اس قابل نہیں کہ ان کا ناپاک وجود باقی رکھا جائے۔ ہر دور میں اہل ایمان شانِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گستاخی کو سب سے بڑا جرم سمجھتے آئے ہیں اور تحفظ ناموس رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ہماری تاریخ میں قربانیوں، عزیمتوں اور مجرمین کو سبق سکھانے کی بے شمار مثالیں موجود ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ہر ملک میں اس پر قوانین بنائے جائیں اور اس کو ناقابل معافی جرم سمجھا جائے اور جن صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت اختیار کی، ان کی عزت کرنا بھی ہم پر واجب ہے اور ان کے لیے بھی قانون بنایا جائے تاکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاکے اور فلمیں (Movies) بنانے والوں کے حوصلے پست ہو جائیں۔

ہجرت کا تیسرا سال

غزوۂ غطفان

محرم 3 ہجری میں آپ ﷺ کو اطلاع ملی کہ قبیلہ غطفان کے خاندان بنوثعلبہ اور محارب کے لوگ مدینہ منورہ پر حملے کی تیاریوں میں ہیں اور ایک جگہ جمع ہو رہے ہیں۔ آپ ﷺ 450 اصحابِ کرامؓ کے ساتھ روانہ ہوتے ہیں، راستے میں صحابہؓ نے بنوثعلبہ کے ایک شخص کو گرفتار کیا، اس پر اسلام پیش کیا گیا جسے اس نے قبول کرلیا۔ وہ حضرت بلالؓ کو دے دیا گیا، پھر اس نے راستہ بتانے کا کام کیا جب آپ ﷺ وہاں پہنچے تو وہ تمام لوگ منتشر ہو گئے اور وہاں کوئی نہ تھا۔ آپ ﷺ محرم سے صفر تک وہاں مقیم رہے اور آس پاس کے لوگوں سے حلیفانہ تعلقات قائم کیے۔

غزوۂ نجدان

نبی ﷺ کے ساتھ 300 صحابہؓ تھے۔ آپ ﷺ ربیع الثانی 3 ہجری میں نجدان، نامی علاقے میں تشریف لے گئے اور جمادی الاولیٰ تک وہیں رہے، یہ مقام حجاز میں ہے۔ اس کے بعد مدینہ تشریف لائے۔

سریہ زید بن حارثہؓ

جمادی الثانی 3 ہجری میں زید بن حارثہؓ کی سرکردگی میں 100 سواروں کو ایک مہم پر روانہ کیا گیا۔ اب گرمی کا موسم آ گیا تھا اور قریش اس وقت تجارت کے لیے شام کا سفر کرتے تھے۔ اس راستے پر اصحاب رسول ﷺ ہتھیاروں کے ساتھ گھومتے رہتے تھے اور ساحل کی اردگرد بستیوں سے آپ ﷺ نے حلیفانہ تعلقات قائم کر لیے تھے۔ پھر اُنہوں نے اس راستے کو پرخطر سمجھ کر ایک اور راستہ نکالا جو عراق جاتا تھا۔ گو کہ راستہ بہت لمبا تھا اور مدینہ سے کافی فاصلے سے گزرتا تھا۔ فرات بن حیان کو گائیڈ مقرر کیا۔ ایک رات بادہ نوشی کی محفل جمع تھی، ایک کافر نے شراب کے نشے میں سفر کی پوری تفصیل سنا دی کہ مسلمان ہم کو کہاں روکیں گے، ہم نے ایک اور راستہ ڈھونڈ لیا ہے اور اب تجارتی قافلہ جانے ہی والا ہے۔ اس محفل میں ایک مسلمان بھی تھا جس نے جا کر نبی ﷺ کو خبر کر دی۔ یاد رہے کہ شراب اس وقت تک حرام نہیں ہوئی تھی۔ نبی ﷺ نے حضرت زیدؓ کو 100 سوار دے کر بھیجا وہ بڑی تیزی سے وہاں پہنچ گئے۔ قریشی قافلہ ایک چشمہ پر پڑاؤ ڈالے ہوئے تھا۔ اچانک حملہ کر کے پورے قافلے پر قبضہ کر لیا۔ قافلہ کا سردار صفوان بن اُمیہ اور دوسرے محافظ بھاگ گئے۔ مسلمانوں کے ہاتھ بہت ساری چاندی آئی جس کی مالیت ایک لاکھ درہم بتائی جاتی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے خمس یعنی پانچواں حصہ جو رسول ﷺ کے لیے تھا لیا، باقی سب کا سب لشکر کے لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ گائیڈ فرات بن حیان نے اسلام قبول کر لیا۔ یہ بہت بڑا دھچکا مکہ کے لوگوں کو لگا، اب ان کے پاس دو ہی

راستے تھے یا تو محمد ﷺ سے صلح کر لیں یا پھر قوت جمع کر کے ان پر حملہ کریں اور ان کا نام و نشان مٹا دیں۔ چنانچہ اُنہوں نے دوسرا راستہ پسند کیا کیونکہ ان کے کبر و غرور نے ان کو مصالحت نہ کرنے دی۔ چنانچہ ان کا جوش انتقام بہت بڑھ گیا۔

قریش کو معرکہ بدر میں جو جانی نقصان پہنچا تھا کہ ان کے بڑے بڑے سردار مارے گئے تھے اور 70 آدمی قید ہو گئے تھے۔ اس کے علاوہ ان کو اقتصادی نقصان بھی اُٹھانا پڑا تھا، ان کو ڈھائی لاکھ درہم فدیہ میں دینے پڑے تھے، کچھ آدمیوں کے ہی بدلے نبی ﷺ نے اپنے قیدی رہا کرائے تھے۔ پھر لمبی تجارتی شاہراہ استعمال کرنے سے اس کے اخراجات بڑھ گئے اور نفع کم ہو گیا اور شام کے قافلے کا سارا مال مسلمانوں کے پاس چلا گیا پھر ہندوستان اور یورپ کے درمیان بین الاقوامی تجارت کی جتنی نقل و حرکت ہوتی تھی، وہ یمن اور مکہ کے راستے ہوتی تھی۔ قریش مکہ کے واسطے سے ہوتی تھی اور قریش مکہ اپنے معاہداتی نظام کے بل پر خاصی کمائی کرتے تھے۔ اب مکہ والوں کے سر پر ایک بڑا اقتصادی بحران منڈلا رہا تھا۔ اس لیے نئے معرکہ کے آغاز کی تیاریاں شروع ہو گئیں۔ اُنہوں نے ہار ماننے کے بجائے اس کو ترجیح دی کہ ایک مرتبہ پھر سے جنگ کر کے قسمت آزمائی کی جائے۔ یہ معرکہ احد کا پیش خیمہ تھا۔

غزوۂ احد

ہم دیکھتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے بعد مسلمانوں کو اندرونی اور بیرونی بہت سی مہمات سے سابقہ پیش آیا مگر اللہ کے رسول ﷺ کی جرأت، ہمت، بہادری اور ان کی مہمات کی پلاننگ اور ہر دَم چوکنا رہنا، جاسوسی کا نظام، مدینہ کے گرد ٹولیوں کا گشت، وغیرہ وغیرہ یہ وہ واقعات ہیں جن سے محمد ﷺ نے ان تمام مصائب و مشکلات پر قابو پالیا۔ مسلمانوں کو ایک لمحہ بھی چین کا نہ ملا اور دوسری جنگ آپہونچی۔ ہم نے پچھلے صفحات میں ذکر کیا ہے کہ کفار و مشرکین کس زور و شور سے اس نئی ریاست کو ختم کرنے کی اپنی مسلسل کوششیں کرتے رہے۔ آخر کار اُنہوں نے ایک معرکہ کا فیصلہ کرلیا جس میں اُنہوں نے صرف اپنے آدمیوں پر بھروسہ نہیں کیا بلکہ دوسرے قبیلوں کے جنگجوؤں سے رابطہ کیا اور ان کو اپنے ساتھ ملا لیا، ان سے ہتھیار بھی لیے گئے۔ 13 شوال 3 ہجری میں مشرکین کا مسلح لشکر ابوسفیان کی قیادت میں مکہ سے روانہ ہوا۔ لشکر میں 3000 فوجی ہیں جن میں 700 زرہ پوش ہیں۔ 3000 اونٹ ہیں، 200 گھوڑے ہیں اور ساتھ میں 15 عورتیں جو اپنے سپاہیوں کے لیے غیرت جگانے والے ترانے گانے کے لیے ساتھ گئی ہیں۔ آپ ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ جو مسلمان ہو چکے تھے، اُنہوں نے ساری تفصیلات کے ساتھ خط دے کر ایک تیز رفتار قاصد کے ساتھ یہ اطلاع مدینہ بھیجی۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ کو جمع کیا۔ آپ ﷺ نے ان سے مشورہ کیا کہ جنگ کہاں پر لڑی جائے۔ خود حضور ﷺ کا خیال تھا کہ مدینہ میں رہ کر ہی جنگ لڑی جائے۔ عبداللہ بن ابی منافق جو خود بھی جنگجو تھا،

اس نے اس تجویز سے اتفاق کیا۔ مگر حضرت حمزہؓ، حضرت سعد بن عبادہؓ اور دوسرے نوجوان صحابہؓ کا اصرار تھا کہ باہر جا کر جنگ لڑی جائے چنانچہ حضور ﷺ عصر کے بعد اپنے گھر میں گئے ہتھیار اور زرہ پہن کر باہر آئے۔ جب رسول اللہ ﷺ گھر میں تشریف لے گئے تھے تو جو بڑی عمر کے صحابہ تھے، اُنہوں نے نوجوانوں کو سمجھایا کہ یہ کیا تم لوگ نبی ﷺ کی رائے کے اوپر اپنی رائے کے لیے اصرار کر رہے ہو تو وہ شرمندہ ہو گئے اور حضور ﷺ سے کہا کہ آپ ﷺ جیسا چاہیں گے ہم کریں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''کسی نبی کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ ہتھیار پہن کر پھر اُتارے۔ جب تک اللہ اس کے اور دشمنوں کے درمیان فیصلہ نہ فرما دے۔''

اب قافلہ اسلام روانہ ہوتا ہے۔ تعداد ایک ہزار ہے۔ حضور ﷺ نے دیکھا کچھ نابالغ بچے بھی ہیں، آپ ﷺ نے ان کو واپس کر دیا۔ سوائے ابو رافع کے جو ایک ماہر تیر انداز تھے اور حضرت سمرہؓ کے جنہوں نے رافعؓ کو کشتی میں پچھاڑ دیا تھا۔ یہ قافلہ مسجد نبوی اور جبل احد کے درمیان مقام ''شوط'' پر پہنچا تو رئیس المنافقین عبداللہ ابن ابی اپنے 300 ساتھیوں کو لے کر واپس ہو گیا کہ ہماری بات مانی نہیں گئی کہ مدینہ میں ہی رہ کر جنگ کریں گے۔ اس لیے ہم واپس جا رہے ہیں۔ اب 700 مجاہدین باقی بچے، اس شر سے اللہ نے یہ خیر ظاہر کی کہ منافقین کا نفاق کھل کر سامنے آ گیا۔ مگر ان کے جانے کی وجہ سے مخلص مسلمانوں کے دو قبیلے بنو سلمہ اور بنو حارثہ بھی ہمت ہار بیٹھے اور وہ بھی واپس جانے کی سوچنے لگے مگر صحابہ کرامؓ نے ان کو سمجھایا اور اللہ نے ان کے قدم پھسلنے نہیں دیئے اور وہ ساتھ لڑنے کے لیے راضی ہو گئے۔

جنگ کی صبح فجر کی نماز کے بعد آپ مسلمانوں کو لے کر تیزی سے آگے بڑھے اور جبل عینین جو اب جبل الرماۃ کہلاتا ہے، اس پر قابض ہو گئے۔ جس طرف سے دشمن

کے حملے کا خطرہ ہوسکتا تھا، اس پر حضور ﷺ نے 50 تیر اندازوں کو واضح ہدایات دیں ''تمہارا کام دشمن کی فوج پر تیروں سے حملہ کرنا بھی ہے اور دشمن کی فوج کو پشت پر سے حملہ کرنے سے روکنا بھی ہے، ہم غالب ہوں یا مغلوب تم کسی صورت میں یہ جگہ نہ چھوڑنا۔ تم دیکھو کہ پرندے ہماری بوٹیاں نوچ رہے ہیں اور ہمیں تمہاری ضرورت ہے، تب بھی یہاں سے نہ ہلنا۔ جب تک کہ میں خود تم کو بلالوں، یہ جگہ مت خالی کرنا۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے فوجی دستے ترتیب دیئے، جنگ بدر میں بھی ترتیب بنائی گئی تھی اور عربوں کو یہ نظم وترتیب سکھانے والے آپ ﷺ ہیں۔ 5 دستوں میں فوجیں تقسیم ہوئیں۔ ایک دستہ محفوظ رکھا گیا، خود محمد ﷺ کی حفاظت کے لیے 14 جانباز صحابہ مامور ہوئے۔ آج جدید ٹیکنالوجی میں ایک اہم چیز تیزی کے ساتھ نقل وحرکت سے دشمن کو حیرت زدہ اور پریشان کرنا بھی ہے۔ یہ بھی محمد ﷺ کی عطا کی ہوئی ہے۔

احد پہاڑ کے دامن میں حق و باطل کے لیے لڑنے والے لشکر جمع ہیں۔ محمد ﷺ نے احد پہاڑ کے بارے میں فرمایا۔ ''بلاشبہ احد پہاڑ وہ پہاڑ ہے جو ہم سے محبت کرتا ہے، اور ہم اس سے محبت کرتے ہیں۔''

حضور ﷺ نے جوش شجاعت پیدا کرنے کے لیے ایک تیز دھاری والی تلوار لہرائی کہ کون اس کا حق ادا کرے گا؟ حضرت زبیر بن عوامؓ آگے بڑھے، پھر دوبارہ فرمایا تو کچھ اور صحابہ آگے بڑھے، پھر تیسری بار فرمایا تو سب لوگوں میں جوش پیدا ہوگیا اور ہر کوئی اس کو لینے کا خواہاں ہوگیا۔ جناب ابو دجانہ آگے بڑھے تو آپ ﷺ نے تلوار ان کو تھما دی۔ اُنہوں نے پوچھا۔ ''اس تلوار کا کیا حق ہے۔'' فرمایا۔ ''اس کا حق یہ ہے کہ اس سے دشمن پر زبردست حملے کیے جائیں کوئی کافر بچنے نہ پائے اور کوئی مسلمان نہ مارا جائے۔'' چنانچہ ابو دجانہؓ نے اپنے ماتھے پر سرخ پٹی باندھی اور اترا

اترا کر چلنے لگے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''یہ چال اللہ کو پسند نہیں، مگر جنگ میں جائز ہے۔'' ابو دجانہؓ دیوانہ وار دشمن کی فوجوں میں جا گھسے۔ قتل وقتال شروع ہو گیا قریب تھا کہ ایک کافر کو تلوار مارتے کہ وہ چیخنے لگی، تب سمجھے کہ وہ ایک عورت ہے اُنہوں نے تلوار روک لیا کہ حضور ﷺ کی تلوار عورت پر نہیں اُٹھے گی۔ حضرت علیؓ اور حضرت حمزہؓ نے بھی اپنی تلوار کے جوہر دکھائے اور جنگ باقاعدہ شروع ہو گئی۔ آخر جاہلیت پرستوں کے قدم اُکھڑ گئے اور ان کی رجز خواں نازنین بدحواسی میں بھاگیں، افراتفری پھیل گئی۔ کافر لوگ بھاگنے لگے۔ مسلمانوں نے سوچا کہ جنگ ختم ہو گئی، سو اُنہوں نے دشمن کو بے سروسامان کرنے کا قصد لے کر سامان جنگ، رسد اور دوسری اشیاء پر قبضہ کرنا شروع کر دیا۔ ہڑبونگ پھیل گئی حتیٰ کہ درہ پر مقیم لوگ بھی اپنی جگہ چھوڑ بیٹھے۔ حضرت جابرؓ ان کو بلاتے رہ گئے مگر سوائے دس صحابہ کے باقی سب اس طرف چلے گئے۔ اس لغزش کا بڑا خوفناک خمیازہ مسلمانوں کو بھگتنا پڑا۔ قریشی فوج میں خالد بن ولید (جو ابھی تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) جیسا زیرک اور بہادر موجود تھا، اس نے دور ہی سے دیکھا کہ درہ خالی ہے، وہ پلٹ کر آیا اور درہ پر موجود دس صحابہ کو تہہ تیغ کر دیا جبکہ اس سے پہلے خالد 3 بار کوشش کر چکے تھے مگر ہر مرتبہ مسلمان مجاہدین نے ان کو مار بھگایا تھا۔ بس اب کیا تھا، مشرکین کے دوسرے دستے بھی پلٹ آئے اور پیچھے سے آ کر مسلمانوں کو مارنا شروع کر دیا۔ اب صورتحال یہ تھی کہ مسلمانوں کے آگے بھی دشمن پیچھے بھی دشمن دونوں طرف سے مسلمان پس کر رہ گئے۔ مشرکین کا ٹارگٹ تو محمد ﷺ تھے۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ، محمد ﷺ سے مشابہ تھے، کافروں نے مل کر ان پر حملہ کیا اور آن کی آن میں حضرت مصعبؓ کو شہید کر دیا اور ابن خمس نے شور مچا دیا کہ محمد ﷺ مار دیئے گئے۔ اب اس خبر سے کافروں کے دستوں نے جنگ

روک دی اور لاشیں ڈھونڈنے لگے۔ اس جنگ میں کافروں کے 30 فوجی مارے گئے اور مسلمانوں کے 70 صحابہؓ شہید ہوئے۔ وہ تو لاشوں کا مثلہ کرنے لگے۔ حضرت حمزہؓ کے ناک کان کاٹ کر ابوسفیان کی بیوی ہندہ نے گلے کا ہار بنایا اور کلیجہ نکال کر چبانے کی کوشش کی مگر نگل نہ سکی، تھوک دیا۔ ادھر کچھ مسلمانوں کا یہ حال تھا کہ اُنہوں نے بھی تلوار نیام میں واپس رکھ لیں کہ اب حضور ﷺ ہی نہ رہے تو ہم لڑ کر کیا کریں گے مگر کچھ لوگ تو یہ تک سوچنے لگے کہ عبداللہ بن ابی کے پاس جاتے ہیں کہ وہ ابوسفیان سے بات کر کے ہم کو امان دلوا دے۔ ابن نضرؓ حضرت انس انصاریؓ کے چچا اِدھر سے گزرے اور ان کی حالت کو دیکھا تو اُنہوں نے کہا کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد ہم زندہ رہ کر کیا کریں گے۔ اُٹھو جس مقصد پر حضور ﷺ نے جان دی، ہم بھی جان دیں گے چنانچہ صحابہؓ ان کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور مردانہ وار مقابلہ کرتے ہوئے شہید ہو گئے۔

شیرِ خدا (اسد اللہ) حضرت حمزہؓ کی شہادت

حضرت حمزہؓ کے قاتل کا نام وحشی بن حرب تھا۔ وہ جبیر بن مطعم کا غلام تھا، وہ بہت اچھا نیزہ باز تھا۔ جبیر کا چچا طعیمہ، حضرت حمزہؓ کے ہاتھ سے جنگ بدر میں مارا گیا تھا۔ جبیر نے وحشی سے کہا ''اگر تم حمزہ کو قتل کر دو گے تو تم آزاد ہو گے۔'' حمزہؓ بڑی دلیری سے لڑ رہے تھے، جونہی ایک کافر ان کے قریب آیا۔ اُنہوں نے ایسی تلوار ماری کہ گویا وہ وہاں تھا ہی نہیں۔ وحشی تاک میں بیٹھا تھا، حضرت حمزہؓ اس کے نشانے پر آ گئے تو اس نے نیزہ پیچھے سے ان کی جانب اُچھال دیا۔ وحشی ایک اوٹ میں تھا، نیزہ ناف کے نیچے لگا اور دونوں پاؤں کے بیچ سے پار ہو گیا۔ اُنہوں نے اُٹھنا چاہا مگر اُٹھ نہ سکے اور فرشتوں کے ہمراہ جنت کی راہ لی۔ محمد ﷺ نے جب حمزہؓ کی مثلہ شدہ لاش دیکھی جو کہ ہندہ بن عتبہ نے ان کا مثلہ کیا تھا، ناک کان کاٹ کے ہار بنایا، پیٹ پھاڑ کے کلیجہ نکالا، چبانا چاہا تو چبا نہ سکی۔ حضور ﷺ نے جب حضرت حمزہؓ کو اس حال میں دیکھا تو رونے لگے۔ اسد اللہ، اسد اللہ کہتے جاتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کی بہن صفیہؓ کو حضرت حمزہؓ کو دیکھنے سے منع کیا کہ وہ برداشت نہ کر سکیں گی۔ وہ ان کے کفن کے لیے دو چادریں لائی تھیں مگر ایک ان کے انصاری بھائی کو دے دی گئی کیونکہ ان کے پاس کوئی چادر نہ تھی۔ حمزہؓ قد آور شخصیت تھے، ایک چادر ڈالی گئی تو سر ڈھکتے تھے تو پاؤں کھل جاتے تھے اور پاؤں ڈھکتے تھے تو سر کھل جاتا تھا۔ پھر حضور ﷺ نے حکم دیا کہ ان کے پاؤں پر گھاس ڈال دی جائے اور سر ڈھانک دیا جائے۔ شہید کو چونکہ غسل نہیں دیا جاتا، اس لیے ان کو ایک اور صحابیؓ کے ساتھ ایک ہی

قبر میں دفن کر دیا گیا۔ وہ حضور ﷺ کے چچا تھے، عمر میں آپ ﷺ سے چند ہی سال بڑے تھے۔ وحشی نے فتح مکہ کے موقع پر اسلام قبول کیا۔ اُنہوں نے حمزہؓ کی شہادت کا واقعہ اس سے سنا اور آنکھیں آنسوؤں سے تر ہو گئیں۔ مگر آپ ﷺ نے حمزہؓ کے قاتل سے کوئی انتقام نہ لیا۔ بس یہ کہا کہ آئندہ کبھی اپنی صورت لے کر میرے سامنے نہ آنا۔ اس کے بعد وحشی کو جہاں کہیں حضور ﷺ نظر آتے وہ فوراً چھپ جاتا۔ حضور ﷺ کے بعد جب مرتدین نے سر اُٹھایا اور مسلمہ کذاب نے نبوت کا دعویٰ کیا۔ حضرت ابوبکرؓ اس وقت خلیفہ تھے، ان کی فوج میں وحشی شامل ہو گیا اور نیت رکھی، دعا بھی کی کہ میں حمزہؓ کے کفارے کے طور پر اس کذاب کو قتل کرنا چاہتا ہوں، اس نے اس کو دیکھ کر تاک کر نیزہ مارا اور وہ کذاب جہنم رسید ہو گیا۔

غسیل ملائکہ ابوحنظلہ

حضرت ابوحنظلہؓ کی جب لاش ملی تو اس سے پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے۔ اس کے بارے میں ان کی بیوی سے پوچھا گیا تو اُنہوں نے کہا آج ہی ہماری شادی ہوئی تھی، ان کو جیسے ہی یہ خبر ملی کہ اسلامی لشکر احد روانہ ہو گیا ہے وہ فوراً اُٹھے اور سیدھے میدان جنگ پہنچ گئے اور بہادری سے لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ان کو ملائکہ نے غسل دیا ہے اور ان کا نام غسیل ملائکہ حنظلہ پڑ گیا۔ اوس کے سردار فاسق ابوعامر راہب کے بیٹے تھے جو نبی ﷺ سے سخت نفرت کرتا تھا اور قریشیوں کے ساتھ لڑنے آیا تھا، وہ کہتا تھا میں جنگ میں جاؤں گا اور اپنے

قبیلے اوس کو للکاروں گا تو سب محمد ﷺ کا ساتھ چھوڑ کر میرے ساتھ آ جائیں گے۔ چنانچہ جیسے ہی وہ میدان جنگ میں آیا اور اس نے پکار لگائی میں ہوں تمہارا لیڈر تم سب محمد ﷺ کو چھوڑ کر میرے ساتھ آ جاؤ۔ تم کو امان دی جائے گی۔ اس کی آواز پر سب اس کو برا بھلا کہنے لگے اور وہ واپس لوٹ گیا۔ جا کر ابوسفیان سے کہا میری قوم میرے پیچھے بگڑ گئی ہے۔ پھر وہ لڑائی میں شریک ہوا اور اسی میں مارا گیا۔ جنگ ابھی جاری ہے، تفصیل آگے آ رہی ہے۔

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ غزوۂ احد کے پہلے حملے میں جنگ تقریباً جیتی جا چکی تھی۔ 50 مسلمان جو درہ پر تعینات کیے گئے تھے، اس میں سے 40 درہ چھوڑ کر مال غنیمت جمع کرنے میں لگ گئے جو کافر میدان چھوڑ کر بھاگ گئے تھے، خالد بن ولید نے درہ پر مقیم چند سواروں کو دیکھ کر اس پر قبضہ کر لیا۔ وہ دس مسلمان شہید ہو گئے اور جنگ کا پانسہ اب پلٹ گیا۔ مسلمانوں پر پیچھے سے حملہ ہوا اور بھاگتے ہوئے کافر بھی پلٹ آئے۔ مسلمان سینڈوچ بن گئے۔ مسلمانوں کو خالد بن ولید کے نرغے میں دیکھ کر حضور ﷺ نے خطرہ کی پرواہ کیے بغیر زوردار آواز لگائی۔ ''الی عباداللہ، انی رسول اللہ'' میری طرف آؤ، میں اللہ کا رسول ہوں۔ حضور ﷺ کی آواز سن کر مسلمانوں میں طاقت کی لہر دوڑ گئی اور وہ واپس حضور ﷺ کی آواز کی سمت پلٹنے لگے۔ مشرکین حضور ﷺ کے قریب تھے، اُنہوں نے یہ آواز پہلے سنی اور ان لوگوں کا رخ بھی حضور ﷺ کی طرف ہو گیا۔ میدان احد میں گھمسان کی جنگ جاری تھی۔ نبی ﷺ کے پاس اس وقت دو صحابہؓ تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''کون ہے جو آج میرے لیے اپنی جان فروخت کرتا ہے۔'' آواز سن کر 10 انصاری صحابہؓ آ گئے اور تیروں کی بوچھاڑ میں سب کے سب محمد ﷺ پر نثار ہو گئے۔ عتبہ

بن ابی وقاص نے ایک پتھر تاک کر آپ ﷺ کے چہرے پر مارا جس سے آپ ﷺ گر گئے۔ آپ ﷺ کا دانت ٹوٹا۔ آپ ﷺ کے ہونٹ زخمی ہوئے، اس نے پھر تلوار ماری جس سے آپ ﷺ کے خود (سر پر پہننے والی لوہے کی ٹوپی) کی کڑیاں آپ ﷺ کے چہرے کے اندر گھس گئیں۔

تلوار کا یہ وار ابن قمنہ نے کیا تھا۔ ساتھ ہی اس نے کہا۔ ''اسے یعنی اس وار کو لے میں قمنہ (توڑنے والے) کا بیٹا ہوں۔'' حضور ﷺ نے چہرے سے خون صاف کرتے ہوئے فرمایا۔ ''اللہ تجھے توڑ ڈالے۔'' آپ ﷺ کے ساتھ اس وقت دو صحابہ سعد بن ابی وقاص ؓ اور طلحہ بن عبیداللہ ؓ تھے، وہ ماہر تیر انداز تھے، اُن دونوں نے اس قدر تیر برسائے کہ مشرکین حضور ﷺ کے قریب نہ آ سکے۔ حضور ﷺ نے حضرت سعد ؓ سے فرمایا۔ تیر چلاؤ، تم پر میرے ماں باپ فدا ہوں۔'' ایسا فقرہ تمام صحابہ ؓ حضور ﷺ کے لیے بولا کرتے تھے، مگر حضور ﷺ نے پہلی مرتبہ یہ کلمات سعد ؓ کے لیے اُن سے محبت کے طور پر فرمائے۔ طلحہ بن عبیداللہ تیر برساتے تھے اور خود حضور ﷺ کے سامنے کھڑے تھے۔ اپنا ہاتھ پھیلایا ہوا تھا جس پر دشمنوں کی جانب سے آئے ہوئے تیر پیوست ہوتے تھے۔ ان کے جسم پر 35 یا 39 زخم آئے اور ان کا ہاتھ شل ہو گیا۔ حضور ﷺ نے ان کی تعریف میں فرمایا۔ ''جس کو کسی چلتے پھرتے شہید کو دیکھنا ہو، وہ طلحہ بن عبیداللہ کو دیکھ لے۔''

حضور ﷺ کی آواز سن کر مسلمان دیوانہ وار آپ ﷺ کی طرف دوڑ رہے تھے۔ مگر راستہ میں مشرکین تھے، جن سے لڑتے بھڑتے جو لوگ رسول اللہ ﷺ تک پہنچے وہ یہ حضرات تھے، حضرت علی ؓ، ابوبکر ؓ، ابو دجانہ ؓ، مصعب بن عمیر ؓ، سہل بن حنیف ؓ، مالک بن سنان ؓ، اُم عمارہ قتادہ اور عمر ؓ بن خطاب۔ مشرکین کا دباؤ بڑھ رہا

تھا۔ حضور ﷺ اس دوران مشرکین کے کھودے ہوئے ایک گھڑے میں گر گئے۔ صحابہؓ نے آپ ﷺ کو سنبھالا۔ آپ ﷺ کے چہرے سے خود کی کڑیاں نکالیں۔ حضرت مصعب بن عمیرؓ حضور ﷺ سے مشابہ تھے۔ ابن قمنہ سمجھا کہ یہ حضور ﷺ ہیں، اس نے تلوار کا وار کیا اور ان کا دایاں ہاتھ کٹ گیا ان کے پاس جھنڈا بھی تھا۔ اُنہوں نے بائیں ہاتھ سے پکڑ لیا، پھر وہ بھی تلوار کے وار سے کٹ گیا، پھر وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ گئے اور سینہ و گردن سے جھنڈے کو سہارا دے کر بلند کیے رکھا اور اسی حالت میں جام شہادت نوش کیا۔ اس کے بعد ابن قمنہ نے چلا چلا کر اعلان کیا کہ محمد قتل کر دیئے گئے ہیں، جس کا اس معرکہ پر گہرا اثر ہوا۔ صحابہؓ نے سوچا اب ہم لڑ کر کیا کریں گے اور دلبرداشتہ ہو کر ایک طرف بیٹھ گئے۔ کچھ نے سوچا لڑ کر جان دے دیتے ہیں۔ حضور ﷺ نے جس مشن کی خاطر جان دے دی اور کچھ لوگ اس جانبازی و سرفروشی سے لڑے کہ حالات کا رخ پلٹ گیا۔

روایات میں آتا ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد ابن قمیہ اپنے گھر چلا گیا۔ وہ اپنی بکریاں دیکھنے نکلا جو اس کو پہاڑ کی چوٹی پر ملیں۔ وہاں ایک پہاڑی بکرا تھا جس نے ابن قمیہ کو سینگ مار مار کر پہاڑ کی بلندی سے گرا دیا اور وہ یوں ہلاک ہو گیا۔ نبی ﷺ کی یہ بددعا اس کے حق میں پوری ہو گئی۔ ''اللہ تجھے توڑ ڈالے۔''

اب حالات پلٹنا شروع ہو گئے۔ مسلمان جان توڑ کر لڑے۔ کافر پسپا ہو گئے اور اُنہوں نے واپسی کی تیاری شروع کر دی۔ مسلمان ہوش میں بھی آ گئے تھے۔ دورانِ جنگ ان کو نیند بھی آ رہی تھی، جس کے بعد ان پر سے پریشانی دور ہو گئی اور دلجمعی سے لڑ کر شکست سے بچ گئے۔ حضرت کعبؓ نے حضور ﷺ کو دیکھا تو پکار اُٹھے کہ یہ رہے رسول اللہ ﷺ۔ اب سب آپ ﷺ کی طرف دوڑے۔ لوگوں میں خوشی

کی لہر دوڑ گئی۔ حضور ﷺ پہاڑی کے اونچے مقام پر چلے گئے۔ پیچھے پیچھے ابوسفیان اور اس کے ساتھی بھی آنے لگے تو صحابہؓ نے پتھر مار مار کر ان کو نیچے کی جانب دھکیل دیا، پھر وہ قریب کے ٹیلے پر چڑھ گئے اور یقینی معلومات حاصل کرنا چاہیں۔ اس نے بلند آواز سے حضور ﷺ، حضرت ابوبکرؓ اور حضرت محمد ﷺ کا نام لے کر پکارا کہ کوئی ہے؟ کوئی جواب نہ آیا تو بولا۔ ''سب مر گئے۔'' حضرت عمرؓ تڑپ کر بولے۔ ''او دشمن خدا ہم سب زندہ ہیں۔ اللہ نے تیری رسوائی کا سامان باقی رکھا ہے۔'' پھر اس نے نعرہ لگایا، ''اعلیٰ ہبل، اے ہبل تو سر بلند رہے۔'' جواب آیا۔ ''اللہ اعلیٰ، اللہ کی ذات ہی بلند و برتر ہے۔'' پھر اس نے کہا۔ ''لنا عزیٰ ولا عزیٰ لکم، ہمارے ساتھ عزیٰ ہے، تمہارے ساتھ عزیٰ نہیں۔'' مسلمانوں کا جواب آیا۔ ''اللہ مولانا ولا مولیٰ لکم، اللہ ہمارا آقا ہے، تمہارا کوئی آقا نہیں۔'' پھر اس نے کہا تمہارے مقتولین کا مثلہ ہوا ہے، مگر میں نے نہ ہی اس کا حکم دیا اور نہ ہی اس کا برا منایا ہے۔'' پھر اس نے کہا۔ ''آج کے دن میں جنگ بدر کا بدلہ ہے اور لڑائی ڈول ہے۔'' حضرت عمرؓ نے کہا ''برابر نہیں ہے، ہمارے مقتولین جنت میں ہیں اور تمہارے جہنم میں ہیں۔'' اس کے بعد اس نے حضرت عمرؓ کو قریب بلایا اور پوچھا۔ ''اللہ کی قسم مجھے بتاؤ کیا ہم نے محمد ﷺ کو قتل کر دیا ہے؟'' اُنہوں نے کہا ''نہیں، وہ اس وقت ہماری باتیں سن رہے ہیں۔'' اس نے کہا ''تم ابن قمیہ سے زیادہ سچے ہو میرے نزدیک۔'' ابن اسحاق کا بیان ہے، ابوسفیان اور اس کے ساتھی روانہ ہونے لگے تو کہا اگلے سال بدر میں ملیں گے۔ حضور ﷺ نے کہا کہہ دو ٹھیک ہے اور یہ کہہ دیا گیا۔

جب مشرکین حملہ آور واپس چلے گئے تو حضور ﷺ نے صحابہؓ سے کہا میرے اردگرد سے ہٹو، مجھے اللہ کے حضور دعا مانگنی ہے۔ تمام صحابہؓ آپ ﷺ کے پیچھے جمع

ہو گئے اور آپ ﷺ نے ایک لمبی دعا فرمائی۔

پھر 70 صحابہؓ کا ایک دستہ دشمنوں کے تعاقب میں لے کر گئے کہ ممکن ہے وہ پلٹ کر آئیں، ادھر ابوسفیان نے ''روحا'' کے مقام پر پہنچ کر جائزہ لیا تو اسے سخت پشیمانی ہوئی کہ اسے تو مدینہ پر قبضہ کر کے مسلمانوں کی ریاست کو ختم کر دینی چاہیے تھی، مسلمان ابھی مدینہ سے 8 میل دور ''حمراء الاسد'' تک ہی گئے تھے کہ ایک حلیف قبیلہ بنوخزاعہ کے لوگ ملے۔ وہ دوڑ کر ابوسفیان کے پاس گئے اور اُنہوں نے بتایا کہ مسلمان ایک بڑے لشکر کے ساتھ تمہارے پیچھے آ رہے ہیں۔ اس خبر سے ہراساں ہو کر ابوسفیان نے رخت سفر باندھ لیا۔ اس نے سوچا ہم نے جو مثلہ کیا ہے، لوگ انتقام میں بھرے ہوں گے، اب خونریزی اور ہوگی۔ اس نے جانے میں ہی عافیت سمجھی۔ دستور کے مطابق حمراء الاسد میں محمد ﷺ کے لشکر نے تین دن تک قیام کیا۔

احد کی اس ناکامی نے اہل ایمان کی خود احتسابی، اپنی کمزوریوں کے تجزیے نیز عسکری انتظام کی مکمل اہمیت کا احساس دلایا اور سکھایا کہ امیر کی اطاعت کتنی ضروری ہے اور خطا و لغزش کے کتنے ہولناک نتائج نکل سکتے ہیں۔

اس جنگ میں حضور ﷺ کا مثالی کردار سامنے آیا۔ جب مسلمان کافروں کے نرغے میں پھنس گئے تھے تو آپ ﷺ اپنی جان بچا کر کسی کھوہ (غار) میں گھس سکتے تھے، آپ ﷺ کو یہ بھی نظر آ رہا تھا کہ چاروں طرف دشمنوں سے گھرے ہوئے ہیں، اس کے باوجود اپنی جان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے مسلمانوں کی جان بچانے کا فیصلہ کیا۔ آپ ﷺ کی بے نظیر شجاعت اور عبقریت نمایاں ہوئی۔ آپ ﷺ کی سیرت کا یہ پہلو دوسرے مواقع پر بھی ہم کو نظر آتا ہے، جس میں آپ ﷺ نے قوم کے فائدے کو اپنی ذات پر ترجیح دی۔

معرکۂ احد پر قرآن پاک کا تبصرہ

اس معرکہ پر قرآن نے سورۂ آل عمران میں مفصل تبصرہ کرتے ہوئے ان کمزوریوں پر سخت گرفت کی ہے، جو ابھی تک مسلمانوں میں موجود تھیں۔ ان کو صبر پر کاربند رہنے کی تلقین کی (آل عمران 125) اور ان کو مال و دولت کی اس اندھی ہوس سے بچنے کی نصیحت کی جو سود خوری کا اصل سبب تھی۔ ان کو سمجھایا کہ سود خورانہ ذہنیت کے ساتھ نہ صبر قائم رکھا جا سکتا ہے، نہ نظم و ضبط کے تقاضے پورے کیے جا سکتے ہیں اور نہ کسی اعلیٰ نصب العین کے لیے تاریخی معرکے لڑے جا سکتے ہیں۔ اسی موقع پر سود کو حرام کرنے کی آیت نازل ہوئی۔ (آل عمران 130) دوران جنگ جو نظم ٹوٹ گیا تھا۔ اس پر قرآن کہتا ہے۔

''اللہ نے تائید و نصرت کا جو وعدہ کیا تھا وہ تو اس نے پورا کر دیا، ابتدا میں اس کے حکم سے تم ہی ان کو قتل کر رہے تھے، مگر جب تم نے کمزوری دکھائی اور اپنے کام میں باہم اختلاف کیا تو جونہی وہ چیز اللہ نے تم کو دکھائی جس کی محبت میں تم گرفتار تھے (مال غنیمت) تم اپنے سردار کے حکم کی خلاف ورزی کر بیٹھے، اس لیے کہ تم میں سے کچھ لوگ دنیا کے طالب تھے اور کچھ آخرت کی خواہش رکھتے تھے۔ تب اللہ نے تمہیں کافروں کے مقابلے میں پسپا کر دیا تا کہ تمہاری آزمائش کرے۔ حق یہ ہے کہ اللہ نے تمہیں پھر بھی معاف کر دیا کیونکہ مومنوں پر اللہ بڑی نظر عنایت رکھتا ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے ان صحابہ کی معافی کا اعلان قرآن میں کر دیا ہے تو ہم میں سے کسی کو نہ

حق ہے، نہ زیبا ہے کہ ہم اپنی زبان سے کچھ بھی ان کے خلاف کہیں یا لکھیں۔ ہم خود نہ جانے دن رات کتنی غلطیاں کرتے ہیں اور اللہ کو جانے انجانے میں کتنا ناراض کر دیتے ہیں اور ہمیں تو پتہ بھی نہیں کہ اللہ نے ہم کو معاف کر دیا یا نہیں۔ پھر بھی ہم معافی کی اُمید رکھتے ہیں۔ قرآن میں سورۃ الانفال کی 60 آیتیں غزوۂ احد کے بارے میں نازل ہوئیں۔

خواتین کی محمد ﷺ سے محبت کے مظاہر

ہند نامی ایک انصاریہ جو عمرو بن جموح کی بیوی اور خلاد بدری کی والدہ تھیں، ان کے لیے یہ آزمائش بہت کڑی تھی۔ ان کے باپ، بھائی اور شوہر سب اسلام پر نثار ہو گئے تھے۔ وہ ان سارے زخموں کو حوصلہ مندی سے کلیجے پر لے کر بار بار یہ ہی پوچھتی تھیں کہ ''کیا خدا کے رسول ﷺ صحیح سلامت ہیں؟'' کیونکہ حالات واضح نہیں تھے، اس لیے ان کو اس کا جواب نہ ملتا تھا۔ آخر ایک شخص کو جب حضور ﷺ کی خیریت کی اطلاع ملی تو اس نے آکر بتایا کہ ''حضور ﷺ خیریت سے ہیں۔'' تو پکار اُٹھیں، ''**کل مصیبة بعدك جلل**'' یعنی ''آپ ﷺ سلامت ہیں تو کوئی مصیبت بھاری نہیں۔'' سب گوارا ہے۔

حضرت عائشہؓ، حضرت اُم سلیم اور ام سلیط جیسی معزز خواتین میدان جنگ میں پانی کے مشکیزے لے کر پہنچیں اور دوڑ دوڑ کو زخمیوں کو پانی پلاتیں۔ جناب فاطمہ زہراؓ بھی آ گئیں اور حضور ﷺ کے زخم سے جو مستقل خون بہہ رہا تھا، چٹائی کا ٹکڑا جلا کر اس کی راکھ زخم میں بھری تو خون بند ہوا۔ آپ ﷺ کے باقی زخموں کو دھویا اور مرہم پٹی کی۔ حمنہ بنت جحش کو جب خبر دی گئی کہ ان کے بھائی عبداللہ بن جحش شہید ہو گئے تو اُنہوں نے انا للہ پڑھا اور مغفرت کی دعا کی پھر ان کو ان کے ماموں حضرت حمزہؓ کی شہادت کی خبر دی گئی اور اُنہوں نے یہ ہی عمل دہرایا مگر جب ان کو ان کے شوہر مصعب بن عمیرؓ کی شہادت کی خبر دی گئی تو ان کے منہ سے ایک زور کی چیخ نکلی۔ حضرت صفیہؓ نے اپنے بھائی کی مثلہ شدہ لاش دیکھی، انا للہ پڑھا، دعائے مغفرت کی اور بڑے صبر کا

مظاہرہ کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''عورت کی زندگی میں شوہر کا ایک خاص مقام ہوتا ہے۔'' عرب کے دستور کے مطابق مدینہ میں جا کر خواتین نے نوحے کہے اور بین کیے پھر بہت سی خواتین حضور ﷺ کے گھر کے باہر جمع ہو گئیں اور بین کیے کیونکہ حضرت حمزہؓ نے شادی نہیں کی تھی اور ان کے لیے بین کرنے والا کوئی نہ تھا۔ حضور ﷺ نے یہ بین سنا اور اگلے دن ہی سے نوحے اور بین کرنے کو حرام قرار دے دیا۔

اُم ایمنؓ وہ خاتون تھیں جنہوں نے ان مسلمانوں کو جو نبی ﷺ کی شہادت کی خبر سن کر مدینہ آ گئے تھے۔ کچھ اور خواتین کے ساتھ مل کر ان کے منہ پر مٹی پھینکی اور کہا ہمیں تلوار دو، تم یہ سوت کاتنے کی چرخی کا تکلہ لو اور سوت کاتو۔ پھر وہ دوڑتی ہوئی میدان احد، پانی کا مشکیزہ لے کر گئیں اور زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں کہ کسی کافر نے تیر پھینکا اور وہ گر گئیں، پوری بے پردہ ہو گئیں تو کافر ہنسنے لگا تو حضور ﷺ نے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کو تیر دے کر کہا اس پر چلاؤ، تیر سیدھا اس کے حلق میں لگا اور وہ گر گیا اور وہ بھی بے پردہ ہو گیا۔ حضور ﷺ بھی ہنسے اور کہا ''سعد نے اُم ایمن کا بدلہ لے لیا۔''

عام مسلمانوں کی جاں نثاری

اس معرکہ میں آپ ﷺ کے مٹھی بھر رفقاء نے جس سرفروشانہ محبت اور فداکاری کا ثبوت دیا، اس کا تصور رہتی دنیا تک لوگوں کے دلوں کو گرماتا رہے گا۔ کسی بھی تحریک کے لیے اصول اور قیادت دونوں لازم وملزوم ہیں۔ صحابہؓ میں یہ شعور بہت گہرا تھا کہ آپ ﷺ کا وجود تحریک کی جان ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی کے تحفظ آپ ﷺ کی عزت کی بلندی اور آپ ﷺ کے اثر ورسوخ کی توسیع کے لیے جاں نثاری کرتے تھے۔ اور آج بھی محمد ﷺ اگرچہ موجود نہیں ہیں مگر ان کی مسلمانوں کے لیے لازوال قربانیاں ان سے سچی محبت، ان کی تعلیم وتربیت کے انمٹ نقوش، قرآن وحدیث میں ہمارے سامنے موجود ہیں اور ان کے ناموس کی حفاظت ہمارے اوپر فرض ہے۔ عبداللہ بن قمنہ نے جب تلوار حضور ﷺ کو ماری تو ام عمارہؓ عورت ہوتے ہوئے لپک کر سامنے آگئیں اور تلوار کا وار اپنے کندھے پر لیا۔ ان ہی کے حائل ہونے کی وجہ سے یہ وار حضور ﷺ کے حق میں اوچھا ہوگیا اور حضور ﷺ کو کم نقصان پہنچا۔ ایک سیدھا سادا مسلمان کھجوریں کھاتے کھاتے میدان احد میں حضور ﷺ کے قریب آ گیا۔ معرکہ دیکھ کر جوش میں آ گیا اور پوچھا اگر میں لڑ کر قربان ہوجاؤں تو مجھے کیا ملے گا۔ حضور ﷺ نے کہا ''جنت''۔ کہنے لگا اچھا اگر میں نے ان کھجوروں کو کھانے کی مہلت پالی تو بڑی عمر پائی۔ وہ ٹوٹ پڑا اور لڑتے لڑتے شہید ہوگیا۔

حضور ﷺ اپنے ساتھیوں سے بہت محبت کرتے تھے، جنگ ختم ہونے کے بعد

پوچھا۔ ''سعد بن ربیع، کہاں ہیں؟'' تلاش کیا گیا، ایک طرف جاں بلب پڑے تھے۔ آخری لمحوں میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے سلام محبت کا ہدیہ بھیجا اور مسلمانوں کو وصیت کی کہ دیکھو اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک دشمن کا ہاتھ پہنچ گیا اور تم میں سے ایک آنکھ بھی دیکھنے والی موجود ہوئی تو اللہ تمہارا کوئی عذر قبول نہ کرے گا۔ نہ اپنے کرب کا خیال اور اعزہ واقربا کی فکر نہ مال وجائیداد کے مستقبل کی فکر۔ سبحان اللہ محبت اور عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اظہار دیکھیے۔

عمر بن صامت ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے، ایک صالح نوجوان تھے۔ مسلمانوں سے ہمدردی رکھتے تھے۔ وہ بھی احد کے دن ایمان لائے اور جا کر جنگ میں خوب لڑے اور شہید ہو گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''یہ ایسا جنتی ہے جس نے ایک وقت نماز بھی نہیں پڑھی (اس لیے کہ ایمان لانے کے بعد نماز کا وقت آنے سے پہلے شہید ہو گئے۔)

وہ تمام لوگ جنہوں نے بہادری کے جوہر دکھائے اور مقتول ہو گئے، لیکن وہ مسلمان نہیں تھے، بلکہ کسی نے قبائلی حمیت کی خاطر جنگ کی اور کسی نے اپنے قبیلہ کے ساتھ معاہدہ کی وجہ سے جان دی، ان سب کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''وہ جہنم میں ہیں۔''

ابوعزہ جمحی کا جو کہ جنگ بدر میں قیدی بن گیا تھا، اس نے اپنی ناداری ومفلسی کا رونا رویا اور کہا میری لڑکیاں ہیں، مجھ پر احسان فرمایئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو مفت میں رہا کر دیا۔ اس شرط پر کہ اب کبھی مسلمانوں کے مقابل آ کر جنگ نہ کرے گا۔ اب اس کو میدان احد میں دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اس کو پکڑ کر لاؤ، اس نے پھر وہی ناداری اور بچیوں کا رونا رویا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''اب یہ دوسری بار نہیں ہوسکتا کہ تم مکہ جاؤ اور کہو میں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دوبارہ دھوکا دیا۔ مومن ایک سوراخ سے دوبار نہیں ڈسا جا سکتا، پھر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم پر اس کو قتل کر دیا گیا۔ اس لیے کہ

اس نے ایک تو عہد شکنی کی پھر حضور ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے خلاف اپنے اشعار سے لوگوں کے جذبات اُبھارے اور پھر لڑنے کے لیے احد آ گیا۔

جنگ میں لڑتے ہوئے مقتول ہو جانے والوں میں سے کسی کو حضور ﷺ نے جنتی کہا اور کسی کو جہنمی۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ جس نے عصبیت کے لیے جنگ کی یا اپنے قبیلے کی شان بڑھانے یا عہد و پیمان کا پاس رکھنے کے لیے جنگ کی تو یہ وجہ اللہ کے ہاں مقبول نہیں۔ خالص اللہ کی رضا اور اس کے رسول ﷺ کی پیروی میں جو جنگ کی جائے اور وہ ایمان والا بھی ہوگا تو وہ عنداللہ مقبول ہوگی۔ یہ اصول ہم کو یاد رکھنا چاہیے۔

غزوۂ احد میں شکست ہوئی یا نہیں

اس میں کوئی شک نہیں کہ جنگ کے پہلے مرحلہ میں مسلمان فتح یاب ہوئے اور کافروں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ بھاگنے کی تیاری کرنے لگے۔ مگر جب خالد بن ولید کی وجہ سے پانسہ پلٹا تو دوسرے مرحلہ میں مشرکین کو برتری حاصل ہوگئی۔ ہم اس کو شکست بھی نہیں کہہ سکتے کیونکہ مکی لشکر مسلمانوں کے کیمپ پر قبضہ نہیں کرسکا۔ مسلمان لشکر کے بڑے حصے نے بدنظمی کے باوجود راہ فرار اختیار نہیں کی۔ کوئی ایک بھی مسلمان قید نہیں ہوا۔ مکی لشکر ان کو میدان جنگ سے بھاگ جانے پر مجبور نہ کرسکا۔ جیسا کہ اس زمانے میں فاتحین کا دستور تھا کہ فاتح 3 دن جنگ کی جگہ پر قیام کرتا تھا۔ ابوسفیان نہیں رکا، مسلمان گو کہ وہیں موجود تھے۔ گو کہ شہر چند میل پر تھا، اُنہیں مال لوٹنے کے لیے مدینے میں داخل ہونے کی جرأت نہ ہوئی۔ ایسے حالات میں ہم اس کو غیر فیصلہ کن جنگ کہہ سکتے ہیں۔

مسلمانوں کی شہرت اور ساکھ پر اس جنگ کا برا اثر پڑا۔ ان کا رعب اور دبدبہ ختم ہوگیا۔ اس سے اہل ایمان کی اندرونی اور بیرونی مشکلات میں اضافہ ہوگیا۔ بدوؤں، یہودیوں اور منافقین کے حوصلے بڑھ گئے۔ ابھی اس غزوہ کو 2 مہینے نہ گزرے تھے کہ بنواسد نے مدینہ پر چھاپہ مارنے کی تیاری شروع کردی۔ آگے ہم بیان کریں گے کہ غزوۂ احد کے بعد کیا کیا حالات پیش آئے۔

3 ہجری کے اہم واقعات

شراب کی حرمت

غزوۂ احد اور غزوۂ حمراء الاسد کے علاوہ ایک خاص حکم جو اس سال نازل ہوا، وہ شراب کی حرمت کا ہے۔ حکم آتے ہی مدینہ کی گلیوں میں شراب ایسے بہنے لگی جیسے سیلاب کا پانی بہتا ہے کیونکہ ہر گھر میں شراب پی جاتی تھی اور آج کل کی طرح بے تحاشا پی جاتی تھی اور چونکہ محمد ﷺ نے بہ طور تحفہ بھی کسی یہودی یا مشرک کو دینے سے منع کر دیا تھا، اس لیے شراب زمین پر انڈیل دی گئی اور اس کے استعمال کے تمام برتن وغیرہ بھی استعمال کرنا ممنوع کر دیا گیا۔

حضرت حسنؓ کی ولادت

15/ رمضان المبارک 3 ہجری میں نواسۂ رسول سیّدنا حسنؓ پیدا ہوئے۔ وہ حضور اکرم ﷺ سے بے انتہا مشابہت رکھتے تھے۔ آپ ﷺ نے ان کو نوجوانان جنت کا سردار قرار دیا اور دعا کی کہ ”اے اللہ میں اس سے محبت رکھتا ہوں تو بھی اس سے محبت رکھ۔“ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ”یہ مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں میں صلح کرائے گا۔“

رسول اللہ ﷺ کا حضرت حفصہؓ سے نکاح

شعبان 3 ہجری میں حضور ﷺ نے حضرت عمرؓ کی بیٹی حضرت حفصہؓ سے نکاح فرمایا۔ حضرت حفصہؓ کے شوہر کے انتقال کے بعد حضرت عمرؓ نے ان کا نکاح حضرت عثمانؓ سے کرنا چاہا تو اُنہوں نے سوچنے کے لیے وقت مانگا پھر اُنہوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا کہ حفصہ سے نکاح کر لیجیے۔ مگر وہ بھی خاموش رہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''کیوں نہ حفصہؓ کا نکاح ایسے شخص سے ہو جو عثمان سے بہتر ہے اور عثمان کو ایسی بیوی ملے جو حفصہؓ سے بہتر ہے۔ چنانچہ حضرت حفصہؓ زوجہ رسول ﷺ بنیں اور اُم کلثومؓ کا نکاح حضرت عثمانؓ سے ہوا۔ اس طرح عثمانؓ ''ذوالنورین'' کہلائے۔

حضرت زینب بنت خزیمہ سے نکاح

اسی سال آپ ﷺ نے حضرت زینبؓ بنت خزیمہ سے نکاح فرمایا کیونکہ ان کے شوہر عبداللہ بن جحشؓ، جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ وہ بہت فیاض اور غریب پرور خاتون تھیں۔ ان کا لقب ''ام المساکین'' پڑ گیا تھا۔ حضرت خدیجہؓ کے بعد یہ دوسری بیوی ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کی زندگی میں 4 ہجری میں وفات پائی۔ حضور ﷺ نے نماز جنازہ پڑھائی اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

حضرت ابوطفیلؓ کی ولادت

3ہجری میں حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہؓ کی ولادت ہوئی، وہ آخری صحابیؓ ہیں جو 110 ہجری میں اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ امام ابوحنیفہؒ کو ان سے ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔

ہجرت کا چوتھا سال
(چوتھے سال کے اہم واقعات)

غزوۂ احد میں ناکامی کے بعد مسلمانوں کی ساکھ اور شہرت بہت متاثر ہوئی۔ مخالفین کے حوصلے بڑھ گئے۔ یہود، منافقین اور بدوؤں نے کھل کر عداوت کا مظاہرہ شروع کر دیا، ان میں سے ہر ایک یہ سوچ رہا تھا کہ وہ آسانی سے مسلمانوں کا خاتمہ کر سکتا ہے۔

سریہ ابوسلمہؓ

غزوۂ احد کو ابھی دو مہینے نہ گزرے تھے کہ قبیلہ بنو اسد اُٹھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اطلاع ملی کہ طلحہ اور سلمہ خویلد اپنی قوم اور اپنے اطاعت شعاروں کو لے کر بنو اسد کے پاس گئے اور ان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حملہ کی دعوت دی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً نوٹس لیا اور ڈیڑھ سو سواروں کا دستہ حضرت ابوسلمہؓ کی سرکردگی میں بنو اسد کی طرف روانہ کر دیا اور ان کی پیش قدمی کرنے سے پہلے ہی ان کو جا لیا۔ اچانک حملہ کی وجہ سے وہ بھاگ گئے اور بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ حضرت ابوسلمہؓ جب واپس آئے تو غزوۂ احد میں لگا زخم پھٹ گیا اور ان کی وفات ہو گئی۔

عبداللہ بن انیس کی مہم

ماہ محرم 4 ہجری کو اطلاع ملی کہ خالد بن سفیان ھذلی مسلمانوں کے خلاف فوج جمع کر رہا ہے۔ حملہ کرنے والا ہے۔ آپ ﷺ نے فوراً عبداللہ بن اُنیس ؓ کو ایک دستہ کے ساتھ روانہ فرمایا۔ وہ بھی لڑائی کے بعد کامران واپس آئے اور خالد کا سر بھی ساتھ لائے۔ محمد ﷺ نے خوش ہوکر ان کو اپنا عصا دیا اور کہا ''تمہارے اور میرے درمیان قیامت کے روز یہ نشانی رہے گا۔ چنانچہ وہ تاحیات ان کے ساتھ رہا اور مرنے کے بعد ان کی وصیت کے مطابق ان کے ساتھ دفن کر دیا گیا۔

واقعہ رجیع

صفر 4 ہجری میں قبیلہ عضل اور قارہ کے کچھ لوگ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر ہوئے اور درخواست کی کہ ان کے قبیلے کے لوگوں میں اسلام کا چرچا ہے۔ ہمارے ساتھ کچھ معلمین بھیج دیجیے تاکہ وہ ان کو دین سکھائیں۔ حضور ﷺ نے دس صحابہ ؓ کو ان کے ساتھ کر دیا اور حضرت عاصم ؓ بن ثابت کو ان کا امیر مقرر فرمایا۔ جب یہ لوگ رجیع نامی چشمے پر پہنچے جو قبیلہ ھذیل میں واقع تھا تو قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ بنولحیان کے ایک سو تیر انداز ان کے پیچھے لگ گئے اور ان کو جا لیا۔ یہ صریح بدعہدی تھی۔ دس کے دس لوگ پہاڑی پر چڑھ گئے اور مقابلہ کیا، سات شہید ہو گئے، 3 کو گرفتار کر لیا گیا۔ ایک صحابی ؓ نے ان کے ساتھ جانے سے انکار کیا تو ان کو قتل کر دیا۔ حضرت

خبیبؓ اور حضرت زید بن دثنہؓ کو مکہ لے جا کر بیچ دیا گیا۔ ان صحابہؓ نے غزوۂ بدر میں اہل مکہ کے سرداروں کو قتل کیا تھا۔

جن لوگوں نے خریدا ان میں حضرت خبیبؓ کچھ عرصہ اہل مکہ کے پاس قید رہے، پھر ان کو مکہ سے باہر تنعیم لے گئے اور جب سولی چڑھانا چاہا تو اُنہوں نے فرمایا۔ ''مجھے چھوڑ دو میں دو رکعت نماز پڑھ لوں۔'' نماز پڑھ کر فرمایا۔ ''واللہ میں نماز کو لمبی کرنا چاہتا تھا مگر پھر تم سمجھتے کہ میں تم سے گھبرا کر وقت مانگ رہا ہوں۔'' یہ سب سے پہلے صحابی تھے، جنہوں نے قتل سے پہلے دو رکعت نفل نماز پڑھی اور ان کی یہ سنت آج تک چلی آ رہی ہے۔ قتل سے پہلے اُنہوں نے کہا۔ ''اے اللہ تو انہیں گن لے اور ان کو بکھیر کر مارنا اور ان میں سے کسی ایک کو بھی باقی نہ چھوڑنا۔''

خبیبؓ کا قاتل عقبہ بن حارث تھا اور جنگ بدر میں اس کا باپ حارث، خبیبؓ کے ہاتھوں قتل ہوا تھا۔ ابوسفیان نے اس موقع پر خبیبؓ سے پوچھا ''کیا تم یہ بات پسند کرتے ہو کہ تمہارے بدلے ہمارے پاس محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے ہم ان کی گردن مارتے تم اپنے اہل وعیال میں مگن ہوتے۔'' اُنہوں نے کہا ''واللہ مجھے تو یہ بھی گوارا نہیں کہ میں اپنے اہل وعیال میں ہوں اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک کانٹا بھی چبھ جائے اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تکلیف دے۔'' کیا محبت اور جان نثاری ہے! ہم مسلمانوں سے اللہ کو یہ ہی مقصود ہے۔ اس کے بعد ان کو پھانسی دے دی گئی۔ دوسرے ساتھی حضرت زید بن دثنہؓ بھی صفوان بن اُمیہ کے ہاتھوں قتل ہوئے۔ ایک اور ساتھی جو پہاڑی پر شہید کیے گئے تھے، لوگوں نے چاہا کہ ان کے جسم کا کوئی حصہ کاٹ کر لے جائیں، مگر اللہ نے بھڑوں کا جھنڈ بھیج دیا جس نے لاش کو ڈھک لیا اور جو قریب آتا اس کو کاٹ لیتیں۔ چنانچہ وہ ایسے ہی واپس چلے گئے۔ دراصل اللہ سے عاصمؓ نے یہ عہد کر رکھا تھا

کہ نہ وہ کسی مشرک کو چھوئیں گے اور نہ کوئی مشرک ان کو چھوئے گا۔ حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ اپنے مومن بندے کی حفاظت اس کی موت کے بعد بھی کرتا ہے، جیسے اس کی زندگی میں کرتا ہے۔

بئر معونہ کا المیہ

اسی سال اسی مہینے آگے پیچھے یہ دو المناک حادثے ہوئے جس نے محمد ﷺ کو بہت دُکھ پہنچایا اور دونوں واقعات میں آپ ﷺ سے دھوکہ بازی کی گئی۔

ابو براء بن عامر جو نیزہ بازی کا ماہر مشہور تھا۔ حضور ﷺ کی خدمت میں آیا۔ آپ ﷺ نے اس کے سامنے اسلام پیش کیا۔ اس نے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ کہا کہ اگر آپ ﷺ اپنے اصحاب کو نجد کے لوگوں میں دعوت دینے کے لے بھیج دیں تو مجھے اُمید ہے کہ وہ لوگ آپ کی دعوت قبول کرلیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''مجھے اہل نجد سے خطرہ ہے، اس نے کہا وہ میری پناہ میں ہوں گے۔'' حضور ﷺ نے 70 صحابہؓ کا ایک وفد جس میں ایک سے بڑھ کر ایک قاری، عالم تھا، اس کے ہمراہ کردیئے۔ نیک شریف محنتی تہجد گزار لوگ۔ جب یہ سب ''بئر معونہ'' پہنچے تو ام سلیم کے بھائی حرام بن ملحان کے پاس رسول اللہ ﷺ کا خط تھا۔ جو عامر بن طفیل کافر سردار کو دینا تھا۔ خط دیکھے بغیر اس نے پیچھے سے نیزہ مارا تو وہ بول اُٹھے۔ ''فزت برب کعبہ'' رب کعبہ کی قسم میں تو کامیاب ہوگیا۔ اس جملہ کا اثر وہاں کھڑے ایک کافر پر ہوا اور اس نے سوچا یہ کیسا دین ہے کہ اس کی وجہ سے اس کی جان گئی اور وہ کہہ رہا ہے میں تو کامیاب ہوگیا۔ یہی شخص بعد میں مسلمان ہوا۔

ایک شخص کی شہادت کے بعد اس نے اپنے قبیلے والوں سے کہا کہ آؤ اور آ کر قتل کرو۔ اُنہوں نے کہا تم اپنی امن میں ان کو لے کر آئے ہو۔ ہم یہ نہیں کریں گے۔ پھر اس نے بنو سلیم کو آواز دی اور عصیہ، رعل اور ذکوان قبیلوں کے لوگ آ گئے اور 70 صحابہ کو شہید کر دیا گیا۔

دونوں واقعات رجیع اور بئر معونہ کی خبریں محمد ﷺ تک ایک ہی دن پہنچیں۔ یہ بڑا ہی دلفگار واقعہ تھا۔ شہداء احد تو دو بدو جنگ میں مارے گئے مگر یہ لوگ تو ایک شرمناک غداری کی نظر ہو گئے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان شہیدوں کے لیے 30 روز یا 40 روز تک فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھا اور نام بہ نام ان قبائل کے لیے بددعا کی۔ یہاں تک کہ یہ پوری بستی طاعون کی وباء میں ہلاک ہوگئی اور یہیں سے ہنگامی حالات کے لیے قنوت نازلہ کی سنت جاری ہوئی۔

بنو نضیر کا انجام

ربیع الاوّل 4 ہجری کی بات ہے۔ رسول اللہ ﷺ ایک مقدمے کے فیصلے کیلئے قبیلہ بنو نضیر تشریف لے گئے۔ اُنہوں نے آپ ﷺ کو ایک دیوار کے سائے میں بٹھایا اور کہا کہ ہم ثبوت دیتے ہیں آپ جو مقدمے کے لیے مانگتے ہیں اور پھر اندر جا کر سازش کی اور ایک آدمی کو تیار کیا کہ اوپر سے چکی کا پاٹ (ایک بڑا پتھر) آپ ﷺ پر پھینک دے۔ اِدھر جبرئیل آئے، آپ ﷺ کو خبر دی۔ آپ ﷺ فوراً کھڑے ہو گئے اور تیزی سے مسجد نبوی کی طرف روانہ ہو گئے۔ صحابہؓ جو آپ ﷺ کے ساتھ

تھے وہ بھی آپ ﷺ کے پیچھے چلے آئے اور آ کر اچانک اُٹھنے کی وجہ پوچھی۔ حضور ﷺ نے بتایا کہ اُنہوں نے قتل کا منصوبہ بنایا تھا۔

حضور ﷺ نے محمد بن مسلمہؓ کو بنو نضیر کے لیے یہ پیغام دے کر بھیجا کہ دس دن کے اندر اندر مدینہ خالی کر دو ورنہ قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اُنہوں نے بھی تیاری شروع کر دی مگر رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی نے ان سے کہا۔ اپنی جگہ پر ڈٹے رہو، میرے پاس 200 جنگجو لوگ ہیں جو تمہاری مدد کریں گے۔ پھر بنو غطفان ہیں اور بنو قریظہ ہیں چنانچہ وہ اس پر یقین کر بیٹھے اور ڈٹ گئے۔ جب دس دن گزر گئے تو حضور ﷺ نے ان کا محاصرہ کر لیا۔ اُنہوں نے فصیل پر سے تیر برسانے شروع کر دیئے۔ رسول اللہ ﷺ نے قلعہ کے گرد کھجور کے درخت کاٹ دیئے تا کہ وہ لوگ نظر آ سکیں، نہ بنو قریظہ آگے بڑھے اور نہ غطفان اور نہ ہی عبداللہ بن ابی مدد کو آیا۔ غرض 5 دن کے محاصرے کے بعد اللہ نے ان کے دلوں پر رعب طاری کر دیا اور وہ قلعہ چھوڑنے پر آمادہ ہو گئے۔ ہتھیار ڈال دیئے۔ حضور ﷺ نے ان سے کہا سوائے سامان جنگ کے جو بھی لے جانا چاہتے ہیں لے جائیں چنانچہ انہوں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے گھر اُجاڑے تا کہ دروازے کھڑکیاں بھی ساتھ لے جائیں۔ 600 اونٹوں پر وہ اپنا سامان لاد کر نکل گئے۔ کچھ شام کی طرف نکل گئے۔ اللہ نے اس کی منظر کشی ''سورۃ الحشر'' میں فرمائی ہے۔

یہ تمام مال فئے تھا۔ حضور ﷺ کے لیے تھا کیونکہ مسلمانوں نے کوئی جنگ نہیں لڑی تھی۔ ہتھیاروں میں 50 زرہیں، 50 خود (سر پر پہننے کی جنگی ٹوپی) اور 340 تلواریں تھیں۔ آپ ﷺ نے یہ تمام مال فقرا، مہاجرین میں تقسیم فرما دیا۔

2 انصاری صحابہؓ ابوجدانہ اور سہل بن حنیف کو ان کے فقر کے سبب بھی کچھ مال دیا گیا۔ حضور ﷺ نے ایک قطعہ زمین اپنے پاس رکھا جس کی فصل سے حضور ﷺ اپنی ازواج مطہرات کے لیے نان نفقہ کا انتظام فرماتے تھے۔ اس واقعے سے ہمیں یہ سبق ملا کہ ایسے سرکشوں کی سرکوبی ضرور کرنی چاہیے۔ یہاں پر معاف کر دینا کوئی خوبی نہیں ہے بلکہ معاشرے میں فساد کرنے والوں کو ہمت دلانا ہے۔ پھر آپ ﷺ خون خرابہ نہیں چاہتے تھے، اسی لیے جلاوطنی کی سزا دی۔ کسی کو قتل نہیں کیا گیا۔

غزوۂ نجد

غزوۂ بنی نضیر کی کامیابی کے بعد منافقین کے حوصلے پست ہو گئے اور یہودیوں کے تیسرے قبیلے پر بھی سکوت چھا گیا۔ تو آپ ﷺ کو پتہ چلا کہ نجد والے مدینہ پر حملے کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ بنو غطفان کے دو قبیلے بنو محارب اور بنو ثعلبہ بھی شرکت کر رہے ہیں اور بدوؤں اور اعرابیوں کی نفری فراہم کر رہے ہیں۔ اس خبر کے ملتے ہی آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو ساتھ لیا اور اچانک نجد پہنچ گئے اور ان کے علاقے میں دور تک اندر گھستے چلے گئے۔ وہ سب اس اچانک یلغار میں گھبرا کر پہاڑوں میں چھپ گئے۔ ان پر خوف طاری ہو گیا۔ آپ ﷺ کچھ دن وہاں ٹھہرے، پھر آپ ﷺ مدینہ واپس آ گئے۔ یہ ربیع الثانی 4 ہجری کی بات ہے۔

غزوۂ بدر ثانیہ

ابوسفیان نے احد سے جاتے ہوئے کہا تھا اب اگلے سال ہم بدر میں ملیں گے۔ حضور ﷺ نے اس کو قبول کرلیا تھا۔ چنانچہ وعدہ کے مطابق شعبان 4 ہجری میں آپ ﷺ نے بدر کا رخ فرمایا۔ آپ ﷺ کے ساتھ 1500 صحابہ کی جماعت تھی۔ آپ ﷺ بدر میں خیمہ زن ہوگئے۔ دوسری طرف ابوسفیان بھی 2000 مشرکین کی جمعیت لے کر لڑائی کے لیے نکلا۔ اور مرالظہر ان پر پہنچ کر خیمہ زَن ہوا۔ اس نے سب واقعات سن رکھے تھے اور پتہ تھا کہ مسلمانوں کی جنگی طاقت بہت بڑھ گئی ہے، اس کے دل میں رعب بیٹھ گیا تھا۔ وہ لوٹنا چاہتا تھا اس لیے اس نے اپنے لوگوں سے کہا۔ ''یہ سال جنگ کے لیے موزوں نہیں ہے۔ خشک سالی ہے، جانور کیا چریں گے۔ میں واپس جارہا ہوں چنانچہ سب لوگ راضی ہوگئے اور وہ وہیں سے اپنے لشکر کو لے کر لوٹ گیا۔ مسلمان 8 دن وہاں رہے، ان کی دھاک دلوں پر بیٹھ چکی تھی اور ماحول پر ان کی گرفت مضبوط ہوچکی تھی اور وہ بھی شان سے مدینہ لوٹ آئے۔ اطراف مدینہ کے قبائل پر احد کے بعد جو مسلمانوں کے بارے میں کمزوری کی غلط فہمی ہوگئی تھی اور اُنہوں نے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے ہتھکنڈے استعمال کرنے شروع کردیئے تھے۔ اس سے وہ دور ہوگئی کہ ابوسفیان بڑے لشکر کے باوجود سامنے آنے کی ہمت نہ کرسکا اور یوں مسلمانوں کا دبدبہ قائم ہوگیا۔

حضرت حسینؓ کی ولادت

اسی سال شعبان 4ر ہجری میں حضرت حسینؓ کی ولادت ہوئی۔ حضرت حسینؓ، حضرت حسنؓ سے 10 ماہ چھوٹے ہیں جو شکل وصورت میں محمد ﷺ سے مشابہت رکھتے تھے اور نبی ﷺ نے فرمایا۔ ''وہ نوجوانان جنت کے سردار ہوں گے۔''

حضرت علیؓ کی والدہ کی وفات

حضرت علیؓ کی والدہ کی وفات بھی 4 ہجری میں ہوئی۔ آپ ﷺ نے اپنا پیرہن (کرتہ) ان کے کفن کے لیے عنایت فرمایا۔ تدفین کے لیے ان کی قبر میں خود اُترے۔ تاریخ اسلام میں صرف 5 لوگوں کے لیے قبر میں اُترے ہیں، یہ 5 خوش نصیب یہ ہیں ا۔ حضرت خدیجہؓ، ۲۔ حضرت خدیجہ کے بیٹے جو پہلے شوہر سے تھے، ۳۔ اُم رومانؓ، حضرت عائشہؓ کی والدہ، ۴۔ حضرت علیؓ کی والدہ، ۵۔ حضرت عبداللہ ذوالبجادینؓ۔

اسی سال آپ ﷺ نے حضرت زید بن ثابتؓ کو سریانی (حضرت عیسیٰؑ کی انجیل کیلئے) اور عبرانی زبان (توریت کے لیے) سیکھنے کا حکم دیا۔ چنانچہ اُنہوں نے اس کے علاوہ فارسی، رومی، قبطی اور حبشی تمام زبانیں سیکھیں۔ اس سے یہ پتہ چلتا ہے کہ ہر زبان عزت کے لائق ہے اور ہر قوم کو ان ہی کی زبان میں دعوت دینا مؤثر ہوتا ہے۔ اس کو ان کی زبان ضرور سیکھنا چاہیے۔

حضرت اُم سلمہؓ سے نکاح

شوال 4 ہجری میں آپ ﷺ نے اپنے رضاعی بھائی حضرت عبداللہ بن الاسد (ابوسلمہ) کی بیوہ سے نکاح فرمایا۔ حضرت ام سلمہؓ فرماتی ہیں۔ ''آپ ﷺ نے فرمایا جس کسی مسلمان کو صدمہ پہنچے یا مصیبت آئے اور وہ یہ الفاظ کہے:

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا۔

ترجمہ: بے شک ہم اللہ کے ہیں اور ہمیں اللہ کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔ اے اللہ! میری اس مصیبت میں مجھے اجر عظیم عطا فرما اور مجھے بہترین بدل عطا فرما۔

تو اللہ تعالیٰ اس کو بہترین بدل ضرور عطا فرماتا ہے۔ حضرت ابوسلمہؓ کے انتقال کے بعد میں نے یہ دعا پڑھی اور میں سوچتی تھی کہ ابوسلمہؓ کا بدل کیا ہوسکتا ہے۔ پھر آپ ﷺ نے مجھ سے نکاح فرمایا اور اللہ نے مجھ کو ابوسلمہؓ سے بہتر شوہر عطا فرمایا۔



ہجرت کا پانچواں سال

غزوۂ دومۃ الجندل

ربیع الاوّل 5 ہجری کو جب محمد ﷺ کو اطلاع ملی کہ دومۃ الجندل میں لوگ جمع ہوکر مدینے پر حملے کی تیاریاں کررہے ہیں تو آپ ﷺ نے اپنے ساتھ 1000 صحابہ کرامؓ کو ساتھ لیا اور ان کی سرکوبی کے ارادہ سے نکل پڑے۔

دومۃ الجندل ملک شام کے قریب ایک شہر ہے۔ اس علاقے پر رومن عیسائیوں کا اقتدار تھا۔ اس کا حاکم اکیدر بن عبدالملک نامی نصرانی تھا۔ عربوں اور رومن حکومت کے درمیان وہ واسطے کا مقام رکھتا تھا۔ اس طرح وہاں تجارتی قافلے آیا کرتے تھے۔ یہاں عیسائیوں اور یہودیوں کے مذہبی مبلغ اور سیاسی گماشتے بھی کام کرتے تھے۔ پھر بنونضیر کی خیبر میں جلاوطنی کی وجہ سے ان کی مدینہ کے خلاف سازشوں کا بھی اڈہ بننے لگا تھا۔ اس علاقے کے سردار اکیدر نے قریش مکہ اور یہود خیبر سے ملی بھگت کے زیر اثر آکر مدینہ کی طرف غلہ لے جانے والے قافلوں کو تنگ کرنا شروع کردیا تھا۔ حضور ﷺ اپنے صحابہؓ کے ساتھ جب وہاں پہنچے تو وہ لوگ ان کی روانگی کی خبر پاکر بکھر گئے۔ حضور ﷺ نے بھی پیش قدمی کی ضرورت نہ سمجھی۔ آپ ﷺ نے وہاں ایک ماہ قیام فرمایا۔ اس سفر سے ایک تو دعوتی مہم کو فروغ ہوا، دوسری طرف سیاسی رابطے بڑھے۔ قبیلوں کی فضا مدینہ کے حق میں سازگار ہونے لگی اور فوجی اعتبار سے آپ ﷺ کا رعب و دبدبہ غیروں پر قائم ہوا۔

غزوۂ احزاب یا غزوۂ خندق

مسلمانوں نے غزوۂ احد کے بعد فوجی مہمات کے ذریعے مدینہ کے خارجی اور داخلی دشمنوں کی سرکوبی، خوش اسلوبی سے کردی جو ہم گزشتہ صفحات میں بیان کر چکے ہیں تو اس کے بعد چھ مہینہ کا عرصہ سکون و اطمینان سے گزارا۔ مگر ان کا یہ سکون اسلام دشمن طاقتوں کو کھٹک رہا تھا چنانچہ بنونضیر کے 20 افراد کا وفد قریش مکہ کے پاس گیا اور ان کو جنگ کے لیے اُکسایا اور وہ مان گئے۔ پھر وہ بنوغطفان کے پاس گئے، اُن کو بھی اُکسایا وہ بھی مان گئے۔ اس طرح اُنہوں نے بقیہ عرب قبائل میں گھوم گھوم کر ان کو جنگ کی ترغیب دی اور وہ سب جنگ کے لیے تیار ہو گئے۔ اسی لیے اس کو غزوۂ احزاب کہتے ہیں کہ اس میں عرب کے بڑے بڑے گروہوں نے حصہ لیا۔ ان کی حرکات وسکنات کی اطلاع جب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی شوریٰ بلائی جس میں مشورہ کیا گیا کہ اس عظیم لشکر سے کیسے نمٹا جائے تو حضرت سلمان فارسیؓ نے مشورہ دیا کہ ایسی صورتحال میں فارس کے لوگ اپنے علاقے کے گرد خندقیں کھودتے تھے۔ یہ تجویز سب کو پسند آئی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا فیصلہ فرمایا۔

دشمنوں نے یہ متحدہ محاذ مسلمانوں کے خلاف بنایا اس میں مشرکین یہود اور منافقین سب شامل تھے۔

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اَلْکُفْرُ مِلَّۃٌ وَاحِدَۃٌ'' (تمام کفر ایک ہی ملت ہے) 1400 سال گزر گئے مگر آج بھی کفر کا یہ محاذ مسلمانوں کے خلاف اسی طرح متحد نظر آتا ہے۔ ان کی تمام کوششوں کا محور اس وقت بھی اسلام کو مٹانا تھا اور آج بھی یہی

ہے۔ اللہ نے پہلے بھی ان کو ناکام کیا تھا اور آج بھی اسی طرح ناکام ہوں گے۔ بس ذرا مسلمانوں کو اللہ پر بھروسہ اور اس کے رسول ﷺ کی سنتوں پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے۔

حضرت سلمان فارسیؓ کی تجویز پر کام شروع ہوگیا۔ حضور ﷺ نے شمال کی جانب کا جو کھلا علاقہ تھا وہاں خندق کھودنے کا فیصلہ کیا کیونکہ مدینہ کے دو اطراف میں لاوے کی چٹانیں تھیں اور ایک جانب کھجوروں کے باغات اور قلعے تھے۔

خندق کی کھدائی

ساڑھے پانچ کلومیٹر لمبی، ساڑھے تین میٹر گہری اور 4 میٹر چوڑی خندق کھودی گئی۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ کی ٹولیاں بنا دیں اور ہر ٹولی کو 10 گز خندق کھودنی ہے۔ موسم سرد ہے، ہوائیں تیز ہیں۔ زمین پتھریلی ہے، مسلمان فاقے میں ہیں لیکن ان کے جوش و خروش اور جذبہ و ولولہ کا عجیب عالم ہے۔ محمد ﷺ خود بھی خندق کھودنے والوں کے ساتھ خندق کھود رہے ہیں اور کہتے جاتے ہیں۔ ''اے خدایا! آخرت کی زندگی کے سوا کوئی زندگی نہیں ہے۔ آپ انصار و مہاجرین کی مغفرت فرمائیے۔'' اور صحابہ کرامؓ فرما رہے ہیں۔ ''ہم ہیں جنہوں نے محمد ﷺ کے ہاتھ پر زندگی کی آخری سانس تک جہاد اور سرفروشی کا سچا عہد کیا ہے۔'' اور بھی بہت سے رجزیہ اشعار پڑھے گئے۔ صحابہؓ کے حوصلے بڑھ رہے ہیں۔ اتنا بڑا کام، ایک روایت میں 2 ہفتہ اور دوسری روایت میں 10 دنوں میں مکمل ہوجاتا ہے۔

کھدائی کے دوران ایک اہم واقعہ پیش آتا ہے۔ صحابہؓ آکر محمد ﷺ سے عرض کرتے ہیں کہ ایک چٹان تو ٹوٹ ہی نہیں رہی ہے۔ آپ ﷺ خود گرد وغبار میں اَٹے ہیں اور جا کر کدال اس چٹانے پر مارتے ہیں تو اس کا کچھ حصہ ٹوٹ جاتا ہے۔ روشنی کی چنگاری نظر آتی ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ ''اللہ اکبر! مجھے ملک شام کی کنجیاں دی گئیں، خدا کی قسم میں اس وقت شام کے سرخ محلات دیکھ رہا ہوں۔'' پھر آپ ﷺ دوبارہ بسم اللہ پڑھتے ہیں اور ضرب لگاتے ہیں تو کچھ حصہ ٹوٹ جاتا ہے۔ روشنی نکلتی ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں ''اللہ اکبر! مجھے فارس کی کنجیاں دی گئی ہیں، واللہ میں فارس کا سفید محل دیکھ رہا ہوں۔'' پھر آپ ﷺ تیسری مرتبہ کدال مارتے ہیں، روشنی نکلتی ہے۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں۔ ''اللہ اکبر مجھے یمن کی کنجیاں دی گئی ہیں۔ واللہ! میں اس وقت شہر صنعاء کے دروازے دیکھ رہا ہوں۔ مجھے حضرت جبرائیلؑ نے آکر یہ اطلاع دی ہے کہ میری اُمت یہ علاقے فتح کرے گی۔ اور یہ تمام حکومتیں اسلامی حکومت کے تابع ہوں گی۔'' (مسند احمد)

چنانچہ ایسا ہی ہوا اور یہ تمام علاقے آج بھی مسلمانوں کے قبضے میں ہیں گو کہ ان کے اندرونی انتشار اور خونریزی کی وجہ سے شام اور یمن کے حالات، بہت دگرگوں اور بے سکون ہیں۔

حضرت جابرؓ کی دعوت

بھوک سے بے حال صحابہؓ نے نبی ﷺ کو اپنے کُرتے اُٹھا کر دکھائے جس پر ایک ایک پتھر بندھا ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے اپنا دامن مبارک اُٹھایا اس پر دو پتھر بندے تھے۔ یہ تھا آقائے نامدار حضرت محمد ﷺ کا کردار کہ آپ ﷺ ان سے الگ نہیں تھے۔ حضرت جابرؓ کا یہ بیان ہے کہ میں آقا محمد ﷺ کی یہ حالت دیکھ کر گھر گیا، تو بیوی سے پوچھا کچھ ہے اس نے کہا ایک بکری کا بچہ ہے اور کچھ صاع جو ہیں۔ میں نے کہا بس کھانا تیار کرو۔ میں آقا محمد ﷺ کو لے کر آتا ہوں۔ میں نے جا کر خاموشی سے کہا تھوڑا سا کھانا ہے، آپ ﷺ اور چند ساتھی میرے گھر چل کر تناول فرما لیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''خندق والو! چلو آج جابر کے گھر تمہاری دعوت ہے۔'' حضرت جابرؓ تو بہت پریشان ہوئے اور سوچا کہ اب کیا ہوگا۔ آپ ﷺ نے فرمایا دیکھو میں آتا ہوں، روٹی ابھی تیار مت کروانا اور دیگچی سے ڈھکن مت اُٹھانا۔ آپ ﷺ نے آ کر دیگچی اور آٹے پر دَم کیا۔ روٹی پکتی رہی، آپ ﷺ خود اپنے ہاتھ سے صحابہؓ کو روٹی اور سالن دیتے رہے۔ صحابہؓ آتے رہے، کھا کھا کر جاتے رہے، یہاں تک کہ تمام صحابہ جو 100 کے قریب تھے، سب نے کھا لیا، پھر آپ ﷺ نے کھایا گھر والوں نے کھایا آپ ﷺ نے پڑوسیوں کو بھی بھجوایا۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے، دیگچی اسی طرح بھری تھی اور آٹا موجود تھا۔ یہ نبی ﷺ کا معجزہ تھا۔ (بخاری)

مسلمان خندق کی کھدائی سے ابھی فارغ ہوئے تھے کہ ان کافروں کا لشکر جرار آ پہنچا۔ حملہ کرنے والے تو ساڑھے تین ہزار تھے مگر وہ آگے چلتے گئے اور جنگی قافلے ان کے ساتھ آ کر ملتے گئے۔ اب ان کی تعداد 10,000 تھی۔ مگر وہ لوگ خندق دیکھ کر دَنگ رہ گئے۔ نہ اُنہیں اس کا پتہ تھا اور نہ ہی اُنہوں نے اس کی تیاری کی تھی۔ نبی ﷺ نے مدینہ کا انتظام اس طرح کیا کہ خواتین اور بچوں کو قلعہ کے اندر منتقل کر دیا اور مدینہ میں داخل ہونے والے راستوں پر چوکیاں قائم فرما دیں اور پہرے دار مقرر کر دیئے۔

محاصرہ اور مقابلہ

حضرت محمد ﷺ کے ساتھ ساڑھے تین ہزار لوگ ہیں، آپ ﷺ نے ان کو تین گروہوں میں تقسیم کر دیا۔ ایک گروہ باقی دوسرے راستوں پر گشت کر رہا تھا کہ کوئی ان راستوں سے مدینہ میں گھسنے نہ پائے۔ ایک گروہ صف اوّل میں تھا اور ایک گروہ نبی ﷺ کی حفاظت کے لیے ساتھ تھا۔ خندق کے اس پار اہل کفر 10000 کی تعداد میں موجود تھے۔ کچھ سورماؤں نے کوشش کی، خندق کے پاس کے کسی راستے سے گھس آئیں جن سے حضرت علیؓ نے نمٹ لیا۔ باقی وہ باہر سے تیر اندازی کر رہے تھے اور مسلمان اس طرف سے تیر اندازی کر رہے تھے تا کہ وہ خندق کے قریب نہ آ سکیں۔ بعض مرتبہ بڑے زور و شور سے مقابلہ ہوتا اور دونوں فریق جم کر لڑتے۔ اسی طرح کے ایک دن کے دوران نبی ﷺ کی عصر کی نماز قضا ہو گئی اور آپ ﷺ نے اس نماز کی قضا ادا کی۔ پہلے عصر پھر مغرب پھر آپ ﷺ نے بددعا کی کہ اللہ ان لوگوں کے گھر

اور قبریں آگ سے بھر دے جنہوں نے ہماری نماز وسطیٰ قضا کرادی۔

جنگ جاری رہی اور مسلمانوں کی کئی نمازیں ظہر، عصر، مغرب عشاء قضا ہوئیں جن کی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قضا ادا فرمائی کیونکہ اس وقت تک نماز خوف کا حکم نہیں آیا تھا۔ اس لیے نماز تاخیر سے پڑھی گئیں۔ تیر اندازی میں کافروں کے 10 آدمی مارے گئے اور مسلمانوں کے 6 آدمی شہید ہوئے۔ ان میں قبیلہ اوس کے سردار سعد بن معاذ بھی تھے۔ ان کو ایک تیر لگا جس سے ان کے بازو کی رگ کٹ گئی۔ اُنہوں نے اللہ سے دعا کی ''اے اللہ! تو جانتا ہے جس قوم نے تیرے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جھٹلایا اور اُنہیں نکال باہر کیا، ان سے تیری راہ میں جہاد کرنا مجھے محبوب ہے، اتنی کسی اور قوم سے نہیں ہے۔ اے اللہ اگر قریش کی جنگ کچھ اور باقی رہ گئی ہے تو مجھے زندہ رکھ ورنہ اگر تو نے لڑائی ختم کردی ہے تو اسی زخم کو جاری کر کے میری موت کا سبب بنا دے اور مجھے موت نہ دے جب تک بنو قریظہ کے معاملے میں میری آنکھوں کو ٹھنڈک حاصل نہ ہو جائے۔ (صحیح بخاری)

غزوۂ خندق شوال 5 ہجری میں شروع ہوا اور کافروں کا محاصرہ تقریباً ایک ماہ جاری رہا۔ سخت سردی کا زمانہ تھا۔ 10000 افراد تھے، پھر سینکڑوں اونٹ اور گھوڑے وغیرہ تھے۔ ان سب کے کھانے کا انتظام کرنا کوئی آسان کام نہ تھا۔ لگتا تھا محاصرہ زیادہ دن جاری نہ رہ سکے گا کہ بنو نضیر کا سردار حی بن اخطب، بنو قریظہ کے سردار ابی بن اسد القرظی کے پاس گیا اور ان کو بدعہدی پر اُکسایا اور کہا میں ان پر اتنے سارے لوگ چڑھا لایا ہوں، اب تم ان کا ساتھ دو، پھر تمہاری ہی حکومت ہوگی اب تم ان لوگوں کی راشن کی رسد سے مدد کرو۔ اگرچہ قریظہ کا سردار راضی نہ ہوتا تھا کیونکہ وہ باقی دونوں قبیلوں بنی نضیر اور بنی قینقاع کی بدعہدی کا انجام دیکھ چکا تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک کی بدعہدی کے

بعد اس قبیلے سے معاہدہ کی تجدید کرتے تھے۔ اس طرح تین مرتبہ اس نے تجدید معاہدہ کیا مگر حی بن اخطب نے کہا۔ میرا جینا اور مرنا تمہارے ساتھ ہے اور خوب ان کو سبز باغ دکھائے کہ محمد ﷺ اور ان کے ساتھی تمہاری تلواروں کے سائے میں ہیں، وہ رضامند ہو گئے۔ اِدھر سے زبیر بن عوام کا گزر ہوا۔ گشت کے دوران اُنہوں نے کچھ چہل پہل دیکھی تو رسول اللہ ﷺ کو اطلاع دی، رسول ﷺ نے کہا ہر نبی کا ایک حواری ہوتا ہے اور میرا حواری زبیر ہے۔ اِدھر جب یہودیوں نے غداری کا ارادہ کر لیا تو سب سے پہلے مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کے لیے ان کے بیوی بچوں کا قلعہ ''الغارع'' نظر آیا جو ان کے قلعے کے ساتھ ہی تھا۔ یہ انصار صحابہؓ کا قلعہ تھا اور رسول اللہ ﷺ نے قریظہ کی بدعہدی کے گمان کا سوچ کر ہی مسلمان عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور جوان حسان بن ثابتؓ کو اس کے اندر منتقل کر کے محفوظ کر دیا تھا۔ دو یہودی نکلے، یہ دیکھنے کہ اس قلعہ میں کوئی حفاظتی دستہ موجود ہے کہ نہیں۔ ان میں ایک قلعہ کی دیوار پر چڑھنے لگا اور ساتھ ہی اپنے ساتھی سے باتیں بھی کرتا جاتا تھا۔ حضور ﷺ کی پھوپھی صفیہؓ کو کچھ آہٹ محسوس ہوئی۔ اُنہوں نے حسانؓ سے کہا جاؤ جا کر دیکھو باہر حملہ آور نہ ہوں۔ انہوں نے کہا اگر میں کسی قابل ہوتا تو جنگ میں ہوتا، یہ میرے بس کی بات نہیں۔ چنانچہ اُنہوں نے خود ہمت کی مردانہ لباس پہنا۔ ہاتھ میں ایک خنجر لیا اور اوپر چڑھتے ہوئے آدمی کا سر قلم کر دیا۔ جب اس کی گردن گری تو دوسرا بھاگ کھڑا ہوا۔ پھر حضرت صفیہؓ نے کہا جایئے جا کر اس کے ہتھیار اُتار لایئے۔ اُنہوں نے کہا یہ میرے کام کے نہیں ہیں۔ چنانچہ وہ خود گئیں اور اس کے ہتھیار اُتار لائیں۔ ان کا یہ دلیرانہ اقدام مسلمان عورتوں اور بچوں کی حفاظت کا ایسا زبردست انتظام کر گیا جو تاریخ میں ہمیشہ یادگار رہے گا، کیونکہ پھر یہودیوں نے سمجھ لیا کہ اندر ایک حفاظتی دستہ ہے اور

اُنہوں نے حملہ کرنے کی جرأت نہ کی۔

اِدھر محمد ﷺ نے اوس کے سردار سعد بن معاذ اور خزرج کے سردار سعد بن عبادہ اور دو اور صحابہؓ کو بنو قریظہ بھیجا کہ صورتحال کا جائزہ لے کر آئیں۔ اگر ہمارے موافق ہو تو زور سے آ کر بتا دینا اور اگر مخالف ہو تو اشارے کنائے میں بات کرنا۔ چنانچہ وہ جب وہاں گئے تو اُنہوں نے محمد ﷺ کو برا بھلا کہا، دشمنی کی باتیں کیں اور کہا کون محمد ﷺ؟ ہمارا کسی سے کوئی عہد و پیمان نہیں، اور اُنہوں نے آ کر حضور ﷺ سے کہا ''عضل اور قارہ'' جن لوگوں نے دھوکے سے مسلمان عالموں کو شہید کر دیا تھا، یہ سن کر سب کو ہی وہ واقعہ بھی یاد آ گیا۔ صورت حال کا بھی پتہ چل گیا۔ حضور ﷺ بھی منہ پر کپڑا ڈال کر لیٹ گئے مگر جلد ہی آپ ﷺ اُٹھ کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ نے کہا خوشخبری ہے۔ اللہ کی مدد آ گئی ہے۔ سورۂ احزاب میں اللہ تعالیٰ نے تفصیل سے اس کا ذکر کیا ہے۔ اِدھر منافقین نے بھی سر اُبھارا اور کہا ''لو ابھی تو شام و یمن کی فتوحات کی باتیں ہو رہی تھیں، اب تو رفع حاجت کے لیے بھی جانے کی مہلت نہیں ہے۔ سامنے قریشی ہیں اور پیچھے قریظی۔ ہمارے گھر بار کھلے ہیں، عورتیں بچے محفوظ نہیں ہیں۔ ہمیں ہمارے گھروں کو واپس جانے کی اجازت دیجیے۔ ان کو دیکھ کر بنو سلمہ کے قدم بھی اُکھڑنے لگے۔ آپ ﷺ نے ان حالات سے نمٹنے کیلئے صحابہؓ کو بلایا اور تجویز پیش کی کہ بنو غطفان کو پیداوار کا تہائی دے کر ان کو توڑ لیتے ہیں، پھر صرف قریش رہ جائیں گے تو ان سے نمٹنے کا بھی سوچتے ہیں۔ اوس اور خزرج کے سرداروں نے کہا اگر اللہ نے آپ ﷺ کو حکم دیا ہے تو ضرور کیجیے اور اگر یہ آپ کی رائے ہیں تو ہم جب مشرک تھے تو وہ ہم سے کچھ نہ لے سکے، اب تو اللہ نے آپ ﷺ کے ذریعے ہمیں عزت دی ہے۔ ہم ان سے صرف تلوار سے مقابلہ

کریں گے کچھ نہ دیں گے۔ حضور ﷺ نے فرمایا یہ میری رائے تھی اور آپ ﷺ نے یہ رائے واپس لے لی۔ پھر آپ ﷺ نے ایک حفاظتی دستہ قلعہ الفارع کے پاس متعین کر دیا۔ پھر اللہ کی طرف سے مدد آئی۔

بنو غطفان کا ایک آدمی نعیم بن مسعود، مسلمان ہو کر آپ ﷺ سے ملا اور بولا حضور ﷺ میرے سپرد کوئی خدمت کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا چونکہ تم اکیلے ہو، اس لیے لڑائی نہیں کر سکتے۔ ہاں تم جس قدر ممکن ہو، ان کو لڑائی سے باز رکھنے کی کوشش کرو کیونکہ ''الحرب خدعۃ'' جنگ چالیں چلنے کا نام ہے۔ وہ ایک عقلمند آدمی تھا، اس اکیلے نے ایسا شاندار پلان بنایا کہ جنگ کا پانسا پلٹ گیا۔ اس نے جا کر بنو قریظہ کو کہا ''وہ لوگ تو ہارے یا جیتیں اپنے اپنے گھروں کو چلے جائیں گے، تم محمد ﷺ کے ساتھ ہو اور پھر دیکھو وہ تمہارے ساتھ کیا سلوک کریں گے کیونکہ تم جو کھلم کھلا دشمنوں کا ساتھ دے رہے ہو، ان کی جیت کی صورت میں تم بڑے نقصان میں رہو گے۔ اچھا تو پھر اب ہم کیا کریں؟ بتایا کہ تم ان سے کچھ بڑے سردار یرغمال کے طور پر طلب کرو۔ اُنہوں نے کہا ٹھیک ہے، پھر وہ قریش کے پاس گیا اور کہا دیکھو میں تم سب سے بہت محبت کرتا ہوں، تم کو خبردار کرنے آیا ہوں۔ بنو قریظہ کے لوگ تمہارے لوگ مانگیں گے اور ان کو محمد ﷺ کو دے کر اپنا معاملہ صاف کر لیں گے۔ اُنہوں نے کہا ''ہم اپنے آدمی کبھی نہ دیں گے، پھر غطفان کے پاس جا کر بھی یہی بات دہرائی۔ بس پھر بالکل ایسے ہی سب کہا دونوں نعیم بن مسعود کے شکر گزار ہوئے کہ وہ سچ کہتا تھا۔ دونوں فریقوں میں پھوٹ پڑ گئی اور ان کے حوصلے پست ہو گئے۔ اِدھر اتنے سخت حالات میں مسلمان مسلسل دعاؤں میں مصروف تھے۔ ''اے اللہ! ہماری پردہ پوشی فرما۔ ہمیں خطرات سے بچا لے۔'' اور رسول اللہ ﷺ یہ دعا کر رہے

تھے۔ ''اے اللہ، کتاب اُتارنے والے اور جلد حساب لینے والے ان لشکروں کو شکست دے۔ اے اللہ اُنہیں شکست دے اور ہلا مار۔'' بالآخر اللہ نے دعائیں سن لیں۔ اللہ کی مدد آ گئی۔ تند و تیز ہواؤں کا طوفان آ گیا۔ ان کے خیمے اُکھڑ گئے۔ ان کی ہانڈیاں اُلٹ گئیں، جانور بھاگ نکلے، وہ تو ویسے ہی سردی سے روز مر رہے تھے، ساتھ ہی فرشتوں کا لشکر آ گیا جس نے ان کو ہلا مارا اور ان کے دلوں میں خوف اور رعب ڈال دیا۔ حضور ﷺ نے اس سخت سردی میں کفار کے لشکر کی خبر لینے کے لیے حذیفہ بن یمان کو بھیجا جنہوں نے آ کر اطلاع دی کہ وہ سب روانگی کی تیاریاں کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے حذیفہ کو اپنی چادر میں سلایا اور آپ ﷺ سجدہ میں گر گئے اور فجر میں ان کو یہ کہہ کر جگایا ''قم یا نومان'' اس کے بعد آپ ﷺ نے اعلان فرمایا۔

الآن نغزوهم ولا يغزوننا۔ نحن نسير اليهم (بخاری)

''اب ہم ان سے لڑنے جائیں گے اور وہ ہم سے جنگ کرنے نہیں آئیں گے۔''

پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''اللہ نے صبا کے ذریعے میری مدد کی اور دبور کے ذریعے عاد کو ہلاک کیا۔'' (بخاری)

اس غزوہ سے ہمیں یہ پیغام ملتا ہے کہ محمد ﷺ نے متحدہ کر مقابلہ کیا، اسی طرح آج بھی جو کافرین یہود و ہنود، نصاریٰ، ملحدین سب کے سب مسلمانوں کے خلاف ایک جتھہ بن گئے ہیں اور ان کے پیچھے یہودی دماغ کام کر رہے ہیں، مسلمان ممالک کو چاہیے کہ ان کی چالوں کو پہچانیں۔ صرف اپنی حکومتوں اور اپنی سرحدوں کی بابت نہ سوچیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کے مفاد کو پیش نظر رکھیں، نہ دباؤ میں آئیں اور نہ لالچ میں آئیں تو پھر اللہ کی مدد ضرور آئے گی۔ ایک اعتراض یہ بھی کیا جاتا ہے کہ یہ

عجب وحشیانہ جنگ ہوتی تھی جس میں لوگوں کے دو بدو گلے کاٹے جاتے تھے۔ آج سے 1500 سال پہلے یہ ہی دستور تھا۔ ہر ملک کے پاس مردان جنگی ہوتے تھے اور ہتھیاروں میں تلواریں اور زرہیں۔ خنجر اور تیر وغیرہ ہوتے تھے۔ اس وقت کے حالات کو آج سے قیاس نہ کریں۔ جنگ کرنے والوں کی ہمت اور دلیری دیکھیں کہ آج یہاں لڑائی کر کے آئے تو کل وہاں فتنہ کھڑا ہو گیا۔ اب اس سے نمٹنے کے لیے تیار ہیں۔ حضور ﷺ کے ایک حکم پر جان دینے کے لیے تیار ہیں۔ نہ سستی نظر آتی ہے نہ تھکن، نہ کوئی اور چیز دکھتی تھی۔ ہر دم ہر لمحہ تیار نظر آتے ہیں۔ ایسی ہی قومیں کامیاب ہوتی ہیں جو ہر دم چوکنا رہتی ہیں اور فتنوں سے نمٹنے کے لیے وہی ہتھیار استعمال کرنے چاہئیں جو آج کل رائج ہیں۔ نئی ٹیکنالوجی سے آراستہ جدید جہاز، میزائل اور ٹینک، آبدوزیں وغیرہ۔ جنگ کے نئے نئے علوم وفنون سکھا کر اپنی فوجوں کو تیار کریں۔ فضائی جنگ آج کل بڑی مؤثر ہے جو کئی قسموں کے بم گراتی ہے۔ ڈرون حملے کیے جاتے ہیں جن سے آپ دور بیٹھ کر کسی بھی ملک کے کسی بھی گروپ کے شہریوں کو بازار جانے والوں کو مار ڈالتے ہیں، ان کو وحشیانہ کوئی نہیں کہتا۔ پھر خودکش حملوں سے بھی کام لیا جا رہا ہے۔ میڈیا وار ہو رہی ہے جس میں اگر آپ کو شکست ہو گئی تو آپ جنگ کرنے سے پہلے مر جاتے ہیں۔ اس لیے مسلمانوں کو سکھایا گیا ہے کہ صرف اللہ سے ڈرنا چاہیے۔ کبھی بھی دشمن کی نفری اس کے ہتھیار اور ٹیکنالوجی سے خوفزدہ نہ ہوں بلکہ ان چیزوں کے علوم وفنون سیکھنے پر توجہ دینی چاہیے۔ ہمارے بعد آنے والی نسلیں ہم کو تاریخ میں پڑھ کر کہیں گے کہ یہ کیسے عجیب ہتھیار استعمال کرتے تھے۔

غزوۂ بنو قریظہ

جس روز محمد ﷺ احزاب سے فارغ ہونے کے بعد گھر آئے اور غسل کیا، اسی وقت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور کہا ''آپ ﷺ نے ہتھیار رکھ دیئے ہیں جبکہ فرشتوں نے ہتھیار نہیں رکھے ہیں۔ اُٹھیے اور اپنے ساتھیوں کو لے کر بنی قریظہ کا رخ کیجیے۔''

رسول اللہ ﷺ نے اپنے ساتھیوں میں اعلان کر دیا کہ جو شخص سمع و اطاعت پر قائم ہے، وہ ہتھیار بند ہو کر قریظہ جائے اور عصر کی نماز وہیں پڑھے۔ چنانچہ مسلمان تیاری کر کے جانا شروع ہو گئے۔ ٹولیاں کی ٹولیاں جا رہی تھیں کچھ صحابہؓ کو لگا کہ عصر کی نماز فوت ہو جائے گی۔ اس لیے اُنہوں نے راستے ہی میں نماز پڑھ لی مگر کچھ صحابہؓ اس بات پر قائم تھے کہ ہمیں عصر وہیں پڑھنے کا حکم ہے، ایسے اصحاب کی نماز فوت ہو گئی اور اُنہوں نے وہ نماز بعد عشاء پڑھی۔ حضور ﷺ کے پاس جب یہ مسئلہ پیش کیا گیا تو آپ ﷺ خاموش رہے کسی کو کچھ نہ کہا اس کا مطلب ہے دونوں کا فیصلہ اپنی اپنی سمجھ کے لحاظ سے صحیح تھا۔

3000 مسلمان جمع ہو گئے تھے۔ اُنہوں نے چاروں طرف سے قلعہ کو گھیر لیا۔ محاصرہ سخت تھا، 25 دن گزر چکے تھے۔ یہود کے سردار کعب بن قرظی نے مختلف تجاویز پیش کیں جو کسی نے بھی منظور نہ کی۔ ہتھیار ڈالنے سے پہلے اُنہوں نے اپنے حلیف ابولبابہؓ سے ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ محمد ﷺ نے ان کو بھیج دیا۔ اُنہوں نے کہا کیا ہمیں ہتھیار ڈال دینے چاہئیں۔ اُنہوں نے کہا۔ ''ہاں''۔ وہ ہمارے ساتھ کیا

سلوک کرنے والے ہیں۔ ابولبابہؓ نے اپنے گلے کی طرف ہاتھ سے اشارہ کر دیا کہ گویا قتل کر دیئے جاؤ گے۔ اس کے بعد ان کو احساس ہوا کہ اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کا راز فاش کر دیا ہے چنانچہ جرم کے احساس کے پیش نظر سیدھے مسجد نبوی چلے گئے اور اپنے آپ کو ایک ستون سے باندھ دیا۔ 6 دن وہاں بندھے رہے، نبی ﷺ نے فرمایا اگر وہ میرے پاس آجاتے تو میں ان کی مغفرت کی دعا کر دیتا۔ وہ ستون ابی لبابہ آج بھی مسجد نبوی میں موجود ہے۔ زائرین مدینہ اس کی بھی زیارت کرتے ہیں اور صحابیؓ کے واقعے کو یاد کر کے اپنے دلوں کو گرماتے ہیں۔ ان کی بیوی ان کو نماز کے وقت آ کر کھول دیتیں اور پھر باندھ دیتیں۔ چھٹے دن ان کی معافی کا حکم نازل ہوا۔ صحابہؓ ان کو کھولنے کے لیے دوڑے مگر اُنہوں نے کہا حضور ﷺ کھولیں گے۔ چنانچہ اگلے دن فجر میں حضور ﷺ نے ان کو کھولا۔

غزوۂ احزاب بھی اعصابی جنگ تھی۔ جس میں جانی، مالی نقصان کوئی قابل ذکر نہ تھا اور غزوۂ قریظہ بھی اعصابی جنگ تھی۔ مسلمان سخت سردی میں باہر تھے گو کہ قریظی اپنے قلعوں میں تھے، خوب راشن تھا، ہتھیار تھے، پانی کے چشمے اور کنویں تھے، مگر اللہ نے ان کے حوصلے پست کر دیئے۔ جنگ ہمت و حوصلہ سے لڑی جاتی ہے۔ ہتھیاروں کی زیادتی کچھ کام نہیں آتی چنانچہ جب اُنہوں نے ہتھیار ڈال دیئے تو نبی ﷺ نے حکم دیا۔ تمام مردوں کے ہاتھ پیچھے باندھ دیئے جائیں تو قبیلہ اوس کے لوگ آ گئے، یہ ہمارے حلیف ہیں۔ آپ ﷺ نے خزرج کے حلیفوں بنو ثعلبہ کے ساتھ نرمی کا معاملہ کیا تھا، آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''اچھا یہ فیصلہ میں تمہارے سردار پر چھوڑتا ہوں۔ چنانچہ زخمی سعد بن معاذ کو مسجد نبوی کے کیمپ سے بلایا گیا اور ان کو فیصلہ کرنے

کا اختیار دیا گیا۔ اوس کے لوگوں نے ان سے رحم وکرم کی درخواست کی۔ اُنہوں نے کہا کہ میرا فیصلہ سب کو منظور ہوگا۔ اشارہ محمد ﷺ کی طرف تھا۔ حضور ﷺ نے کہا، ہاں، میری طرف سے بھی۔ چنانچہ اُنہوں نے کہا کہ تمام بالغ مردوں کو قتل کر دیا جائے، عورتوں، بچوں کو غلام بنایا جائے اور تمام مال کو تقسیم کر دیا جائے۔ اسی فیصلے پر عملدرآمد ہوا۔ اس دوران کچھ لوگوں نے اسلام قبول کیا اور کچھ کے نابالغ بچے بڑے ہو کر اسلام لے آئے۔ نبی ﷺ نے یہ فیصلہ اس لیے قبول کیا کہ اللہ کا بھی یہی فیصلہ تھا۔ اور یہ فیصلہ اگر کسی کو ظالمانہ لگتا ہے تو وہ انتہائی ظالم اور بے انصاف شخص یا قوم ہے کیونکہ جب معاہدہ کے باوجود اُنہوں نے خلاف ورزی کی اور اپنی طرف سے اُنہوں نے تمام مسلمانوں بشمول محمد ﷺ سب کا خاتمہ ہی کر ڈالا تھا۔ ان کے اس غدارانہ اقدام کی وجہ سے ان کی سزا بالکل مناسب تھی۔ کوئی قوم کسی بھی دور میں ہرگز یہ گوارا نہ کرے گی کہ اپنے جانی دشمنوں اور غداروں کو کھلا چھوڑ دے۔

جب بنو قریظہ کا کام تمام ہو چکا تو حضرت سعدؓ بن معاذؓ کی دعا کی قبولیت کا وقت آ گیا۔ ان کے بارے میں ان کی ماں کی بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ غزوۂ احزاب کے دوران جب وہ گشت کر رہے تھے اور جنگی اشعار پڑھ رہے تھے، ہم موت کے پروانے ہیں، دشمن کو ہلاک کریں گے۔ موت کی پرواہ نہیں کرتے۔ جب معرکہ میں شریک ہو گئے تو ان کی ماں نے کہا۔ ''بیٹا لپک کر جاؤ تم نے بہت دیر کر دی ہے۔'' لیکن اس کے بعد اُنہوں نے سینہ پر زخم کھایا، جس کا علاج کیا مگر ان کی دعا تھی کہ اللہ قریظہ کی بدعہدی کے انجام سے میری آنکھیں ٹھنڈی کر دے، پھر موت دینا۔ ایسا ہی ہوا، زخم پھٹ پڑا، خون بہنے لگا اور وہ وفات پا گئے۔ یقیناً وہ شہید تھے۔ لوگوں نے کہا

جنازہ تو بڑا ہلکا ہے جبکہ وہ ایک ڈیل ڈول والے فرد تھے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ان کا جنازہ فرشتوں نے اُٹھایا ہوا ہے۔

حضور ﷺ نے قریظی خاتون ریحانہؓ جو آپ ﷺ کے حصے میں آئی تھیں، ان کو آزاد کر کے ان سے شادی کی جو بہت کم عرصہ زوجیت میں رہیں، حضور ﷺ جب حجۃ الوداع سے واپس آئے تو وہ انتقال کر گئیں اور جنت البقیع میں دفن ہوئیں۔

غزوہ بنی المصطلق

شعبان 5 ہجری کو رسول اللہ ﷺ کو اطلاع ملی کہ بنو المصطلق کا سردار حارث بن ابی ضرار، آپ ﷺ سے جنگ کے لیے اپنے قبیلے اور کچھ دوسرے عرب قبائل کو لے کر آیا ہے۔ آپ ﷺ نے تحقیقات کرائیں تو پتہ چلا کہ صورتحال بالکل ایسی ہی ہے۔ آپ ﷺ نے 700 سواروں کو ساتھ لیا اور ان کی طرف روانہ ہو گئے۔ پہلی مرتبہ اس غزوہ میں منافقین بھی شریک ہوئے، ہم پچھلے صفحات میں پڑھتے آئے ہیں کہ ہر مرتبہ وہ کوئی نہ کوئی بہانہ کر کے لشکر سے الگ ہو جاتے تھے۔ اس دوران حارث بن ضرار کا ایک جاسوس پکڑا گیا، مسلمانوں نے اسے قتل کر دیا۔ حارث کو محمد ﷺ کی آمد اور اپنے جاسوس کے قتل کا علم ہوا تو وہ اور اس کے ساتھی خوفزدہ ہو گئے۔ دوسرے قبائل کے لوگ تو اس کا ساتھ چھوڑ گئے، خود اس کے قبیلے کے لوگ رہ گئے۔ محمد ﷺ کا لشکر آیا تو اُنہوں نے اس پر یلغار کر دی، پھر اس کو شکست ہوئی اس کے 10 آدمی مارے گئے اور مسلمان ایک شہید ہوا۔ عورتوں اور بچوں کو قید

کرلیا گیا۔ مال غنیمت میں بہت سی بکریاں اور مویشی ہاتھ آئے۔ انہی قیدیوں میں سردار حارث بن ضرار کی بیٹی جویریہ بھی تھیں، ان کو آپ ﷺ نے آزاد کر کے خود سے ان کی مرضی سے شادی کرلی۔ وہ مسلمان ہوگئی تھیں اور اُنہوں نے کچھ عرصہ پہلے خواب دیکھا تھا کہ مدینہ کی جانب سے چاند آیا اور ان کی گود میں اُتر گیا۔ اس خواب کی تعبیر اب پوری ہوئی۔ جب دیگر صحابہؓ نے دیکھا کہ جویریہ، اُم المومنین ہیں تو سب نے ان کے قبیلے کے قیدیوں کو رہا کر دیا کیونکہ اب یہ سب محمد ﷺ کے سسرالی رشتہ دار تھے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جویریہ سے زیادہ کوئی عورت اپنی قوم کے حق میں بابرکت ثابت نہیں ہوئی۔ ایک دن میں 100 گھرانے آزاد ہوئے۔ (ابو داؤد) اس اخلاق کریمانہ کی وجہ سے وہ سارے گھرانے مسلمان ہوگئے۔

غزوۂ بنی مصطلق کے اہم واقعات

تعصب پر پابندی: منافقین اس فتح سے جل گئے اور اُنہوں نے اب یہ جان لیا تھا کہ ان کو اب شکست نہیں دی جاسکتی۔ اس لیے اب اُنہوں نے یہ چال چلی کہ اخلاقی پہلو کو بنیاد بنا کر ان کے خلاف وسیع پیمانے پر پروپیگنڈہ کی جنگ کی جائے اور اُنہوں نے یہ کام عبداللہ بن ابی رئیس المنافقین کی سرکردگی میں خوب زور وشور سے کیا۔ رسول اللہ ﷺ غزوۂ المصطلق سے فارغ ہوکر واپس جارہے تھے اور ابھی مریسیع نامی چشمہ پر ٹھہرے تھے، پانی لینے کے لیے لوگ جارہے تھے۔ جہجاہ غفاری مہاجر غلام اور انصاری سنان بن جہنی کے درمیان لڑائی جھگڑا ہوگیا، پھر انصار نے مدد کے لیے پکارا ''یا معشر الانصار'' اور مہاجر نے پکارا ''یا معشر المہاجر'' (مہاجرین مدد کو آؤ)

قریب تھا کہ لوگ جمع ہوجاتے اور جھگڑا بہت بڑھ جاتا کہ نبی ﷺ کو خبر ہوگئی اور آپ ﷺ خود تشریف لائے اور فرمایا۔ ''میں تمہارے درمیان موجود ہوں اور جاہلیت کی پکار، پکاری جارہی ہے، اسے چھوڑ دو یہ بدبودار ہے۔'' چنانچہ مسلمان شرمندہ ہوگئے اور جھگڑا رفع دفع ہوگیا۔ اس واقعے کی خبر جب عبداللہ بن ابی کو ملی تو وہ غصے سے بھڑک اُٹھا اور اس کو موقع مل گیا، اپنی بھڑاس نکالنے کا۔ بولا۔ ''مہاجر لوگ اب اس قابل ہوگئے ہیں کہ ہم سے جھگڑتے ہیں، یہ تو ایسا ہوا کہ اپنے کتے کو کھلا پلا کر موٹا کروتا کہ وہ تم کو ہی کھا جائے، خدا کی قسم جب ہم مدینہ پہنچیں گے تو ہم میں سے عزت والا ذلیل کو باہر کرے گا۔ یہ مصیبت تم نے خود مول لی ہے، تم نے ان کو اپنے شہر میں اُتارا اور اموال میں شریک کیا، تم اگر ان کو دینا بند کردو تو یہ یہاں سے چلتے بنیں گے۔'' اس وقت اس مجلس میں ایک نوجوان صحابی حضرت زید بن ارقمؓ بھی موجود تھے۔ اُنہوں نے جا کر اپنے چچا کو پوری بات بتائی اور اُنہوں نے نبی ﷺ کو بتائی۔

اس وقت حضرت عمرؓ نے مشورہ دیا کہ اس منافق کی گردن اُتار دیں۔ مگر آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''عمر یہ کیسے مناسب رہے گا، لوگ کہیں گے کہ محمد ﷺ اپنے ساتھیوں کو قتل کررہا ہے۔'' اِدھر عبداللہ بن ابی کو پتہ چلا کہ اس کی بات حضور ﷺ تک پہنچ گئی ہے تو وہ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اللہ کی قسم کھا کر بولا، میں نے تو ایسا کچھ نہیں کہا۔ اس وقت انصار کے لوگوں نے بھی کہا کہ حضور ﷺ وہ لڑکا ہے، ممکن ہے اسے وہم ہوگیا ہو۔ ان سے سننے اور سمجھنے میں غلطی ہوگئی ہو۔ حضور ﷺ نے اس منافق کی بات مان لی اور اسے کچھ نہ کہا۔ حضرت زیدؓ کہتے ہیں ''مجھ پر ایسا غم طاری ہوا اور صدمہ ہوا کہ میں خاموشی سے بیٹھ گیا، واپسی کا

سفر شروع ہو گیا۔ خلاف معمول وقت میں حضور ﷺ نے کوچ کا حکم دیا تھا اور خلاف معمول سفر طویل تھا۔ ایک دن اور ایک رات مسلسل چلتے رہے اور دوسرے دن دوپہر میں پڑاؤ ڈالا اور لوگ رکتے ہی سو گئے۔ آپ ﷺ کا مقصد یہ تھا کہ لوگ آپس میں گپ شپ کر کے اس بات کو مت بڑھائیں اور ایسا ہی ہوا۔ آپس میں بات کرنے کا موقع نہ آیا۔ اسی موقع پر سورۃ المنافقون نازل ہوئی۔

''یہ منافقین کہتے ہیں اگر ہم مدینہ لوٹ کر جائیں گے تو جو عزت والا ہے، وہاں سے ذلت والے کو نکال باہر کرے گا حالانکہ عزت تو اللہ کیلئے، اس کے رسول کے لیے اور مومنین کیلئے ہے لیکن منافق نہیں جانتے۔'' (سورۃ المنافقون آیت نمبر 8)

آپ نے زید بن ارقم ؓ کو بلایا اور کہا اللہ نے تمہاری بات کو سچا بتایا ہے، وہ بہت خوش ہو گئے۔ حق واضح ہو گیا تھا۔ عبداللہ بن ابی کے بیٹے مخلص مسلمان تھے۔ اُنہوں نے کہا کہ میں نے سنا ہے کہ آپ ﷺ نے میرے باپ کے قتل کا فیصلہ کیا ہے، حکم دیجیے میں اس کا سر اُتار لاؤں، کوئی دوسرا یہ کام کرے گا تو جوش انتقام کہیں مجھ کو اندھا نہ کر دے۔ آپ ﷺ نے فرمایا، میں تمہارے باپ کے ساتھ نرمی کروں گا۔

جیسے ہی قافلہ مدینہ منورہ کی سرحد پر پہنچا۔ بیٹے نے جا کر اپنے باپ کا راستہ روک دیا۔ کہا۔ ''جب تک رسول خدا ﷺ اجازت نہ دیں گے، آپ مدینہ میں داخل نہیں ہو سکتے۔ آپ اقرار کیجیے کہ تمام لوگوں میں معزز اللہ کے رسول اور آپ سب سے ذلیل ہیں۔'' اتنے میں حضور اکرم ﷺ اس جگہ پہنچ گئے۔ عبداللہ ابن ابی بولا ''میں عورتوں اور بچوں سے بھی زیادہ ذلیل ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''ان کو چھوڑ دو اور جانے دو۔'' اگر میں ابن ابی کو اسی وقت قتل کر دیتا تو کچھ لوگ سمجھ سکتے تھے کہ میں

نے زیادتی کی ہے، لیکن آج تو خود ان کا بیٹا ہی قتل کرنے کو تیار ہے۔ حضرت عمرؓ نے عرض کیا۔ اللہ نے اپنے رسول ﷺ کی رائے میں برکت رکھی ہے۔
اس واقعہ سے کئی سبق ملتے ہیں کہ قبل از وقت کوئی اقدام غلط فہمیوں کا باعث ہوتا ہے۔ موقع کا انتظار اور ضبط نفس رسول ﷺ کا اسوہ ہے۔

واقعہ افک

جناب ختم المرتبت حضور اکرم ﷺ 6 ہجری میں غزوہ بنی المصطلق پر تشریف لے گئے۔ ان کے ساتھ حضرت عائشہؓ بھی تھیں۔ واپسی پر قافلہ روانہ ہوا۔ بی بی عائشہؓ اس وقت رفع حاجت کے لیے تھوڑا دور ہوگئی تھیں، پھر ان کو احساس ہوا کہ ان کا ہار گلے میں نہیں ہے، وہ اسے ڈھونڈنے میں لگ گئیں۔ رات کا وقت تھا۔ آپ کا ھودج لوگ لے گئے۔ واضح رہے کہ حضرت عائشہؓ اس وقت کم سن اور کم وزن تھیں۔ اس لیے ان کو احساس ہی نہیں ہوا کہ وہ اس میں نہیں ہیں۔ جب بی بی واپس آئیں تو قافلہ کو نہ پایا۔ کمال دانشمندی اور جرأت سے کام لیا اور چادر اوڑھ کر وہیں لیٹ رہیں کہ مجھ کو موجود نہ پائیں گے تو واپس آئیں گے اور وہ سو گئیں۔

حضرت صفوان بن معطل کے ذمہ یہ فرض تھا کہ قافلے کے پیچھے رہا کریں اور جو چیز بھی رہ جائے، اسے لے کر آیا کریں۔ صبح ہوئی تو اُنہوں نے میدان پر نظر ڈالی کہ کچھ رہ تو نہیں گیا ہے۔ اُنہوں نے ام المومنین کو جو سوتے دیکھا تو زور سے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ صفوان ابن معطل اپنا اونٹ، ان کے قریب لے آئے اور حضرت

عائشہؓ اس پر سوار ہوگئیں اور وہ اونٹ کی مہار پکڑے پیدل چلتے رہے۔ یہاں تک کہ قافلے سے جا ملے۔ سردار منافقین عبداللہ بن ابی نے جو اُن کو دیکھا تو بول اُٹھا۔ ''واللہ یہ بچ کر نہیں آئی ہیں اور ایسی ہی بکواس واہی تباہی اور بہتان طرازی شروع کر دی۔ بھولے بھالے مسلمان اس کے داؤ میں آ گئے، جن میں مشہور و معروف تین مسلمان بھی تھے۔ حسان بن ثابتؓ جو شاعر اسلام کی حیثیت سے معروف تھے۔ حمنہ بنت جحش جن کی بہن زینب بنت جحش خود حضورؐ ﷺ کے نکاح میں تھیں اور مسطح بن اثاثہ جو حضرت ابوبکر صدیقؓ کے خاندان سے تھے۔ حضور ﷺ پر اور نیک دل مسلمانوں پر رنج و غم کی کیفیت طاری رہی۔ حضور ﷺ نے تحقیقات کرائیں، بی بی کی خادمہ سے، بقیہ امہات المومنین سے اور حضرت علیؓ سے مشورہ کیا۔ سب نے یہی گواہی دی کہ وہ ایک پاکباز خاتون ہیں۔

ایک صحابیؓ نے اپنی بیوی سے پوچھا۔ ''کیا تم سے ایسی حرکت کی توقع ہے۔'' اُنہوں نے کہا۔ ''ہرگز نہیں۔'' تو کہا۔ ''دیکھو وہ تو عائشہ ہیں، حضور ﷺ کی زوجہ، ان سے تربیت پائی ہوئیں، وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکتیں۔'' پھر اُنہوں نے پوچھا۔ ''اب تم بتاؤ کیا میں ایسی حرکت کر سکتا تھا؟'' بیوی نے کہا۔ ''بالکل نہیں، آپ ایک نیک انسان ہیں۔'' تو اُنہوں نے کہا یاد رکھو، صفوان مجھ سے کہیں بہتر ہیں، انتہائی نیک ہیں۔ اللہ لوگوں پر رحم فرمائے۔'' اور نہایت افسردہ ہو گئے۔

اِدھر عائشہؓ بیمار ہوگئیں۔ ان کو ان تمام حالات کی خبر نہ ہو سکی۔ سوچتی تھیں کہ حضور ﷺ کا وہ التفات کہاں چلا گیا۔ بس آتے ہیں رسمی سی طبیعت پوچھ کر چلے جاتے ہیں۔ پھر ایک دن اُم مسطح سے ان کو خبر ہوئی تو وہ بہت غمگین ہوئیں اور

حضور ﷺ سے اجازت لے کر اپنے والدین کے گھر چلی گئیں۔ ہر وقت روتی رہتی تھیں۔ روتے روتے آنسو خشک ہو گئے، والدین نے صبر کی تلقین کی۔ اسی حالت میں ایک دن حضور ﷺ تشریف لائے اور حضرت عائشہؓ کو مخاطب کر کے فرمایا کہ مجھے ایسی اطلاع ملی ہے، اگر تم بری ہو تو اللہ تمہاری برأت ظاہر فرما دے گا اور اگر کوئی گناہ ہو گیا ہو تو توبہ کر لو۔'' حضرت عائشہؓ نے کہا ''میرا یہ حال ہے کہ اگر میں سچ نہ بولوں اور جرم کا اقرار کر لوں تو آپ ﷺ یقین کر لیں گے۔ پس صبر ہی بہتر ہے اور اللہ سے مدد مطلوب ہے۔'' بس اسی وقت وحی الٰہی کا نزول ہوا اور حضرت عائشہؓ کی برأت نازل ہو گئی اور منافقوں کا پول کھل گیا، ان کی منافقت اور جھوٹا الزام ثابت ہو گیا۔

وحی قرآن میں نازل ہوا کہ پاکباز عورتیں، پاکباز مردوں کے لیے ہیں اور اللہ کا پیغمبر پاکبازی کے اعلیٰ مقام پر ہوتا ہے۔

ان کی زوجیت میں وہی آئیں گی جو پاکباز ہوں گی۔

سورۂ نور آیات 26-11 میں اس واقعہ کے بارے میں احکامات آئے اور ایسے لوگوں کے لیے جو مسلمان سوسائٹی میں پاکباز لوگوں پر بہتان لگاتے ہیں، پروپیگنڈہ کرتے ہیں۔ ان کے لیے سزا کے احکام آئے اور حضور ﷺ نے ان پر عمل بھی کیا۔ ان پر 4 گواہوں کی شرط عائد کی گئی۔ وہ گواہ کہاں سے لاتے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے تینوں مسلمانوں کو جو اس پروپیگنڈہ میں پیش پیش تھے۔ ان میں سے ہر ایک کو 80 کوڑے لگوائے اور رئیس المنافقین کو دو مرتبہ 80، 80 کوڑے مارے گئے یعنی اس پر دُہری حد جاری فرمائی۔

حضرت زینبؓ بنت جحش سے نکاح

حضرت زینبؓ آپ ﷺ کی پھوپھی اُمیمہ بنت عبدالمطلب کی بیٹی تھیں۔ نبی ﷺ نے ان کا نکاح اپنے منہ بولے بیٹے زید سے کر دیا تھا۔ بی بی زینبؓ نے حضور ﷺ کی رائے کا احترام کیا تھا۔ اعلیٰ نسبی کا احساس ہونے کی وجہ سے حضرت زیدؓ سے ان کا نباہ مشکل ہو گیا۔ اوپر سے منافقین کی باتوں نے بھی جلتی پر تیل کا کام دیا کہ لو اعلیٰ نسب خاتون کا نکاح غلام سے ہوا ہے۔ پھر یوں ہوا کہ حضرت زیدؓ نے یہی بہتر سمجھا کہ ان کو طلاق دے دی جائے اور اُنہوں نے، حضرت زینبؓ کو طلاق دے دی تو اب یہ باتیں بننے لگیں کہ لو غلام نے بھی طلاق دے دی۔ حضرت زینبؓ نہایت رنجیدہ تھیں۔ اِدھر اللہ تعالیٰ نے ایک باطل عربی رسم کو توڑنے کے لیے سورۂ احزاب آیت 33 میں یہ حکم نازل کیا کہ منہ بولا بیٹا اصل (سگے) بیٹے کی طرح نہیں ہوتا، اس کی مطلقہ یا بیوہ سے شادی کی جاسکتی ہے جبکہ عرب میں اس وقت یہ بہت معیوب بات سمجھی جاتی تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیتیں نازل کیں ''جب زید نے زینب سے اپنا رشتہ ختم کر دیا (عدت بھی گزر گئی) تو ہم نے ان کا نکاح تم سے کر دیا تاکہ اہل ایمان کے لیے اپنے منہ بولے بیٹے کی بیویوں سے (نکاح میں) کوئی حرج اور تنگی باقی نہ رہے۔'' اس کے بعد حضور ﷺ، حضرت زینبؓ کو گھر لے آئے اور زمین پر کوئی نکاح گواہ اور ایجاب وقبول نہ ہوا۔ اس بات پر حضرت زینبؓ فخر کرتی تھیں کہ میرا نکاح آسمانوں پر ہوا ہے۔ پھر ان کا ولیمہ کیا گیا۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ میں نے نہیں دیکھا کہ آپ ﷺ نے اپنی کسی زوجہ

مطہرہ کا اتنا شاندار ولیمہ کیا ہو، جتنا حضرت زینبؓ کا ہوا۔ اس میں ایک بکری ذبح کی گئی اور کھانا ایک بڑے طشت میں رکھ دیا گیا۔ پھر حضرت انسؓ نے جا کر حضور ﷺ کے حکم کے مطابق بہت سے صحابہ کرامؓ کو دعوت طعام دی۔ دس دس کی جماعت آتی تھی، کھانا کھا کر جاتی، لوگ آتے رہے اور کھا کھا کر جاتے رہے۔ پوچھا کتنے لوگ تھے۔ حضرت انسؓ نے فرمایا ''300 لوگ تھے۔ جب سب کھانا کھا چکے تو طشت میں اتنا کھانا موجود تھا، مجھے نہیں یاد کہ پہلے زیادہ تھا یا اب زیادہ بچا ہے۔ اس شادی پر محمد ﷺ کو منافقین کی بہت سی ناگوار باتیں سننی پڑیں اور باتیں بنانے والے آج بھی بہت گندے، بھونڈے الزامات لگاتے ہیں۔ مگر اللہ کے احکام کی اطاعت نبی ﷺ نے کی، اور ہمارے لیے اس حکم پر عمل کی زندہ مثال چھوڑ گئے۔

ثمامہ بن اثال کا قبولِ اسلام اور مکہ پر پابندی

ایک واقعہ یمامہ کے ثمامہ کا ہے جو اپنے قبیلے کا سردار تھا۔ گھر سے عمرہ کرنے نکلا اور راستہ بھٹک کر مدینہ کے اطراف میں پہنچ گیا۔ وہاں پر موجود گشتی ٹولیوں نے اسے پکڑ لیا۔ یہ گشتی ٹولیاں مدینہ کے اطراف میں چکر لگاتی رہتی تھیں اور اس طرح مدینہ کے اطراف کی حفاظت کا کام کرتی تھیں۔ وہ لوگ ثمامہ کو حضور اکرم ﷺ کے پاس لے آئے اور اس کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا گیا۔ صبح کی نماز کے بعد حضور ﷺ اس کے پاس سے گزرے۔ خوبصورت چہرہ، لمبا قد اور تنومند جسم کا مالک یہ سردار اسلام دشمنی میں پیش پیش تھا۔ اس کے عزائم کسی سے ڈھکے چھپے نہ تھے۔ محمد ﷺ نے اس کو دیکھ کر فرمایا۔ ''آخر میرے رب نے مجھے تم پر قابو دے ہی دیا۔

اور پوچھا ثمامہ کیا حال ہے؟ اس نے نہایت غصہ اور تکبر سے جواب دیا۔ اے محمد! ٹھیک ہے معاملہ ایسا ہی ہوگیا ہے۔ اگر مجھے قتل کرو گے تو میرے قتل کا بدلہ لیا جائے گا کیونکہ میں معمولی آدمی نہیں ہوں اور اگر احسان کرو گے تو ایسے شخص پر احسان کرو گے جو شکرگزاری کے ساتھ اس کا بدلہ دینے کی صلاحیت رکھتا ہے اور اگر مال و دولت کی ضرورت ہے تو بات کرو تم کو دیا جائے گا۔ جتنا چاہو دیا جا سکتا ہے۔ اس گستاخانہ گفتگو کی وجہ سے صحابہ کرامؓ غصے میں آنے لگتے ہیں مگر محمد ﷺ کے حلم و نرمی کے کیا کہنے! آپ ﷺ جب مکہ میں بے یار و مددگار تھے، تو آپ ﷺ کے ساتھ گستاخی کی گئی، آپ ﷺ نے صبر کیا اور آج مدینہ کے بے تاج بادشاہ ہیں تو آج بھی گستاخی کا جواب حلم سے دے رہے ہیں۔ اس کو کچھ نہیں کہتے۔ صحابہ کرامؓ کو حکم دیا کہ اس کی دودھ سے ضیافت کرو اور اُس کو کچھ نہیں کہا۔ دوسرا دن ہوا آپ ﷺ پھر اس کے پاس آئے ثمامہ کیسے ہو؟ اس نے وہی جوابات دہرائے۔ تیسرا دن آیا تو آپ ﷺ نے پوچھا ثمامہ کیسے ہو؟ اس نے وہی جواب دیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا اس کی رسیاں کھول دو اور آزاد کردو، بغیر کسی شرط کے۔ اس نے سوچا اس شخص کا چہرہ تو دیکھوں، دیکھا تو آپ ﷺ کی محبت کا قائل ہوگیا۔ سر پٹ بھاگا۔ ایک قریبی باغ میں گیا۔ غسل کیا آکر کلمہ پڑھا اور حضور ﷺ کے جان نثاروں میں شامل ہوگیا۔ آپ ﷺ کا چہرہ ساری کائنات سے زیادہ محبوب ہوگیا۔ آپ ﷺ کی بستی ساری دنیا کی بستیوں سے زیادہ محبوب ہوگئی۔ اس نے عمرہ کرنے کی اجازت مانگی۔ محمد ﷺ نے اس کو عمرہ کے ارکان کی تعلیم دی۔ وہ مکہ گیا، عمرہ ادا کیا۔ کفار مکہ نے اس کو بے دین ہونے کا طعنہ دیا اور اس کی توہین کی۔ ثمامہ نے ان کو بتایا کہ تم اگر محمد ﷺ کے دین کی توہین سے باز نہ آؤ گے تو یاد رکھو، یمامہ سے گندم کا ایک دانہ بھی

یہاں نہ آئے گا اور اس نے ایسا ہی کیا۔ اس نے مکہ والوں پر گندم کی ترسیل پر پابندی لگا دی اور کہا جب تک محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت نہ ہوگی۔ گندم کا ایک دانہ تم کو نہ ملے گا۔ ان مغرور و متکبر لوگوں نے ایک لمبا عرصہ گزارا مگر جب گندم ختم ہو گیا اور وہ لوگ بھوکوں مرنے لگے تو ابوسفیان، ان کا سردار تھا، اُس نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خط لکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار بھوکے ہیں۔ آپ خدارا رحم فرمایئے اور یمامہ کے ثمامہ کو حکم نامہ جاری کر دیجیے کہ وہ گندم کی سپلائی بحال کر دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہل مکہ کے تمام مظالم کو بھلا کر اعلیٰ ظرفی کا مظاہرہ کیا اور ثمامہ کو خط لکھ دیا۔

ذرا سوچیے پابندیاں تو دس سال عراق پر بھی لگی رہیں، نہ دوائیں آسکتی تھیں نہ کسی قسم کی مدد۔ اسی طرح بوسنیا میں ایسی پابندی کہ خوراک کا ایک دانہ شہر میں اور نہ سخت سردی میں کمبل وغیرہ جا سکتے تھے اور آج کشمیر میں بھی غنڈوں کا راج ہے، کوئی باہر سے اندر شہر میں جا نہیں سکتا۔ ظلم و بربریت، رحمت و شفقت اور عنایت کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔ تاریخ ایسی اعلیٰ ظرفی کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔

ہجرت کا چھٹا سال

(صلح حدیبیہ)

ذی قعدہ 6 ہجری کو محمد ﷺ اپنے 1400 ساتھیوں کو لے کر عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ کی طرف روانہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ ﷺ اپنے ساتھیوں کے ساتھ عمرہ ادا کر رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے اعلان کیا اور 1400 جانثار ساتھی آپ کی معیت میں اس سعادت کو حاصل کرنے کیلئے تیار ہو گئے۔ ذوالحجہ میں سب نے احرام باندھا، ہدی کے جانور کو ان کے قلعے تک پہنچائے۔ دفاع کے لیے ہر ایک نے تلوار ساتھ رکھی تھی۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ سامان دفاع میں جنگی ہتھیار وغیرہ بھی ساتھ رکھ لیے گئے تا کہ کسی ناگہانی کا مقابلہ کیا جا سکے۔ قبیلہ خزاعہ کے ایک آدمی کو آگے بھیجا تا کہ وہ مکہ والوں کے عزائم کی خبر لا سکے۔ اس نے اطلاع دی کہ ایک جگہ قریش کے ساتھ حلیف قبائل جمع ہیں اور مقابلہ کے لیے تیار ہیں۔ آپ ﷺ نے مشورہ کیا، پہلے اپنی رائے دی کہ ہمیں ان لوگوں سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے مشورہ دیا کہ ہم جنگ کرنے نہیں آئے، عمرہ کرنے جا رہے ہیں اگر کوئی روکے گا تو ہم مقابلہ کریں گے ورنہ ہم کو خاموشی سے گزرنا چاہیے۔ محمد ﷺ اور باقی سب نے ان کی رائے کو پسند کیا اور آپ ﷺ کا قافلہ ان کے راستے سے ہٹ کر آگے چلتا رہا۔ پھر اطلاع ملی کہ ''التصمیم'' میں خالد بن ولید 200 سواروں کا دستہ لے کر مقابلے کے لیے تیار کھڑے ہیں۔ مسلمان قریب ہی

ہیں ان کو دیکھ رہے ہیں اور خالد انتظار میں ہیں کہ یہ نماز پڑھیں اور ان پر حملہ کریں۔ اسی دوران اللہ نے صلوۃ الخوف کا حکم نازل فرمایا۔ خالد کے ارمان دل ہی میں رہ گئے۔ پھر مسلمانوں نے اس راستہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا جو پہاڑوں کی گھاٹیوں سے گزرتا تھا، جس میں مسلمانوں کو سخت تکلیف اور مشقت کا سامنا کرنا پڑا۔ اس سخت پہاڑی کی چڑھائی نے ان کے پاؤں زخمی کر دیئے۔ اس وقت محمد ﷺ نے صحابہؓ کو خوشخبری دی کہ اللہ کی راہ میں اس صعوبت کی وجہ سے اللہ نے ان کے سب گناہ معاف کر دیئے ہیں۔ صحابہؓ ایک نئے جوش کے ساتھ آگے بڑھنے لگے۔ حدیبیہ سے ذرا پہلے ''ثنیۃ المرار'' پر آپ ﷺ کی اونٹنی بیٹھ گئی، اس کو بہت مجبور کیا گیا کہ وہ اُٹھ جائے مگر وہ نہ اُٹھی۔ ''قصویٰ'' کے بیٹھنے پر لوگوں نے کہا۔ ''وہ اَڑ گئی ہے۔'' محمد ﷺ نے فرمایا ''اس کو اس نے روک رکھا ہے جس نے ہاتھی کو روک دیا تھا۔'' پھر آپ ﷺ نے فرمایا ''اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، یہ لوگ کسی بھی ایسے معاملے کا مطالبہ کریں گے جس میں اللہ کی حرمتوں کو پامال نہ کر رہے ہوں، میں اسے ضرور تسلیم کرلوں گا۔'' پھر آپ ﷺ نے اونٹنی کو ڈانٹا وہ کھڑی ہوگئی۔ پھر آپ ﷺ نے اقصائے حدیبیہ میں قیام کیا جہاں ایک کنواں تھا۔ جس کی تہہ میں تھوڑا پانی تھا۔ صحابہؓ اس میں اُتر کر کچھ پانی لے کر آئے۔ آپ ﷺ نے اس پانی سے ''مضمضہ'' کیا یعنی منہ میں لے کر اس کو بالٹی میں ڈالا اور وہ پانی کنویں میں ڈال دیا گیا۔ رسول ﷺ کے بہت سے ایسے معجزوں میں سے ایک کا ظہور یہاں ہوا اور لوگوں نے دیکھا کنواں پانی سے بھر گیا اور 1400 صحابہؓ کے وضو اور استعمال کے بعد بھی بہت سا پانی اس میں باقی رہا۔

آپ ﷺ کے خیر خواہ قبیلہ خزاعہ کا ایک شخص بدیل بن ورقہ از خود سفیر بن کر

حضور ﷺ کے پاس حاضر ہوتا ہے اور قریش کے جنگ کے ارادوں کی خبر دیتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہم کسی سے لڑنے نہیں آئے ہیں۔ قریش کو لڑائیوں نے توڑ ڈالا ہے۔ اس لیے اگر وہ چاہیں تو ان سے ایک مدت طے کرلوں اور وہ میرے اور لوگوں کے درمیان سے ہٹ جائیں۔ اگر اُنہیں لڑائی کے سوا کچھ منظور نہیں تو پھر میں آخری سانس تک لڑتا رہوں گا۔''

بدیل نے یہ بات قریش تک پہنچادی۔ قریش نے اپنا ایک سفیر مکرز بن حفص بھیجا۔ وہی بات نبی ﷺ نے فرمائی۔ پھر ایک اور سفیر حلس بن علقمہ آیا۔ حضور ﷺ نے کہا یہ ہدی کے جانوروں کی عزت کرتا ہے۔ چنانچہ سب جانور جن کے گلے میں قلادے اور اونٹ کی کوہان پر خون چپکے تھے، سامنے کردیئے گئے اور لوگوں نے (تلبیہ) لبیک سے اس کا استقبال کیا۔ وہ عقلمند شخص بغیر کسی گفتگو کے لوٹ گیا اور خبر دی کہ یہ لوگ واقعی عمرہ کے ارادے سے آئے ہیں۔ واضح رہے کہ محمد ﷺ صرف اپنی طرف سے قربانی کے 70 اونٹ لے کر گئے تھے، باقی لوگوں کے جانور الگ تھے۔

اس کے بعد قریش کی طرف سے عروہ بن مسعود ثقفی آیا اور اس نے بات چیت شروع کی۔ نبی ﷺ نے اس سے بھی وہی باتیں کیں جو آپ ﷺ پہلوں سے کہہ چکے تھے۔ مگر اس نے کہا آپ ﷺ جنگ کے لیے آئے ہیں اور آپ ﷺ اپنے ہی بھائی بندوں کو قتل کردیں گے۔ کیا کسی عرب کے متعلق ایسا سنا ہے۔ پھر اس نے کہا دوسری صورت یہ ہے کہ جب آپ ﷺ پر قریش حملہ کریں گے تو یہ جواوباش لوگ میں دیکھ رہا ہوں، یہ سب آپ ﷺ کو چھوڑ کر بھاگ جائیں گے۔ یہ سراسر محمد ﷺ کی توہین تھی اور صحابہؓ کی توہین تھی، جس سے صحابہؓ غصے میں آگئے اور حضرت ابوبکر صدیقؓ جیسے نرم مزاج اور شریف شخص نے وہ جملہ کہا جو حدیث کی

کتابوں میں لکھا ہے۔ جا اور لات (بت) کی شرمگاہ کا چمڑا چوس'' ہم حضور ﷺ کو چھوڑ کر نہ بھاگیں گے۔ یہ جواب سن کر اس نے کہا۔ ''یہ ابوبکر ہیں اور ان کا مجھ پر احسان ہے، ورنہ میں جواب دیتا۔ محمد ﷺ کے ساتھ توہین آمیز سلوک دور جاہلیت میں جاہل لوگ کرتے آئے تھے کہ آپ ﷺ شاعر ہیں، جادوگر ہیں، قطع رحمی کرتے ہیں، اپنے رشتہ داروں کو قتل کرتے ہیں، اس لیے کہ وہ محمد ﷺ کی رفعت وعظمت اور ان کے لائے ہوئے دین کی خصوصیات سے واقف نہ تھے اور آج کے متمدن دور کے ناواقف اور جاہل لوگوں کا بھی یہی حال ہے کہ وہ تعصب اور تکبر کی چادر اوڑھ کر جو الزامات کارٹونوں اور فلموں وغیرہ کی شکل میں لگاتے ہیں، ان کی یہ توہین ہرگز برداشت کے قابل نہیں ہے اور اس کا مثبت جواب دینا ضروری ہے اور کبھی کبھی ابوبکرؓ کے جملہ کی طرح ایک جملہ بھی اپنا خوب اثر دکھاتا ہے۔ اس کے بعد عروہ نے محمد ﷺ کے ساتھ صحابہؓ کے محبت کے منظر دیکھے کہ وہ زمین پر ایک قطرہ وضو شدہ پانی کا گرنے نہیں دیتے اور برکت کے لیے اپنے جسم پر مل لیتے ہیں۔ جب وہ کوئی حکم دیتے تو سب بجا آوری کے لیے دوڑ پڑتے اور جب وہ بولتے تو سب اپنی آوازیں پست کر لیتے اور فرطِ تعظیم کے سبب ان کو آنکھ بھر کر دیکھتے بھی نہ تھے۔ وہ محمد ﷺ کو واپس جانے پر مجبور کرنے میں ناکام ہوگیا۔ اس نے واپس جا کر قریش کو صحابہؓ کی محبت وتعظیم کی باتیں بتائیں اور کہا جو وہ کہتے ہیں قبول کرلو۔ قریشیوں نے اس کی بات کو رَد کر دیا تو جلیس نے کہا ٹھیک ہے۔ ہم احابیش (قریشیوں کے قبائل کے علاوہ) اس جنگ میں تمہارا ساتھ نہ دیں گے۔ اس طرح مکہ والوں کی آدھی فوج الگ ہوگئی۔

جب جاہل جوشیلے قریشی نوجوانوں نے محسوس کیا کہ شاید اب صلح ہوجائے گی۔ ازخود 70 یا 80 نوجوان مسلح ہوکر مسلمانوں پر حملہ کرنے کی نیت سے رات کے وقت

مسلمانوں کے کیمپ میں گھس گئے تا کہ ان کو مار ڈالیں اور وہ ان کو ماریں اور یوں جنگ شروع ہو جائے مگر مسلمانوں کے پہرے داروں کے انچارج محمد بن مسلمہؓ نے اپنی ٹیم کے ساتھ بروقت ان پر قابو پا لیا۔ گرفتار کر کے حضور ﷺ کے سامنے پیش کیا۔ اگرچہ اب وہ ان کو قتل کرنے اور غلام بنانے پر قادر تھے مگر محمد ﷺ نے صلح کی خاطر ان سب کو معاف کر دیا اور واپس جانے دیا۔ اسی بات کو قرآن کی سورۃ الفتح میں بیان کیا گیا ہے۔''

وَ هُوَ الَّذِیْ كَفَّ اَیْدِیَهُمْ عَنْكُمْ وَ اَیْدِیَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَیْهِمْ ؕ

ترجمہ: ''وہی ہے جس نے بطن مکہ میں ان کے ہاتھ تم سے روکے اور تمہارے ہاتھ ان سے روکے، اس کے بعد کہ تم کو ان پر قابو دے چکا تھا۔''

1400 میں 80 صحابہ مکی، باقی مدینہ اور گردونواح کے تھے۔ ایک ہفتہ ایسے ہی گزر گیا۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے حضرت عثمانؓ کو اپنے سفیر کی حیثیت سے بھیجا۔ اُنہوں نے یہ پیغام قریش کو پہنچا دیا۔ اُنہوں نے حضرت عثمانؓ کو طواف ادا کرنے کی اجازت دی مگر اُنہوں نے محمد ﷺ کے بغیر طواف کرنے سے انکار کر دیا۔ قریشیوں نے باہم مشورہ کرنے کی خاطر حضرت عثمانؓ کو کئی دن کے لیے روک لیا کہ حتمی جواب لے کر جانا۔ مگر اس دوران مسلمان کیمپ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کی افواہ پھیل گئی۔ حضور ﷺ نے اس پر لوگوں سے بیعت لی کہ اب ہم مکہ والوں سے جنگ کریں گے اور کوئی چھوڑ کر نہ جائے گا۔ سب نے موت پر بیعت کی۔ اسی بیعت کا نام بیعت رضوان ہے اور جنگ بدر کے بعد اس کی بہت اہمیت ہے۔ سورۃ الفتح میں ہے: ''اللہ مومنین سے راضی ہوا جبکہ وہ آپ سے درخت کے نیچے

بیعت کررہے تھے۔ تمام صحابہؓ نے بیعت کی سوائے ایک شخص جد بن قیس کے جو منافق تھا کیونکہ بیعت کا مطلب موت کو گلے لگانا تھا۔ نہ کافی اسلحہ تھا اور نہ ہی بچاؤ کے ہتھیار۔ دشمن کا ملک تھا، ان کے پاس ہر چیز وافر مقدار میں تھی۔ بہرحال حضور ﷺ نے آخر میں اپنا دوسرا ہاتھ اپنے ہاتھ پر رکھا اور کہا یہ عثمان کا ہاتھ ہے، اگر ایسی بیعت ہوتی تو عثمان ضرور شریک ہوتا۔ یہ خبر قریش کو بھی مل گئی اور اُنہوں نے جلد ہی اپنے ایک معزز ممبر سہیل بن عمرو کو روانہ کیا کہ جاؤ جا کر جو بھی دفعات طے کرنی ہوں طے کر لینا، بس اس سال عمرہ کی اجازت پر تیار نہ ہونا۔ حضرت عثمانؓ بھی واپس آ گئے اور اُنہوں نے خود بھی آ کر بیعت کی۔ جب محمد ﷺ نے سہیل بن عمرو کو دیکھا تو کہا کہ اللہ نے تمہارا معاملہ آسان کر دیا ہے اور سہیل کو بھیجا ہے۔ یہ شگون آپ ﷺ نے اس کے نام کی وجہ سے لیا اور اس طرح کا شگون لینے کی اجازت ہے۔ اچھے معنوں میں آپ ﷺ نے دعا مانگیں اور کھڑکی میں نظر پڑے تو سخت بادلوں والے دن سورج نکلتا نظر آئے تو سمجھ لیجیے کہ اُمید کی کرن کی نوید ہے۔ برا شگون لینا منع ہے جس کا آج کل چلن ہے۔

سہیل کے ساتھ دو اور آدمی تھے۔ اس نے بات شروع کی تو محمد ﷺ نے اس کی باتوں کو قبول فرما لیا اور لکھنے کے لیے حضرت علیؓ کو بلایا گیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا لکھو بسم اللہ الرحمٰن الرحیم۔ سہیل نے کہا پرانی طرز پر باسمک اللھم لکھوائیے۔ آپ ﷺ نے کہا ٹھیک ہے، پھر آپ ﷺ نے کہا لکھو محمد الرسول کی طرف سے قریش کے نام۔ مگر اس نے کہا آپ ﷺ اپنا نام محمد بن عبداللہ لکھیں۔ اگر ہم آپ کو رسول جانتے تو عمرہ کرنے سے منع نہ کرتے اور نہ ہی جنگیں لڑتے۔ حضرت علی رسول اللہ ﷺ مٹانے پر راضی نہ ہوئے تو محمد ﷺ نے خود ہی رسول اللہ مٹا دیا اور پھر یہ نکات طے ہوئے۔

(۱) اس سال عمرہ کی اجازت نہیں ہے، اگلے سال تین دن کے لیے مکہ آیئے، ہم شہر خالی کر دیں گے۔ آپ ﷺ عمرہ کر کے واپس چلے جائیں۔

(۲) جو قبیلہ آپ ﷺ کا حلیف بننا چاہے وہ آپ کا بنے اور جو ہمارا بننا چاہے وہ ہمارا بنے۔ ہم اُس معاملے میں ایک دوسرے کے خلاف نہ جائیں گے۔

(۳) جو خود مسلمان ہو کر مدینہ جائے گا وہ واپس کر دیا جائے گا اور جو کافر ہو کر واپس مکہ آئے گا اسے واپس نہ کیا جائے گا۔

(۴) دس سال تک یہ معاہدۂ امن ہوگا۔ کوئی لڑائی نہ کی جائے گی۔

معاہدہ صلح ابھی لکھا ہی جا رہا تھا کہ ابوجندلؓ بیڑیوں میں جکڑے حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہ سہیل بن عمرو کے بیٹے تھے۔ اس نے حضور ﷺ سے کہا کہ معاہدہ کی پابندی کیجیے، اس کو واپس کر دیجیے۔ حضور ﷺ نے ہر چند اس کو راضی کرنے کی کوشش کی۔ مگر وہ نہ مانا۔ حضور ﷺ نے اس کو واپس کر دیا۔ ابوجندلؓ چیخ کر کہنے لگے کیا مجھے واپس کیا جائے گا، کیا مجھے دین کے معاملے میں میری مدد نہیں کی جائے گی۔ مجھے ان ظالموں کے حوالے کر دیا جائے گا۔ یہ سن کر مسلمانوں کے دل غم سے بھر گئے۔ مگر حضور ﷺ نے فرمایا ''صبر کرو، اور اسے باعث ثواب سمجھو۔ اللہ تمہارے اور تمہارے جیسے دوسرے کمزور مسلمانوں کے لیے پناہ اور کشادگی کی جگہ بنائے گا۔ ہم نے ان کو اور اُنہوں نے ہم کو اللہ کا عہد دے رکھا ہے، اس لیے ہم بدعہدی نہیں کر سکتے۔

ابوجندلؓ 6 سال سے باپ کی قید میں تھے اور روزانہ کی مار کی اذیت برداشت کر رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے معاہدہ سے فارغ ہو کر مسلمانوں سے کہا اُٹھو اپنے اپنے جانور ذبح کرو۔ سر کے بال منڈواؤ اور احرام سے نکل آؤ۔ آپ ﷺ

نے تین مرتبہ یہ بات دہرائی مگر کوئی نہ اُٹھا۔ حضور ﷺ، ام سلمہؓ کے پاس خیمہ میں گئے۔ ان سے صورتحال بیان کی۔ اُنہوں نے کہا کہ حضور ﷺ ان کے دل ناشاد ہیں، آپ ﷺ خود جا کر اپنے جانور کو ذبح کیجیے اور اپنے بال منڈوایئے ان شاء اللہ سب آپ ﷺ کا اتباع کریں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا، مسلمان حضور ﷺ کو ایسا کرتا دیکھ کر لپک لپک کر خود بھی ایسا ہی کرنے لگے۔

اس کے بعد کچھ مومنہ عورتیں آ گئیں۔ قریش نے ان کی واپسی کا مطالبہ کیا تو حضور ﷺ نے صاف منع کر دیا کہ معاہدہ میں واضح طور پر مردوں کی واپسی کی بات ہے، عورتوں کا ذکر نہیں ہے۔

ابوبصیرؓ مسلمان ہو کر بھاگ کر پناہ کے لیے مدینہ پہنچے۔ حضور ﷺ نے قریش کی طرف سے آنے والے آدمیوں کے ساتھ ان کو واپس کر دیا۔ مکہ کی طرف سے واپسی میں ابوبصیرؓ نے اپنا مسئلہ کچھ یوں حل کیا کہ ان کی ہی تلوار سے ایک کو قتل کر دیا اور دوسرے آدمی کے پیچھے مدینہ آئے تو احساس ہوا کہ وہ پھر واپس کیے جائیں گے، چنانچہ وہ مدینہ سے نکل کر ساحل سمندر پر آ گئے، وہیں رہنے لگے۔ پھر وہاں ابوجندلؓ بھی بھاگ کر آ گئے، پھر اور مسلمان بھی وہاں آتے گئے۔ اب وہ مکہ جانے اور آنے والوں سے چھیڑ چھاڑ کرتے، ان کا مال لوٹ لیتے اور موقع پا کر قتل بھی کر دیتے یہاں تک کہ مکہ والے تنگ آ گئے اور حضور ﷺ سے درخواست کی کہ ان کو واپس مدینہ بلا لیں۔ اس طرح کمزور مسلمانوں کا مسئلہ حل ہو گیا۔ اس سے پتہ چلا ہر چیز حکومت یا برسر اقتدار لوگوں پر نہیں چھوڑنی چاہیے۔ وہ معاہدہ کے پابند ہو سکتے ہیں یا کسی کے پریشر میں ہو سکتے ہیں، اس لیے حکمت عملی کے ساتھ خود کچھ لوگوں کے ساتھ مل کر مسئلہ کے حل کیلئے ضرور کام کرنا چاہیے۔

7 ہجری میں حضرت عمرو بن العاص (فاتح مصر) خالد بن ولید (سیف اللہ) جو کسی غزوہ میں نہیں ہارے، ہمیشہ کامیاب رہے اور عثمان بن ابی طلحہؓ نے مدینہ آ کر حضور ﷺ کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''مکہ نے اپنے جگر گوشوں کو تمہارے حوالے کر دیا ہے۔''

پھر تو امن کا ایسا ماحول میسر آیا کہ تبلیغی سرگرمیاں بڑھ گئیں اور حضور ﷺ نے بادشاہوں کے نام خطوط لکھے۔

7 ہجری میں مسلمانوں نے جا کر عمرہ ادا کیا۔ وہاں تین دن ٹھہرے۔ آپ ﷺ نے اپنے چچا عباس کی بیوی ام الفضل کی بیوہ بہن میمونہ سے شادی کی اور وعدہ کے مطابق تین دن میں واپس لوٹ گئے۔ اگر حضور ﷺ چاہتے تو بہت کچھ کر سکتے تھے کیونکہ ان لوگوں نے شہر مکہ خالی کر دیا تھا مگر آپ ﷺ نے عہد کی پابندی کی اور ٹھیک تین روز کے بعد مکے سے نکل گئے۔

صلح حدیبیہ کا ایک نمایاں سبق یہ ہے کہ امت ہر مرحلہ زندگی میں ہوش کو جوش پر غالب رکھے۔ دشمن کی طرف سے بار بار جذبات کو بھڑکانے والی حرکتیں سامنے آئیں مگر آپ ﷺ نے صحابہؓ کو ہر موقع پر قابو رکھا۔ صحابہؓ نے بھی اطاعت کا حق ادا کر دیا اور مزاج کے ناموافق صلح کو حضور ﷺ کے حکم پر تسلیم کر لیا۔

صلح حدیبیہ کے پیغامات اور ثمرات

کہنے کو تو یہ ایک صلح کا معاہدہ تھا مگر قرآن میں اللہ تعالیٰ نے اس کو ''فتح مبین'' قرار دیا۔ ''سورۃ الفتح'' حدیبیہ سے واپسی پر نازل کی۔ یہ ایک ایسی صلح یا معاہدہ تھا جس میں بظاہر مسلمانوں کی سبکی نظر آتی تھی مگر دراصل ان کے حق میں یہ ایک بہترین امن کا موقع مہیا کرتی تھی۔ تمام دنیا کے انسانوں اور خصوصاً مسلمانوں کے لیے یہ ایک رہنما مثال ہے کہ جب ایسے حالات پیش آئیں تو تھوڑا دب کر بھی صلح کر لی جائے تو ایک بڑے خون خرابہ سے بچا جا سکتا ہے۔ ہم نے تفصیل سے اس کے ایک ایک جز کا مطالعہ کر لیا ہے، جس سے ہمیں محمد ﷺ کی حکمت و دانائی، تدبر اور حلم اور معاملہ فہمی کا پتہ چلتا ہے۔ مکہ والوں نے مسلمانوں کو عمرہ ادا کرنے سے روکنے کی ہر ممکن کوشش کی اور اس میں وہ کامیاب بھی ہو گئے۔ اگلے سال عمرہ کرنے کی شرط پر معاہدہ طے پا گیا حالانکہ اشہر حرم (حرمت کے مہینے) تھا اور ان سے پہلے کبھی کسی زائر حرم کو ان مہینوں میں روکا نہیں گیا۔ محمد ﷺ اپنے موقف پر ڈٹے رہے اور اُنہوں نے اپنا مقدمہ خود بے جگری سے لڑا۔ اس کو لوگ غزوۂ حدیبیہ بھی کہتے ہیں کیونکہ یہ ایک جنگ تھی جو سرد جنگ تھی۔ اعصابی جنگ تھی اور بات چیت کے ذریعے لڑی گئی۔ امن میسر آ گیا۔ ہر وقت کی گشت، چوکنا رہنا، مدینہ پر حملہ کے خطرات سے محفوظ ہو گئے۔ پھر تبلیغی سرگرمیاں بڑھ گئیں اور آپ ﷺ نے ہمسایہ ملکوں کے بادشاہوں کے نام خطوط لکھے۔

اس صلح کے نتیجے میں مکہ کے اطراف میں آباد قبیلۂ بنی خزاعہ نے مسلمانوں کے

حلیف ہونے کا اعلان کر دیا جو آگے چل کر فتح مکہ کا باعث بنا۔ اس طرح دیگر قبائل سے بھی تعلقات قائم کرنے کا حق تحریری طور پر تسلیم کر لیا گیا۔

قریش اور یہود میں تفریق پیدا ہو گئی۔

قریش نے مسلمانوں کی مساوی حیثیت تسلیم کر لی۔ قریش کی کعبہ پر اجارہ داری ختم ہو گئی۔ بیت اللہ کی زیارت کا حق تسلیم کرا لیا گیا۔

حدیبیہ معاہدہ نے پرامن راستہ اور ماحول فراہم کیا۔ قرب بڑھا، لوگوں کو اسلام سمجھنے کا موقع ملا، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اتنی بڑی تعداد میں لوگوں نے اسلام قبول کیا کہ بعثت نبوی سے اب تک اتنے لوگ مسلمان نہ ہوئے تھے۔

اُم حبیبہؓ سے غائبانہ نکاح

رسول اللہ ﷺ نے اُم حبیبہؓ سے حبشہ میں رہتے ہوئے غائبانہ نکاح کیا۔ 7 ہجری میں محمد ﷺ نے جناب عمرو بن امیہ ضمری کو حبشہ بھیجا۔ اس زمانے میں محمد ﷺ نے مختلف ملکوں میں اپنے سفیر اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجے، ہر ایک کو اپنے خطوط بھیجے۔ حبشہ کے بادشاہ نجاشی نے فوراً اسلام قبول کر لیا۔ اس خط میں یہ بھی تحریر تھا کہ وہ محمد ﷺ کی شادی اُم حبیبہؓ سے کرا دے۔ اُم حبیبہؓ مکہ کے سردار ابی سفیان کی بیٹی تھیں۔ ان کی شادی عبیداللہ بن جحش سے ہوئی تھی۔ اُنہوں نے اسلام قبول کر کے ہجرت کی، وہاں جا کر شوہر عیسائی ہو گیا اور اسی حالت میں وہ وفات پا گیا۔ اُم حبیبہ حبشہ میں تنہا رہ گئیں۔ تو نبی ﷺ کا رشتہ گیا تو خالد بن سعید بن عاصؓ کو اُم حبیبہؓ کا ولی بنا کر ان کا حضور ﷺ سے نکاح کرا دیا۔ مہر 400 دینار مقرر ہوا

جونجاشی نے اپنی جیب سے ادا کیا۔ نبی ﷺ کی ہدایت کے مطابق حبشہ میں موجود تمام صحابہ کرامؓ کو اُم حبیبہؓ کے ساتھ جہازوں میں بٹھا کر مدینہ روانہ کر دیا گیا۔

اس طرح محمد ﷺ نے ہمیں سکھایا کہ دوسرے ملکوں میں رہتے ہوئے بھی نکاح کرایا جاسکتا ہے۔لڑکی کے ساتھ اس کا ولی ہونا ضروری ہے یا کسی کو اس کا ولی مقرر کیا جاسکتا ہے اور یہ بھی کہ کوئی دوسرا دولہا کی طرف سے مہر ادا کرسکتا ہے۔اگرچہ خلوت نہ ہوئی ہو۔اُم حبیبہؓ کا نام رملہ تھا۔ان کی ایک بیٹی حبیبہ کی وجہ سے کنیت اُم حبیبہ سے مشہور ہوئیں۔قبائلی علاقوں میں یہ روایات چلی آتی تھی کہ ایک کا داماد پورے قبیلہ کا داماد تصور ہوتا تھا اور لوگ اس سے لڑائی سے گریز کرتے تھے۔چنانچہ ابوسفیان کی بھی اس نکاح کے بعد دشمنی میں وہ شدت نہ رہی۔

تجدید معاہدہ حدیبیہ کے لیے جب ابوسفیان مدینہ میں اپنی بیٹی کے پاس گیا اور بستر پر بیٹھنے لگا تو بی بی نے بستر فوراً لپیٹ دیا تو وہ بولا بیٹی کیا تم بستر کو میرے قابل نہیں سمجھتیں یا میں بستر کے قابل نہیں ہوں۔ اُم حبیبہؓ نے کہا۔ ''نہیں، یہ اللہ کے رسول ﷺ کا بستر ہے اور آپ، مشرک ہیں، ناپاک ہیں، اس پر کیسے بیٹھ سکتے ہیں۔تو وہ بولا۔میرے بعد تم کو شر پہنچ گیا ہے۔اُم حبیبہؓ، نبی ﷺ سے انتہائی محبت کرتی تھیں۔ان کی محمد ﷺ سے محبت اپنے ماں باپ، بھائی سب سے بڑھ کر تھی کیونکہ وہ سب مشرک تھے۔یہ ان کے پکے ایمان کی نشانی تھی۔

بین الاقوامی دعوت کا آغاز

صلح حدیبیہ کے بعد کچھ امن میسر آیا تو حضور پاک ﷺ نے مدینہ سے باہر کی طرف توجہ کی اور مختلف ممالک اور قبائل سرحدی کے نام دعوتی خطوط بھیجے۔ رسول اللہ ﷺ کے عہد ظہور میں نواحی ملکوں میں کسریٰ (ایران) ہرقل (روم) دونوں اس قدر طاقتور بادشاہ تھے کہ اپنے ملکوں کے سوا قریبی ملکوں میں ان کی ہی سیاست تھی اور دونوں کے ماتحت ممالک کے لوگ ان کی ہیبت سے تھر تھر کانپتے تھے۔ ہر ایک ان کی دوستی اور نگاہ کرم کا منتظر رہتا۔ عرب کی حالت بہت خستہ تھی۔ قبیلے آپس میں جنگ و جدل میں مصروف رہ کر اپنی طاقت کھو چکے تھے۔ عرب کے دو خطے یمن و عراق، ایران کے زیر نگین تھے اور مصر و شام جیسے ملک ہرقل کے زیر نگین تھے۔ ذریعہ معاش چونکہ تجارت تھا، اس لیے دونوں سلطنتوں کی ماتحتی کرنی پڑتی۔ ایسے ماحول میں محمد ﷺ کا شاہان کو خطوط بھیجنا ایک بڑے حوصلے کی بات تھی۔ جس کے نتیجے میں عرب قوم برباد بھی ہو سکتی تھی۔ آپ ﷺ اللہ کے بھروسے پر نتائج سے بے پروا صحابہؓ کو اکٹھا کرتے ہیں اور فرمایا۔ ''اے لوگو! اللہ نے مجھے تمام عالم کے لیے باعث رحمت بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔ میں بادشاہوں کے نام خط دے کر تم کو بھیجنا چاہتا ہوں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ تم میری اطاعت نہ کرو۔ جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ ابن مریم کے حواریوں نے ان کی نافرمانی کی تھی۔ صحابہ نے پوچھا کن معنوں میں ان کی نافرمانی کی۔ فرمایا: ابن مریم نے یہی پیغام اپنے حواریوں کے ذریعے بادشاہوں کو پہنچانا چاہا تو ان میں سے جس کو قریب کے بادشاہ کے پاس بھیجا اس نے خوشی سے تعمیل کی۔ مگر دور جانے والوں کی پیشانی پر بل پڑ

گئے۔اس طرح ان کا یہ کام پورا نہ ہوسکا۔صحابہ کرامؓ نے عرض کیا کہ آپ ﷺ جہاں چاہیں گے ہم جائیں گے، آپ ﷺ کی مکمل اطاعت کریں گے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے خط لکھوائے اور اپنے اصحابؓ کو روانہ کیا۔وہ قریب بھی گئے اور دور دراز کے سفر بھی طے کیے۔نہ وہ راستہ جانتے تھے نہ ان ملکوں کی زبان جانتے تھے اور نہ ہی درباری آداب سے واقف تھے۔حضور ﷺ نے ان کی صلاحیتوں کے بل پر ان کو منتخب کیا۔دل نور ایمان سے منور تھے۔اللہ کی عظمت کا سکہ جس دل میں بیٹھ جائے اس پر دنیاوی زینت اثر نہیں کرتی، ان کے کام میں جان کا بھی خطرہ تھا مگر اللہ کے رسول ﷺ کے کام میں جان قربان کرنا سعادت کی بات تھی۔

عہد رسالت میں ایران اور روم کی جو دو بڑی سلطنتیں تھیں، ان کو چیلنج کرنے کی نہ تو چین میں سکت تھی، نہ ہندوستان میں اور نہ ہی وسط یورپ میں تھی۔ان چھوٹی بڑی قوموں میں دین کے غلط تصورات رواج پا گئے تھے۔رسوم پرستی کا چلن تھا۔مادہ پرستی ان کی زندگی کی بنیاد تھی۔ان کا عروج و ترقی صرف مادی بنیادوں پر قائم تھی۔ دونوں ملکوں کی بادشاہتیں روحانی قوت کے لحاظ سے دم توڑ چکی تھیں۔ایران مذہبی حیثیت سے بت پرست اور آتش پرست دو طبقوں میں تقسیم تھا۔روم بازنطینی عیسائیت کا بٹوارہ کئی ٹکڑوں میں ہو چکا تھا جس کی وجہ سے ان کے عقیدہ میں بھی اتنی سکت نہ تھی کہ روحانیت کو ترقی ملتی۔ان کا مذہب ظاہری رسوم کا ایک ڈھیر تھا جس نے اس کے ماننے والوں کی عقل پر پردہ ڈال دیا تھا۔انسانوں کی روح کھوکھلی ہو چکی تھی۔وہ بادشاہوں کے ظلم و استبداد اور جبر کی چکی میں پس رہے تھے۔ہر وہ معاشرہ جس میں معاشی ترقی اپنی انتہا کو پہنچ جائے مگر روحانی طور پر وہ خالی ہو تو ایسی سوسائٹی بے چینی، پراگندگی، پریشان حالی اور ذہنی بیماریوں سے بھری ہوتی ہے۔درحقیقت

معاشی خوشحالی بھی کوئی بہت زیادہ عام انسان کو میسر نہیں ہوتی۔ نہ سوچنے کی آزادی ہوتی ہے اور نہ اُن کے کوئی سیاسی حقوق تھے۔ حق تعالیٰ نے بادشاہوں اور مذہبی طبقوں کے ہاتھوں علاقائی قومیت میں بٹی ہوئی انسانیت کے لیے بین الاقوامی دور کا افتتاح خود اپنے رسول آخرالزماں ﷺ کے ہاتھوں کرایا اور یہ کلمہ صداقت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ، جہاں جہاں پہنچا اپنے اثرات ثبت کرتا چلا گیا۔ آج بھی دنیا میں جہاں کہیں احترام انسانیت ہے، بنی نوع آدم کی مساوات ہے، اجتماعی رابطے کے لیے جمہوری تصورات ہیں، عقلی و تجرباتی علوم کی قدر و قیمت کا احساس ہے۔ تسخیر کائنات کا جذبہ اور علوم کی خواہش ہے، بین الاقوامی حقوق اور معاہدات کا احترام ہے، خیال اور رائے کی آزادی، اقلیتوں کے حقوق کا شعور، انصاف کے بنیادی اصول ہیں، وہ تمام چیزیں محمد ﷺ کے لائے ہوئے دین کی بدولت دنیا نے حاصل کیں۔ اور محمد ﷺ کے صحابہ کرامؓ ان اصولوں کو لے کر اُٹھے اور دنیا کے ایک بڑے حصے کو اس نور سے منور کر دیا۔ بعد میں تابعین اور تبع تابعین اور محمد ﷺ کے سچے پیروکاروں نے اسے دنیا کے 3 براعظموں تک پہنچا دیا۔

یہ بات قابل غور ہے کہ محمد ﷺ نے دوسرے ملکوں کے عوام تک دعوت کلمہ حق پہنچانے کے لیے آخر شاہی درباروں کو کیوں مخاطب فرمایا۔ وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ اس دور میں عوام الناس کے کوئی شہری حقوق نہ تھے۔ ان کے پاس رائے کی آزادی نہ تھی، اپنے اصول بنانے اور ان پر چلنے کی آزادی نہ تھی۔ جو کچھ بادشاہ اور سردار ان کے لیے مقرر کر دیتے ان کو اس پر ہی چلنا ہوتا تھا۔ اس سے نکلنے کا تصور ہی نہ تھا۔ پھر دوسری بات یہ کہ بادشاہتیں کسی اجنبی کو اجازت نہیں دیتی تھیں کہ وہ ان کی رعیت سے میل جول رکھیں اور ان کے موجودہ مذہب کی جگہ کوئی دوسرا مذہب اختیار کرنے کو کہیں، ان کے

اپنے سیاسی پیشوا تھے، ان کے اپنے مذہبی پیشوا تھے جو ان کی حکومت کا بڑا ستون تھے۔ بادشاہت گویا خدا کا درجہ رکھتی تھی۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خطوط پر نظر ڈالتے ہیں تو پتہ چلتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس دور کے سفارتی لحاظ سے ان کو پوری قوم کا نمائندہ قرار دیا اور ان کے برے بھلے کی ذمہ داری ان پر ڈالی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مختلف تاجداروں کو عظیم الروم، عظیم فارس کہہ کر مخاطب کیا۔ ہر خط کا آغاز بسم اللہ الرحمٰن الرحیم سے کیا۔ انتہائی محتاط اور جچے تلے الفاظ میں مدعا بیان کیا۔ ایک جگہ لکھوایا ''اسلم تسلم'' (اسلام لاؤ سلامتی پاؤ گے) یعنی اطاعت کرو گے تو سلامتی پاؤ گے۔ اس کا دوسرا مفہوم یہ بھی ہے کہ اگر نہ مانو گے تو پھر خیر نہیں، اس اعتبار سے یہ مختصر سا جملہ گویا کہ اپنے اندر سیاسی دھمکی بھی رکھتا ہے۔



شاہانِ عجم کے نام حضور ﷺ کے خطوط

صلح حدیبیہ 6 ہجری کے بعد جب امن میسر آیا تو آپ ﷺ نے ملک عرب اور شاہانِ عجم کے نام خط لکھنے کا ارادہ ظاہر کیا۔ تب صحابہؓ نے آپ ﷺ کو مشورہ دیا کہ بادشاہ بغیر مہر کے کوئی خط قبول نہیں کرتے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے چاندی کی ایک انگوٹھی بنوائی جس پر ﷺ محمد رسول اللہ لکھا تھا۔ یہ خطوط مندرجہ ذیل بادشاہوں اور ملکوں کے نام لکھے گئے:

1- نجاشی بادشاہ حبش کے نام (عمرو بن اُمیہ ضمریؓ)
2- مقوقس شاہ مصر کے نام (جناب حاطب بن ابی بلتعہؓ)
3- شاہ فارس خسرو پرویز کے نام (جناب عبداللہ بن حذافہؓ)
4- قیصر شاہ روم کے نام (جناب دحیہ بن خلیفہ کلبیؓ)
5- منذر بن ساوی حاکم بحرین کے نام (علاء بن حضرمیؓ)
6- ہوذہ بن علی حاکم تمامہ کے نام (سلیق ابن عمروؓ)
7- حارث بن ابی شمر حاکم غسان کے نام (شجاعؓ بن وہاب ارت)
8- جیفر اور اس کے بھائی عبد شاہ عمان کے نام (عمرو بن العاصؓ)

ان خطوط کے ذریعے محمد ﷺ نے اپنی دعوت روئے زمین کے بیشتر بادشاہوں تک پہنچا دی۔ اس کے جواب میں کوئی تو ایمان لے آیا تو کسی نے کوئی مثبت جواب نہ دیا اور کسی نے کھلم کھلا اعلان کفر کیا۔ اس طرح دین اسلام کی دعوت پہنچا دی گئی اور

آپ ﷺ کا دین اور اس کا نام ایک جانی پہچانی چیز بن گیا۔

ہم یہاں چند کا تذکرہ کریں گے۔ جو بہترین صحابہؓ تبلیغ کے لیے منتخب کیے گئے ان میں ایک عبداللہ بن حذافہ سہمیؓ بھی تھے۔ ان کو خسرو پرویز کے پاس بھیجا گیا۔ وہ سادہ لباس پہنے ہوئے تھے، ہاتھ میں خط لیے جب کسریٰ کے آراستہ و پیراستہ دربار میں حاضر ہوئے تو اس کی شان و شوکت سے چنداں مرعوب نہ ہوئے۔ نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق بادشاہ کے ہاتھ میں خط دیا۔ بادشاہ نے اپنے آدمی کو اشارہ کیا کہ خط کھولے اور پڑھ کر سنائے۔ وہ ان الفاظ میں شروع ہوا تھا:

من محمد رسول اللہ الیٰ کسریٰ عظیم فارس

سلام علی من اتبع الھدی

یہ پیغام محمد ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول کی طرف سے کسریٰ عظیم فارس کے نام۔ سلام ہے اس پر جو ہدایت کی راہ پر چلا۔ یہ سن کر کہ اس کا نام بعد میں لکھا گیا، وہ مغلوب الغضب ہو گیا۔ اور باقی خط بغیر پڑھے ہی اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیئے اور چیخ کر بولا کہ اس کی یہ جرأت میرا غلام ہو کر مجھے اس طرح مخاطب کرے اور حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کو دربار سے نکال دیا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہؓ، حضور اکرم ﷺ کے پاس مدینہ پہنچے اور روداد کہہ سنائی۔ نبی ﷺ نے ارشاد فرمایا۔ ''اللہ اس کی سلطنت کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے۔'' کسریٰ نے یمن میں اپنے گورنر باذان کو حکم دیا کہ یثرب کے اس شخص کو گرفتار کر کے میرے دربار میں پیش کرو۔ باذان کے دو مضبوط آدمی خط لے کر مدینہ پہنچے اور کہا ''ہمارے ساتھ چلیں اگر آپ نے انکار کیا تو یاد رکھیں کسریٰ کے جلال کو وہ آپ کے ساتھ آپ کی قوم کو بھی ہلاک کر دے گا۔ رسول اللہ ﷺ یہ سن کر مسکرائے

اور فرمایا، آج تم آرام کرو، کل بات کریں گے۔ اگلے دن وہ حاضر خدمت ہوئے تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''کون کسریٰ وہ تو ہلاک ہو چکا ہے، اس کے بیٹے نے اس کو قتل کر کے خود اقتدار سنبھال لیا ہے۔ جاؤ جا کر اس کو خبر دو کہ اسلام قبول کر لے، اگر تم اسلام قبول کر لو گے تو ہم تم کو ہی حاکم بنا دیں گے۔ یاد رکھو اسلام کا دائرہ کسریٰ تک پھیلنے والا ہے۔ حیران و ششدر وہ دونوں آدمی باذان کے پاس لوٹ گئے اور اس کو یہ خبر دی۔ اس خبر کی کچھ ہی دن کے بعد تصدیق ہو گئی، اس کو پیغام موصول ہوا جس میں ''شیرویہ'' کسریٰ کے بیٹے کا خط تھا کہ میری اطاعت کرو میں نے اس کو ہلاک کر دیا ہے۔ باذان نے اس کا خط پھینکا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جا کر مسلمان ہو گیا، اس کے ساتھ تمام فارسی النسل باشندے بھی مسلمان ہو گئے۔

قیصر شاہ روم کے نام خط

صحیح بخاری میں یہ خط موجود ہے جو روم کے بادشاہ ہرقل کے نام بھیجا گیا۔ ترجمہ خط یہ ہے:

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اللہ کے بندے اور اس کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی جانب سے

ہرقل عظیم روم کی طرف

اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے۔

تم اسلام لاؤ سالم رہو گے۔ اسلام لاؤ اللہ تمہیں اجر دوبار دے گا اور اگر تم نے روگردانی کی تو تم پر رعایا کا بھی گناہ ہو گا۔ اے اہل کتاب ایک ایسی بات کی طرف آؤ جو ہمارے اور تمہارے

درمیان برابر ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کریں اور اللہ کے بجائے ہمارے بعض بعض کو رب نہ بنائے۔ پس اگر لوگ رخ پھیریں تو کہہ دو کہ تم لوگ گواہ رہو ہم مسلمان ہیں۔''

یہ خط ایک صحابی دحیہ کلبیؓ لے کر روانہ ہوئے اور ہرقل کے پاس فلسطین پہنچے۔ تجارت کے لیے ابوسفیان جو اس وقت کافر تھے، اپنے کارواں کے ساتھ تجارت کے لیے شام گئے ہوئے تھے۔ ہرقل نے ان کو بیت المقدس بلایا۔ ان سے جو بات چیت ہوئی وہ عبداللہ بن عباس سے مروی ابوسفیان کی زبانی صحیح بخاری میں موجود ہے۔ ابو سفیان اپنے لوگوں کے ساتھ دربار میں حاضر ہوئے۔ روم کے بڑے بڑے عہدیدار موجود تھے۔ ایک ترجمان بھی تھا، اس کے بعد مندرجہ ذیل سوالات ہوئے۔

ہرقل: تم لوگوں میں اس کا نسب کیا ہے؟

ابوسفیان: وہ اونچے نسب والا ہے۔

ہرقل: جو وہ کہتا ہے پہلے بھی کسی نے کہی ہے۔

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا اس کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ گزرا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: اس کی پیروی کرنے والے بڑے لوگ ہیں یا کمزور لوگ؟

ابوسفیان: کمزور لوگ۔

ہرقل: یہ لوگ بڑھ رہے ہیں یا گھٹ رہے ہیں۔

ابوسفیان: بڑھ رہے ہیں۔

ہرقل: کیا اس دین میں داخل ہونے کے بعد کوئی پلٹا (مرتد) ہوا۔

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: اس کی دعوت دینے سے پہلے تم لوگ اسے جھوٹا سمجھتے تھے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا وہ بدعہدی کرتا ہے؟

ابوسفیان: نہیں۔

ہرقل: کیا تم نے اس سے جنگ کی ہے؟

ابوسفیان: جی کی ہے۔

ہرقل: جنگ کا نتیجہ کیا رہا

ابوسفیان: کبھی وہ جیتا اور کبھی ہم۔

ہرقل: وہ تمہیں کن باتوں کا حکم دیتا ہے؟

ابوسفیان: وہ کہتا ہے صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ تمہارے باپ دادا جو کہتے تھے، اسے چھوڑ دو۔ وہ ہمیں نماز، سچائی، پرہیزگاری (تقویٰ)، پاک دامنی اور قرابت داروں کے ساتھ حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔

اس کے بعد ہرقل نے اپنا جواب بیان کیا۔ ''اس کے اونچے نسب سے تعلق رکھنے پر میں نے جانا کہ وہ اللہ کا رسول ہے، کیونکہ رسول اعلیٰ نسب والے ہوتے ہیں۔ دوسری بات یہ کہ وہ نئی بات کہتا ہے اس کا مطلب ہے کسی کی نقل نہیں کر رہا ہے، اگر اس کے باپ دادا میں کوئی بادشاہ گزرا ہوتا تو میں سمجھتا کہ وہ اپنی کھوئی ہوئی بادشاہت کا طالب ہے۔ تم

نے کہا وہ جھوٹ نہیں بولتا میں نے جان لیا کہ ایسا نہیں ہوسکتا کہ وہ لوگوں پر تو جھوٹ نہ بولے اور اللہ پر جھوٹ بولے۔ تم نے کہا کمزور پیروی کر رہے ہیں، ہر رسول کی پیروی ایسے ہی لوگ کرتے ہیں، کوئی مرتد بھی نہیں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ جب ایمان دل میں چلا جاتا ہے تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ تم نے کہا وہ بدعہدی نہیں کرتا، رسول ایسے ہی ہوتے ہیں۔ تم نے کہا نیکی کا حکم دیتا ہے، قرابت داروں سے حسن سلوک کا حکم دیتا ہے۔ رسول کی یہی صفات ہوتی ہیں۔ تمہارے بتانے کے مطابق یہ شخص ایسا ہی ہے تو بہت جلد میرے قدموں کے نیچے تمام زمین کا مالک ہوجائے گا۔ اگر مجھے یقین ہوتا کہ میں ان تک پہنچ جاؤں گا تو ان سے ملاقات کی زحمت اُٹھاتا اور اگر ان کے پاس ہوتا تو ان کے پاؤں دھوتا (یعنی ان کی خدمت کرتا) میں جانتا ہوں کہ نبی آنے والا ہے۔ میرا یہ گمان نہ تھا کہ وہ تم میں سے ہوگا۔ اس کے بعد اس نے محمد ﷺ کا مکتوبِ گرامی پڑھا۔ اس کے دربار میں کچھ شور بلند ہوا اور ابوسفیان کی جماعت کو رخصت کر دیا گیا۔ اس وقت ایمان ابوسفیان کے اندر چلا گیا، وہ حیران تھا کہ اتنے بڑے بادشاہ کا یہ حال ہے پھر اس نے حضور ﷺ کے سفیر کو مال و دولت، تحفہ میں شاندار کپڑے بھجوائے۔ جب حبشہ کے بادشاہ نجاشی اصحمہ نے اس کو خراج دینا بند کیا تو اس سے لوگوں نے کہا، آپ اس کے خلاف کارروائی کیوں نہیں کرتے۔ اس نے کہا اب وہ محمد ﷺ کو دے گا، اگر مجھے اپنی بادشاہت کا لالچ نہ ہوتا تو میں بھی اسلام قبول کر لیتا۔

مختصراً جان لیجیے کہ جب شاہ حبش اصحمہ کے پاس عمرو بن اُمیہ ضمری ؓ خط لے کر گئے، تو وہ خط پڑھ کر اسلام لے آیا اور حضرت جعفر ؓ کے ساتھ بیعت کی۔ خط کا جواب دیا اور اپنے بیٹے ارہا کو سفیر بنا کر مدینہ بھیجا اور حضور ﷺ کے صحابہ جو حبشہ میں مقیم

تھے، سب کو کشتیوں میں مدینہ روانہ کیا۔

بحرین کے حاکم منذر بن ساوی نے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خط کو پڑھ کر اسلام قبول کر لیا۔ وہ کسریٰ کی حکومت کے زیر اثر تھا، اس کی رعایا میں سے بہت سے لوگ مسلمان ہو گئے۔ عمان کے حاکم جیفر اور عبد کے پاس عمرو بن العاص ؓ خط لے کر گئے تھے۔ معلومات حاصل کرنے کے بعد یہ دونوں بھائی بھی مسلمان ہو گئے۔

دمشق کے حاکم منذر نے اسلام قبول نہ کیا مگر سفیر شجاع بن وہب الاسدی کو اعزاز کے ساتھ رخصت کیا۔

اسکندریہ اور مصر کے بادشاہ مقوقس کے پاس حاطب بن ابی بلتعہ ؓ خط لے کر گئے تھے۔ اُنہوں نے خود بھی اس کے دربار میں خطاب کیا۔ اس سرزمین میں پہلے بھی ایک شخص نے اپنے رب ہونے کا نعرہ لگایا تھا، آخر وہ خدا کے غضب کا شکار ہوا۔ اس لیے دوسرے سے عبرت پکڑو، ایسا نہ ہو کہ لوگ آپ لوگوں سے عبرت پکڑیں۔ پھر اسلام کی حقانیت بیان کی اور بتایا عیسائیت اور اسلام ایک ہی دین ہے۔ اس نے اسلام کو قبول نہ کیا مگر ہاتھی دانت کے خوبصورت ڈبے میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط حفاظت سے رکھ دیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے تحائف بھجوائے جس میں دو عورتیں قبطی نسل کی ماریہ اور سیرین تھیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ماریہ سے نکاح کر لیا۔ جس کے بطن سے ابراہیم ؓ، آپ کے بیٹے پیدا ہوئے جو کہ کم سنی میں وفات پا گئے اور سیرین کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حسان بن ثابت ؓ شاعر اسلام کو دے دیا۔ ان کے ساتھ ایک نہایت عمدہ نسل کا خچر ''دلدل'' نام کا بھی بھیجا جو حضرت معاویہ ؓ کے زمانے تک حیات رہا، وہ خود ایمان نہ لایا اور یہ کہا! آخری نبی شام سے آئیں گے۔

اس کے علاوہ چھوٹے چھوٹے والیوں تک بھی دعوت بھیجی گئی۔ فروہ بن عمرو رومی

سلطنت کا باجگزار تھا۔ اپنی گورنری چھوڑ کر مسلمان ہو گیا اور اسلام کے لیے بہت کام کیا۔ نجد کا حکمران تمامہ 6 ہجری میں اسلام لے آیا تھا۔ جبلہ غسانی 7 ہجری میں اسلام لایا۔ دومۃ الجندل کا حاکم اکیدر بھی مسلمان ہوا۔ ذوالکلاح حمیری جو قبیلہ حمیر کا بادشاہ تھا، اپنے آپ کو سجدہ کراتا تھا، وہ بھی مسلمان ہو گیا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مقوقس مصر کے فرماں رواں کے بارے میں فرمایا۔ ''اس کو اسلام قبول کرنے سے اس کی بادشاہت نے روکا ہے، اس کی بادشاہت اس کی وفات تک ہے، اس کے بعد یہ مسلمانوں کے پاس آجائے گی اور ایسا ہی ہوا، بعد کے زمانے میں حضرت عمرؓ کے وقت میں عمرو بن العاصؓ نے مصر کو فتح کیا، وہ پہلے وہاں کے گورنر بنائے گئے اور مصر اسلامی سلطنت کا ایک حصہ بن گیا۔



ہجرت کا ساتواں سال

(غزوۂ خیبر)

صلح حدیبیہ کے بعد اللہ عزوجل نے سورۃ الفتح آیت 20 میں ارشاد فرمایا:

وَعَدَكُمُ اللّٰهُ مَغَانِمَ كَثِيْرَةً تَاْخُذُوْنَهَا فَعَجَّلَ لَكُمْ هٰذِهٖ

ترجمہ: ''اللہ نے تم سے بہت سے مال غنیمت کا وعدہ کر رکھا ہے، جو تم حاصل کرو گے اب فوری طور پر اس نے یہ فتح تمہیں دے دی ہے۔''

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی طے کر دیا کہ غزوۂ خیبر میں صرف بیعت رضوان کے شریک ہی جا سکیں گے۔ آپ ﷺ کو ہدایت دی گئی کہ منافقین اور ضعیف الایمان لوگ جو حدیبیہ میں نہیں تھے، وہ بھی خیبر جانا چاہیں گے مگر ان کو ساتھ نہ لیا جائے۔

حدیبیہ سے واپسی پر مدینہ منورہ میں کچھ دن رہنے کے بعد آپ ﷺ کو یہ اطلاع ملتی ہے کہ خیبر کے یہودی بنو غطفان کے ساتھ مل کر مدینہ منورہ پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے ان کی پیش قدمی روکنے کے لیے محرم 7 ہجری میں ایک لشکر ترتیب دیا۔ جس میں صرف شرکاء حدیبیہ کو شامل فرمایا کیونکہ ان کی ہی اجازت ملی تھی۔ یہ کل 1400 مجاہدین تھے۔ پورے جوش ایمانی سے یہ لشکر آگے بڑھا۔ شرکاء میں حضرت عامر بن اکوع بھی تھے۔ جو رجزیہ اشعار جوش و خروش سے پڑھ رہے تھے۔ حضور ﷺ نے ان کے لیے دعائے مغفرت فرمائی۔ آپ ﷺ کے مزاج شناس صحابہؓ نے اس کا مفہوم ان کی شہادت سمجھا اور ایسا ہی ہوا۔

آپ ﷺ نے جو راستہ منتخب فرمایا، وہ شام کی طرف سے خیبر جاتا تھا تاکہ ان کے خیبر بھاگنے کا راستہ بلاک ہوجائے اور ان کے آنے کی اطلاع بھی مخفی رہے۔ خیبر مدینہ سے 8 میل کی مسافت پر ہے اور مدینہ سے خیبر جانے والے راستے پر آپ ﷺ کا لشکر ان کو نظر نہ آئے۔ جب آپ ﷺ خیبر پہنچ گئے تو آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی۔ ''اے اللہ، ساتوں آسمانوں کے رب، اور ان تمام چیزوں کے رب جن پر آسمان چھایا ہوا ہے، ساتوں زمینوں کے رب جن کو زمینیں سمیٹے ہوئے ہیں۔ شیطانوں کے رب اور ان تمام کے رب جن کو وہ گمراہ کرتے ہیں، ہم آپ سے اس بستی، یہاں کے رہنے والوں اور یہاں موجود تمام چیزوں کے شر سے آپ کی پناہ چاہتے ہیں۔ (ابن ھشام)

آپ ﷺ نے رات خیبر میں گزاری اور صبح کے وقت حملہ آور ہوئے۔ قلعہ کے لوگ کھیتی باڑی کرنے اپنے اوزاروں کے ساتھ کھیتوں کی طرف جا رہے تھے۔ وہ سب سراسیمہ ہوگئے اور شور مچانے لگے واللہ یہ تو محمد ﷺ کا لشکر آپہنچا۔ محمد ﷺ نے زور سے نعرۂ تکبیر بلند کیا۔ ''اللہ اکبر اللہ اکبر، اللہ سب سے بڑا ہے، اللہ سب سے بڑا ہے۔ خیبر برباد ہوگیا۔ ہم جب بھی کسی قوم کے میدان میں اُترتے ہیں تو وہ صبح کافروں کے لیے بہت بری ہوتی ہے۔''

خیبر کے علاقے میں 8 قلعے تھے۔ خیبر کی آبادی دو منطقوں میں بٹی ہوئی تھی ایک منطقہ میں 5 قلعے تھے، ۱۔ حصن ناعم، ۲۔ حصن صعب بن معاذ، ۳۔ حصن قلعہ زبیر، ۴۔ حصن ابی، ۵۔ حصن نزار۔ دوسرا منطقہ کتیبہ کہلاتا تھا جس میں تین قلعے تھے۔ ۱۔ قلعہ قموص (یہ قلعہ بنونضیر کے خاندان ابوالحقیق کا قلعہ تھا)، ۲۔ حصن وطیع، ۳۔ حصن سلالم۔ باقی چھوٹے چھوٹے اور بھی قلعے تھے۔

جنگ صرف پہلے منطقہ میں ہوئی اور دوسرے منطقے کے تینوں قلعے لڑنے والوں کی کثرت کے باوجود جنگ کے بغیر ہی مسلمانوں کے حوالے کر دیئے گئے۔

قلعہ ناعم جس کے قریب مسلمان فروکش ہوئے۔ یہ یہود کی پہلی دفاعی لائن تھی یہ مرحب نامی اس جانباز کا قلعہ تھا جسے 1000 مردوں کے برابر سمجھا جاتا تھا۔ جب عرب کے دستور کے مطابق پہلے بڑے جنگجو آتے ہیں، پھر اصل جنگ شروع ہوتی ہے تو وہ مرحب کے سامنے آیا اور عامرؓ اس کے مقابلے کے لیے نکلے مگر وہ زخمی ہو گئے۔

نبی ﷺ نے خیبر کی حدود میں داخل ہو کر فرمایا۔ ''میں کل جھنڈا اس کے ہاتھ میں دوں گا جو اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے اور جس سے اللہ اور اس کے رسول محبت کرتے ہیں۔'' صبح ہوتی ہے تو ہر ایک یہ تمنا کر رہا تھا کہ جھنڈا اسے ملے، مگر نبی ﷺ نے حضرت علیؓ کو ان میں نہیں دیکھا تو پوچھا علی کہاں ہیں؟ بتایا گیا کہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔ وہ خیمے میں ہیں، ان کو بلایا گیا حضور ﷺ نے ان کی آنکھوں پر دَم کیا وہ بالکل ٹھیک ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں جھنڈا دیا اور کہا ''اطمینان سے جاؤ، ان کو پہلے اسلام کی دعوت دینا اور اللہ کے جو حق ان پر واجب ہیں، ان سے آگاہ کرنا۔ واللہ اللہ تمہارے ذریعے ایک آدمی کو بھی ہدایت دے دے تو یہ تمہارے لیے سرخ اونٹوں سے بہتر ہے۔''

حضرت علیؓ مرحب کے مقابلے پر آئے اور آپؓ نے یہ اشعار پڑھے۔ ''میں وہ شخص ہوں کہ میری ماں نے میرا نام حیدر رکھا ہے (حیدر کے معنی شیر کے ہیں) جنگل کے شیر کی طرح خوفناک، میں صاع کے بدلے نیزے کی ناپ پوری کروں گا۔'' اس کے بعد مرحب کے سر پر ایسی تلوار ماری کہ اس کے خود کو توڑتی ہوئی اس کے سر کے پار ہو گئی اور وہ وہیں ڈھیر ہو گیا۔ اس کے بعد اس کا بھائی یاسر مقابلہ پر آیا اور اس سے

مقابلہ کرنے حضرت زبیرؓ آئے، تو ان کی ماں صفیہ اس گرانڈیل آدمی کو دیکھ کر بولیں۔ ''اے اللہ کے رسول! کیا میرا بیٹا قتل ہوگا۔'' محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''نہیں تمہارا بیٹا اسے قتل کرے گا۔'' چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ اس کے بعد باقاعدہ جنگ شروع ہوئی اور یہ جنگ کئی روز جاری رہی، اس دوران قلعہ کے بقیہ لوگ دوسرے قلعے میں منتقل ہو گئے اور قلعہ مسلمانوں کے ہاتھ آ گیا۔ دوسرا مضبوط قلعہ حصن صعب تھا۔ یہاں بھی تین روز جنگ رہی اس دوران بنو سہم کے لوگ آئے اور اُنہوں نے غذا کی درخواست کی، مسلمانوں کے پاس خود کچھ نہ تھا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یوں دعا فرمائی۔ ''یا اللہ تو جانتا ہے کہ میرے پاس کچھ نہیں اور ان لوگوں میں بھی قوت نہیں، اے اللہ یہود کے ایسے قلعے کی فتح عطا فرما جہاں سب سے زیادہ خوراک اور چربی ہو۔'' اللہ نے فتح عطا فرمائی اور ایک بڑا خوراک کا ذخیرہ بھی ملا۔ قلعہ کے تمام اسباب جس میں منجنیق اور دبابے بھی تھے، ہاتھ آیا۔

اب یہود قلعہ زبیر میں جمع ہو گئے۔ یہ قلعہ پہاڑ کی چوٹی پر تھا، سب سے محفوظ تھا اور اس تک پہنچنا بہت مشکل تھا۔ جب 3 دن تک محاصرہ کو ہو گئے تو ایک یہودی نے آ کر بتایا، اے ابوالقاسم! اگر آپ ایک مہینہ تک بھی محاصرہ جاری رکھیں گے تو اُنہیں پرواہ نہیں کہ سب قسم کا مال و اسباب موجود ہے، سوائے پانی کے جو وہ لینے رات کے وقت آتے ہیں، اگر آپ وہ بند کر دیں تو ان پر قابو پا لیں گے۔ جب ان کا پانی بند ہوا تو وہ خود باہر آ کر لڑتے اور پھر قلعہ ابی میں چلے گئے۔

اس قلعہ کے اندر پہنچ کر مسلمانوں نے جنگ کی۔ بالآخر یہاں سے بھی کھسک کر اب اُنہوں نے قلعہ نزار میں پناہ لی۔ یہ قلعہ علاقے کا سب سے مضبوط قلعہ تھا۔ مسلمان تو وہی 1400 یا دوسری روایت کے مطابق 1800 تھے مگر یہودی 10,000 تھے، پھر جنگی ساز و سامان بھی بہت تھا اور کھانے پینے کا ساز و سامان بھی وافر مقدار میں تھا۔

مگر مسلمان مجاہدین میں جذبہ جوش جہاد اتنا زیادہ تھا کہ وہ ایک کے بعد ایک قلعہ والوں سے جنگ کرتے رہے اور حضور ﷺ کی رفاقت میں جاں نثار کرنے کو ہر دَم تیار رہے اور ہتھیار ڈالنے کا سوچا بھی نہیں۔ اسی قلعہ میں یہود کی عورتیں اور بچے بھی بند تھے۔ اس کو فتح کرنا مشکل نظر آیا تو محمد ﷺ نے منجنیق نصب کرائیں جس میں پتھر ڈال دیتے تھے اور وہ دور تک گولہ باری کرتی تھیں جس سے قلعہ کی دیواروں میں سوراخ ہو گئے۔ مسلمان اس قلعہ میں گھس گئے اور زبردست جنگ ہوئی۔ وہ بقیہ قلعوں کی طرح نکل کر بھاگے مگر اس طرح کہ عورتیں اور بچے بھی چھوڑ گئے، اب جو باقی قلعے رہ گئے تھے اُنہوں نے بات چیت کرنا پسند کیا اور جنگ نہیں کی۔ ہتھیار ڈال دیئے۔ قلعہ قموس والوں سے جنگ ہوئی پھر اُنہوں نے بھی شکست تسلیم کر لی۔ اب رسول اللہ کتیبہ تشریف لائے، ان کا محاصرہ 14 روز جاری رہا۔ نہ وہ باہر نکلے اور نہ بات چیت پر آمادہ ہوئے، یہاں تک کہ جب آپ ﷺ نے منجنیق نصب کروانے کا حکم دیا اور ان کو اپنی تباہی کا یقین ہو گیا تو سب سے پہلے ابن ابی الحقیق نے باہر آ کر بات چیت کی خواہش ظاہر کی۔ اس نے اس بات پر صلح کی کہ تمام لوگ جو قلعہ میں موجود ہیں، ان کی جاں بخشی کر دی جائے، ان کے بیوی بچوں کو بھی ان کے پاس ہی رہنے دیا جائے۔ وہ لوگ خیبر سے نکل جائیں گے اور تمام سونا چاندی، جنگ کے آلات، گھوڑے اونٹ سب چھوڑ جائیں گے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان کی یہ شرط مان لی مگر یہ کہا اگر کسی نے بھی مال وزر چھپایا تو اس کی سزا موت ہوگی۔ وہ لوگ اس پر مان گئے۔

اس طرح خیبر کی فتح مکمل ہو گئی۔ اس مصالحت کے تحت تینوں قلعے مسلمانوں کے حوالے کر دیئے گئے۔ ابن اسحٰق کا بیان ہے کہ بدعہدی کے سلسلے میں کنانہ کے دونوں بیٹے قتل کر دیئے گئے کیونکہ اُنہوں نے مال چھپایا تھا اور اس کی مخبری ان کے چچا زاد

بھائی نے کی تھی۔ کنانہ ابی الحقیق کی بیوی صفیہ بنت حیئ بن اخطب تھی جو بنی نضیر کا سردار تھا اور مدینہ سے بنونضیر جلا وطن کیے گئے تو وہ خیبر میں آبسا تھا۔ جب خیبر کے لوگوں کے جلا وطن ہونے کا وقت آیا تو اُنہوں نے آہ وزاری کی کہ ہمیں یہیں رہنے دیں، ہم ان باغات اور کھیتوں کا انتظام سنبھالیں گے اور آپ کو پیداوار کا آدھا حصہ دیں گے۔ مہاجر مسلمان چونکہ زراعت سے واقف بھی نہ تھے اور ابھی ان کو اپنی بقا کی جنگ بھی کرنا تھی، اور نہ ہی ان کے پاس اتنے غلام تھے جو یہ سب کام ان کے لیے کرتے۔ حضور ﷺ نے ان کی بات مان لی۔ ساتھ ہی یہ بھی کہا کہ جب محمد ﷺ چاہیں گے ان کو جلا وطن کر دیں گے۔ اسی لیے حضرت عمرؓ کی خلافت کے زمانے میں ان کے شر و فساد کی وجہ سے ان کو جلا وطن کر دیا گیا۔ مسلمانوں کو اس جنگ میں اتنا مال غنیمت ملا کہ مہاجرین نے مدینہ جا کر انصار کی زمینیں واپس کر دیں اور حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ ''اس فتح کے بعد ہم کو وافر مقدار میں کھجور کھانے کو ملنے لگیں۔''

جب خیبر فتح ہو چکا تو اسی وقت قبیلہ اشعر کے 50 لوگ ابوموسیٰ اشعریؓ کی سرکردگی میں حبشہ سے آئے اور ساتھ میں جعفر طیارؓ ان کے 16 ساتھی بھی تھے۔ ان سب کا حصہ بھی رسول اللہ ﷺ نے مال غنیمت میں لگایا۔ حضور ﷺ نے حضرت جعفرؓ کو دیکھ کر ان کو بوسہ دیا اور کہا مجھے نہیں پتہ کہ مجھے فتح خیبر کی خوشی زیادہ ہے یا جعفر سے ملنے کی۔ وہ حضرت علیؓ کے بڑے بھائی تھے، بہت شروع ہی میں ہجرت حبشہ کر چکے تھے، وہاں اپنی تبلیغی سرگرمیاں انجام دے رہے تھے اور اب نبی ﷺ نے ان کو یہاں بلوایا تھا۔

حضرت صفیہؓ سے نکاح

جب حضرت صفیہؓ کا شوہر کنانہ ابی الحقیق اپنی بدعہدی کی بناء پر قتل کر دیا گیا تو قیدی عورتوں میں یہ بھی شامل ہوگئیں اور جب ان کو تقسیم کیا گیا تو یہ دحیہ کلبی کے حصے میں آئیں۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ وہ ایک سردار کی بیٹی اور سردار کی بیوی ہیں، یہ آپ ﷺ کے لیے مناسب ہیں۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کو بلایا، ان پر اسلام پیش کیا جس کو اُنہوں نے قبول کرلیا۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے ان کو آزاد کر کے ان سے شادی کر لی اور ان کی آزادی ان کا مہر قرار پایا۔ حضرت اُم سلیمؓ نے ان کو سنوارا اور اُنہوں نے رات حضور ﷺ کے ساتھ بسر کی۔ صبح حضور ﷺ نے ستو کھجور اور گھی کو ملا کر کھانا تیار کروایا جس سے ان کا ولیمہ ہوا۔ آپ ﷺ نے ان کے چہرے پر نشان دیکھ کر پوچھا۔ ''یہ کیا ہے؟'' کہنے لگیں۔ ''یارسول اللہ ﷺ آپ ﷺ کے خیبر میں آنے سے پہلے میں نے ایک خواب دیکھا تھا کہ چاند اپنی جگہ سے ٹوٹ کر میری آغوش میں آ گرا ہے۔ میں نے یہ خواب اپنے شوہر کو سنایا تو اس نے ایک تھپڑ رسید کیا۔ یہ بادشاہ جو مدینہ میں ہے، تم اس کی آرزو کر رہی ہو۔'' جبکہ اس سے پہلے میں نے آپ ﷺ کے بارے میں یہاں آنے کا سنا بھی نہ تھا۔ راستے میں تین دن حضور ﷺ نے قیام فرمایا اور حضرت صفیہؓ کے ساتھ رہے۔ وہ نہایت حسین و جمیل خاتون تھیں اور حسب نسب کے اعتبار سے بھی فائق تھیں۔ اُنہوں نے دل سے نبی ﷺ کو نبی تسلیم کیا تھا اور اپنی مرضی سے اسلام میں داخل ہوئیں۔ مدینہ آ کر ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ان کو مغموم دیکھا تو پوچھا کیا بات ہے؟ اُنہوں نے

کہا مجھے آپ ﷺ کی دوسری بیویوں نے تنگ کر رکھا ہے کہ یہ یہودیہ ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تم کہہ دیتیں میرے باپ موسیٰ، میرے چچا ہارون اور میرے شوہر محمد ﷺ ہیں۔'' یہ سن کر وہ خوش ہوگئیں۔ محمد ﷺ سے مرض الموت میں جب ملنے گئیں تو آپ ﷺ کی حالت دیکھ کر رونے لگیں اور بولیں۔ ''کاش میں یہ بخار آپ ﷺ سے لے سکتی اور آپ ﷺ آرام سے رہتے۔'' دوسری ازواج مطہرات کچھ بولیں تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''صفیہ سچ کہہ رہی ہیں۔''

محمد ﷺ کو زہر دینے کا واقعہ

جب محمد ﷺ خیبر فتح کر چکے تو آپ ﷺ نے تین دن وہاں قیام کیا۔ اس زمانے کے دستور کے مطابق فاتح افواج کچھ دن کے لیے ضرور قیام کیا کرتی تھیں۔ اسی دوران ایک عورت زینب بنت حارث نے آپ ﷺ کے لیے بکری کے گوشت کی دستی پکا کر آپ ﷺ کو تحفتہً بھیجا۔ آپ ﷺ نے جیسے ہی لقمہ منہ میں رکھا، آپ ﷺ کو احساس ہوگیا کہ اس میں زہر ہے۔ آپ ﷺ نے وہ فوراً تھوک دیا۔ پھر آپ ﷺ نے اعلان کیا جس نے بھی اس گوشت کا لقمہ توڑا ہے، فوراً اُگل دے مگر ایک صحابیؓ بشر بن براء نگل چکے تھے۔ جس سے ان کی وفات ہوگئی۔ آپ ﷺ نے زینب کو بلایا، اس نے اقرار کرلیا۔ اس سے پوچھا کہ تم نے ایسا کیوں کیا۔ اس نے کہا اگر آپ بادشاہ ہیں تو ہماری راحت ہوجائے گی اور اگر نبی ہیں تو آپ ﷺ کو خبر دے دی جائے گی۔ آپ ﷺ نے اس کو معاف کر دیا مگر بشر کی موت کی وجہ سے ان کے ورثہ کے اصرار پر اس کو قصاص میں قتل کر دیا گیا۔

نبی ﷺ نے مرض الموت میں فرمایا۔ ''اس زہر کا اثر میں ساری زندگی محسوس کرتا رہا اور ایسا لگتا ہے اس زہر سے اس وقت میری رگ کٹی جا رہی ہے۔ (بخاری)

جب آپ ﷺ مدینہ لوٹ رہے تھے تو دورانِ سفر رات بھر سفر جاری رکھنے کے بعد اخیر رات میں رستہ میں کسی جگہ پڑاؤ ڈالا اور حضرت بلالؓ کو یہ تاکید کر کے سو رہے تھے کہ صبح نماز کے وقت جگا دینا۔ اتفاق سے بلالؓ کی بھی آنکھ لگ گئی۔ وہ اگرچہ بیٹھے ہوئے تھے مگر سو گئے۔ سورج نکل آیا سب سے پہلے محمد ﷺ بیدار ہوئے اور دوسرے صحابہ اور بلالؓ اُٹھے تو آپ ﷺ نے بلالؓ سے پوچھا کیا ہوا، اُٹھایا نہیں۔ بلال بولے جس رب نے آپ ﷺ کو سلایا اس نے مجھے بھی سلا دیا۔ پھر آپ ﷺ نے لوگوں کو فجر کی قضا نماز پڑھائی۔ یہ رات تاریخ میں ''لیلۃ التعریس'' کے نام سے جانی جاتی ہے۔

فتح خیبر کے بعد قریبی علاقے ''فدک'' کے یہود نے مرعوب ہو کر آدھی پیداوار دینے کے وعدہ پر صلح کر لی۔ کوئی جنگ نہیں کی۔ یہ آمدنی حضور ﷺ کی بیویوں، اولاد اور عزیز و اقارب کے اخراجات کے لیے استعمال ہوتی تھی اور دوسرے ضرورت مند بھی اس سے نفع اُٹھاتے تھے۔ محمد ﷺ کے انتقال کے بعد یہ سرکاری ملکیت قرار دے دی گئی کیونکہ خود محمد ﷺ نے فرمایا ''نبی کی میراث کوئی نہیں ہے ان کا ورثہ علم ہوتا ہے۔'' چنانچہ تمام خلفائے راشدین بشمول حضرت علیؓ کے زمانے میں اسی پر عمل ہوتا رہا، وادی القریٰ کے لوگوں نے تھوڑی دیر جنگ کی، پھر ہتھیار ڈال دیئے اس کے بعد تیماء کے یہودیوں نے بھی پرامن مصالحت کر لی۔

اسی طرح خیبر اور آس پاس کے تمام یہودیوں پر مسلمانوں کا تسلط ہو گیا اور ان کی قوت ٹوٹ گئی۔ آج بھی آپ خیبر کے علاقے میں جائیں تو ان کے قلعے بڑے چھوٹے سب

کے سب کھنڈرات حالت زار نظر آتی ہے اور وہاں جا کر اس فتح کا تذکرہ اصل میں سمجھ میں آتا ہے کہ کیسی زبردست ٹیکنالوجی سے یہ بڑے بڑے قلعہ پتھروں سے تعمیر کیے گئے اور کچھ قلعے پہاڑوں پر بنائے گئے اور ان کو فتح کرنا مسلمانوں کی شجاعت و ہمت و دلیری کی زبردست داستان ہے۔ نہایت کم تعداد میں ہوتے ہوئے سخت موسم میں کم ہتھیاروں کے ساتھ، کم کھانے کے ساتھ اُنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ یہ کام مکمل کیا۔ دراصل پھر یہی فتح مکہ کا موجب بنا۔



معرکۂ خیبر کے ایمان افروز واقعات

معرکہ خیبر کے دوران ایک دیہاتی مسلمان ہوجاتا ہے۔ پہلے قلعے کی فتح کے بعد مال غنیمت تقسیم ہوتا ہے، اس کو بھی حصہ ملتا ہے، تو وہ عرض کرتا ہے کہ میں اس لالچ میں اسلام نہیں لایا تھا، پھر وہ اپنے حلق کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہتا ہے کہ میری تمنا تو یہ ہے کہ اس جگہ میرے تیر لگے اور میں شہید ہوکر جنت میں پہنچ جاؤں۔ محمد ﷺ نے فرمایا ''اگر تمہاری نیت صحیح ہے تو اللہ تمہارے ساتھ ایسا ہی کرے گا۔'' اب معرکہ دوبارہ شروع ہوتا ہے، تو اللہ نے اس کی آرزو پوری کردی۔ آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا ہے۔ اپنا جبّہ مبارک کفن کے لیے دیتے ہیں۔ نماز جنازہ پڑھتے ہیں، دعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتے ہیں اور کہتے ہیں۔ ''اے اللہ یہ تیرا بندہ تیری راہ میں ہجرت کے لیے نکلا۔ تیری راہ میں شہید ہوا اور میں اس کی گواہی دیتا ہوں۔'' سبحان اللہ اس دیہاتی کی خوش نصیبی کا کیا کہنا!

قلعہ الزبیر سے مقابلہ کے دوران دو یہودی حویصہ اور محیصہ مسلمان ہوگئے۔ جب قلعہ ناعم محاصرے میں تھا، اہل خیبر کا ایک حبشی چرواہا اسود راعی کے لیے اللہ نے اس کا دل کھول دیا۔ اس نے یہود سے پوچھا کس سے لڑائی ہے؟ اُنہوں نے بتایا اس آدمی سے جو نبوت کا دعویٰ کرتا ہے۔ اگلے دن بکریاں چرانے گیا اور حضور اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور پوچھا۔ آپ ﷺ کی دعوت کیا ہے؟ حضور ﷺ نے عقیدۂ توحید اس پر واضح کردیا۔ اس نے اسلام کو قبول کرلیا۔ پھر کہا ''یہ یہود کی بکریاں میرے ساتھ ہیں، ان کا کیا کروں؟'' حضور ﷺ نے کہا۔ ''یہ تمہارے

پاس امانت ہیں، ان کو ان کے مالک کو واپس کرو۔'' چنانچہ وہ ان کو قلعہ کے قریب لے گیا اور اس طرف ہانک دیا۔ اس وقت حضور ﷺ چاہتے تو بکریاں قبضے میں کر کے اپنی فوج کی خوراک کا سامان کر سکتے تھے۔ مگر آپ ﷺ نے اس وقت بھی سب کو امانت کا سبق پڑھایا۔ پھر اس نے واپس آ کر پوچھا۔ اگر میں لڑ کر مارا جاؤں تو آخرت میں میرا کیا بنے گا۔ حضور ﷺ نے اس کو جنت کی خوشخبری دی اور وہ سچائی کے ساتھ لڑتے ہوئے شہید ہو گیا۔ نہ ایک وقت کی نماز پڑھی، نہ قرآن کی تعلیم حاصل کی، سچ ہے اسلام میں اخلاص کی بڑی قدر ہے۔ اخلاص سے کیے گئے کاموں کو اللہ تعالیٰ قبول فرماتا ہے اور ان کو بہترین انعامات سے نوازتا ہے۔



غزوہ ذات الرقاع

صحیح بخاری میں حضرت ابوموسیٰ اشعری ؓ سے روایت ہے کہ ہم چھ آدمیوں کے لیے ایک اونٹ تھا، باری باری سوار ہوتے تھے، راستہ سنگلاخ تھا، ہمارے قدم چھلنی ہو گئے۔ میرے بھی دونوں پاؤں زخمی ہو گئے۔ ناخن جھڑ گئے۔ چنانچہ ہم لوگوں نے اپنے پاؤں پر چیتھڑے لپیٹ لیے، اسی لیے اس کا نام ''ذات الرقاع'' پڑ گیا۔ (چیتھڑوں والا)

محمد ﷺ کے ساتھ 400 مجاہد تھے، سواریاں کم تھیں۔ محمد ﷺ نے اسی غزوے میں پہلی مرتبہ ''صلوۃ الخوف'' پڑھائی کہ امام 4 رکعت پڑھتا ہے اور ایک صف میں کچھ لوگ پیچھے 2 رکعت نماز پڑھتے ہیں اور باقی لوگ پہرے پر موجود رہتے ہیں، پھر یہ لوگ پیچھے جا کر اپنی نماز پوری کرتے ہیں اور نئے لوگ آ کر امام کے پیچھے دو رکعت نماز پڑھتے ہیں، اسی طرح یہ اب پیچھے جا کر اپنی نماز پوری کرتے ہیں اور جن کی نماز پوری ہو گئی اب وہ پہرہ دیتے ہیں اور امام کی نماز مکمل 4 رکعت ہو جاتی ہے اور وہ فوج کے ساتھ شامل ہو جاتا ہے۔

مقصد حاصل ہو گیا تھا، دشمن مرعوب ہو چکا تھا، اس لیے آپ ﷺ نے واپسی کا سفر اختیار کیا۔ اگرچہ مقابلہ غطفان سے نہ ہوا مگر خطرہ بہرحال موجود تھا۔ اسی غزوہ سے واپسی پر دو صحابہ کرام عباد بن بشر اور عمار یاسر کو مسلمانوں نے پہرہ پر مقرر کیا اور باقی لوگ سو گئے۔ ان میں سے ایک سو گیا اور دوسرا نماز پڑھنے لگا کہ اتنے میں ایک تیر لگا، اُنہوں نے اس کو نکال کر پھینک دیا اور قیام جاری رکھا۔ یہاں تک کہ ان پر دوسرا اور تیسرا تیر آ کر لگا لیکن اُنہوں نے نماز نہ توڑی۔ سلام پھیر کر فارغ ہوئے تو

ساتھی کو اُٹھایا۔ اس نے کہا آپ نے پہلے ہی کیوں نہ جگا دیا۔ اُنہوں نے کہا سورۂ الکہف شروع کی ہوئی تھی، دل نہ چاہا کہ اس کو بیچ میں چھوڑ دوں۔ قرآن سے محبت کی اعلیٰ اور نادر مثال ہے۔ تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ آہستہ آہستہ تمام قبائل پہلے خوفزدہ ہوئے پھر اسلام لائے اور پھر مسلمانوں کے بازو بن گئے۔ انہی لوگوں نے فتح مکہ اور غزوۂ حنین میں مسلمانوں میں شامل ہو کر آپ ﷺ کے ساتھ کفار کے خلاف جنگ کی۔

حضور ﷺ کی زندگی کا ایک ایمان افروز واقعہ

جمادی الاوّل 7 ہجری میں بنی غطفان کے ذیلی قبائل بنی محارب اور بنی ثعلبہ کی جنگی تیاریوں کی اطلاع محمد ﷺ تک پہنچی تو حضور ﷺ 400 رضا کاروں کی جماعت کو لے کر ان کے علاقے میں پہنچے۔ وہاں ایک جمعیت واقعی موجود تھی مگر وہ لوگ مقابلہ پر نہ آئے۔ اسی مقام کا یہ واقعہ بہت مشہور ہے کہ محمد ﷺ ایک درخت کے سائے میں آرام فرما رہے تھے۔ تلوار درخت سے لٹک رہی تھی، کہ اتنے میں غورث نام کا ایک مشرک یہ عزم لے کر نکلا کہ آج تو محمد ﷺ کا کام تمام کر ہی دے گا۔ غورث نے وہی تلوار تان لی اور للکارا ''بتاؤ اب تمہیں مجھ سے کون بچا سکتا ہے۔'' حضور ﷺ نے اتنے یقین اور ٹھنڈے لہجے میں جواب دیا۔ ''اللہ'' کہ اس کے ہاتھ سے تلوار چھوٹ کر گر پڑی۔ وہ ابھی حیرت زدہ ہی تھا کہ حضور ﷺ نے پھرتی سے وہ تلوار اُٹھا لی اور تان کر کہا کہ بتا اب تجھے مجھ سے کون بچا سکتا ہے؟ اس نے کہا۔ ''آپ، میرے ساتھ احسان کا معاملہ کیجیے۔'' حضور ﷺ نے اسے اسلام کی دعوت دی مگر اس نے قبول نہ کیا مگر یہ وعدہ کیا کہ وہ کبھی آپ ﷺ سے لڑائی نہ

کرے گا اور نہ ہی ان کا ساتھ دے گا جو آپ ﷺ سے لڑیں گے۔'' حضور ﷺ نے اس کو آزاد کر دیا۔ وہ جب اپنی قوم میں واپس گیا تو اس نے کہا ''میں تم انسانوں میں سب سے بہترین انسان کے پاس سے واپس آ رہا ہوں۔'' جب محمد ﷺ قریش اور یہودیوں کا زور توڑنے میں کامیاب ہو گئے تو اب تیسرا ہدف ان بدوؤں کا تھا جو خیموں میں رہتے تھے اور ان کا کوئی ٹھکانہ نہ تھا۔ زیادہ تر لوٹ مار ان کا پیشہ تھا، سخت صحرائی زندگی کے باعث سخت مزاج اکھڑ تمدن سے عاری لوگ تھے۔ نجد ان کا ٹھکانہ تھا، ان کے شر و فساد کی آگ بجھانا دُشوار تھا۔ اس لیے ان پر خوف اور رعب و دبدبہ قائم کرنے کو بہتر سمجھا گیا۔ اس غزوہ میں ابو ہریرہؓ اور ابو موسیٰ اشعریؓ شامل تھے۔ اس لیے 7 ہجری صحیح سال ہے کیونکہ ابو موسیٰ اشعری حبشہ سے اس وقت آئے تھے اور ابو ہریرہؓ اس سال مسلمان ہوئے تھے۔ اس کے بعد بہت سارے سرایا یعنی صحابہ کرامؓ کی سربراہی میں 300 سواروں کو قبیلوں کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا۔ جس کا مقصد لوگوں پر رعب و دبدبہ بٹھانا تھا اور باغیوں کے حوصلے پست کرنا تھا۔ جو ہر مہینے کبھی دوسرے مہینے ہوتے رہے۔ ان کا بالتفصیل تذکرہ ہم نہیں کریں گے۔

سریہ جبط

محمد ﷺ نے بدوؤں کے قبائل کا زور توڑنے کے لیے بہت سے سرایا بھیجے۔ مختلف صحابہؓ کی سرکردگی میں چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں یہ لوگ گئے، جہاں کہیں خبر ملتی کہ مدینہ پر حملہ کرنے کے لیے فلاں قبیلہ دوسرے قبیلوں کو ساتھ ملا رہا ہے، آپ ﷺ فوراً اس کا نوٹس لیتے اور ان پر مختلف سرایا بھیج کر ان کے حملہ کرنے سے پہلے ہی ان کی قوت کو توڑ دیتے۔ اسی

طرح کی ایک مشہور مہم سریہ حبط ہے۔

سریہ حبط کا زمانہ 8 ہجری ہے۔ حضرت جابرؓ کا بیان ہے کہ نبی ﷺ نے ہمارے ساتھ 300 سواروں کی جمعیت روانہ فرمائی۔ ہمارے امیر ابوعبیدہ ابن جراحؓ تھے۔ قریش کے ایک قافلہ کا پتہ لگانا تھا۔ ہم اس مہم کے دوران سخت بھوک سے دوچار ہو گئے۔ یہاں تک کہ درختوں کے پتے جھاڑ کر کھانا پڑے۔ اس لیے اس کا نام جیش حبط پڑ گیا۔ آخر ایک آدمی نے 3 اونٹ ذبح کیے۔ پھر اگلے دن تین اونٹ ذبح کیے پھر تیسرے دن اونٹ ذبح کیے۔ اس کے بعد ابو عبیدہؓ نے اسے منع کر دیا۔ اس کے بعد ہی سمندر نے ''عنبر'' نامی ایک مچھلی پھینک دی، جو ہم 15 دن تک کھاتے رہے اور تیل بھی لگاتے رہے۔ یہاں تک کہ ہمارے جسم پہلی حالت پر پلٹ آئے اور بالکل تندرست ہو گئے۔ وہ اتنی بڑی تھی کہ اس کی پسلی کا ایک کانٹا نکالا گیا اور اس کے نیچے سے سب سے لمبا آدمی اونٹ پر سوار گزارا تو وہ آرام سے گزر گیا۔ ہم نے اس کے کچھ گوشت کے ٹکڑے ساتھ رکھ لیے۔ مدینہ پہنچ کر آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''یہ ایک رزق ہے جو اللہ نے تمہارے لیے نکالا۔ اگر تمہارے پاس کچھ ہے تو ہمیں بھی کھلاؤ چنانچہ آپ ﷺ کے پاس کچھ ٹکڑے بھیج دیئے گئے۔

ہجرت کا آٹھواں سال

(معرکۂ موتہ)

اس کو غزوۂ موتہ بھی کہا جاتا ہے گو کہ خود حضرت محمد ﷺ اس میں شریک نہ ہوئے مگر چونکہ آپ ﷺ کو جنگ کا منظر دکھایا گیا تو اس وجہ سے شاید اس کو غزوہ کہا جانے لگا۔ بخاری میں اس کو غزوۃ الامراء کہا گیا ہے۔

جمادی الاوّل 8 ہجری میں یہ غزوہ پیش آیا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حارث بن عمیر ازدیؓ، محمد ﷺ کا نامہ مبارک لے کر حاکم بصریٰ کے پاس گئے تو اس کے حاکم شرحبیل غسانی نے سفارتی آداب کی خلاف ورزی کی اور حضرت حارث بن عمیر ازدیؓ کو قتل کر دیا۔

یہ خبر آپ ﷺ تک پہنچی اور ساتھ ہی یہ اطلاع بھی پہنچی کہ یہ دشمنانِ اسلام، مدینہ پر حملہ کے لیے بھاری جمعیت اکٹھا کر رہے ہیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ سپہ سالار زید بن حارثہ ہوں گے، اگر وہ شہید ہو جائیں تو جعفر بن ابی طالب امیر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو عبداللہ بن رواحہ امیر لشکر ہوں گے اور اگر وہ بھی شہید ہو جائیں تو تم خود اپنے میں سے کسی کو امیر بنا لینا۔

یہ پہلا موقع تھا کہ حضور ﷺ نے تین سپہ سالار یکے بعد دیگرے مقرر کرنے کی وصیت کی۔ اس سے اس مہم کی ہولناکی کا اندازہ ہوتا ہے۔ محمد ﷺ اس لشکر کو وداع کرنے ثنیۃ الوداع تک گئے۔

طویل مسافت طے کرنے کے بعد جب یہ لشکر ''معان'' میں پہنچا تو پتہ چلا ایک لاکھ فوج مقابلہ کے لیے آرہی ہے اور جاسوسوں نے یہ اطلاع دی کہ بلقاء کے مقام پر ہرقل ایک لاکھ فوجوں کے ساتھ خیمہ زَن ہے۔ مسلمانوں نے سوچا نہ تھا کہ اتنے بڑے لشکر سے سامنا ہوگا۔ چنانچہ مسلمانوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ تمام صورت حال لکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتائی جائے یا تو وہ مزید لوگ بھیجیں یا ہم کو واپس بلا لیں۔ اس موقع پر عبداللہ بن رواحہؓ نے انتہائی ولولہ انگیز خطاب کیا۔ فرمایا۔ ''مسلمانو! کس بات سے ڈرتے ہو، ہم تو شوق شہادت میں نکلے ہیں، منزل سامنے ہے، ہم کبھی تعداد کے بل پر اور ہتھیاروں کے بل پر نہیں لڑتے ہم تو دین حق کی خاطر سر دھڑ کی بازی لگاتے ہیں۔ دو میں سے ایک سعادت ہماری منتظر ہے فتح یا شہادت۔'' یہ خطاب سن کر پورا مجمع چل پڑا۔ یہ نفوس قدسیہ ''موتہ'' کے مقام پر خیمہ زن ہوئے۔ (آج یہ علاقہ اردن میں شامل ہے اور موتہ کے مقام پر تینوں سپہ سالار صحابہ کرامؓ کی قبریں آج بھی موجود ہیں۔) اب لڑائی شروع ہوگئی ہے، گھمسان کا رَن پڑا ہے۔ 3 ہزار ایمان والے جو اللہ پر توکل سے مالا مال ہیں، ان کے مقابلے پر دو لاکھ کا لشکر ہے۔ حضرت زید بن حارثہؓ شہید ہو گئے ہیں، علم حضرت جعفرؓ نے اُٹھا لیا ہے، وہ مردانہ وار مقابلہ کر رہے ہیں۔ دشمنوں نے ان کا دایاں ہاتھ کاٹ دیا ہے، اُنہوں نے بائیں ہاتھ میں جھنڈا تھام لیا تو اُنہوں نے بایاں بازو بھی کاٹ دیا، پھر اُنہوں نے کٹے ہوئے بازوؤں سے علم سینے سے لگا لیا مگر اب کسی نے ایسا وار کیا کہ ان کے جسم کے دو ٹکڑے ہو گئے۔ اب علم حضرت عبداللہ بن رواحہؓ کے ہاتھ میں آیا، دشمنوں کا ایسا زبردست حلقہ بندھ گیا ہے، چاروں طرف سے کہ جیسے ہی وہ آتے ہیں لوگ ان پر پِل پڑتے ہیں اور وہ بھی شہید ہو جاتے ہیں۔ پھر بنو عجلان کے ثابت بن ارقم نے لپک کر

جھنڈا اُٹھا لیا اور لوگوں سے کہا اپنا سپہ سالار مقرر کرو، میں یہ کام نہیں کر سکوں گا۔ اس کے بعد صحابہؓ نے حضرت خالد بن ولیدؓ کو منتخب کیا۔ اُنہوں نے جھنڈا لیتے ہی پرزور جنگ کی اور وہ خود کہتے ہیں کہ موتہ میں میری 9 تلواریں ٹوٹیں۔ خالد بن ولید نے اس بات کو بھانپ لیا تھا کہ وہ اپنی قلیل تعداد سے مقابلہ نہ کر سکیں گے۔ چنانچہ اُنہوں نے ایسی حکمت عملی اختیار کی کہ مسلمان ان کے نرغہ سے بحفاظت نکل آئیں اور پھر کبھی اور دوبارہ ان سے لڑائی کریں۔ چنانچہ اُنہوں نے اپنے لشکر کے پیچھے بہت سا گردوغبار پھیلا دیا، جو اس بات کی علامت تھی کہ نئی کمک آ رہی ہے اور پھر آہستہ آہستہ لشکر کو لے کر پیچھے ہٹنا شروع کیا۔ اِدھر دُشمن یہ سمجھا کہ یہ ان کی جنگی چال ہے، وہ چاہتے ہیں کہ ہم ان کے پیچھے صحرا میں چلے جائیں اور پھر وہ اپنے نئے ساتھیوں کے ساتھ مل کر ہم پر حملہ کریں۔ چنانچہ وہ وہیں رکے رہے اور مسلمان ان کے نرغے سے نکل کر مدینہ کی طرف لوٹ گئے۔ اُنہوں نے دشمن کو ہر ممکن نقصان پہنچایا ہے اور ان پر اپنے لشکر کی خوب دھاک بٹھا دی۔ عرب اور رومی سب حیرت زدہ رہ گئے۔

اُدھر محمد ﷺ مسجد نبوی میں بیٹھے ہیں مگر ان کو اللہ نے پورا میدان جنگ دکھا دیا ہے۔ وہ صحابہؓ کو بھی بتا رہے ہیں کہ دیکھو زید بن حارثہؓ شہید ہو گئے ہیں، آپ ﷺ کی آنکھیں اشکبار ہیں۔ اب جعفر نے جھنڈا اُٹھا لیا ہے، وہ بھی لڑتے لڑتے اپنے رب سے جا ملے ہیں۔ اللہ نے اُنہیں جنت میں اُڑنے کے لیے دو پر اور دو بازو عطا کیے ہیں۔ اسی لیے ان کا نام جعفر طیار (اُڑنے والا) اور ''ذوالجناحین'' (دو بازو والا) کہا جاتا ہے۔ اب علم عبداللہ بن رواحہؓ نے لے لیا ہے۔ اُنہوں نے بھی جام شہادت نوش کر لیا ہے۔ اب علم ''سیف من سیوف اللہ'' (اللہ کی تلواروں میں سے ایک تلوار) خالد بن ولید نے لے لی ہے اور ایسی جنگ

لڑی ہے کہ اللہ نے اُنہیں فتح عطا فرمائی ہے۔ (بخاری۔ المغازی)

جب مجاہدین مدینہ واپس آئے تو آپ ﷺ نے مدینہ سے باہر نکل کر ان کا استقبال کیا۔ کچھ لوگوں نے ان کو ''فرارون'' کہا۔ تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''لا بل کرارون'' (نہیں یہ بھاگنے والے نہیں، بلکہ دوبارہ پلٹ کر حملہ کرنے والے ہیں) شہداء کے خاندانوں کے پاس آپ ﷺ خود گئے اور ان کو تسلی دی۔

اس جنگ نے رومیوں پر مسلمانوں کی دھاک بٹھا دی، ان کی ساکھ اور شہرت میں اضافہ ہوا کہ کیسے باہمت لوگ ہیں کہ رومن سے ٹکر لینے آ گئے۔ مقابل کو جانی نقصان پہنچایا اور بحفاظت نکل بھی گئے۔ دوسرے سرحدی تمام قبائل بھی حیرت زدہ رہ گئے کیونکہ اس وقت رومن کی طاقت سب سے بڑی طاقت سمجھی جاتی تھی جن سے ٹکر لینے کا کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔ یہ نئی اُبھرتی ہوئی طاقت ہے جو مستقبل میں سپر پاور بننے والی تھی، وہ تمام قبائل ہر تھوڑے دن بعد آمادہ جنگ رہتے تھے جیسے بنو سلیم، بنو اشجع، بنو غطفان، ذبیان اور فزارہ۔ ان سب نے اسلام قبول کر لیا۔ یہی معرکہ ہے جس کے بعد رومیوں سے ٹکر شروع ہوئی اور بعد میں ان ممالک کی فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا جو رومن امپائر کے قبضے میں تھے۔

چھٹا باب

فتح مکہ

تاریخ اسلام کا عظیم معرکہ جس کی دنیا کی تاریخ میں کوئی مثال نہیں ملتی۔ جس میں خون بہائے بغیر سخت ترین دشمن پر فتح حاصل ہوگئی اور مسلمانوں کو بیت اللہ کا خدمت گار اللہ کی طرف سے چن لیا گیا۔

غزوۂ خندق، قریظہ اور موتہ کے بعد قبائل کی مخالفانہ سرگرمیوں کا اتنی پھرتی اور تیزی سے نوٹس لیا گیا اور سرکوبی کی گئی کہ ہر طرف سے راستہ صاف ہوگیا۔ زیادہ تر قبائل یا تو مسلمان ہوگئے یا اُنہوں نے ماتحت رہنا قبول کرلیا اور یوں محسوس کیا جانے لگا کہ سچائی اور انصاف کی یہ نئی طاقت جو اُبھر رہی ہے یہ کوئی غبار نہیں ہے جو ہوا کے ہر جھونکے سے اُڑنے لگے اور سب یہ سمجھ گئے کہ مستقبل قریش کا نہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی غزوۂ خندق کے بعد یہ پیشین گوئی تھی ''اب وہ ہم پر چڑھائی نہیں کریں گے بلکہ ہم ان پر چڑھائی کریں گے۔'' اب وقت آ گیا تھا اور یہ موقع خود قریش نے فراہم کردیا۔ بنوبکر اور بنوخزاعہ میں ہمیشہ سے چشمک چلی آرہی تھی۔ صلح حدیبیہ میں یہ طے پا گیا تھا کہ بنوبکر قریش کے حلیف ہوں گے اور بنوخزاعہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے، اور ایک کا دوسرے پر حملہ کرنا ان کے حلیفوں پر حملہ کرنا سمجھا جائے گا۔ ہوا یوں کہ بنوبکر نے بنوخزاعہ پر حملہ کردیا۔ وہ لوگ نماز کی حالت میں تھے کہ ان کو قتل کردیا گیا، حتیٰ کہ وہ حرم میں پناہ گزین ہوئے تو وہاں بھی ان کو نہ چھوڑا گیا۔ یعنی حرم کی حرمت اس وقت بھی قائم تھی۔ پھر قریش نے ہتھیاروں سے ان کی مدد بھی کی۔

بنوخزاعہ فریاد لے کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور بڑا زوردار خطاب کیا اور معاہدہ کی دہائی دی اور ان کے ظلم کا تذکرہ کیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا تمہاری مدد کی جائے گی اور آپ ﷺ نے قریش کو تین شرطیں بھیجیں۔

۱۔ مقتول کا خون بہا دو (ایک مقتول کا خون بہا 100 اونٹ ہے اور 200 لوگ مقتول تھے)

۲۔ بنوبکر سے معاہدہ ختم کردو۔

۳۔ حدیبیہ کا معاہدہ ختم کردو۔

اُنہوں نے پہلی دو شرطیں نامنظور کردیں۔ اس لیے کہ 2000 اونٹ دینا کوئی آسان کام نہ تھا۔ بنوبکر سے معاہدہ ختم نہ کیا کیونکہ ان کے بس وہی حمایتی رہ گئے تھے۔ تیسری شرط کہ حدیبیہ کا معاہدہ ختم کردو کی شرط منظور کرلی مگر بعد میں اپنی حماقت کا احساس ہوا اور ان کے بڑے سرداروں نے ابوسفیان کو بھیجا کہ معاہدہ کی تجدید کرکے آئے، اس لیے کہ معاہدہ کے ختم کرنے کا صاف مطلب تھا کہ آؤ آکر ہم پر حملہ کردو، اب جبکہ نہ ان کے پاس سرمایہ تھا اور نہ ہی ان کے بڑے سردار (جو سب غزوۂ بدر میں مارے جاچکے تھے) پھر ان کے حمایتی یہود جو ہتھیار اور سرمایہ فراہم کرتے تھے، وہ بھی نکالے جاچکے تھے۔

ابوسفیان مدینہ آیا۔ نبی ﷺ سے تجدید معاہدہ کی بات کی۔ آپ ﷺ نے کوئی جواب نہ دیا۔ پھر وہ ابوبکر و عمرؓ کے پاس گیا۔ اُنہوں نے بھی اس کو منع کردیا، پھر وہ حضرت علی و فاطمہؓ کے پاس گیا اور کہا امام حسین جو بہت چھوٹے تھے اور گھٹنوں کے بل چلتے تھے، کہا اس سے سفارش کروائیں مگر حضرت فاطمہؓ نے کہا اوّل تو میرا بیٹا چھوٹا ہے، وہ کوئی بات نہیں کرسکتا بلکہ اگر وہ بڑا بھی ہوتا تو میں رسول اللہ ﷺ کی بات کی

حمایت کرتی۔ پھر حضرت علیؓ کے کہنے پر اس نے تنہا امان کا اعلان کر دیا مسجد میں، اور بے نیل ومرام لوٹ گیا کیونکہ یکطرفہ امان کی کوئی اہمیت نہیں ہوتی۔

رسول اللہ ﷺ نے جنگی تیاریاں شروع کر دیں اور کسی کو نہیں بتایا کہ کدھر جانا ہے۔ لوگ جمع ہوتے گئے۔ حضور ﷺ نے اللہ سے دعا بھی کی کہ اے اللہ! یہ معاملہ خفیہ رکھنا۔ کسی کو خبر نہ ہونے پائے اور یہ بھی اللہ کا بڑا معجزہ ہے کسی کو کانوں کان خبر نہ ہوئی۔ ایک غلطی حاطب بن ابی بلتعہ سے ہوئی کہ اُنہوں نے ایک خط سارہ نامی لونڈی کے ہاتھ بھیجا کہ محمد ﷺ ایک بڑے لشکر کے ساتھ تم پر چڑھائی کرنے آرہے ہیں۔ حضور ﷺ کو حضرت جبرئیلؑ نے خبر دے دی کہ جفاح کے مقام پر ایک عورت ہے جو حاطب کا خط لے کر مکہ جارہی ہے۔ حضور ﷺ نے فوراً حضرت علیؓ اور دو اور ساتھیوں کو ان کے پیچھے دوڑایا اور وہ ٹھیک اس مقام پر پہنچ گئے، وہ عورت بھی مل گئی مگر اس نے خط کی موجودگی سے انکار کر دیا۔ صحابہؓ نے سب جگہ تلاشی لی نہ ملا تو کہا نبی ﷺ غلط کہہ سکتے ہیں اور نہ ہم غلط ہیں۔ خط تمہارے پاس ہے، اب ہم تمہارے کپڑے اُتار کر تلاشی لیں گے۔ یہ سنا تو اس نے اپنے سر پر سے اوڑھنی اُتاری اور اس کو بالوں میں سے خط نکال کر ان کے حوالے کر دیا اور یہ لوگ خط کے ساتھ اس عورت کو لے کر نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے مگر نبی ﷺ نے عورت کو واپس بھیج دیا لیکن حاطب کی پیشی ہوئی اور ان سے پوچھا گیا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ حضرت عمرؓ نے کہا اس کی گردن ماریے، یہ منافق ہو گیا ہے۔ مگر حاطب نے کہا میرا دل اسلام پر مطمئن ہے، صرف بیوی بچے جو مکہ میں رہتے ہیں، کہیں ان کو کوئی نقصان نہ پہنچے، میں نے چاہا کہ ان پر احسان کر دوں تا کہ وہ بدلے میں ان کی

حفاظت کریں، نہ میرا وہاں قبیلہ ہے نہ رشتہ دار۔ نبی ﷺ نے ان کی خطا معاف کردی اور کہا یہ بدری صحابی ہیں، جن کو اللہ نے بخش دیا ہے۔

صحابہ کرامؓ انتہائی اخلاص والے تھے، ۔کیا ایمان رکھتے تھے مگر انسان تھے جو کبھی خارجی حالات میں گھر کر کبھی کسی اور وجہ سے غلطی کرسکتا ہے اور اس کے پچھلے کردار کو دیکھ کر اس کو درگزر کردینا چاہیے۔

10 رمضان المبارک 8 ہجری میں آپ ﷺ 10000 کا ایک عظیم لشکر لے کر نکلے جس میں 700 مہاجرین، 4000 انصار اور باقی دوسرے قبائل کے لوگ تھے۔ آپ ﷺ نے سیدھے راستے کے بجائے دوسرا راستہ اختیار کیا جس میں کئی موڑ تھے اور قریش کی کسی گشتی ٹولی کو آپ ﷺ کے لشکر کا پتہ نہ مل سکا اور آپ ﷺ نے سیدھے مکہ کے قریب پڑاؤ ڈال دیا۔ حضور ﷺ جحفہ پہنچے تو آپ ﷺ کے چچا عباسؓ وہ مع اہل وعیال ہجرت مدینہ کی طرف رواں دواں تھے۔ وہ مکہ میں قیام کرتے تھے، مسلمان تھے اور حضور ﷺ کو مکہ والوں کی خبریں پہنچایا کرتے تھے۔ پھر ابواء پہنچے تو آپ ﷺ کے چچازاد بھائی ابوسفیان بن حارث اور عبداللہ بن اُمیہ حضور ﷺ کے پھوپھی زاد بھائی ملے جو مکہ میں حضور ﷺ کو بہت زیادہ اذیتیں دیا کرتے تھے۔ شاعر تھا، ہجو لکھتا پھیلاتا تھا، اس بناء پر آپ ﷺ نے ملنے سے انکار کردیا۔ مگر پھر حضرت علیؓ نے ان دونوں کو سمجھایا کہ حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کی طرح معافی مانگیں۔

تَاللّٰهِ لَقَدْ اٰثَرَكَ اللّٰهُ عَلَيْنَا وَاِنْ كُنَّا لَخٰطِئِيْنَ

ترجمہ ''اللہ کی قسم! بیشک اللہ نے آپ کو ہم پر برتری بخشی اور واقعی ہم خطا کار تھے۔''

حضور ﷺ کا دل ان الفاظ سے پگھل گیا اور آپ ﷺ نے حضرت یوسفؑ کا جواب دیا۔

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَ ○

ترجمہ: تم پر آج کوئی گرفت نہیں، اللہ تمہیں معاف کرے اور وہ رحم کرنے والوں میں سب سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔''

مرالظہر ان پر پہنچ کر حضور ﷺ نے پڑاؤ کیا اور سب سے کہا، اپنی اپنی آگ الگ سلگاؤ۔ مکہ والوں نے جب اتنے الاؤ جلتے دیکھے اور اتنا بڑا لشکر دیکھا تو سکتے میں رہ گئے۔ اتنا بڑا لشکر مکہ کے دروازے پر دستک دے رہا ہے۔ حضرت عباسؓ وہاں سے گزرے تو ابوسفیان کو اپنے خچر پر سوار کرا کے نبی ﷺ کی خدمت میں لے چلے۔ حضرت عمرؓ بھی پہچان گئے۔ وہ بھی سیدھے حضور ﷺ کی طرف گئے کہ اس دشمن خدا کو کسی صورت نہ چھوڑا جائے۔ آپ ﷺ کے چچا عباس نے کہا، ابوسفیان کو میں نے امان دے دی ہے۔ حضور ﷺ نے پوچھا۔ کیوں ابوسفیان کیا اب تم کو یقین آیا کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں؟

ابوسفیان: کوئی اور خدا ہوتا تو ہمارے کام آیا ہوتا۔

حضور ﷺ: اس میں کوئی شک ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔

ابوسفیان: ہاں، اس میں کچھ شبہ ہے مگر عباس نے کہا اب تم بس اسلام قبول کرو۔ اُنہوں نے اسلام قبول کرلیا۔ اسلامی کیمپ نے مکہ میں داخلہ سے قبل ابوسفیان کو اس طریقہ سے اپنی حراست میں رکھا کہ اسے محسوس نہ ہوا۔ صبح شہر میں داخلہ کے لئے فوج نے کراء کے مقام سے مارچ کیا۔ حضرت عباسؓ حضور ﷺ کے ارشاد سے ابوسفیان کو ایک ٹیلے پر لے گئے تا کہ ایک بار وہ لشکر اسلام کی عظمت کا منظر دیکھ لے۔

وہ حضرت عباسؓ سے ہر گزرنے والے قبیلے کا نام پوچھتا اور وہ بتاتے رہے۔ سب نے جھنڈے اُٹھائے ہوئے تھے۔ جب انصار کے سردار سعد بن عبادہ جھنڈا اُٹھائے گزرے تو سپاہیانہ جوش میں بول اُٹھے، ان کے ذہن میں نبی ﷺ کے ساتھ سلوک کے حالات بھی موجود تھے۔ اُنہوں نے کہا آج گھمسان کا رَن ہے۔ آج کا دن کعبہ کا ماحول معرکہ کے لیے کھول دیا جائے گا۔ آخر میں حضور ﷺ کی سواری شانِ سادگی سے گزری۔ آپ ﷺ کو سعد کی بات کی خبر سنائی گئی تو تادیب کے طور پر جھنڈا ان سے لے کر ان کے بیٹے کو دے دیا گیا اور حضور ﷺ نے فرمایا ''آج کا دن کعبہ کی عظمت کا دن ہے'' اور برّ و وفا کا دن ہے۔

ابوسفیان نے کہا ''اے ابوالفضل (عباس) تمہارے بھتیجے کا اقتدار کتنا عظیم ہے؟'' حضرت عباسؓ نے کہا ''یہ اقتدار نہیں، نبوت کا معجزہ ہے۔'' مسلمانوں کے فوجی دستے نعروں کے ساتھ جوش و ولولہ کے ساتھ آگے بڑھتے چلے آرہے ہیں۔

آپ ﷺ کا قافلہ گزرتا ہے، آپ ﷺ کے جسم پر مجاہدانہ لباس ہے۔ آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہیں، زبان پر اللہ کی حمد و تقدیس ہے۔ سر پر کالا عمامہ ہے۔ شانوں پر چادر ہے، جبین مبارک عجز و تواضع سے اس قدر جھکی ہوئی ہے کہ بار بار اونٹ کی کوہان سے لگ جاتی تھی۔

آپ ﷺ نے اعلان فرمایا ''جو ابوسفیان کے گھر میں داخل ہو جائے اس کے لیے امان ہے۔ جو مسجد حرام میں داخل ہو جائے اسے امان ہے جو اپنے گھر کا دروازہ بند کرے اسے امان ہے۔ آپ ﷺ نے یہ بھی اعلان فرمایا: جو ہمارے راستے میں حائل ہوگا اس کا صفایا کر دیا جائے گا، کچھ لوگ ہتھیاروں کے ساتھ مقابلے پر آئے، ان کا خالد بن ولیدؓ نے تلوار سے صفایا کر دیا۔ کچھ لوگ جان بچا کر بھاگ گئے، ان

میں عکرمہ بن ابی جہل، صفوان بن اُمیہ، وحشی شامل تھے۔ ان کا پیچھا نہیں کیا گیا اور کچھ لوگوں نے اپنے گھر جا کر دروازہ بند کر لیا، ان سے بھی تعرض نہیں کیا گیا۔

فتح مکہ کے روز رسول اللہ ﷺ نے چند بڑے بڑے مجرمین کو ہر حالت میں قتل کرنے کا حکم دیا تھا، وہ لوگ یہ ہیں۔

عبدالعزیٰ بن اخطل : یہ کعبہ کے غلاف میں لپٹ گیا تھا، اسے قتل کر دیا گیا۔ یہ مسلمان ہوا تھا، ایک دوسرے مسلمان کے ہمراہ اس کو صدقات کی وصولی کے لئے بھیجا گیا، اس نے راستے میں دوسرے ساتھی مسلمان کو قتل کیا اور تمام مال اسباب و صدقات لے کر مکہ آ گیا۔

عبداللہ بن سعد ابی سرح : یہ شخص نہایت قابل تھا۔ ہجرت کر کے آیا، مسلمان ہوا پھر اس کو کاتب وحی مقرر کیا گیا۔ پھر وہ مرتد ہو کر مکہ بھاگ گیا اور وہاں جا کر دروغ گوئی کرنے لگا کہ نبی لکھواتے تھے عزیز رحیم اور میں لکھتا تھا رحیم و کریم وغیرہ وغیرہ۔ جبکہ یہ سراسر جھوٹ بولتا تھا۔ وہ مرتد تھا، اس لیے لائق قتل تھا مگر وہ چھپ گیا اور بعد میں آ کر مسلمان ہوا۔ اور قابل قدر اسلامی خدمات انجام دیں۔ جنگ قادسیہ میں شہادت پائی۔ حضرت عمرؓ کے زمانے میں عمرو بن العاصؓ کے بعد مصر کے گورنر بھی رہے۔

عکرمہ بن ابی جہل : یہ نبی ﷺ کے فرمان کے مطابق ابوجہل اس امت کے فرعون کا بیٹا تھا۔ اسے اپنی ظلم و زیادتیاں یاد تھیں، پھر آخری فتح مکہ کے دن بھی ہتھیاروں سے لڑا اور جان بچا کر یمن کی جانب بھاگا۔ کشتی میں سوار ہوا تو بیچ راستے میں کشتی ہچکولے کھانے لگی اور ڈوبنے کا یقین ہو گیا تو کشتی والے نے کہا اب اللہ کو پکارو، کیونکہ تمہارے بت کسی کام نہیں آ سکتے۔ یہ بات اس کے ذہن میں جا کر لگ گئی کہ محمد ﷺ

بھی تو یہی کہتے ہیں کہ سب کچھ اللہ کرتا ہے تو ہم اگر پانی میں اللہ کو یاد کرتے ہیں تو خشکی پر کیوں انکار کرتے ہیں چنانچہ اس نے عہد کیا کہ اگر میری جان بچ گئی تو میں جا کر اسلام قبول کرلوں گا اور وہ بچ گئے۔ اُنہوں نے دل سے اسلام قبول کیا اور اسلام کے لیے خدمات انجام دیں۔

حارث بن وہب: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مکہ میں سخت اذیت پہنچاتا تھا۔ اس کو بھی قتل کر دیا گیا۔

مقیس بن صابہ: اس کو بھی قتل کر دیا گیا۔ وہ بھی ہجرت کر کے مدینہ گیا تھا۔ اسلام لایا پھر ایک انصاری کو قتل کر کے مکہ بھاگ گیا۔ مرتد تھا، لائق قتل تھا، قاتل بھی تھا۔

ابن خطل کی دو لونڈیاں: یہ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو لکھا کرتی تھیں اور ابن خطل اس کو خوب پھیلاتا تھا۔ ایک لونڈی قتل کر دی گئی، دوسری چھپ گئی، پھر اس نے اسلام قبول کرلیا۔

تہار بن اسود: یہ وہ شخص ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ عنہا کی مدینہ روانگی کے وقت جبکہ وہ اونٹ پر سوار تھیں، کفار تلملا رہے تھے، عورت تھی کچھ کہہ نہ سکتے تھے، اس لیے ہبار نے اس وقت نیزہ کھینچ کر اونٹ کو مارا، وہ بدک گیا حضرت زینب رضی اللہ عنہا گر گئیں اور اُن کا حمل جاتا رہا۔ یہ شخص فتح مکہ کے روز نکل کر بھاگا، بعد میں آ کر مسلمان ہوا اور اس کے اسلام کی کیفیت اچھی رہی۔

وحشی بن حرب: یہ وہ ہیں جس نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو قتل کیا، اور ہندہ کے ساتھ مل کر ان کی لاش کی بے حرمتی کی۔ مگر وہ بھاگ گیا، بعد میں آ کر اسلام قبول کیا، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد جب مسیمہ کذاب نے جب نبوت کا جھوٹا دعویٰ کیا تو اسے قتل کر کے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کے قتل کا کفارہ ادا کیا۔

نبی ﷺ نے کہا ظہر سے عصر کے درمیان وقفہ ہے جس کو اپنا انتقام لینا ہے لے لے تو بنو خزاعہ کے ایک آدمی نے قتل کیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ بس ایک ساعت کے لیے خون بہانا حلال تھا۔ لوگوں کو زیادہ تر معاف کرنے کی تعلیم دی گئی تھی، اس لیے زیادہ قتل وغارت گری نہ ہوئی۔

اس طرح کل 9 افراد قتل ہوئے۔ باقی تمام لوگوں کو معاف کر دیا گیا۔ لوگوں نے حضور ﷺ سے دریافت کیا کہ شہر میں قیام کہاں فرمائیں گے۔ کیا اپنے آبائی مکان میں؟ آپ ﷺ نے بڑے درد سے جواب دیا۔ ''عقیل نے ہمارا گھر چھوڑا ہی کہاں ہے؟ جو اس میں اُتروں۔ پھر آپ ﷺ کا خیمہ مقام حجون میں نصب کیا گیا اور یہی آپ ﷺ کی قیام گاہ قرار پائی اور مکہ میں آپ ﷺ کا قیام 19 دن رہا۔ خاص خاص ساتھیوں کا ایک حلقہ ساتھ تھا۔ ان کو لے کر حرم گئے۔ حجر اسود کا استلام (چوما) کیا۔ ہاتھ میں قوس تھی، جس میں باہر رکھے بتوں کو گراتے جاتے تھے اور کہتے جاتے تھے

جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ط اِنَّ الْبَاطِلَ كَانَ زَهُوْقًا ۝

ترجمہ: حق آ گیا اور باطل مٹ گیا بے شک باطل کو مٹنا ہی تھا۔

(بنی اسرائیل۔ آیت 8)

جب سب بت گر گئے تو کعبہ کی چابی منگوائی، دروازہ کھولا۔ اندر حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کی تصویریں بنی ہوئی تھیں، جن کے ہاتھوں میں پانسے کے تیر تھے۔ ان کو مٹانے کا حکم دیا اور فرمایا ''اللہ کفار کو غارت کرے، وہ دونوں اللہ کے پیغمبر تھے اور اُنہوں نے جوا کبھی نہیں کھیلا تھا۔'' پھر اندر رکھے 360 بت بھی توڑ دیئے گئے اور ان بتوں کو بھی توڑنے کا حکم دیا جو آس پاس کے علاقوں میں نصب تھے۔

پھر آپ ﷺ نے وہاں نماز پڑھی اور ذکر واذکار میں مشغول ہو گئے۔ دروازہ کے سامنے والی دیوار کے رخ پر آپ ﷺ نے نماز پڑھی۔ ویسے کعبہ کے اندر کسی بھی دیوار کو قبلہ مقرر کر کے نماز پڑھی جا سکتی ہے۔ کعبہ کے باہر ہجوم تھا سب اپنا فیصلہ سننے کے منتظر تھے۔ آپ ﷺ کا پہلا خطبہ کیسا عظیم ہے۔ ''ایک اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس نے اپنا وعدہ سچ کر دکھایا، اس نے اپنے بندوں کی مدد کی۔ اسی اکیلے نے تمام لشکروں کو شکست دی۔''

واقعہ چابی والے کا

آپ ﷺ نے کعبہ کی چابی کے رکھوالے عثمان بن طلحہ کو بلوایا۔ حضرت عباسؓ نے درخواست کی کہ ان کو یعنی قریش کو سقایہ کے ساتھ چابی رکھنے کا بھی امین بنا دیا جائے مگر آپ ﷺ نے عثمان بن طلحہ کو بلا کر چابی ان کے ہاتھ میں تھما دی اور یاد دلایا کہ ہجرت سے قبل ایک بار تم نے میرے مانگنے پر چابی نہیں دی تھی اور میں نے کہا تھا، ایک دن آئے گا۔ یہ چابی میرے ہاتھ میں ہوگی میں جسے چاہوں گا دوں گا۔ اب یہ چابی تم ہی اپنے پاس رکھو کہ یہ تمہارا حق ہے۔ یہ قیامت تک تمہارے پاس رہے گی اور وہ ظالم ہوگا جو تم سے چابی چھینے گا۔ اے عثمان! اللہ نے تم کو اپنے گھر کا امین بنایا ہے، لہٰذا بیت اللہ سے جو کچھ ملے اسے معروف کے ساتھ کھانا۔'' چابی آج بھی عثمان کی نسلوں کے پاس چلی آ رہی ہے۔

عام معافی کا اعلان

آپ ﷺ بیت اللہ کے دروازے پر کھڑے خطبہ دے رہے ہیں۔ اللہ کی حمد و ثنا کے بعد آپ ﷺ فرماتے ہیں:

''اے قریش کے لوگو! بلاشبہ اللہ نے جاہلیت کا غرور اور آباء و اجداد پر فخر تم سے ختم کر دیا ہے۔ تمام لوگ آدمؑ کی اولاد ہو۔ آدمؑ کو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے، اللہ فرماتا ہے بلاشبہ تم کو ایک مرد اور ایک عورت کے اختلاط سے پیدا کیا ہے اور تم کو مختلف خاندانوں اور قبیلوں میں شناخت کے لیے بانٹا ہے، بلاشبہ اللہ کے نزدیک تم میں سب سے زیادہ معزز وہ ہے جو سب سے بڑھ کر اللہ سے ڈرنے والا ہو۔''

حرم کے صحن میں آج وہ سب لوگ سر جھکائے کھڑے ہیں جنہوں نے آپ ﷺ کے ساتھ بدترین سلوک کیا ہے۔ کسی نے گالیاں دیں اور کسی نے تھوکا، کسی نے نماز کی حالت میں اوجھڑی ڈالی، کسی نے آپ ﷺ کی راہ میں کانٹے بچھائے، کسی نے آپ ﷺ پر پتھر پھینکا اور کسی نے آپ ﷺ کے مقابل تلواریں چلائیں۔ آپ ﷺ کے عزیز صحابہؓ کا خون ناحق کیا۔ ان کے سینے چاک کیے گئے، ان کے دل و جگر کے ٹکڑے کیے تھے، ان کو جلتی ریت پر لٹایا تھا، دہکتے کوئلوں سے ان کا جسم داغا تھا۔ نیزوں سے ان کا بدن چھیدا تھا۔ آپ ﷺ ان تمام لوگوں کو مخاطب کر کے فرماتے ہیں۔ ''مَا تَرَوْنَ اَنِّیْ فَاعِلٌ فِیکُمْ ؟'' (تم کیا سمجھتے ہو میں تمہارے ساتھ کیا برتاؤ کروں گا؟) ان کو بھی پورا پچھلا منظر یاد ہے کہ وہ کن کن جرائم کے

مرتکب ہوئے ہیں۔ آج وہ ڈر رہے ہیں۔ مگر جواب میں کہتے ہیں: خَيْرًا أَخٌ كَرِيمٌ وَابْنُ أَخٍ كَرِيمٍ۔

(ہم آپ سے بھلائی کی اُمید رکھتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریم ہیں اور کریم کے بیٹے ہیں۔)

رحمۃ اللعالمین فرماتے ہیں۔" اِذْهَبُوْا فَأَنْتُمُ الطُّلَقَآءُ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ " (جاؤ تم سب آزاد ہو، اب تم پر کوئی پکڑ نہیں) سارے ہی لوگوں کو معاف کر دیا۔ سب کے قصور معاف کر دیئے گئے۔ تاریخ گواہ ہے کہ ہمیشہ فاتح اپنے بدلے گن گن کر لیتا ہے، خوب خون خرابہ کرتا ہے، عورتوں کی عصمتیں پامال ہوتی ہیں، لوٹ مار ہوتی ہے اور لوگوں سے ان کا مال ومتاع چھین لیا جاتا ہے۔ ان کو ان کے مکانات سے بے دخل کر دیا جاتا ہے مگر شان محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھیے، آج سب کو چھوڑ دیا گیا ہے۔

عدل کا تقاضہ تو یہ ہی تھا کہ آج ان سے انتقام لیا جاتا۔ مگر رحمۃ للعالمین کا رحم ملاحظہ کیجیے کہ اُنہوں نے ایسے انصاف کی ایسے عفو و درگزر کی اعلیٰ مثال پیش کی کہ جس سے دنیا ہمیشہ سے محروم تھی اور آج بھی محروم ہے۔ آج تو قتل ناحق کی مثالوں سے دنیا کی تاریخ بھری پڑی ہے۔ اگر کبھی کسی نے کوئی ایسی اعلیٰ مثال پیش کی ہوگی تو وہ یقیناً آقا محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غلام ہی ہوگا۔ ان شاء اللہ

مکہ میں بیعت

اب لوگوں کے دل کھل گئے ہیں، اسلام کے عدل نے ان کے دلوں میں گھر کرلیا ہے۔ وہ جوق در جوق بیعت کے لیے چلے آرہے ہیں۔ حضور ﷺ صفا پر تشریف فرما ہیں، تمام آدمی بھی جمع ہیں اور تھوڑا نیچے حضرت عمر بیٹھے ہیں، جہاں عورتیں بیٹھی ہیں۔ یہ بیعت مردوں اور عورتوں دونوں سے بیک وقت لی جارہی ہے۔ حضور ﷺ کے الفاظ حضرت عمرؓ دہراتے ہیں اور عورتیں جواب دیتی ہیں۔

حضور ﷺ نے مردوں سے اس بات پر بیعت لی کہ وہ آپ ﷺ کا ہر حکم سنیں گے اور مانیں گے۔ تھوڑا نیچے حضرت عمر فاروقؓ بیٹھے تھے، جو آپ ﷺ کے حکم پر عورتوں سے بیعت لے رہے تھے کہ ابوسفیان کی بیوی ہند بنت عقبہ بھیس بدل کر آئی تاکہ جو اس نے حضرت حمزہؓ کی لاش کے ساتھ کیا تھا تو حضور پہچان کر خفا نہ ہوجائیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''اس بات پر بیعت کرو کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کروگی۔ اس پر ہندہ بول اُٹھی، ابوسفیان بخیل آدمی ہیں، اگر میں اس کے مال سے کچھ لے لوں تو، ابوسفیان موجود تھے، اُنہوں نے کہا کہ تم جو لے لو وہ تمہارا ہے۔ تو حضور ﷺ نے کہا اچھا تو تم ہندہ ہو، ہاں، اللہ کے نبی جو کچھ گزر چکا آپ ﷺ معاف فرمادیجیے۔ اس کے بعد فرمایا اور زنا نہ کروگی۔ اس پر ہندہ بولی لو بھلا کہیں حرہ (آزاد عورت) بھی زنا کرتی ہے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا اپنی اولاد کو قتل نہ کروگی۔ ہندہ نے کہا ہم نے تو ان کو بچپن میں پالا پوسا لیکن بڑے ہونے پر آپ ﷺ نے قتل کردیا۔ (اس کا بیٹا حنظلہ بدر کے دن لڑائی میں مارا گیا تھا) پھر

فرمایا اور بہتان نہ گھڑو گی۔ ہندہ نے کہا بہتان بہت بری بات ہے۔ آپ ﷺ ہمیں رشد اور اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دے رہے ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا اور کسی معروف بات میں حضور ﷺ کی نافرمانی نہ کرو گی۔ ہندہ نے کہا خدا کی قسم ہم یہ بات دل میں لے کر نہیں بیٹھے ہیں کہ آپ ﷺ کی نافرمانی کریں۔ پھر واپس جا کر اس نے اپنے گھر میں رکھا بت توڑ دیا اور کہتی جاتی تھی کہ ہم تو تیرے متعلق دھوکے میں تھے۔ بتوں کو توڑنے کے لیے سریے بھیجے گئے۔ حضرت خالد بن ولیدؓ کچھ لوگوں کو ساتھ لے کر ان کے سب سے بڑے بت عزیٰ کو توڑنے گئے۔ عمرو بن العاصؓ کو ''سواع'' نامی بت توڑنے بھیجا۔ حضرت سعد بن زید اشہلی کو بت ''مناۃ'' توڑنے بھیجا۔ اس طرح مکہ اور آس پاس کے تمام بت گرا دیئے گئے۔ قبائل میں تبلیغی وفود بھیجے گئے۔ ہجرت کے بعد ان طویل برسوں میں فتح مکہ کی کامیابی سب سے اہم ترین کامیابی تھی۔ اسی کی وجہ سے حالات تیزی سے بدلنے لگے چونکہ قریش اہل عرب کی نظر میں دین کے محافظ تھے اور پورا عرب ان کا تابع تھا۔ اس لیے قریش کے اسلام قبول کرنے کے معنی یہ تھے کہ پورے جزیرہ نمائے عرب میں بت پرستانہ دین کا اختتام ہو گیا۔ معافی کے اس اعلان سے دشمنوں کے دل نرم ہو گئے۔ ان کے دماغ حق کے لیے مسخر ہو گئے۔ ایک بڑی تعداد دائرۂ اسلام میں داخل ہو گئی۔

اذان بلالی

ظہر کا وقت ہو گیا۔ آقا کے حکم پر حضرت بلالؓ خانہ کعبہ کی چھت پر کھڑے اذان دے رہے ہیں۔ فتح مکہ کے بعد اللہ کی کبریائی اور عظمت و وحدانیت کے اعلان کی

پہلی روح پرور صدا ہے۔ وہ بلالؓ جن کو ذلیل غلام سمجھ کر مکہ والے ان پر ظلم وستم کا طوفان کھڑا کرتے آئے تھے۔ ان کا یہ عظیم مرتبہ دیکھ کر ان کو غم وحسرت نے گھیر لیا ہے۔ عتاب نے کہا اچھا ہوا جو اسید یہ آواز سننے کے لئے زندہ نہ رہا۔ حارث نے کہا اگر مجھے یقین ہوتا کہ یہ سچا ہے تو میں بھی اس کے ساتھ شامل ہو جاتا۔ ابوسفیان بولا میں کچھ نہ بولوں گا کیونکہ محمد ﷺ کو خبر دے دی جائے گی اور یہ کنکریاں بھی میرے متعلق خبر دیں گی۔ اتنے میں حضور ﷺ ان کے پاس سے گزرے کہ تم لوگ کیا کہہ رہے تھے حضور ﷺ نے وہ تمام باتیں ان کو بتا دیں، جو وہ کر رہے تھے۔ یہ لوگ شرمندہ ہو گئے، اور اُنہوں نے کلمہ پڑھا۔ اُنہوں نے کہا آپ ﷺ سچے ہیں، کوئی اور تو یہاں نہیں تھا۔ پھر حضور ﷺ ام ہانی کے مکان پر تشریف لے گئے۔ غسل کیا اور 8 رکعت نماز اشراق/شکرانہ پڑھی۔ فتح کے دوسرے روز کوہ صفا پر آپ ﷺ نے دوسرا خطاب فرمایا۔ پہلے اللہ کی حمد وثنا کی اور فرمایا۔ ''لوگو! اللہ نے جس دن آسمان کو پیدا کیا۔ اسی دن مکہ کو حرام یعنی حرمت والا مہینہ ٹھہرایا۔ اس لیے قیامت تک وہ حرام ہے، کسی کے لیے حلال نہیں کہ وہ اس میں خون بہائے۔ یہاں کا کوئی درخت کاٹے۔ رسول اللہ ﷺ نے اگر یہاں قتال کیا تو اس سے کہہ دو اللہ نے اپنے رسول ﷺ کو اجازت دی تھی۔ میرے لیے بھی دن کی ایک ساعت حلال کی گئی تھی۔ اب اس کی حرمت پلٹ آئی ہے۔ جو حاضر ہے وہ غائب تک یہ بات پہنچا دے۔ ایک روایت میں اتنا اضافہ ہے کہ یہاں شکار نہ بھگایا جائے اور گری پڑی چیز نہ اُٹھائی جائے۔ البتہ وہ شخص اُٹھا سکتا ہے جو اس کا تعارف کرائے (یا آج کل کے طریقہ کے مطابق حرم کے ڈسٹرافاؤنڈ سیکشن میں جا کر جمع کرا دے، اس کے بعد رسول اللہ ﷺ لوگوں سے بیعت لینے صفا تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ دعا فرما

رہے تھے اور انصار پریشانی میں باتیں کر رہے تھے کہ اب تو حضور ﷺ کے اپنے وطن میں امن ہو گیا ہے۔ آپ ﷺ کے سب رشتہ دار بھی یہاں ہیں، اب تو آپ ﷺ یہیں رہ جائیں گے۔ حضور ﷺ نے پوچھا، تم لوگ کیا کہہ رہے تھے، پھر حضور ﷺ کے اصرار پر بتایا تو حضور ﷺ نے کہا۔ ''میرا مرنا اور میرا جینا تمہارے ساتھ ہے، فتح مکہ کے وقت حضرت ابوبکر صدیقؓ کے والد حضرت ابوقحافہ نے اسلام قبول کیا۔ محمد ﷺ نے اس پر بے حد مسرت محسوس کی۔ (مسند احمد)

حضرت صدیق اکبرؓ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ ان کی چار پشتیں صحابی ہوئیں۔ (۱) حضرت ابوبکر صدیق (۲) ان کے والد قحافہ (۳) ان کے تمام بیٹے بیٹیاں (۴) ان کے پوتے عبداللہ

عدل اسلامی میں قصاص کی حد کا نفاذ

اسی دوران عدل اسلامی کا واقعہ پیش آیا۔ ہوا یہ کہ بنومخزوم کی ایک فاطمہ نامی عورت نے چوری کر لی۔ اس کے قبیلے والوں نے سوچا اگر اسلامی قانون کے تحت اس کا ہاتھ کاٹا گیا تو ہمارے قبیلے کی بہت بے عزتی ہوگی۔ اُنہوں نے سفارش کرانے کی کوشش کی اور اُسامہ بن زید کو سفارشی بنایا چونکہ محمد ﷺ ان سے بہت محبت کرتے تھے، آپ ﷺ نے سفارش سنی تو ان کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور فرمایا۔ ''کیا تم اللہ کی بنائی ہوئی حدود میں سفارش کرتے ہو؟ بخدا اگر محمد کی بیٹی فاطمہ بھی چوری کرتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹتا۔'' (بخاری)

فتح مکہ کے بعد بہت سے قبیلے اسلام لے آئے۔ فتح مکہ سے قبل ان کے اسلام نہ

لانے کی بڑی وجہ یہ تھی کہ کچھ قبیلوں کے قریش سے حلیفانہ (دوستی کے معاہدے، تعلقات تھے، کچھ معاشی طور پر ان کے دست نگر یعنی مقروض تھے، کچھ ان کی سماجی برتری سے مرعوب اور مذہبی لحاظ کی برتری سے مرعوب تھے، اپنے اپنے بت کعبہ میں رکھوا رکھے تھے، اب قریش کی عظمت کا بت ٹوٹ گیا تھا، یہ اعتقاد ابرہہ کے حملے کے بعد سے بہت قوی ہو گیا تھا کہ مکہ میں صرف وہی غالب رہ سکتا ہے جسے اللہ کی تائید حاصل ہو۔ مکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح کیا اور بغیر خون ریزی کے تو باقی ایسے تمام قبائل وفود کی شکل میں آ آ کر اسلام قبول کرنے لگے، یا مصالحت کرنے پر مجبور ہو گئے، ان کے راستے کی ساری مشکلات دور ہو گئی تھیں اور یہ لوگ ابھی مسلمان ہوئے تھے تو اسلام ان کے دلوں تک نہیں پہنچا تھا۔ یہ آگے ہمیں ہوازن کی جنگ سے پتہ چلے گا۔



غزوۂ حنین

جب مکہ فتح ہو چکا تو بہت سے قبائل نے آ کر صلح کر لی مگر کچھ قبائل نے لڑنے کا فیصلہ کیا جس میں حنین اور طائف کے قبائل شامل تھے۔ حنین کا علاقہ مکہ اور طائف کے درمیان تھا۔ موجودہ نقشے میں اس کا وجود نظر نہیں آتا مگر عہد نبوت میں یہ ایک معروف بستی تھی اور یہ قبیلہ تیر اندازی میں مشہور تھا۔ اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنو سعد بن بکر ہے، حضرت حلیمہ سعدیہؓ اسی قبیلے سے تعلق رکھتی تھیں۔

ہوازن کے سردار مالک بن عوف کی قیادت میں 4000 افراد کی فوجیں وادی اوطاس میں جمع ہو گئیں۔ کمانڈر کے حکم سے تمام فوجی اپنے بیوی بچے، اونٹ، گائے، بکریاں اور تمام اثاثہ لے کر میدان میں آ گئے۔ اس کا خیال تھا کہ ان کی وجہ سے کہیں فوجی ہمت نہ ہار دیں۔ ان کی موجودگی میں تمام جنگجو تندہی سے لڑیں گے اور ان کی حفاظت کی خاطر کسی قربانی سے دریغ نہ کریں گے۔ لشکر میں ایک تجربہ کار ماہر حرب درید بن صمہ نے ان کو روکنے کی کوشش کی کہ عورتوں، بچوں کو کسی حفاظتی جگہ بھیج دو مگر کسی نے اس کی نہ سنی۔ حضور ﷺ کو اس جمعیت کی اطلاع ملی تو آپ ﷺ نے بھی تیاری شروع کر دی، مکہ کا گورنر 18 سالہ نومسلم عتابؓ بن اُسید کو مقرر کیا گیا اور 10000 مسلمان جو مدینہ سے ساتھ آئے تھے، فوجیوں کے ساتھ اب 2000 مکہ کے لوگ بھی شامل ہو گئے۔ حضور ﷺ نے ان لوگوں سے ہتھیار، زرہیں، تلواریں وغیرہ اُدھار لیں اور ان سے کہا ''المعاراۃ مؤداۃ'' (ہر عاریت والی چیز لوٹائی جاتی ہے) پھر ان ہی لوگوں سے نقد رقم بھی ادھار لی گئی۔ 6 شوال 8 ہجری کو یہ قافلہ

12000 کا ہتھیاروں سے لیس سوئے منزل بڑھا۔ سیرت نبویہ کی تاریخ میں اب تک لڑی جانے والی جنگوں کے مقابلے میں سب سے زیادہ تیاری اور کثرت تعداد کے ساتھ یہ جنگ لڑی گئی۔ کچھ نوجوان نومسلم افراد کے منہ سے یہ کلمات نکلے۔ ''آج ہم قلت تعداد کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے۔'' بس اسی پر اللہ کی پکڑ ہوگئی۔ فخر و ناز کا جذبہ اللہ کو انتہائی ناپسند ہے۔

یہ ہوازن کا علاقہ تھا، ان کی جنگی حکمت عملی زبردست تھی۔ اُنہوں نے جگہ جگہ ماہر تیرانداز جھاڑیوں میں چھپا کر بٹھا دیئے تا کہ یکبارگی حملہ کردیں۔ مسلمان تو سیدھے جنگ کے میدان کی طرف چلے جارہے تھے، ایک مقام پر بیری کا درخت آیا جس پر جاہلیت میں لوگ تلواریں لٹکاتے تھے، میلہ لگتا تھا اور اس کو مبارک خیال کرتے تھے۔ یہ ذات انواط کہلاتا تھا۔ حضور ﷺ سے بھی لوگوں نے فرمائش کی کہ ہمارے لیے بھی آپ ﷺ ایک ذات انواط بنا دیجیے۔ حضور ﷺ نے کہا تم نے مجھ سے وہی سوال کیا جو موسیٰ ؑ سے ان کی قوم نے کیا تھا کہ ہمارے لیے بھی کوئی الٰہ بنا دیجیے تا کہ ہم اس کے آگے بیٹھے رہیں۔ یہ پہلوں کے طریقے ہیں۔ تم لوگ بھی یقیناً پہلوں کے طریقوں پر سوار ہوگے۔ (ترمذی)

10 شوال کو یہ لشکر وادی پہنچا۔ مسلمانوں کا لشکر جب وہاں سے گزرا تو راستہ میں چھپے تیراندازوں نے تیروں کی بارش کردی۔ یہ حملہ اتنا غیر متوقع اور ناگہانی تھا کہ مسلمانوں کی صفیں درہم برہم ہوگئیں۔ قدم اُکھڑنے لگے، لوگ پلٹ کر بھاگنے لگے۔ مگر ایسی نازک صورت حال میں محمد ﷺ کی ثابت قدمی، دلیری اور شجاعت کا نمونہ نظر آیا کہ آپ ﷺ اور آپ ﷺ کے ایک روایت کے مطابق 12 جان نثار ساتھی جمے رہے۔ پھر حضور ﷺ نے نعرہ لگایا انا النبی لا کذب ۔ انا ابن عبدالمطلب (میں نبی ہوں، اس میں کوئی جھوٹ نہیں، میں عبدالمطلب کی اولاد

ہوں) حضرت عباسؓ نے حضور ﷺ کے حکم سے زوردار آواز لگائی یا معشر مہاجرین یا انصار اور یا اصحاب السمرۃ (حدیبیہ میں درخت کے نیچے بیعت کرنے والے) واپس آؤ۔ ان کی آواز بہت تیز تھی۔ بس جس نے بھی آواز سنی وہ پلٹا اور لوگ آپ ﷺ کے گرد جمع ہونے لگے۔ ایک روایت میں ہے لوگوں نے اپنے اونٹ اور گھوڑے لوٹائے اور جس کے جانور نے اڑیل رویہ اپنایا، اس نے اسے وہیں چھوڑا اور ڈھال وتلوار لے کر آواز کی سمت دوڑا اور حضور ﷺ کے ساتھ مل کر دشمنوں کے ساتھ زبردست جنگ کی۔ پھر آپ ﷺ نے زمین سے ایک مٹھی اُٹھا کر دشمن کی طرف ''شاهت الوجوه'' کہہ کر پھینکی۔ اس جنگ کے بعد جلد ہی دشمنوں کو شکست فاش ہوگئی۔ ان کے 70 آدمی مارے گئے۔ باقی سب بھاگ گئے۔ کچھ طائف کی طرف کچھ نخلہ کی طرف اور کچھ اوطاس کی طرف۔ حضور ﷺ نے اوطاس اور نخلہ کی طرف جانے والوں کے لیے تعاقب میں لوگ بھیجے۔ وہ عورتیں، بچے اور تمام مال واسباب پیچھے چھوڑ گئے۔

مال غنیمت

قیدی چھ ہزار، اونٹ 24 ہزار، بکری 40 ہزار، چاندی 4000 اوقیہ، رسول اللہ ﷺ نے ان سب کو جمع کرنے کا حکم دیا۔ پھر اسے جعرانہ میں روک کر مسعود بن عمرو غفاریؓ کو نگراں بنایا اور طائف کی فتح کے بعد اس کو تقسیم کیا۔ یہ اب تک حاصل ہونے والی غنیمتوں میں سب سے زیادہ غنیمت تھی۔ اللہ نے مسلمانوں کو مالا مال کر دیا۔

اسی ماہ شوال 8 ہجری میں جا کر طائف کا محاصرہ کیا۔ محاصرے نے طول پکڑا۔

حضرت انسؓ کی روایت ہے کہ 40 دن جاری رہا۔ مگر کچھ لوگوں کی روایت کے مطابق 20 دن محاصرہ جاری رہا۔ غزوۂ حنین کا تفصیلی ذکر قرآن کی سورۃ التوبہ آیت 27/25 میں آیا ہے۔

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ اِذْ اَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْـًٔا وَّ ضَاقَتْ عَلَيْكُمُ الْاَرْضُ بِمَا رَحُبَتْ ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ ۝ ثُمَّ اَنْزَلَ اللّٰهُ سَكِيْنَتَهٗ عَلٰى رَسُوْلِهٖ وَ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ وَ اَنْزَلَ جُنُوْدًا لَّمْ تَرَوْهَا وَ عَذَّبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ وَ ذٰلِكَ جَزَآءُ الْكٰفِرِيْنَ ۝ ثُمَّ يَتُوْبُ اللّٰهُ مِنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

ترجمہ: ''حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بہت سے مقامات پر تمہاری مدد کی ہے اور خاص طور پر حنین کے دن جب تمہاری تعداد کی کثرت نے تمہیں مگن کر دیا تھا مگر وہ کثرت تعداد تمہارے کچھ کام نہ آئی اور زمین اپنی ساری وسعتوں کے باوجود تم پر تنگ ہوگئی۔ پھر تم نے پیٹھ دکھا کر میدان سے رُخ موڑ لیا، پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول پر اور مومنوں پر اپنی طرف سے تسکین نازل کی اور ایسے لشکر اُتارے جو تمہیں نظر نہیں آئے اور جن لوگوں نے کفر اپنا رکھا تھا۔ اللہ نے ان کو سزا دی اور ایسے کافروں کا یہ ہی بدلہ ہے۔ پھر اللہ جس کو چاہے توبہ نصیب کرے اور اللہ بہت بخشنے والا مہربان ہے۔''

مقام غور ہے کہ مومنوں کے دلوں میں فتح کی وجہ سے غرور پیدا نہیں ہوا اور حنین میں عارضی شکست سے مایوسی پیدا نہیں ہوئی۔ یہی اُسوہ حسنہ ہے اور قوموں کی زندگی میں یہ دونوں مرحلے آتے ہیں۔ جب طائف کے قلعے کا محاصرہ کیا گیا تو بہت مشکل پیش آئی۔ قلعہ پہاڑی پر تھا، دیواریں مضبوط تھیں، مسلمان نیچے تھے، کفار اوپر سے

تیر اندازی کر رہے تھے۔ بعد میں طفیل بن عمر دوسی منجنیقیں اور دبابے بھی لے کر آئے۔ وہ بھی کام نہ آئے کیونکہ اُنہوں نے اوپر سے پگھلے ہوئے تانبے اور لوہے کی سلاخیں پھینکیں جس سے دبابے جل گئے اور مسلمانوں کو نقصان پہنچا۔ نبی ﷺ کا خیمہ دور لگایا گیا تھا۔ محاصرہ کو 20 دن ہو گئے۔ حضور ﷺ نے فرمایا جو بھی خود ہمارے پاس آئے گا، ہم اس کو آزاد کر دیں گے، کل 10 افراد آئے، ان کو چھوڑ دیا گیا تو آپ ﷺ نے مشورہ کیا۔ نوفل بن معاویہ نے کہا۔ لومڑی اپنے بھٹ میں گھس گئی ہے، اگر ڈٹے رہیں تو پکڑ لیں گے اور اگر چھوڑ کر چلے گئے تو وہ آپ ﷺ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتی۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے واپسی کا اعلان کر دیا۔ (جہاں رسول اللہ ﷺ نے قیام فرمایا، وہاں آج مسجد طائف ہے۔) مگر کچھ لوگوں کو بغیر فتح کے جانا ناگوار گزرا۔ حضور ﷺ نے فرمایا، ٹھیک ہے کل جنگ کرتے ہیں مگر اگلے دن پھر اوپر سے تیروں کی بارش کی وجہ سے کچھ مسلمان زخمی ہو گئے اور کچھ حاصل نہ ہوا۔ حضور ﷺ نے کہا، ٹھیک ہے ہم کل واپس جا رہے ہیں، اس طرح اب سب آمادہ ہو گئے۔ واپسی میں سامان باندھتے وقت لوگوں نے کہا ان پر بددعا کیجیے۔ مگر حضور ﷺ تو رحمت اللعالمین تھے، پھر ان کا مقصد لوگوں کو ہلاک کرنا نہیں تھا بلکہ ان کو دین اسلام کی طرف لانا تھا چنانچہ آپ ﷺ نے دعا کے لیے ہاتھ اُٹھا دیئے، اے اللہ ثقیف کو ہدایت دے اور اُنہیں میرے پاس لے آ۔ حضور ﷺ جعرانہ واپس آئے اور 10 روز ہوازن کی واپسی کا انتظار کیا کہ شاید وہ اپنے بیوی بچے اور مال لینے واپس آئیں گے مگر وہ نہ آئے۔ تو حضور ﷺ نے تمام مال غنیمت تقسیم کر دیا۔ مکہ کے مسلمانوں کی تالیف قلب کے لیے حضور ﷺ نے بہت مال لٹا دیا۔ مہاجرین کو بھی کچھ دیا مگر انصار کو کچھ نہ دیا۔

مال غنیمت کی تقسیم

محمد ﷺ طائف کا محاصرہ ختم کر کے ''جعرانہ'' واپس آئے، جہاں مال غنیمت موجود تھا تو آپ ﷺ نے 10 روز انتظار کیا کہ شاید ہوازن کے لوگ تائب ہو کر واپس آ جائیں اور حضور ﷺ ان کو ان کا کھویا ہوا مال اور قیدی واپس کر دیں مگر ان کا نصیب کہ وہ نہ آئے اور حضور ﷺ نے مال تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ تقسیم میں اس بات کا خاص خیال رکھا گیا کہ مکہ کے نومسلموں کی تالیف قلب کی جائے جو ان کو اسلام پر جمانے میں مددگار ثابت ہو۔ عام مہاجرین اور انصار کو کوئی خاص حصہ نہیں دیا گیا اور خود حضور ﷺ نے اپنے لیے ایک حبہ بھی نہ رکھا۔ سب کا سب تقسیم فرما دیا۔ مکہ کا سردار ابوسفیان جو فتح مکہ کے وقت اسلام لایا تھا، اس کو 100 اونٹ دیئے۔ اس نے کہا میرے بیٹے کے لیے حضور ﷺ نے 100 اونٹ اس کے بیٹے کے لیے دیئے پھر اس نے کہا میرے دوسرے بیٹے کے لیے تو اس کو بھی 100 اونٹ دیئے۔ اسی طرح صفوان بن امیہ کو 300 اونٹ، حکیم بن حزام کو 200 اونٹ پھر اس نے اور مانگے تو حضور ﷺ نے نصیحت کی کہ تم کو خیر و برکت کا مال دیا گیا ہے، اگر تم اچھی نیت رکھو گے تو اللہ تمہیں سوال سے بے نیاز کر دے گا۔ وہ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ کی نصیحت کا مجھ پر ایسا اثر ہوا کہ اس کے بعد ساری زندگی میں نے کسی سے کچھ نہیں مانگا۔ اسی طرح کسی کو 50 اونٹ اور کسی کو 100 بکریاں، کسی کو ڈھیر ساری چاندی دی گئی۔ غرضیکہ سارے علاقے میں مشہور ہو گیا کہ محمد ﷺ بڑے سخی ہیں، خود فقیر ہونے کی پرواہ نہیں کرتے لوگ اس وقت نئے نئے مسلمان ہو رہے تھے۔ دنیا کا مال

جمع کرنے کی ان کے اندر حرص موجود تھی۔ امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ بعد میں ان لوگوں کے دلوں میں ایسا اسلام داخل ہوا کہ ان کو اسلام دنیا کی ہر چیز سے بڑھ کر محبوب ہوگیا اور اُنہوں نے اسلام کے فروغ کے لیے جان و مال کی بڑی بڑی قربانیاں دیں اور عظیم کارنامے انجام دیئے۔ اکثر ایسا ہی ہوا کرتا ہے کہ لوگ کسی نہ کسی موقع کی وجہ سے مسلمان ہوتے ہیں، پھر جب اسلام ان کے دل میں گھر کر لیتا ہے تو عام جدی پشتی مسلمانوں سے بڑھ کر اس پر عمل کرتے ہیں اور اپنے اچھے اعمال سے دوسرے لوگوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔

انصار کے ساتھ خصوصی معاملہ

اس تقسیم سے لامحالہ انصار کے دل میں خیال گزرا کہ رسول اللہ ﷺ اپنی قوم سے جا ملے ہیں۔ وہ حضور ﷺ کی غنیمت کی تقسیم کی حکمت کو سمجھ نہ سکے۔ رئیس خزرج حضرت سعد بن عبادہؓ اپنی قوم کا اضطراب و بے چینی دیکھ کر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کی بات پہنچائی تو حضور ﷺ نے پوچھا۔ ''اے سعدؓ! تمہارا کیا خیال ہے؟''

اُنہوں نے کہا ''میں بھی اپنی قوم کا فرد ہوں۔'' تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''انصار کو فلاں خیمے میں جمع کرو۔ چنانچہ جب سب انصار آ گئے، کچھ مہاجرین بھی آ گئے تو ان کو آنے دیا گیا۔ کچھ اور قبیلوں نے بھی آنے کی کوشش کی تو ان کو منع کر دیا گیا۔ پھر حضور ﷺ نے اللہ کی حمد و ثنا بیان کی، پھر فرمایا۔ ''یہ کیا ناراضگی ہے جو میرے علم میں آئی ہے، کیا ایسا نہیں ہے کہ میں تمہارے پاس اس حالت میں آیا کہ تم گمراہ تھے،

اللہ نے تمہیں ہدایت دی، تم محتاج تھے اور اللہ نے تمہیں غنی بنا دیا۔ تم باہم دشمن تھے، اللہ نے تمہارے دل جوڑ دیئے۔''

''کیوں نہیں، یہ اللہ کا بڑا فضل وکرم ہے یا رسول اللہ ﷺ۔'' سب نے جواب دیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''دیکھو اللہ کی قسم تم چاہو تو یہ کہہ سکتے ہو اور یہ سچ ہی ہوگا کہ آپ ﷺ ہمارے پاس اس حالت میں آئے کہ آپ ﷺ کو جھٹلایا گیا تھا اور ہم نے آپ ﷺ کی تصدیق کی۔ آپ ﷺ کو تنہا چھوڑ دیا گیا تھا اور ہم نے آپ ﷺ کی مدد کی۔ آپ ﷺ کو دھتکار دیا گیا تھا، ہم نے آپ ﷺ کو ٹھکانہ دیا۔ آپ ﷺ محتاج تھے، ہم نے آپ ﷺ کی دلداری کی۔

اے انصار کے لوگو! تم دنیا کی اس عارضی دولت کے لیے اپنے رسول ﷺ سے ناراض ہوگئے ہو، میں نے لوگوں کے دل جوڑنے کے لیے دیا تاکہ وہ مسلمان ہوجائیں اور تم کو تمہارے اسلام کے حوالے کر دیا تھا، کیا تم اس سے راضی نہیں کہ لوگ اونٹ اور بکریاں لے کر جائیں اور تم اللہ کے رسول ﷺ کو لے کر اپنے گھروں کو جاؤ۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں محمد ﷺ کی جان ہے، اگر ہجرت نہ ہوتی تو میں بھی انصار میں سے ہوتا۔ اگر انصار ایک راہ پر چلیں اور لوگ دوسری راہ پر چلیں تو میں بھی انصار کی راہ پر چلوں گا۔''

اس کے بعد آپ ﷺ نے دعا فرمائی۔ ''اے اللہ رحم فرما انصار پر ان کے بیٹوں پر ان کے لوگوں پر۔''

پھر تو انصار اس قدر روئے کہ ان کی داڑھیاں تر ہوگئیں۔ موجود لوگوں میں کوئی آنکھ نہ تھی جو اشکبار نہ ہو اور ہر ایک کی زبان پر یہ ہی تھا کہ ہمیں کچھ نہیں چاہیے، ہمیں بس اللہ کا رسول ﷺ چاہیے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''اے انصار! میرے بعد

تمہیں سخت کینہ پروری کا سامنا کرنا پڑے گا، پس تم صبر کرنا۔ حتیٰ کہ تم اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آملو۔ میں تمہیں حوضِ کوثر پر ملوں گا۔'' وہ بولے۔ ''ہم ضرور صبر کریں گے۔'' پھر اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے خیمے میں اور تمام انصار اپنے اپنے خیموں میں چلے گئے۔ کتنے مبارک تھے وہ لوگ کیا نصیب تھا ان کا سبحان اللہ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے ساتھ تاحیات مدینہ میں رہے اور وفات کے بعد بھی وہیں مدفون ہیں۔

شیما کی آمد

قیدیوں کی گرفتاری کے وقت ایک خاتون نے شور مچایا کہ مجھ کو کوئی پکڑ نہیں سکتا، میں تمہارے صاحب ''محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کی بہن ہوں۔ سب جانتے تھے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کوئی بہن بھائی نہیں ہے۔ چنانچہ ان کو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لایا گیا تو اُنہوں نے بتایا کہ میں تمہاری رضاعی بہن شیما ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''میں کیسے مان لوں کہ تم شیما ہو۔'' اُنہوں نے کہا۔ ''جب آپ چھوٹے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یک مرتبہ میری پیٹھ پر کاٹا تھا، جس کا نشان آج بھی میری پیٹھ پر موجود ہے۔'' یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یاد آ گئی۔ پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بی بی حلیمہ کے بارے میں پوچھا تو اُنہوں نے بتایا کہ وہ وفات پا چکی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شیما سے بہت عزت و احترام کا سلوک کیا۔ ان کے لیے چادر بچھائی جس پر ان کو بٹھایا اور ان کو غلام باندی، اونٹ اور بکریاں اور بہت سا سامان دیا۔ اُنہوں نے اسلام قبول کیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو اپنے ساتھ رہنے کی پیشکش کی مگر اُنہوں نے واپسی کو پسند کیا۔ چنانچہ ان کو احترام کے ساتھ رخصت کر دیا گیا۔

ہوازن کی واپسی

مال غنیمت تقسیم ہونے کے بعد زہیر بن ضرر کی سربراہی میں 14 آدمیوں کا وفد، رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ اُنہوں نے اسلام قبول کیا اور اپنی قوم کے مال، بیوی بچوں، نوکر چاکر کی واپسی کا مطالبہ کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''تمہیں بال بچے عزیز ہیں یا مال و دولت۔'' انہوں نے جواب دیا۔ ''بیوی بچے زیادہ محبوب ہیں۔'' غلامی کی وجہ سے انسانوں کی بھی بڑی قدر و قیمت تھی۔ حضور ﷺ نے فرمایا دیکھو نماز کا وقت ہے، ابھی ہم نماز پڑھیں گے۔ تم سب نماز کے بعد میرے پاس آنا اور اپنا مطالبہ دہرانا۔ اُنہوں نے ایسا ہی کیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''جو میرے اور عبدالمطلب کے خاندان کے افراد کے پاس لوگ ہیں، میں ان سب کو آزاد کرتا ہوں، اور تمہیں دیتا ہوں۔'' اس اعلان کے بعد مہاجرین اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے کہا ''ہمارے پاس جتنے افراد ہیں ہم سب واپس کرتے ہیں، پھر انصار کھڑے ہوئے اور اُنہوں نے بھی وہی کہا جو مہاجرین نے کہا تھا۔ پھر بنو سلیم اُٹھے اور اُنہوں نے بھی اپنے سب قیدی واپس کر دیئے۔ رسول اللہ ﷺ نے پھر اپیل کی کہ دیکھو یہ لوگ مسلمان ہو کر آئے ہیں، میں نے اُنہیں اختیار دیا تو اُنہوں نے بال بچوں کے برابر کسی چیز کو نہیں سمجھا۔ پس جس کے پاس کوئی قیدی ہو، وہ واپس کر دے۔ اس کے بعد دوسرے قبائل نے بھی اپنے اپنے قیدی واپس کر دیے اور جو نہیں کرنا چاہتے تھے، رسول اللہ ﷺ نے 6 اونٹ فی بندہ کے حساب سے ان کو ادا

کیا اور قیدی آزاد کرا لیے۔ محمد ﷺ کی ایسی زبردست حکمت عملی تھی کسی پر دباؤ نہیں ڈالا، کسی سے زبردستی نہیں کی اور مقصد حاصل کر لیا۔ بعد میں جب طائف کا قلعہ فتح ہوا تو لوگ وفود کی شکل میں مدینہ منورہ آ کر مسلمان ہو گئے۔

غزوۂ مکہ اور غزوۂ حنین کا پیغام

ایک بات خصوصیت سے جو ان دونوں جنگوں میں نظر آتی ہے، وہ آپ ﷺ کا عفو و درگزر کا معاملہ ہے۔ عفو و درگزر تو ہر کوئی کر لیتا ہے جب وہ خود بدلہ لینے کے قابل نہ ہو، مگر محمد ﷺ نے عفو اس وقت کیا جب وہ اس وقت اقتدار میں تھے۔ آپ ﷺ جو چاہیں ان کے ساتھ معاملہ کرنے کے مجاز تھے مگر اس وقت تمام انتقامی جذبات کو بالائے طاق رکھ کر عفو کا معاملہ کرنا، محمد ﷺ ہی کو زیب دیتا ہے کیونکہ آج تک تاریخ نے کسی فاتح کی نہ ایسی مثال پیش کی ہے اور نہ کر سکے گی۔ غور و فکر کرنے سے یہ بات پتہ چلتی ہے کہ فتح سے ان کا مقصد انتقام، خون ریزی اور مال غنیمت حاصل کرنا نہیں تھا، اسی لیے آپ ﷺ نے مکہ والوں سے سامان جنگ اور نقدی بطور قرض لیا۔ آپ ﷺ تو حاکم تھے، جس سے چاہتے وصول کر سکتے تھے۔ دراصل آپ ﷺ کا مقصد لوگوں کے دلوں کو جیتنا تھا۔ ان کو اللہ سے روشناس کرانا اور ان کو ان کی فلاح کے لیے دائرۂ اسلام میں لانا تھا۔ ساری کوشش اللہ کی خاطر ساری قربانیاں ساری عبادتیں اللہ کے لیے اور جب فتح ہوتی ہے تو آپ ﷺ فرماتے ہیں ''اس نے اپنے ایک بندے کی مدد کی۔'' یہ ہے اللہ اکبر کا صحیح مفہوم کہ فتح

بھی اس کی ہے اور محنت کرنے کی توفیق دینا بھی اسی کا کام ہے۔ حنین میں سب عورتوں بچوں کو بلا معاوضہ رہا کر دیا، ان کو چادریں دے کر رخصت کیا۔ تقسیم کے لیے انتظار کرتے رہے شاید وہ آئیں، ان کا دل اسلام کے لیے کھل جائے اور آپ ﷺ ان کے اہل وعیال ومتاع واپس کر دیں۔ مکہ اور قبائل کے بڑے سرداروں کو بے تحاشا نوازا۔ یہاں تک کہ ان کے دل اسلام کے لیے کھل گئے اور اُنہوں نے اپنے قبیلوں میں اسلام کی تبلیغ کی۔ بے نفس ایسے کہ اپنے لیے کچھ نہ رکھا۔ مہاجروں کو بہت معمولی حصہ عطا فرمایا اور انصار کا قصہ تو آپ پڑھ ہی چکے ہیں۔ بعد کی تاریخ میں ہم دیکھتے ہیں کہ ابوسفیان کے بیٹے معاویہ نے زبردست حکومت کا انتظام چلایا اور بنی اُمیہ کے زمانے میں اسلام کا دائرہ بہت سے فتح شدہ ممالک تک پھیل گیا۔

حنین کا پیغام

حضور ﷺ کے انصار کے ساتھ اس روح پرور خطاب سے یہ اندازہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو علمی وعملی کمالات کے علاوہ آپ ﷺ کو خطیبانہ کمال بھی عطا فرمایا تھا۔ آپ ﷺ کھلے دل سے انصار مدینہ کی قربانیوں کا اعتراف کرتے ہیں، انصار کے حوصلے اس سے بڑھتے ہیں کہ ان کی خدمات کا زبان سے اعتراف تو ان کو دین ودنیا کی راحت دے گیا۔ اُمت کے سامنے اس حقیقت کو واضح کرتے ہیں کہ مومن کا اصل ہدف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا ہے۔ متاع دنیا بے قیمت ہے، اگرچہ متاع دنیا کی اس وقت بھی بہت قیمت تھی اور آج بھی ہے مگر ہمیں

قرآن میں یہ پیغام ملتا ہے کہ یہ متاع غرر (دھوکے کا سودا) ہے اور حدیث کی زبان میں مکھی اور مچھر کے پَر کے برابر بے وقعت ہے جو کوئی عاشق رسول ﷺ اس حقیقت کو سمجھ لے گا، وہ اس فتنے سے محفوظ ہو جائے گا۔

عمرۂ جعرانہ

غزوۂ حنین و طائف سے فارغ ہونے کے بعد محمد ﷺ نے مقام جعرانہ سے 18 ذوالقعدہ 8 ہجری کو احرام باندھا۔ مکہ تشریف لے گئے، عمرہ ادا کیا، اس کے فوراً بعد واپسی کا سفر شروع کیا۔ اس طرح وہ سفر جو 10 رمضان المبارک 8 ہجری کو شروع ہوا تھا۔ 27 ذوالقعدہ 8 ہجری کو مدینہ منورہ پہنچ کر ختم ہوا۔ روایات میں آتا ہے کہ آپ ﷺ نے کل 4 عمرے ادا فرمائے۔

۱۔عمرۂ حدیبیہ ۲۔عمرۃ القضا، ۳۔عمرۂ جعرانہ ۴۔عمرۂ حجۃ الوداع

آج بھی لوگ نبی ﷺ کی سنت میں جعرانہ جا کر احرام باندھتے ہیں اور عمرہ ادا کرتے ہیں۔

قصیدہ بردہ شریف

جب آپ ﷺ عمرہ جعرانہ سے واپس آئے تو آپ ﷺ کے سامنے عرب کے عظیم شاعر کعب بن زہیر حاضر ہوئے۔ یہ عرب کے نامی گرامی شاعر تھے اور ان کی شاعری کعبہ کے اندر لٹکائی جاتی تھی۔ اپنی فصاحت اور بلاغت کے کمال کو پہنچی ہوئی تھی۔ آج بھی ان کے کچھ اشعار محفوظ ہیں، مگر اس کلاسیکل شاعری کو سمجھنے والے بہت کم ملتے ہیں مگر وہ اس بارے میں بدنام تھے کہ اُنہوں نے اپنی شاعری کو اسلام دشمنی اور رسول اللہ ﷺ کی ہجو کے لیے استعمال کیا۔ یہ ان چند مجرموں میں شامل تھے جن کے لیے حکم تھا کہ جہاں کہیں ہوں، ان کو قتل کر دیا جائے۔ اس اعلان کو سن کر کعب بھاگ گئے۔ آج وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں آتے ہیں کہ اللہ کے رسول، میں نے توبہ کر لی ہے اور کلمہ پڑھ لیا ہے۔ آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا ہوں۔ آپ ﷺ نے اُنہیں معاف فرما دیا۔ اس کے بعد کعب نے آپ ﷺ کی شان اور منقبت میں اپنا معروف قصیدہ پڑھا۔ جسے قصیدہ بانت سعاد کہا جاتا ہے۔ یہ قصیدہ شاعری کا اعلیٰ نمونہ ہے، اس کے ہر ہر شعر سے آپ ﷺ کی عظمت، شاعر کی عقیدت اور محبت ظاہر ہوتی ہے۔ محمد ﷺ نے اس کی قدر افزائی فرمائی اور اعزاز کے طور پر اپنی چادر اُتار کر عطا کر دی۔

اسی لیے اسے قصیدۂ بردہ شریف کہا جاتا ہے۔ ''بردہ'' کے معنی چادر کے ہیں۔ ایک قصیدہ بردہ شریف وہ ہے جو ہم پڑھتے سنتے آئے ہیں، مولا یا صل وسلم دائما ابدا۔ یہ

ساتویں صدی ہجری کے شاعر ''بوشینہ'' کا لکھا ہوا ہے اور اس کا کہنا تھا کہ اس نے خواب میں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زیارت کی اور محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو اپنی چادر عنایت فرمائی۔ (بردہ چادر کو کہتے ہیں) یہ چھٹی صدی ہجری 600 ہجری میں لکھا گیا۔ اس کے خوبصورت اشعار مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ستونوں پر لکھے ہیں اور ایک شعر روضہ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تالے پر لکھا ہے۔

مَوْلَایَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا اَبَدًا عَلٰی حَبِیْبِكَ خَیْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ
هُمَّدٌ سَیِّدُ الْكَوْنَیْنِ وَالثَّقَلَیْنِ وَالْفَرِیْقَیْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّ مِنْ عَجَمِ
هُوَ الْحَبِیْبُ الَّذِیْ تُرْجٰی شَفَاعَتُهٗ لِكُلِّ هَوْلٍ مِّنَ الْاَهْوَالِ مُقْتَحِمِ
یَا اَكْرَمَ الْخَلْقِ مَالِیْ مَنْ اَلُوْذُ بِهٖ سِوَاكَ عِنْدَ حُلُوْلِ الْحَادِثِ الْعَمِمِ
وَفَاقَ النَّبِیِّیْنَ فِیْ خَلْقٍ وَّ فِیْ خُلُقٍ وَلَمْ یَدْا نُوْهُ فِیْ عِلْمٍ وَّ لَا كَرَمِ
وَكُلُّهُمْ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ مُلْتَمِسٌ غَرْفًا مِّنَ الْبَحْرِ اَوْ رَشْفًا مِّنَ الدِّیَمِ
مُنَزَّهٌ عَنْ شَرِیْكٍ فِیْ مَحَاسِنِهٖ فَجَوْهَرُ الْحُسْنِ فِیْهِ غَیْرُ مُنْقَسِمِ
فَمَبْلَغُ الْعِلْمِ فِیْهِ اَنَّهٗ بَشَرٌ وَاَنَّهٗ خَیْرُ خَلْقِ اللّٰهِ كُلِّهِمِ
ثُمَّ الرِّضَا عَنْ اَبِیْ بَكْرٍ وَّ عَنْ عُمَرَ وَ عَنْ عَلِیٍّ وَ عَنْ عُثْمَانَ ذِی الْكَرَمِ
یَارَبِّ بِالْمُصْطَفٰی كَمِّلْ مَقَاصِدَنَا وَاغْفِرْ لَنَا مَا مَضٰی یَا وَاسِعَ الْكَرَمِ
یَا رَبِّ جَمْعًا طَلَبْنَا مِنْكَ مَغْفِرَةً وَّ حُسْنَ خَاتِمَةٍ یَّا مُبْدِیءَ النِّعَمِ

یَا رَبِّ بِالْمُصْطَفٰی بَلِّغْ مَقَاصِدَنَا
وَاغْفِرْ لَنَا مَا مَضٰی یَا بَارِیءَ النَّسَمِ

حضور ﷺ کے بیٹے ابراہیم کی ولادت

اسی سال ذوالحجہ 8 ہجری میں آپ ﷺ کی باندی حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے آپ ﷺ کے صاحبزادے پیدا ہوئے، جن کا نام ''ابراہیم'' رکھا گیا۔ آپ ﷺ کے دو بیٹے ا۔قاسم ۲۔طیب تھے، جو کم سنی میں ہی وفات پا چکے تھے۔ پہلے بیٹے قاسم کی پیدائش کے بعد آپ ﷺ کی کنیت ابوالقاسم کے نام سے مشہور ہوئی۔ ابراہیم کی پیدائش کے ساتویں دن آپ ﷺ نے ان کا عقیقہ کیا اور دو مینڈھے ذبح فرمائے۔ ان کی پیدائش پر آپ ﷺ بہت خوش تھے۔ مگر یہ خوشی پھیلانے والی روح بس 18 ماہ ہی ساتھ رہی۔ پھر وہ اپنے خالق حقیقی سے جا ملی۔ اس کی وفات کے وقت آپ ﷺ کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے اور صحابہؓ عرض کر رہے تھے کہ آپ ﷺ رو رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''ہم راضی ہیں، اپنے رب کی رضا پر مگر یہ رحم ہے جو آنسو بن کر آنکھوں سے ٹپک رہا ہے۔

اسی سال آپ ﷺ کی سب سے بڑی صاحبزادی حضرت زینبؓ زوجہ ابوالعاص کا انتقال ہو گیا۔ آپ ﷺ غمگین تھے، ان کی نماز جنازہ پڑھائی۔ ان کی آنکھوں سے اشک جاری تھے، آپ ﷺ نے ان کو قبر میں اُتارا اور ان کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی۔ اب تک آپ ﷺ کے تین بیٹے اور دو بیٹیاں وفات پا چکی تھیں۔ اولاد کی طرف سے بھی آپ ﷺ کی بڑی آزمائش کی گئی ہے جب ان کی بیٹی ام کلثومؓ کا انتقال ہوا تھا تب بھی آپ ﷺ بہت رنجیدہ ہوئے تھے اور

آپ ﷺ نے فرمایا تھا کہ اگر میری تیسری بیٹی ہوتی تو وہ بھی عثمان سے بیاہ دیتا۔ حضرت عثمانؓ اسی لیے ''ذوالنورین'' یعنی ''دونور والے'' کہلائے کیونکہ نبی ﷺ کی دو بیٹیوں سے ان کی شادیاں ہوئیں۔ ہمیں بھی جب کبھی اولاد کی وفات سے آزمایا جائے تو ہمیں فوراً نبی ﷺ کو یاد کر لینا چاہیے کہ اُنہوں نے اپنے چھ بچے اپنے ہاتھوں سے سپرد خاک کیے۔ صرف سب سے چھوٹی بیٹی فاطمہؓ آپ ﷺ کی وفات کے چھ ماہ بعد خالق حقیقی سے جا ملیں۔ آپ ﷺ صبر کے پہاڑ تھے۔

ہجرت کا نواں سال

عدی بن حاتم کا قبول اسلام

9 ہجری میں بہت سے سریہ ہوئے جو بتوں کو توڑنے کے لیے بھیجے گئے۔ قابل ذکر سریہ قبیلہ 'طے' کی طرف گیا جس کے سپہ سالار حضرت علیؓ تھے۔ ان کے ساتھ 150 سوار تھے۔ مدینہ کی ریاست ایک اصولی اور مقصدی ریاست تھی۔ جاہلی عرب کے مذہبی اور تمدنی نظام میں ''بت'' بہت اہمیت کے حامل تھے۔ ان بتوں کے نام پر بڑی بڑی لڑائیاں لڑی جا چکی تھیں۔ ''بت'' ایک باطل نظام زندگی کا نشان تھے۔ خود عدی گھرانے کے سردار نے اپنے گھر میں ہتھیار جمع کر رکھا تھا اور ہارنے کی صورت میں بھاگنے کا انتظام بھی کر رکھا تھا مگر اس جاہلی بتوں کے نظام کو بچانے کے لیے وہ تیاری میں مصروف تھا۔ حضور ﷺ کی زبردست حکمت عملی تھی کہ حملہ آور کے حملہ کرنے سے پہلے ہی اس پر حملہ کر دیتے تھے۔ یہ ایک بیدار مغز حکمراں اور عالی ہمت انسان کا ہی کام ہوسکتا ہے، جو صرف باطل نظام کو مٹانے کا اللہ کے لیے تہیہ کر چکا ہو۔ عدی بن حاتم، حضرت علیؓ کے حملہ سے شکست کھا گیا۔ بت خانے کو توڑ دیا گیا۔ مال غنیمت میں جانور اور ہتھیار ملے۔ لوگ قید ہو گئے اور عدی خود شام کی طرف بھاگ گیا تاکہ وہاں کے عیسائیوں سے مدد لے اور اپنے ساتھ اپنے بیوی بچے لے گیا اور اس کی بہن وہیں رہ گئی جو اور قیدیوں کے ساتھ گرفتار ہو کر مدینہ آئی۔ رسول اللہ ﷺ کے

سامنے اپنا مقدمہ درد بھرے انداز میں پیش کیا۔ ''میرا باپ مر چکا ہے، میرا محافظ مجھے چھوڑ کر بھاگ گیا، میں ضعیفہ ہوں، مجھ پر احسان کیجیے، اللہ آپ ﷺ پر احسان کرے گا۔ حضور ﷺ نے اس کی خواہش کے مطابق اس کو سواری دی اور کچھ توشہ ساتھ دے کر آزاد کر دیا کہ جہاں چاہے جائے، وہ سیدھی بھائی کے پاس پہنچی اور اس کو بتایا کہ وہ شخص تیرے باپ کے جیسا فیاض ہے اور جو کچھ اس نے لوگوں کے ساتھ مروت و ہمدردی کے معاملات دیکھے تھے، سب کہہ سنائے اور اس کو مشورہ دیا کہ تم ان سے لڑنے کا خیال چھوڑ دو، خود مدینہ جاؤ اور فیض پاؤ۔

عدی بن حاتم مدینہ آئے، نبی ﷺ سے گفتگو فرمائی۔ مسند احمد میں روایت ہے کہ آپ ﷺ نے کہا ''اسلم تسلم (اسلام لاؤ سلامت رہو گے) عدی نے کہا میں تو خود ایک دین کا ماننے والا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا، میں تمہارا دین تم سے بہتر جانتا ہوں۔ کیا ایسا نہیں کہ تم مذہباً رکوسی ہو پھر بھی اپنے قوم کے مال کا چوتھائی کھاتے ہو۔ عدی نے کہا، کیوں نہیں۔ فرمایا، یہ تمہارے دین کی رو سے حلال نہیں۔ عدی نے کہا، اسی سے میں نے جان لیا کہ واقعی آپ ﷺ اللہ کے بھیجے ہوئے رسول ہیں۔ آپ ﷺ وہ بات جانتے ہیں جو جانی نہیں جاتی۔ رسول اللہ ﷺ کا چہرہ فرط مسرت سے جگمگا اُٹھا۔ ان کو ایک انصاری صحابیؓ کے گھر ٹھہرا دیا گیا۔ پھر وہ صبح و شام خدمت نبوی میں آتے اور دین سیکھتے۔ (رکوسی مذہب جو عیسائی اور صابی مذہب کے درمیان کا ایک مذہب ہے)

یہ عدی بن حاتم مشہور زمانہ حاتم طائی کے بیٹے ہیں۔ جن کی سخاوت کے قصے عرب میں بہت مشہور ہیں اور ہمارے (انڈیا۔ پاکستان) میں بھی بہت معروف ہیں۔ وہ محمد ﷺ کی نبوت سے پہلے انتقال کر گئے تھے۔

عدی بن حاتمؓ کہتے ہیں میں ایک دن رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک آدمی آیا اور اس نے فقر و فاقہ کی شکایت کی۔ پھر دوسرا آدمی آیا اس نے ڈاکہ زنی کی شکایت کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''اے عدی! تم نے حیرہ دیکھا ہے (حیرہ یمن میں ہے) اگر تمہاری زندگی لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ ایک عورت حیرہ سے اونٹ پر ہودج میں سوار آئے گی۔ خانہ کعبہ کا طواف کرے گی اور اسے اللہ کے سوا کسی کا خوف نہ ہوگا اور اگر تمہاری زندگی لمبی ہوئی تو تم کسریٰ کے خزانے فتح کرو گے۔ اگر تمہاری زندگی لمبی ہوئی تو تم دیکھو گے کہ آدمی مٹھی بھر کر سونا چاندی نکالے گا اور ایسے آدمی کو تلاش کرے گا جو اسے قبول کرے تو کوئی قبول کرنے والا نہ ہوگا۔ پھر حضرت عدیؓ فرماتے ہیں کہ میں خود ان لوگوں میں تھا جنہوں نے کسریٰ بن ہرمز کے خزانے فتح کیے اور اسے نبی کریم ﷺ کے کہے ہوئے وہ الفاظ یاد آئے ''تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھ لو گے کہ ابوالقاسم نے فرمایا کہ لوگ سونا لے کر نکلیں گے اور کوئی لینے والا نہ ہوگا۔'' کہتے ہیں وہ عمر بن عبدالعزیز کا دور تھا کہ لوگ زکوٰۃ لیے پھرتے تھے اور کوئی زکوٰۃ لینے والا نہ ملتا تھا۔

غزوۂ تبوک

ابھی معرکہ موتہ جو رومن امپائر سے ہوا تھا اس کو ایک ہی سال ہوا تھا کہ قیصر روم نے سرحد شام پر فوجی تیاریاں شروع کر دیں اور اس کے ماتحت غسانی اور دوسرے عرب سرداروں نے بھی فوجیں اکٹھی کرنی شروع کر دیں۔ آپ ﷺ کو بھی یہ خبریں ملیں اور آپ ﷺ نے فوراً ہی اس عظیم الشان سلطنت سے ٹکرانے کا فیصلہ کر لیا اور اس فیصلہ کی وجوہات تھیں، نمبر ایک کہ عرب کی دَم توڑتی ہوئی جاہلیت جس پر حنین میں ضرب لگائی جا چکی تھی۔ وہ پھر سے زندہ ہو جاتی، دوسرے یہ کہ مدینہ کے منافقین جو ابو عامر راہب سے ملے ہوئے تھے اور غسان کے عیسائی بادشاہ اور قیصر کے ساتھ اندرونی ساز باز رکھتے تھے اور منافقین کی مسجد ضرار ان کا اڈہ تھی۔ وہ مسلمانوں کی کمزوری یا ناکامی کی صورت میں فوراً عبداللہ بن ابی کو سردار چن لیتے اور مسلمانوں کا اتنے برسوں کا کام اور قربانیاں ضائع ہو جاتیں۔ دین اسلام کے لیے جگہ مشکل ہو جاتی۔ تیسرے یہ کہ قیصر روم جس کا دبدبہ فارس کے کسریٰ کو شکست دینے کے بعد بہت بڑھ گیا تھا۔ دور و نزدیک کے عرب قبائل اس کے ساتھ تھے، وہ مدینہ پر چڑھ دوڑتا اور دین اسلام کی شمع بجھنے کا بہت زیادہ امکان تھا۔ اس وجہ سے نبی ﷺ نے فیصلہ کر لیا کہ جو بھی وسائل موجود ہیں، ان سب کو لے کر اس سے پہلے اس کے سرحدی علاقے میں پہنچ جائیں۔

اس غزوہ کا دوسرا نام جیش العسرۃ بھی کہا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے جب جنگ کا اعلان عام کر دیا اور لوگ جوق در جوق شرکت کے لیے دور دور سے آنے لگے تو ان

سب کے لیے سواری کا انتظام کرنا، اسلحہ کا انتظام کرنا اور ان کے کھانے پینے کا انتظام کرنا بڑا مشکل کام تھا۔ آپ ﷺ کے اعلان عام پر 30000 افراد جمع ہو گئے۔

غزوۂ تبوک کے لیے فنڈ ریزنگ

محمد ﷺ نے فرمایا ''من جهز جيش العيسرة فله الجنة (بخاری)
(ترجمہ: جو کوئی اس لشکر کے لیے ضروری اسباب فراہم کرے گا، اس کے لیے جنت ہے۔)
یہ سن کر صحابہؓ میں مسابقت شروع ہو گئی۔ ہر کوئی اپنی بساط کے مطابق زیادہ سے زیادہ لے کر آ رہا تھا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ اپنے گھر کا کل اثاثہ حتیٰ کہ کیلیں تک اکھاڑ کر لے آئے کہ شاید سامان میں کہیں ضرورت پڑ جائے۔ حضرت عمر فاروقؓ اپنے گھر کا آدھا مال اُٹھا کر لے آئے، ہر چیز کا آدھا آدھا کر دیا۔ آدھا گھر پر چھوڑ دیا اور آدھا لے آئے اور جب یہ معلوم ہوا کہ ابوبکر نے تو سب کا سب نذر کر دیا ہے تو بول اُٹھے۔ اے ابوبکر آپ سے کوئی آگے نہیں جا سکتا۔

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ 10 اوقیہ سونا، 100 اوقیہ چاندی لے کر، حضرت عاصم بن عدی 100 وسق کھجوریں لے کر آئے اور حضرت عثمان غنیؓ نے اپنی دولت کے دہانے کھول دیئے۔ 200 اونٹ اور 200 اوقیہ چاندی خاص کی پھر مزید 100 اونٹ مع ساز و سامان حاظر کئے پھر 1000 دینار حاضر کیے۔ حضرت عثمانؓ کی اس فیاضی نے رسول اللہ ﷺ کے چہرہ پر خوشی کی لہر دوڑا دی۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''اے اللہ! آپ عثمان سے راضی ہو جایئے، میں بھی راضی ہوں۔ اس کے بعد عثمان کو کوئی عمل نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

غرباء کا جذبہ سخاوت

حضرت ابو عقیل انصاری غریب صحابی ہیں، ساری رات ایک یہودی کے کھیت میں پانی دیتے ہیں، 4 سیر کھجوریں اُجرت میں ملتی ہیں، آپ دو سیر گھر والوں کے لیے اور دو سیر حضور ﷺ کے پاس لاتے ہیں مگر وہ عطیات کے ڈھیر کے پاس کھڑے ہو کر جھجک رہے ہیں کہ حضور ﷺ ان کو اپنے پاس بلاتے ہیں، ان کی کہانی سن کر کہتے ہیں ابو عقیل کی کھجوریں پورے سامان پر بکھیر دو۔ منافقین مذاق اُڑاتے تھے، یہ چند کھجوروں سے قیصر کی مملکت فتح کرنے نکلے ہیں جو زیادہ لاتے ان کے لیے کہتے کہ یہ ریا کار ہیں۔

حضرت عباسؓ بہت سا مال لائے۔ حضرت طلحہؓ، سعد بن عبادہؓ اور محمد بن مسلمہ بھی کافی مال لائے، پھر کسی نے ایک یا دو مد صدقہ کیا۔ عورتوں نے بھی اپنے زیورات دیئے، اسی موقع پر جذبہ جہاد سے مخمور گروہ آتا ہے، یہ نہایت غریب لوگ ہیں، اپنی جان لے کر آئے ہیں کہ اسے اللہ کی راہ میں استعمال کر لیا جائے ان کے پاس نہ سواری ہے اور نہ کوئی ہتھیار اور نہ ہی کوئی کھانے پینے کی چیز۔ آقا فرماتے ہیں کہ میرے پاس سواری کا بندوبست نہیں ہے۔ سفر بہت دور کا ہے تقریباً 1000 میل دور ہے۔ اس حالت میں وہ آہ وزاری کرنے لگے، ان کو بکائین کہا جاتا ہے، بکاء کے معنی ہیں رونا۔ اللہ تعالیٰ نے سورۂ توبہ آیت 92 میں ان کا ذکر یوں فرمایا ہے۔ ''جنگ میں شرکت نہ کر سکنے کی صورت میں ان لوگوں پر کوئی مواخذہ نہیں، جنہوں نے آپ ﷺ کو سواریاں بہم پہنچانے کی بات کی تھی۔ آپ ﷺ نے کہا تھا میرے

پاس تو تمہاری سواریوں کے لیے کوئی انتظام نہیں ہے۔ وہ اس حالت میں مجبوراً واپس ہوئے تھے کہ آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔''

منافقین کا کردار

وہ مخلص مسلمانوں کو جنگ سے روک رہے تھے۔ خطرات سے ڈرا رہے تھے۔ سخت بلا کی گرمی کا احساس دلا رہے تھے۔ (سورۂ توبہ آیت 80) ''وہ کہہ رہے تھے اس گرمی میں نہ نکلو، آپ فرما دیجیے، جہنم کی آگ کی گرمی اس سے کہیں زیادہ سخت ہے، کاش ان کو سمجھ ہوتی۔''

اس موقع پر منافقوں کی ایک خفیہ سازشی میٹنگ ''سویلم'' نامی شخص کے گھر ہو رہی تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خبر ملی تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو آگ لگانے کا حکم دیا اور میٹنگ میں شریک لوگ چھت سے کود کر باہر بھاگے۔ ملک میں قحط سالی تھی۔ گرمی کا موسم شباب پر تھا۔ فصلیں پکنے کے قریب تھیں۔ منزل 1000 میل دور تھی۔ سواریاں کم تھیں، ایک اونٹ پر کئی کئی لوگ باری باری سوار ہوتے تھے، مگر جب اپنی بقاء اور آزادی کی جنگ ہو تو یہ مشکلات خاطر میں نہیں لائی جاتیں، اس وقت ترجیح اپنے دین اور اپنی آزادی سالمیت کو دینی چاہیے جو کہ مخلص مسلمانوں نے کیا۔ وہ جذبہ جہاد سے بھرے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صدا پر لبیک کہتے ہوئے جوق در جوق چلے آئے۔ اس وقت پیچھے رہ جانے کے معنی یہ تھے کہ وہ یا تو منافق ہے یا اس کا ایمان کمزور ہے۔

لشکر کی روانگی

رجب 9 ہجری میں نبی ﷺ 30000 مجاہدین کے ساتھ شام کی طرف روانہ ہوئے جن میں سے صرف 10000 سوار تھے۔ حضرت علیؓ کو نبی کریم ﷺ نے اپنے اہل وعیال اور مدینہ کے داخلی انتظام کے لیے مدینہ ہی میں رہنے کا حکم دیا تھا۔ گو کہ مدینہ کے گورنر محمد بن مسلمہ تھے۔ حضرت علیؓ نے شرکت جہاد کی آرزو ظاہر کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''تم اس وقت میرے لیے ایسے ہو جیسے ہارون، موسیٰ کے لیے تھے، ہاں میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوسکتا۔ (بخاری) یہ اعزاز حضرت علی کو عطا ہوا، مدینہ منورہ میں منافقین کی سرگرمیوں کے پیش نظر حضرت علیؓ جیسی قدآور شخصیت اور صاحب بصیرت شخصیت کی انتہائی ضرورت تھی۔ دورانِ سفر ایسا لگتا تھا کہ فلاں شخص نظر نہیں آرہا، کہیں پلٹ نہ گیا ہو، تو حضور ﷺ فرماتے۔ ''اگر اس میں کچھ بھی خیر ہوگی تو وہ تم سے آملے گا، ورنہ بہتر ہوا کہ اس سے نجات مل گئی۔ پھر ایسا ہوا کہ ابوذر کی اونٹنی، ان کو تنگ کرنے لگی، وہ اُتر کر پیدل ہی چل پڑے، اگلی منزل پر قافلہ رکا تو دیکھا کوئی آرہا ہے۔ فرمایا۔ ابوذر ہوں گے۔ قریب آنے پر پتہ چلا کہ وہی تھے۔ آقا ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ ابوذر پر رحم کرے، تنہا چلے گا، تنہا موت آئے گی اور قیامت میں تنہا اُٹھایا جائے گا۔''

حضرت ابوخیثمہؓ مدینہ میں تھے، لشکر جاچکا تھا، خوشحال صحابی ہیں، دو بیویاں ہیں، دیکھتے ہیں گھر آراستہ ہے، دسترخوان پر کھانے چنے ہوئے ہیں۔ ان کا ضمیر ان کو

خبردار کرتا ہے کہ میں اتنے آرام سے اور میرے آقا سخت گرمی میں محوِ سفر ہیں۔ غیرت جوش میں آئی، فوراً سفر جہاد پر نکل کھڑے ہوئے۔ لوگ کسی آنے والے کو دیکھتے ہیں، حضور ﷺ فرماتے ہیں کان ابا خثیمہ۔ یہ تو ابوخثیمہ معلوم ہوتے ہیں، ان کو دیکھ کر حضور ﷺ خوش ہوتے ہیں۔

مدائن صالح سے گزر

اسی سفر میں تباہ شدہ بستی قوم ثمود کی عذاب شدہ بستی حجر ''مدائن صالح'' کی بستیوں سے گزرتے ہیں۔ آپ ﷺ نے حکم دے دیا کہ اس بستی سے تیزی کے ساتھ گزرو، جو پہلے آ گئے تھے، اُنہوں نے کنویں سے پانی نکال کر آٹا بھی گوندھ لیا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا ''آٹا جانوروں کو کھلا دو اور پانی پھینک دو۔'' پھر آپ ﷺ نے اپنا سر ڈھکا اور تیزی سے وہاں سے گزر گئے۔ (بخاری)

اس طرح ہم کو یہ پیغام ملا کہ ایسی عذاب شدہ بستیوں کی سیر کے لیے ہرگز نہ جایا جائے اگر تحقیقی کام کے لیے جانا بھی ہو تو وہاں کی کوئی چیز استعمال نہ کی جائے۔

تبوک کا چشمہ

پھر جب تبوک کے قریب پہنچے تو آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''جب تم ''عین تبوک'' پہنچ جاؤ تو کوئی اس میں سے پانی نہ لے۔ مگر جب حضور ﷺ وہاں پہنچے تو وہاں وہ آدمی پہلے پہنچ چکے تھے جب ان سے پوچھا گیا کہ پانی لیا تھا، تو اُنہوں

نے ہاں میں جواب دیا۔ حضور ﷺ نے ناراضگی کا اظہار کیا۔ وہ چشمہ نہایت چھوٹا تھا، بہت تھوڑا پانی تھا، حضور ﷺ نے کچھ پانی لے کر اس سے اپنا ہاتھ منہ دھویا اور پھر وہ پانی کا برتن چشمہ میں اُنڈیل دیا۔ اس کے بعد چشمے سے خوب پانی نکلنے لگا اور پورے لشکر نے سیر ہو کر پانی پیا اور اس سے فائدہ اُٹھایا۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''اے معاذ اگر تمہاری زندگی دراز ہوئی تو تم دیکھو گے کہ یہ پورا علاقہ سرسبز و شاداب ہوگا، اور بہت زیادہ آباد ہوگا۔ (مسلم)

چنانچہ حضور ﷺ کی پیشگوئی پوری ہوئی اور جو کوئی آج تبوک جاتا ہے تو تصور نہیں کر سکتا کہ یہ علاقہ کبھی صحرا رہا ہوگا۔ اتنا سرسبز و شاداب علاقہ ہے۔

راستے میں ایک جگہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''آج رات تم پر سخت آندھی چلے گی، کوئی کھڑا نہ رہے اور اپنے جانور کو مضبوطی سے باندھ لے۔ چنانچہ سخت آندھی چلی، ایک شخص کھڑا ہو گیا، ہوا نے اسے اُٹھا کر طے کی دو پہاڑیوں کے پاس پھینک دیا۔ (مسلم) اس سفر میں سخت گرمی تھی، مسلمانوں کو پیاس کی تنگی ہوئی تو اونٹ ذبح کرنے پڑے تا کہ اس کی آنتوں اور پیٹ سے پانی نکالا جا سکے۔

30000 مردان جنگی، اونٹوں کی اتنی کمی تھی کہ ایک اونٹ پر 18 آدمی باری باری سوار ہوتے تھے۔ کھانے کی بھی سخت تنگی تھی، اس لیے درختوں کے پتے کھانے پڑتے، جس سے ان کے ہونٹ سوج گئے تھے جب لشکر نے پانی کی قلت کا تذکرہ کیا تو حضور ﷺ نے دعا فرمائی اور بادل آ گئے۔ اور بارش ہوئی جس سے لوگوں نے وافر پانی جمع بھی کر لیا، اسی لیے اس غزوہ کا نام ''جیش العسرۃ'' (تنگی کا لشکر) پڑ گیا۔ مگر اللہ تعالیٰ نے اس مشکل سفر کا بہترین بدلہ دیا کہ جب وہاں لشکر پہنچا تو دور دور

رومیوں کا کوئی لشکر موجود نہ پایا۔ ایک ماہ کی مسافت طے کر کے یہ لشکر پہنچا تھا اور اب کسی سے دو بدو جنگ کرنے کی نوبت نہیں آئی۔ واقعہ یہ تھا کہ قیصر نے اجتماع افواج شروع کیا تھا لیکن جب حضور ﷺ اس کی تیاریاں کرنے سے پہلے ہی مقابلہ پر پہنچ گئے تو اس نے سرحد سے فوجیں ہٹانے کے سوا کوئی چارہ نہ پایا۔ غزوۂ موتہ میں وہ 3000 اور ایک لاکھ کے مقابلے کی جو شان دیکھ چکا تھا، اس کے بعد اس میں اتنی ہمت نہ تھی کہ خود نبی ﷺ کی قیادت میں جہاں 30000 فوج آ رہی ہو، وہاں وہ لاکھ دو لاکھ آدمی لے کر میدان میں آ جاتا۔ اس طرح مسلمانوں کو جو اخلاقی فتح ہوئی، اس کو حضور ﷺ نے کافی سمجھا اور سرحد شام سے گزر کر اندرون کے علاقے میں داخل نہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے وہاں 20 دن قیام کیا اور چاہا کہ زیادہ سے زیادہ حربی اور سیاسی فوائد حاصل کر لیں۔ اس سلسلے میں دومۃ الجندل کی عیسائی رئیس اکیدر بن عبدالملک کندی ایلہ کے رئیس یوحنا اور دوسرے قبائل مقنا، جذبہ، اذرخ کے عیسائی سرداروں سے جزیہ دینے اور مدینہ کے تابعدار بننے پر معاہدہ کر لیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اسلامی اقتدار رومی سلطنت کی سرحد تک پہنچ گیا اور سلطنت روم سے مسلسل لڑائیاں نہ لڑنی پڑیں اور عرب قبائل زیر نگیں آ گئے۔ اس فتح بلا جنگ نے عرب میں ان لوگوں کی کمر توڑ دی جو جاہلیت قدیمہ کی بحالی کی آس لگائے بیٹھے تھے۔ خواہ وہ اعلانیہ مشرک ہوں یا اسلام کے پردے میں منافق بنے ہوئے ہوں۔

تبوک کے مجاہد ذوالبجادین

قبیلہ مزنیہ کا نوجوان عبدالعزیٰ فتح مکہ کے بعد قبول اسلام کرتا ہے۔ حضور پاک ﷺ کی مدینہ واپسی ہو چکی ہے۔ اپنے چچا سے ذکر کرتا ہے، وہ نہایت ناراض ہوتے ہیں۔ تمام چیزیں اس سے چھین لیتے ہیں جو اس کی ملکیت میں ہیں، یہاں تک کہ اس کے کپڑے بھی اُتروا لیتے ہیں۔ ان کی ماں ان کو ایک کمبل دیتی ہے، جس کے دو ٹکڑے کر کے ایک سے ستر ڈھانپتے ہیں اور دوسرے سے اوپری جسم، جہاد کا حکم سن چکے ہیں۔ جذبہ جہاد کے نشے سے مخمور ہیں۔ مدینہ پہنچتے ہیں، اپنی کہانی سناتے ہیں۔ حضور ﷺ فرماتے ہیں، تمہارا نام عبداللہ ہے اور لقب ''ذوالبجادین'' ہے۔ ان کو مجاہدین کے قافلے میں شامل کر لیا جاتا ہے جو اسلام کی سربلندی کے لیے اپنا گھر، اپنے رشتہ دار، اپنا وطن، اپنا مال سب چھوڑ کر آئے ہیں۔

حضور ﷺ سے درخواست کرتے ہیں دعا کیجیے کہ مجھے شہادت نصیب ہو جائے۔ حضور ﷺ دعا کے لیے ہاتھ اُٹھاتے ہیں، ''یا اللہ میں اس کا خون دشمنوں پر حرام کرتا ہوں۔'' اُنہوں نے کہا۔ ''حضور! شہادت کی تمنا ہے۔'' آقا نے فرمایا۔ ''انسان جہاد کی راہ میں طبعی موت بھی مرے تو شہید ہوگا۔ ابھی قافلہ راستے ہی میں ہے کہ ان کو بخار ہو گیا اور اسی حالت میں وفات ہو گئی۔ رات کے اندھیرے میں قبر تیار ہوتی ہے، آقا خود قبر میں اُترتے ہیں، اپنے ہاتھوں سے ان کو دفن کرتے ہیں، پھر دعا فرماتے ہیں۔ ''اے اللہ میں آج شام تک اس سے خوش تھا، آپ بھی راضی ہو جائیے۔'' تمام صحابہؓ اس دعا پر ان کے لیے رشک کرنے لگے۔

خطبۂ تبوک (اول)

تبوک پہنچ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مثالی اور بلیغ خطبہ دیا۔ 50 سے زائد فقروں پر مشتمل یہ خطبہ فصاحت و بلاغت کا شاہکار ہے اور جوامع الکلم کا نمونہ بھی ہے۔ ایک ایک فقرہ دل میں اُترتا چلا جاتا ہے۔ ہم اس کے کچھ فقرے نمونے کے طور پر پیش کر رہے ہیں۔

اَمَّا بَعْدُ فَاِنَّ اَصْدَقَ الْحَدِیْثِ کِتَابُ اللّٰہِ (سب سے بہتر کلام اللہ کی کتاب ہے)

وَخَیْرُ السُّنَنِ سُنَّۃُ مُحَمَّدٍ (سب سے بہترین سنت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے)
وَاَشْرَفُ الْحَدِیْثِ ذِکْرُ اللّٰہ (سب سے باعظمت بات اللہ کا ذکر ہے)
وَخَیْرُ الْاُمُوْرِ عَوَازِمُھَا (سب سے بہتر کام پختگی کے ساتھ کیے جانے والے کام ہیں)
وَشَرُّ الْاُمُوْرِ مُحْدَثَاتُھَا (سب سے بدترین چیزیں بدعتیں ہیں)
وَخَیْرُ الْعِلْمِ مَانَفَعَ (سب سے بہتر علم وہ ہے جو نفع بخش ہو)
وَشَرُ الْعَمٰی عَمَی الْقَلْبِ (سب سے بدتر اندھاپن دل کا اندھاپن ہے)
وَالْیَدُ الْعُلْیَا خَیْرٌ مِّنَ الْیَدِ السُّفْلٰی (اوپر والا ہاتھ نیچے والے ہاتھ سے بہتر ہے)
وَمَا قَلَّ وَ کَفٰی خَیْرٌ مِمَّا کَثُرَ وَاَلْھٰی (جو مال کم اور کافی ہو، وہ غافل کر دینے

والے زیادہ مال سے بہتر ہے)

وَشَرُّ الْمَعْذِرَةِ حِيْنَ يَحْضُرُ الْمَوْتِ

وہ معذرت (توبہ) سب سے بری ہے جو موت کے حاضر ہونے کے وقت ہو۔

وَشَرُّ النَّدَامَةِ يَوْمِ الْقِيٰمَةِ

سب سے بری ندامت وہ ہے جو قیامت کے دن ہوگی۔

خطبۂ تبوک (دوم)

وَخَيْرُ الْغِنٰى غِنَى النَّفْسِ (سب سے بہتر مالداری نفس کا غنا ہے)

وَخَيْرُ الزَّادِ التَّقْوٰى (سب سے بہتر توشہ تقویٰ ہے)

وَرَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللهِ (دانائی کا اونچا درجہ خوف خدا ہے)

وَالْإِرْتِيَابُ مِنَ الْكُفْرِ (شک کفر کی ایک قسم ہے)

وَالْخَمْرُ جِمَاعُ الْإِثْمِ (شراب مجموعہ گناہ ہے)

شَرُّ الْمَكَاسِبِ كَسْبُ الرِّبَا (سب سے بدتر کمائی سود کی کمائی ہے)

قِتَالُ الْمُؤْمِنِ كُفْرٌ (مومن سے جنگ کرنا کفر تک پہنچا دیتا ہے)

وَمَنْ يَّغْفِرْ يَغْفِرِ اللهُ لَهٗ (جو دوسروں کو معاف کرتا ہے اللہ اس کو معاف کر دے گا)

اَسْتَغْفِرُ اللهَ لِيْ وَلَكُمْ (میں اللہ سے اپنے لیے اور تم سب کے لیے مغفرت مانگتا ہوں)

تبوک سے واپسی

تبوک سے واپسی پر پورا لشکر آگے جا رہا تھا۔ حضور ﷺ پیچھے پیچھے تھے کہ ایک گھاٹی سے گزر ہوا۔ آپ ﷺ کے ساتھ عمار اور حذیفہ تھے۔ اتنے میں ایک جانب سے 12 سوار منہ پر کپڑا باندھے نمودار ہوئے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے حضرت حذیفہؓ کو اشارہ کیا۔ اُنہوں نے اپنی ڈھال ان کے جانور کے منہ پر ماری، اس سے جانور بدکا اور وہ سب بھاگ کھڑے ہوئے، لشکر میں شامل ہو گئے۔ کہیں پہچان نہ لیے جائیں اور جا کر پھر آپ ﷺ نے ان سب کے نام حضرت حذیفہؓ کو بتائے اور راز رکھنے کو کہا۔ اسی لیے ان کو ''صاحب سر الرسول'' (رسول اللہ ﷺ کا رازدار) بھی کہا جاتا ہے۔ وہ سب منافقین تھے جو حضور ﷺ کے تبوک کے معرکے میں موت کا یقین کیے بیٹھے تھے، اب جو وہ شان اور سلامتی سے واپس آ رہے تھے تو اُنہوں نے خود قتل کرنے کی کوشش کی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو خبر دے دی تھی۔ آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے ان سے کوئی انتقام نہ لیا۔ مگر سورۂ توبہ آیت 80 کی آیتیں اُتریں کہ تم چاہو ان کے لیے 70 مرتبہ بھی معافی مانگو گے مگر اللہ ان کو ہرگز معاف نہ کرے گا۔ اس لیے کہ اُنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کیا ہے۔ اس کے بعد حضور ﷺ نے منافقین کی نماز جنازہ پڑھانی چھوڑ دی اور کہتے تم جس سے چاہو نماز پڑھوا لو اور حضرت عمرؓ بار بار نام پوچھتے تھے مگر حذیفہ کیسے رسول کا راز بتا دیتے۔ آخر

حضرت عمرؓ نے پوچھا۔ اچھا اتنا بتا دو کہ میرا نام تو اس میں نہیں ہے۔ تو حذیفہ نے نہیں میں جواب دیا۔ سبحان اللہ۔ حضرت عمرؓ کو اپنے ایمان کی کتنی فکر تھی۔ پھر سورۂ توبہ آیت 73 نازل ہوئی۔ ''اے نبی کفار اور منافقین کا پوری قوت سے مقابلہ کرو اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آؤ۔ آخر ان کا ٹھکانہ جہنم ہے اور یہ بدترین جائے قرار ہے۔'' اس کے بعد ہی حضور ﷺ نے مسجد ضرار کو ڈھانے کا حکم دیا۔ ''ضرار'' کے مطلب ہیں ضرر (نقصان پہنچانے والی) منافقین نے ایک مسجد قبا میں بنائی تا کہ وہاں اپنی سازشیں کریں، جمع ہوں اور رسول اللہ ﷺ سے کہا۔ آپ اس میں نماز پڑھ کر اس کا افتتاح کر دیجیے۔ حضور ﷺ نے اس کو تبوک سے واپس آنے تک ٹال دیا، وہ لوگ چاہتے تھے کہ مسلمانوں میں وہ گھلے ملے رہیں اور ان کی عزت بنی رہے اور باہر کے مندوب ان کی مسجد میں آئیں اور وہاں بیٹھ کر ان کے ساتھ مسلمانوں کے خلاف سازشیں کریں۔ رسول اللہ ﷺ کے حکم سے وہ مسجد مسمار کر دی گئی اور اب ان کے ساتھ نرم سلوک کرنے سے منع کر دیا گیا۔ پہلے تو جانتے بوجھتے وہ مجاہدین کا مذاق اُڑاتے ہیں خود حضور ﷺ کا مذاق اُڑاتے ہیں کہ تبوک کے راستے میں حضور ﷺ کی اونٹنی گم ہوگئی۔ مسلمان اُن کو ڈھونڈنے لگے تو اُنہوں نے خوب ہنسی اُڑائی، لو اپنی اونٹنی کا پتہ نہیں۔

منافقین ہر زمانے اور ہر دور میں موجود ہوتے ہیں۔ محمد ﷺ کے اسوہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ حکومتوں اور اداروں میں موجود منافقین کے بارے میں آگاہی حاصل کی جائے اور ان کے شر سے بچنے کی تدبیر اختیار کی جائیں ان کو مشوروں میں شامل نہ کیا جائے، عدالتوں میں ان کی شہادت غیر معتبر ہو، اسلامی حکومت میں ان غداروں،

منافقوں کو اونچے اونچے عہدے نہ دیئے جائیں۔ اعلانیہ ان کے کاموں کی ملامت کی جائے کیونکہ جو قوم اپنے اندر منافقوں اور غداروں کی پرورش کرتی ہے اور ان کو عزت و تحفظ کے ساتھ بٹھایا جاتا ہو، ان کے اخلاقی زوال اور کامل تباہی یقینی ہے۔ ایسے لوگوں کو عزت و احترام دینے کے معنی یہ ہیں کہ اور ہزاروں آدمی غداری و خیانت پر دلیر ہو جائیں اور یہ خیال عام ہو جائے کہ اس سوسائٹی میں اخلاص، خیر خواہی اور صداقت ایمانی کچھ ضروری نہیں ہے۔

تبوک میں شریک نہ ہونے والے 3 مخلص مسلمانوں کا سوشل بائیکاٹ

حضور ﷺ کامیاب و کامران تبوک سے واپس آئے اور مسجد نبوی میں نماز پڑھ کر بیٹھ گئے۔ حضور ﷺ کا طریقہ یہ تھا کہ کہیں بھی سفر پر جائیں، واپسی میں مسجد نبوی ﷺ میں دو رکعت نماز ادا کرتے پھر اپنے گھر جایا کرتے تھے۔

حضور ﷺ کے پاس معذرت پیش کرنے والوں کا تانتا بندھ گیا اور آپ ﷺ سب کے عذر قبول فرماتے رہے۔ یہ کوئی 80 منافقین تھے۔ حضرت کعب بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ جب میری باری آئی تو میں نے کہا میں سچ بولوں گا اور میں نے کہہ دیا میرے پاس کوئی عذر نہیں ہے۔ حضور ﷺ نے کہا اچھا الگ بیٹھ جاؤ۔ میرے قبیلے کے لوگوں نے کہا تم بھی کوئی بات بنا دیتے۔ تم نے قبیلہ کو ذلیل

کر دیا۔ میں نے سوچا میں اُٹھوں مگر اتنے میں دو اور صحابہؓ آئے اور اُنہوں نے بھی میری طرح سچ بولا۔ بس میں اس پر جم گیا۔ حضور ﷺ کا حکم آیا کہ ان تینوں کا سوشل بائیکاٹ کیا جائے یعنی کوئی ان سے بات نہ کرے۔ اب وہ دونوں تو گھر بیٹھ رہے۔ میں مسجد جاتا اور نماز پڑھتا۔ حضور ﷺ کی طرف دیکھتا مگر آپ ﷺ دوسری طرف دیکھ رہے ہوتے۔ مدینہ اپنی وسعت کے باوجود مجھ پر تنگ ہو گیا۔ آخر میں اپنے دوست ابو قتادہؓ کے گھر گیا، بتاؤ کیا میں مخلص نہیں ہوں۔ میں نے سوائے بدر کے سب جنگیں حضور ﷺ کے ساتھ نہیں لڑیں۔ اُنہوں نے کہا تو بس اتنا کہ اللہ اور اس کا رسول ﷺ بہتر جانتا ہے۔ وہ مایوس ہو کر گھر آ گئے۔ 40 دن ہو گئے، اس دوران شاہ غسان کا خط میرے پاس آیا کہ تمہارے صاحب نے تمہارے ساتھ ناروا سلوک کیا ہے، تم کوئی عام آدمی نہیں ہو۔ ہمارے پاس آ جاؤ، ہم تمہاری قدر کریں گے۔ یہ خط دیکھ کر میں پریشان ہو گیا، ایک اور آزمائش آ گئی۔ فوراً اس خط کو آگ میں جھونک دیا۔ پھر 40 دن بعد حکم آیا کہ بیوی سے بھی قطع تعلق کر لو۔ پھر میری بیوی اپنے میکے چلی گئی۔ اب میں تھا اور میری تنہائیاں، بالآخر 50 ویں دن وحی اُتری۔

'' حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی ہے۔ نبی پر اور ان مہاجرین و انصار پر جنہوں نے اپنی مشکل کی گھڑی میں نبی کا ساتھ دیا۔ اور ان تینوں پر بھی اللہ نے رحمت کی نظر فرمائی۔ جن کا فیصلہ ملتوی کر دیا گیا تھا۔ یہاں تک کہ جب ان پر یہ زمین اپنی وسعتوں کے باوجود تنگ ہو گئی۔ ان کی زندگیاں ان پر دوبھر ہو گئیں اور اُنہوں نے سمجھ لیا کہ اللہ کی پکڑ سے خود اس کی پناہ میں آئے بغیر کہیں اور پناہ نہیں مل سکتی۔ تو پھر اللہ نے ان پر رحم فرمایا تاکہ وہ آئندہ اللہ ہی سے رجوع کیا کریں۔ یقین جانو اللہ بہت معاف کرنے والا بڑا مہربان ہے۔'' (سورۂ توبہ آیت (18/117)

ہر شخص ان کو مبارکباد دینے کے لیے دوڑا چلا آ رہا تھا اور وہ خود دوڑ کر مسجد نبوی پہنچ گئے۔ آقا کا رخ انور چمک رہا تھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ کعب تمہاری زندگی میں تمہاری پیدائش سے لے کر آج تک کوئی بہتر دن آج سے نہیں آیا۔ پھر حضرت کعب نے اپنا تمام مال صدقہ کرنے کے بارے میں پوچھا تو حضور ﷺ نے کہا ''نہیں سب نہیں کچھ صدقہ کرو اور کچھ اپنے لیے رکھو۔''

اس واقعے نے یہ سبق دیا ہے کہ اجتماعی کاموں کے لیے ہر فرد کو اپنی ذمہ داری محسوس کر لینی چاہیے اور عمل کرنا چاہیے اور صداقت و راست بازی ایک مومن کی امتیازی شان ہے۔

ایلاء اور تخییر

9 ہجری ہے۔ آپ ﷺ کی ازواج مطہرات، بے انتہا قناعت پسند اور صبر کرنے والی خواتین تھیں۔ اکثر فقر کا عالم رہتا تھا۔ کبھی ایک مرتبہ محمد ﷺ نے کسی مہمان کے کھانے کا انتظام کرنے کے لیے کسی کو اپنے گھروں کو بھجوایا تو ہر گھر سے یہ ہی جواب آیا کہ سوائے پانی کے اور کچھ نہیں ہے۔ مگر جب کچھ غنیمتیں آئیں تو آپ ﷺ کی ازواج نے بھی نان ونفقہ، لباس اور گھر کے اخراجات کے لیے کچھ وسعت کا مطالبہ کیا مگر محمد ﷺ چونکہ اپنی اور اپنے گھر والوں کے اوپر مہاجرین اور دوسرے فقراء کو ترجیح دیتے تھے، اس لیے آپ ﷺ کو یہ مطالبہ ناگوار ہوا کیونکہ آپ ﷺ یہ مطالبہ پورا نہ کر سکتے تھے اور آپ ﷺ نے قسم کھالی کہ وہ ایک مہینہ تک ان سب سے نہ ملیں گے۔ گویا ہمارے

زمانے کے لحاظ سے یہ ایک طرح کی عارضی علیحدگی تھی۔ جس میں فریقین کو اپنے مطالبے پر سوچنے کا وقت مل گیا۔ حضرت عمرؓ کو پتہ چلا تو پہلے تو جا کر اُنہوں نے اپنی بیٹی کو ڈانٹا، پھر اُم سلمہ جو ان کی قریبی رشتہ دار تھیں، ان سے جا کر بات کی کہ تم لوگ رسول اللہ ﷺ سے وہ کیوں مانگتی ہو جو ان کے پاس نہیں ہے۔ اُم سلمہ نے جواب دیا عمر تم رسول اللہ ﷺ کے ہر کام میں دخل دیتے ہو، اب بیویوں کے معاملے میں بھی بولنے آ گئے۔ یعنی یہ نجی معاملہ ہے۔ وہ خاموش ہو گئے۔ پھر رسول اللہ ﷺ کے پاس گئے۔ دیکھا ایک کمرہ میں تنہا بیٹھے ہیں۔ صحابہ کرام میں شور ہو گیا تھا کہ رسول اللہ ﷺ نے تمام بیویوں کو طلاق دے دی ہے۔ کئی مرتبہ کی درخواست کے بعد ملنے کی اجازت ملی کیونکہ آپ ﷺ اس خلوت میں کسی کی مداخلت پسند نہ کر رہے تھے۔ خیر جب اندر آئے تو دیکھا کہ آپ ﷺ غمزدہ ہیں۔ جسم اقدس پر بورے کے نشان پڑ گئے ہیں۔ سر کے نیچے چمڑے کا ایک تکیہ ہے۔ ایک طرف مٹی کے برتن میں جَو کے کچھ دانے ہیں، پانی کا ایک مشکیزہ ہے۔ یہ دیکھ کر آپؓ زاروقطار رونے لگے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''عمر کیوں روتے ہو۔ عرض کیا اللہ کے دشمن قیصر و کسریٰ تو اطلس و دیبا اور ریشم کے لباس زیب تن کریں اور آرام دہ بستروں میں آرام کریں اور اللہ کے حبیب آپ ﷺ اس حال میں رہیں۔ آپ ﷺ امت کے لیے اپنے لیے مال میں کشادگی عطا فرمایئے۔ آقائے دو جہاں اُٹھ کر بیٹھ گئے اور فرمایا۔ ''ابن خطاب کیا تم اس پر راضی نہیں ہو کہ ان کے لیے دنیا ہو اور ہمارے لیے آخرت۔ وہ دنیا کے مزے لوٹ لیں اور ہمارے لیے آخرت کی ابدی نعمتیں۔'' (مسلم)

اس کے بعد وہ مسلسل گفتگو کرتے رہے یہاں تک کہ آقا کا ملال دور ہو گیا اور آپ ﷺ 29 دن کے بعد اپنی ازواج کے پاس گئے کیونکہ مہینہ 29 کا تھا۔ اس کو شریعت کی اصطلاح میں ایلاء کہتے ہیں۔ پھر سورۂ احزاب کی 28-29 آیتیں نازل

ہوئیں۔(اے نبی اپنی بیویوں سے کہو کہ اگر تم دنیاوی زندگی اور اس کی زینت چاہتی ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ تحفے دے کر رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ اور اس کے رسول اور آخرت کی طلبگار ہو تو یقین جانو اللہ نے تم میں سے نیک خواتین کے لیے شاندار انعام تیار کر رکھا ہے۔''

حضرت عائشہ صدیقہؓ نے سب سے پہلے عرض کیا کہ ''میں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کو اختیار کرتی ہوں۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اپنے والدین سے مشورہ کر لو۔ مگر اُنہوں نے کہا ''میں اس بات پر مشورہ کی ضرورت محسوس نہیں کرتی۔ یہ میرا فیصلہ ہے۔'' اور پھر تمام ازواج نے یہی جواب دیا کہ ان کو اللہ کے رسول کی رفاقت اور آخرت عزیز ہے۔(مسلم) ایلاء اور تخیر کا یہ واقعہ امہات المومنین کا رسول اکرم ﷺ سے محبت، ایمان کامل اور زہد و تقویٰ کی اعلیٰ مثال ہے۔

نجاشی کی غائبانہ نماز جنازہ

سہیلیؒ کہتے ہیں کہ رجب 9 ہجری میں نجاشی کی موت حبشہ میں واقع ہوئی۔ محمد ﷺ نے اسی دن مدینہ میں لوگوں کو خبر دی کہ تمہارے بھائی اصحمہ بن حر کی حبشہ میں وفات ہوگئی ہے۔ بخاری میں حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو جمع کیا اور غائبانہ نماز جنازہ پڑھی۔ 4 تکبیریں پڑھیں۔ پہلی تکبیر کے بعد ثناء دوسری تکبیر کے بعد درود اور تیسری تکبیر کے بعد دعائے مغفرت پڑھی۔ نماز جنازہ مرحوم کے لیے مغفرت مانگنے کا سنت کا اجتماعی طریقہ ہے۔

رئیس المنافقین عبداللہ بن اُبی کی وفات

شوال 9 ہجری کے اہم واقعات میں منافقین کے سردار کی موت بھی ہے۔ وہ ایک نہایت بلند قامت اور وجیہہ شخص تھا۔ ذہانت سے بھی نوازا گیا تھا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدینہ آمد سے پہلے اوس اور خزرج اس کی سرداری پر متفق ہو چکے تھے۔ مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب مدینہ آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ کے بے تاج بادشاہ بن گئے۔ اس کے سارے خواب چکنا چور ہو گئے۔ اس کے جیسے بہت سے لوگ جو دل سے اسلام کو پسند نہیں کرتے تھے، مگر سوسائٹی کے دباؤ کی وجہ سے اُنہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ وہ مسلسل مسلمانوں میں گھلے ملے رہتے اور سادہ لوح مسلمانوں کا مذاق اُڑاتے اور یہاں تک کہ مذاق اُڑانے میں اُنہوں نے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی نہیں چھوڑا۔ وہ مسلمانوں کے درمیان رہتے ہوئے مسجد نبوی نماز پڑھنے بھی آتے اور بے دلی سے صدقات و خیرات بھی دیتے مگر مسلمانوں کی فتح سے ان کے دل پر آرے چلتے اور ان کے نقصان سے وہ نہایت خوش ہوتے۔ اس نے اپنی جماعت منافقین کے ساتھ مل کر ہمیشہ نقصان پہنچایا۔ چاہے جنگی نقصان ہو یا معاشرتی اور معاشی نقصان۔ ہم سب جنگ المصطلق کا واقعہ تفصیل سے پڑھتے آئے ہیں۔ اس کے بعد اور بھی بہت سے واقعات اور آخر میں مسجد ضرار بنانے کا فیصلہ اور اس کی تعمیر کر دینا یعنی اجتماعی شر و فساد کا اڈہ مسلمانوں کے خلاف جو مسلمانوں کے خلاف بنایا گیا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ہر موقع پر عبداللہ بن ابی کو نظر انداز کرتے رہے۔ لوگ بھی سفارش کرتے رہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کا تاج و تخت

چھن گیا ہے۔ آپ ﷺ اس سے درگزر فرمایئے اور جب آخر میں محمد ﷺ کو قتل کرنے کی سازش کی اور اللہ تعالیٰ نے حضور ﷺ کو بتا دیا اور نام بھی بتا دیئے۔ مسلمانوں کو عزت اور شان و شوکت حاصل ہوگئی اور خارجی دشمن بھی ختم ہو گئے تو اللہ کی طرف سے ان کے لیے سخت اقدامات کرنے کے احکامات آئے۔

عبداللہ بن ابی کا جب انتقال ہوا تو ان کے بیٹے جو اچھے اور مخلص مسلمان تھے۔ اُنہوں نے نبی ﷺ سے ان کا کرتا کفن کے لیے طلب کیا تو آپ ﷺ نے ان کی دلداری کے لیے اپنا کرتہ عنایت فرمایا۔ پھر آپ ﷺ نے نماز جنازہ بھی پڑھائی، گو کہ اس کے جرائم بہت تھے، نماز پڑھانے سے روکنے کے لیے حضرت عمرؓ نے بہت درخواست کی مگر حضور ﷺ نے اپنے خلق عظیم سے کام لیا اور نماز پڑھا دی۔ سورۃ التوبہ آیت 84 میں پھر حکم آیا ''اے پیغمبر! ان منافقین میں سے کوئی مر جائے تو تم اس پر کبھی نماز جنازہ مت پڑھنا اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہونا۔ یقین جانو یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ساتھ کفر کا رویہ اپنایا اور اس حالت میں مرے کہ وہ نافرمان تھے۔''

عام الوفود

9ہجری میں بہت سے وفود مدینہ آئے۔ محمد ﷺ نے ان کا بڑا اکرام کیا۔ ان کے ٹھہرنے کا خصوصی انتظام کیا جاتا تھا۔ کسی کے لیے مسجد ہی میں خیمہ لگوایا جاتا تاکہ وہ نماز کا روحانی منظر دیکھیں اور محمد ﷺ کی محفلوں سے مستفید ہوں۔ ہر آنے والا وفد مسلمان ہونے کے لیے نہیں آتا تھا، ان کو تین قسموں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ایک قسم کے وفود وہ تھے جو مسلمان ہونے کے لیے آتے تھے۔ دوسری قسم کے وہ تھے جو مدینہ کی اُبھرتی ہوئی طاقت کے ساتھ صلح کے ساتھ رہنا چاہتے تھے، وہ جزیہ دینے کے لیے آمادہ ہوتے تھے۔ تیسری قسم کے وہ تھے جو نبی ﷺ سے طاقت میں شرکت کرنا چاہتے تھے اور کچھ شرائط کے ساتھ صلح چاہتے تھے۔ ان تمام وفود کا محمد ﷺ کی خدمت میں حاضر ہونا، مسلمانوں کی ایک بڑی کامیابی تھی اور اس کے پیچھے محمد ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی 22 سالہ دن رات کی مسلسل کوششیں تھیں۔ اللہ کی خصوصی مدد تھی کہ اتنے کم مختصر سے وقفے میں ایک بڑا انقلاب عرب میں رونما ہوگیا۔ یہ ایک صریح معجزہ تھا۔ دنیا کی تاریخ میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی اور نہ آئندہ ملے گی۔ وفود 5ہجری سے آنا شروع ہوگئے تھے، مگر 9ہجری میں بہت زیادہ آئے۔ اسی لیے اس سال کو ''عام الوفود'' کہتے ہیں۔ یہ تقریباً 125 تھے جن کا تذکرہ محفوظ ہے۔ مگر ہم طوالت کے پیش نظر چند ہی کا تذکرہ کریں گے۔

وفد عبدالقیس

یہ بحرین سے آئے تھے۔ اس وقت بحرین ایک بڑے رقبہ پر مشتمل تھا، جس میں دمام، ظہران سب شامل تھے، وہاں زیادہ تر عیسائی قبائل تھے اور کچھ بدوی قبائل بھی ساتھ رہتے تھے۔ ان کے آنے سے پہلے نبی ﷺ نے خبر دے دی تھی کہ جلد ہی ایک وفد آنے والا ہے جو مدینہ کے مشرق میں رہنے والے بہترین لوگوں میں ہیں۔ تمام لوگ آتے ہی محمد ﷺ سے ملنے کے شوق میں اونٹوں سے اُترتے ہی حاضر خدمت ہوئے مگر اشج بن قیس سب سے آخر میں ملنے آئے۔ پہلے گھر گئے، نہائے دھوئے صاف کپڑے پہنے پر فیوم لگایا پھر حاضر خدمت ہوئے۔ نبی ﷺ نے فرمایا، ''تمہارے اندر دو خصلتیں ہیں، ''الحلم والاناۃ'' (بردباری اور اطمینان سے عمل کرنا) جو اللہ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں۔ پوچھا۔ کیا یہ میں نے خود بڑھائی ہیں یا اللہ نے مجھ میں ڈالی ہے۔

نبی ﷺ نے فرمایا۔ یہ اللہ نے تمہاری جبلت میں ڈالی ہے۔ تو اُنہوں نے کہا۔ ''اللہ تیرا شکر ہے کہ اللہ نے مجھ کو اس کے ساتھ پیدا کیا۔ (مسلم، بخاری)

یہ 5 ہجری کی بات ہے، اُنہوں نے اسلام سمجھنے کی خواہش ظاہر کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا ''اللہ پر ایمان رکھو اور ایمان کیا ہے کہ تم شہادت دو، نماز پڑھو، روزہ رکھو، زکوٰۃ دو، آپ ﷺ نے حج کا ذکر نہیں کیا، اس لیے کہ حج کے اس وقت احکام نہیں آئے تھے۔ (مسلم بخاری) پھر اُنہوں نے شراب کے متعلق پوچھا اور اس کی ساری

قسموں کو نام بنام پوچھا اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب میں فرمایا۔ ''ہر قسم کی شراب حرام ہے۔ وہ مسلمان ہوئے، ان کے تمام ساتھی مسلمان ہوئے پھر وہ اپنے علاقے میں گئے اور مدینہ سے باہر پہلی مسجد بنائی گئی۔

وفد بنوسعد ابن بکر

حجاز کا وفد حلیمہ سعدیہ کا تعلق بھی اسی قبیلہ سے تھا۔ یہ ہوازن کے قبیلوں میں سے ایک قبیلہ تھا۔ وہ صلح کا معاہدہ کرنے آئے تھے۔ ضمام ابن ثعلبہ ان کا سردار بدوی ہونے کی وجہ سے ان میں ادب و آداب نہیں ہوتے تھے۔ اونٹ مسجد کے اندر تک لے آیا اور کہا۔ ''محمد بن عبدالمطلب کہاں ہیں؟'' عبدالمطلب پورے علاقے کی نہایت معروف شخصیت تھی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا۔ ''میں ہوں، محمد بن عبدالمطلب۔'' اس نے کہا ''میں کچھ سوال کرنا چاہتا ہوں۔ تمہارا بھیجا ہوا وفد آیا اور اس نے کہا اللہ پر ایمان رکھو، اس نے کہا اللہ نے تم کو بھیجا ہے۔ بتاؤ آسمان کس نے بنایا۔ جواب، اللہ نے۔ پوچھا، زمین کس نے بنائی۔ جواب، اللہ نے۔ پوچھا، پہاڑ کس نے بنائے۔ جواب، اللہ نے۔ پوچھا، اب یہ بتاؤ وہ اللہ جس نے آسمان زمین اور پہاڑ بنائے، اس نے تم کو نبی بنا کر بھیجا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں میں اللہ کا بھیجا ہوا نبی ہوں۔'' پھر اس نے تمام اسلام کے ارکان کے متعلق بھی اسی طرح سوالات کیے اور ہر سوال کے بعد پوچھا کیا اللہ نے آپ کو ایسا حکم دیا ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں۔ پھر اس نے پوچھا 5 نمازوں کے علاوہ بھی پڑھنا ہے۔

حضور ﷺ نے کہا اگر تم چاہو۔ اسی طرح روزے، زکوٰۃ اور حج کے لیے بھی سوال کیے اور حضور ﷺ ہر ایک کے جواب میں یہ فرماتے رہے اگر تم چاہو۔ پھر اس نے کہا۔ ''میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں، میں نہ اس میں زیادہ کروں گا اور نہ کم کروں گا۔'' نبی ﷺ نے فرمایا۔ ''اگر وہ اسی پر عمل کرتا رہا تو جنت میں جائے گا۔'' پھر وہ اپنے قبیلے میں واپس گیا، اس نے جا کر قبیلہ میں تبلیغ کی۔ اس کے قبیلے والے اس کی اطاعت کرتے تھے۔ اسی دن پورا قبیلہ اسلام لے آیا اور اپنے بت اُنہوں نے خود توڑ دیئے۔ یہ اس قبیلہ میں نبی ﷺ کے بچپن میں ان کے درمیان پلنے کی برکت تھی کہ پورے قبیلے کو دولت اسلام ملی۔

وفد قبیلہ مزینہ

400 لوگ اسلام قبول کرنے آئے، جب وہ لوگ آئے نبی ﷺ نے کہا پورے 400 لوگوں کی ضیافت کرو۔ اُنہوں نے کہا حضور ﷺ میرے پاس صرف ایک تھیلا ہے۔ حضور ﷺ نے کہا عمر جاؤ اور ان کی ضیافت کرو۔ ٹھیک ہے وہ گھر گئے تو پتہ چلا پورہ کمرہ کھجوروں کے تھیلوں سے بھرا ہوا ہے۔ لگ رہا تھا جیسے کوئی اونٹ کھڑا ہے۔ اُنہوں نے تمام لوگوں کو کھجوریں دیں، لوگ آتے گئے اور اپنے تھیلے بھرتے گئے اور جب واپس چلے تو دیکھا کہ کھجوروں سے کمرہ اسی طرح بھرا ہوا ہے۔ سبحان اللہ۔ یہ نبی ﷺ کا معجزہ تھا۔

وفد بنی عامر بن صعصعہ

بئر معونہ کا حادثہ ان کی وجہ سے ہوا جس میں دھوکہ سے مسلمانوں کو لے جا کر شہید کر دیا گیا تھا۔ ان کے دو آدمی آئے عامر بن طفیل اور ان کا ایک جنگجو اربد تھا، جو نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قتل کے لیے آئے تھے۔ اربد کے ساتھ زہر آلود خنجر تھا۔ ان کا پلان یہ تھا کہ عامر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باتوں میں لگائے گا اور جب وہ محسوس کرے گا، صحیح وقت ہے تو اشارہ دے گا اور اربد ان پر خنجر سے حملہ کر دے گا۔ اُنہوں نے آ کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ اکیلے میں ملنا چاہتے ہیں۔ جس کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انکار کر دیا، تخلیہ نہیں ہوسکتا۔ جب تک تم اسلام نہ لے آؤ۔ پھر وہ باتیں کرنے لگا، عامر نے تین مرتبہ اشارہ دیا مگر اربد نے حملہ نہیں کیا۔ پھر اس نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کچھ شرطیں رکھیں، تم شہر کے امیر بن جاؤ میں قبائلی علاقے کا چارج سنبھال لوں گا۔ دوسری یہ کہ تم اپنے بعد مجھے اپنا خلیفہ بنا دینا۔ تیسرے یہ کہ 1000 نر اور 1000 مادہ گھوڑوں کے ساتھ غطفان کو مدینہ پر چڑھا لاؤں گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تمام شرطیں نامنظور کر دیں اور اللہ تعالیٰ سے دعا کی۔ ''اللھم اکفنی شر عامر بن طفیل'' (اے اللہ! عامر بن طفیل کے شر سے بچانے کے لیے تو کافی ہو جا۔)

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے قبیلے والوں کے لیے دعا مانگی۔ ''اللھم اھد غطفان'' بعد میں عامر اربد سے لڑنے لگا کہ تم نے حملہ کیوں نہیں کیا۔ میں تم کو اشارے دیتا رہا۔ اس نے کہا تم مجھے کچھ مت کہو کہ جب بھی میں نے تمہارے اشارے پر اسے مارنا چاہا، وہ مجھے نظر نہیں آیا اور صرف تم نظر آتے تھے۔ کیا تم کو مار

دیتا۔اس سے نبی ﷺ کی حفاظت کا پتہ چلتا ہے جو اللہ تعالیٰ کر رہا تھا۔ پھر وہ دونوں واپس چلے گئے چونکہ اُنہوں نے رسول اللہ ﷺ کے قتل کی سازش کی تھی، اگلے دن عامر بری بیماری میں مبتلا ہو گیا اور گھوڑے پر واپسی کے راستے میں جاتے ہوئے مر گیا۔ دوسرا آدمی اپنے قبیلے میں گیا، لوگوں نے حضور ﷺ کے متعلق پوچھا اس نے نبی ﷺ کے متعلق بہت بری بری باتیں کیں، ذرا ہی دیر میں بادل آئے، گرج چمک ہوئی اور اس آدمی پر بجلی گر پڑی اور اپنے لوگوں کے سامنے جل کر مر گیا۔

وفد تمیم الداری

فاطمہ بنت قیس بیان کرتی ہیں کہ نبی ﷺ نے سب کو مسجد نبوی میں جمع کیا۔ آپ ﷺ کا چہرۂ مبارک چمک رہا تھا۔آپ ﷺ نے تمیم داری کے بارے میں بتایا۔آپ ﷺ نے بتایا کہ وہ ویسا ہے جو میں نے تمہیں دجال کے بارے میں بتایا ہے۔تمیم ایک عیسائی تھا جو مسلمان ہو گیا تھا۔ نبی ﷺ نے یہ کہانی خود سنائی۔ یہ 30 آدمیوں کا وفد تھا جو مدینہ جانے کے لیے نکلا۔قبیلہ لقم اور جزام کے لوگ ساتھ تھے۔موجوں نے اسے اُٹھا کر کہیں دوسری جگہ پہنچا دیا۔وہ ایک جزیرہ تھا، وہاں ایک بالوں سے بھرا انسان ملا جس نے کہا۔''میں جساسہ'' ہوں۔ وہ سب خوفزدہ ہو گئے۔ پھر وہ اُنہیں ایک اور آدمی کے پاس لے گیا۔اس نے پوچھا کہ تم کون ہو۔اُنہوں نے کہا ہم عرب کے لوگ ہیں۔ اس نے کہا۔ درختوں میں گھرے (وہ آدمی ایک دیوہیکل شکل کا تھا جو زنجیروں میں بندھا تھا) اُنہوں نے بتایا کہ ہم کو 30 دن ہو گئے

ہیں، گھر سے نکلے ہوئے، موجوں نے ہماری کشتی کو توڑ دیا، ہم ایک کشتی میں ہیں اور یہاں پہنچ گئے۔ بیان کے کھجور کے درختوں پر کھجوریں لگتی ہیں۔ طبریہ کے جھیل میں پانی ہے۔ اس چشمہ میں پانی ہے۔ اُنہوں نے کہا ہاں۔ اس نے کہا کچھ دنوں بعد سب بنجر و ویران ہوجائے گا۔ طبریہ کی جھیل خشک ہوجائے گی اور چشمہ عین زہر (شام میں ہے) میں پانی نہ رہے گا۔ پھر اس نے کہا ''اس نبی کے بارے میں بتاؤ جو عرب میں ہے۔ اُنہوں نے بتایا کہ وہ مکہ چھوڑ چکا ہے اور مدینہ آ گیا ہے۔ اس نے پوچھا عربوں نے اس سے لڑائیاں کرلیں؟ اُنہوں نے کہا۔ ہاں۔ اور وہ جیت رہا ہے۔ آس پاس کے لوگ مسلمان ہو رہے ہیں۔ اس آدمی نے کہا لوگوں کو چاہیے کہ اس کی اطاعت کریں۔ میں اب تم کو اپنے بارے میں بتاتا ہوں۔ ''میں دجال ہوں، جلد ہی مجھے اجازت مل جائے گی۔ اور اللہ مجھے ظاہر کردے گا، میں ہر جگہ جاسکوں گا، سوائے مکہ مدینہ کے۔ کیونکہ میں جب کوشش کروں گا، اس میں داخلہ کی، فرشتے تلواروں کے ساتھ آئیں گے اور وہ اس علاقے کی حفاظت کر رہے ہوں گے۔ (امام مسلم)

نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے آخر میں فرمایا۔ یہ طیبہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لاٹھی سے زمین میں ٹیکا دیا اور فرمایا۔ یہ طیبہ ہے اور میں تم کو بتا چکا ہوں۔

وفد ثقیف

یہ وفد رمضان المبارک 9 ہجری میں تبوک سے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی واپسی کے بعد حاضر ہوا۔ ان کے ایک سردار عروہ بن مسعود نے 8 ہجری میں آ کر مدینہ میں اسلام قبول کیا

تھا۔ وہ اپنی قوم میں بہت محبوب تھا۔ مگر جب اس نے واپس جا کر قوم میں تبلیغ کی تو اس کی قوم نے اسے یہ جواب دیا کہ اس پر تیروں کی بوچھار کر دی اور وہ اسی وقت شہید ہو گئے۔ دو مہینہ گزرنے کے بعد جب اسلام اور پھیلا اور ان کو لگا کہ اب وہ اس قوت کا مقابلہ نہ کر سکیں گے تو اُنہوں نے 6 آدمیوں کا وفد مدینہ صلح کے لیے بھیجا۔ اس وفد کے لیے حضور ﷺ نے مسجد میں ہی ایک خیمہ لگوا دیا تا کہ حضور ﷺ کی روحانی مجلسوں سے استفادہ کریں۔ تیسرے دن اس کے سردار نے شرط پیش کی کہ ہمیں معاہدہ صلح لکھ دیں اور ہمیں زنا، شراب نوشی اور سود خوری کی اجازت دیں۔ ان کے بڑے بت ''لات'' کو یونہی رہنے دیا جائے اور اُنہیں نماز پڑھنے کو نہ کہا جائے۔ حضور ﷺ نے ان میں سے کوئی بات منظور نہ کی۔ جو ہمیں یہ تعلیم دیتی ہے کہ دین میں مداہنت نہیں ہے۔ جیسا دین ہے اس کو ویسے کا ویسا قبول کیا جائے۔ یہ اللہ کا بھیجا ہوا دین ہے۔ اس میں کمی بیشی کرنے کا کسی کو اختیار نہیں ہے۔ ان لوگوں نے پھر غور و خوض کیا، مشورہ کیا اور بالآخر اسلام پر راضی ہو گئے، جیسا کہ نبی ﷺ نے پیش کیا۔ بس شرط یہ رکھی کہ لات کو گرانے کے لیے آپ ﷺ کچھ لوگوں کو بھیج دیجیے۔ حضور ﷺ نے یہ شرط منظور کر لی اور عثمان بن ابی العاص ثقفی کو ان کا امیر بنا دیا۔ یہ وہ نوجوان تھا جسے وفد کے لوگ ڈیرے پر چھوڑ جاتے تھے اور جب قیلولہ کرنے آتے تو یہ دوڑ کر مسجد نبوی چلے جاتے۔ حضور ﷺ سے اسلام سیکھتے، وہ چلے جاتے تو حضرت ابوبکرؓ کو پکڑ لیتے بلکہ جس دن جو میسر آتا حضرت عمر ہوں یا حضرت عثمانؓ جو بھی مل جاتا اُن کے پاس بیٹھ کر دین سیکھتے۔ سورتیں حفظ کرتے۔ خالد بن ولید اور ان کے ساتھی لات کو گرانے آئے، بعد میں جب ارتداد کا وقت آیا تو وہی اپنی قوم کو تبلیغ کرتے رہے اور سب دین پر قائم رہے۔

وفد نجران

یہ وفد نجران سے 9 ہجری میں آیا۔ 60 افراد پر مشتمل تھا۔ نجدان مکہ سے یمن کی جانب جانے والا علاقہ تھا، جو 73 چھوٹی چھوٹی بستیوں پر مشتمل تھا۔ اس میں ایک لاکھ جنگی مرد موجود تھے اور پوری آبادی عیسائی تھی۔ 60 میں سے 24 آدمی اشراف تھے اور 3 وہ تھے جو اس قوم کے سربراہ تھے۔ ایک عاقب جس کے ذمہ امارت و حکومت کا کام تھا۔ اس کا نام عبدالمسیح تھا۔ دوسرا سیّد جو سیاسی اور ثقافتی امور کا نگراں تھا۔ اس کا نام شرحبیل تھا۔ تیسرا جو لاٹ پادری روحانی پیشوا تھا اس کا نام ابوحارثہ بن علقمہ تھا۔ حضور ﷺ سے اُنہوں نے آ کر کچھ سوالات کیے اور حضور ﷺ نے بھی ان سے سوالات کیے اور باتیں ہوئیں۔ پھر آپ ﷺ نے ان کو اسلام کی دعوت دی۔ قرآن کی آیتیں سنائیں مگر اُنہوں نے اسلام قبول نہ کیا اور پوچھا کہ مسیح علیہ السلام کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ حضور ﷺ نے دن بھر انتظار کیا، یہاں تک کہ جبرئیل علیہ السلام سورۂ آل عمران کی 59، 60 اور 61 ویں آیتیں لے کر اُترے۔ جس کا ترجمہ یہ ہے۔ ''بے شک عیسیٰ کی مثال اللہ کے نزدیک آدم جیسی ہے، اسے مٹی سے پیدا کیا پھر اس سے کہا ہو جا تو وہ ہو گیا۔ یہ حق ہے تیرے رب کی طرف سے۔ بس شک کرنے والوں میں سے نہ ہو۔ پھر تمہارے پاس علم آ جانے کے بعد جو کوئی تم سے اس (عیسیٰ) کے بارے میں حجت کرے تو اس سے کہہ دو آؤ ہم بلائیں اپنے اپنے بیٹوں کو اور اپنی عورتوں کو اور خود اپنے آپ کو پھر مباہلہ کریں (اللہ سے گڑگڑا کر دعا کریں)، پس اللہ کی لعنت ٹھہرائیں جھوٹوں پر۔'' صبح کو حضور ﷺ

نے یہ آیتیں ان کو سنائیں اور پورا دن سوچنے کے لیے دیا۔ پھر اگلے دن ان کو مباہلہ کی دعوت دی۔ آپ حسن حسین اور بی بی فاطمہ کو لے کر آ گئے۔ اب وہ بہت گھبرائے اور آپس میں مشورہ کر کے آئے اور مباہلہ کرنے سے انکار کر دیا کیونکہ ان کو معلوم تھا کہ یہ سچا نبی ہے، مباہلہ سے ان کی نسلیں ساری ہلاک ہو جائیں گی۔

اس وفد نے تین دن قیام کیا تھا۔ یہ تہذیب و تمدن والے لوگ تھے۔ شاندار لباس، شاندار سواریاں ساتھ تھیں کیونکہ یہ رومن امپائر کے باجگزار لوگ تھے، ان سے مراعات لیتے تھے۔ جب یہ مدینہ آئے تھے تو ان کی نماز کا وقت تھا۔ اُنہوں نے مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی اجازت مانگی۔ حضور ﷺ نے ان کو اجازت دے دی اور اُنہوں نے اپنے قبلے کی طرف منہ کر کے اپنے طریقے سے عبادت کی۔

مباہلہ سے انکار کے بعد اُنہوں نے فیصلہ حضور ﷺ پر چھوڑ دیا کہ وہ جو بھی فیصلہ کریں گے، ہم قبول کر لیں گے۔ حضور ﷺ نے ان سے 2000 جوڑے کپڑے ہر سال دینے کا معاہدہ کیا اور جزیہ کے طور پر ایک اوقیہ چاندی، 152 گرام فی کس دینے کے لیے کہا جو اُنہوں نے منظور کر لیا۔ پھر حضور ﷺ نے ان کو لکھا ہوا ایک معاہدہ دیا جس کی رو سے وہ عیسائی مذہب پر رہتے ہوئے اب مسلمانوں کے ماتحت رہیں گے۔ پھر اُنہوں نے کہا کوئی اپنا آدمی ہمارے ساتھ کر دیجیے، جو سب وصولیابی کر لے تو حضور ﷺ نے ان کے ساتھ ابوعبیدہ ابن الجراح کو ساتھ کر دیا اور دین کی تعلیم دینے یعنی ان کو معلم بھی بنایا گیا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہر امت کا ایک امین ہوتا ہے اور میری امت کا امین ابوعبیدہ ابن الجراح ہے۔ اہل سیر کہتے ہیں کہ جب یہ وفد پلٹا تو راستے میں ان میں سے ایک ''امیر'' کے بھائی نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخی کے الفاظ بولے تو اس نے ٹوکا ایسے مت کہو۔ اس نے کہا کیوں۔

جواب دیا اس لیے کہ وہ ایک نبی ہیں اور ہماری کتابوں میں جو لکھا ہے کہ اسماعیل کی اولاد سے ایک نبی آئے گا تو وہ یہی ہے۔ اچھا تو پھر آپ لوگوں نے وہاں اس کا دین قبول کیوں نہیں کیا۔ اس نے کہا دیکھ نہیں رہے ہو رومیوں کے ساتھ رہنے میں ہماری کتنی شان وشوکت ہے۔ کتنا کچھ ہمیں وہاں سے ملتا ہے، کیا وہ سب ہم اس نبی کی خاطر چھوڑ دیں۔ اس کے بھائی کی سمجھ میں بات آ گئی، وہ مدینے گیا اور جا کر اس نے اسلام قبول کر لیا۔ پھر بعد میں حضرت علیؓ بھی وہاں بھیجے گئے، اور پھر ان میں سے بہت سے لوگوں نے اسلام قبول کر لیا اور وہاں سے زکوٰۃ وصدقات بھی مدینہ آنے لگے۔

یمن کا نظم ونسق

یمن کا ایرانی گورنر باذان 6 ہجری میں مشرف بہ اسلام ہو چکا تھا۔ آپ ﷺ نے ان کو ان کے عہدہ پر باقی رکھا تھا۔ 10 ہجری میں ان کے انتقال کے بعد یمن کو انتظامی لحاظ سے کئی حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک حصہ کا انتظام باذان کے بیٹے شیر بن باذان کو دیا۔ ایک حصہ پر حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کو ایک پر حضرت یعلیٰ بن امیہ کو اور ایک پر حضرت معاذ بن جبل کو امیر بنایا۔ یمن اس زمانے میں بہت بڑا علاقہ تھا۔ آج کے جتنا چھوٹا نہ تھا۔ بہت زرخیز علاقہ بھی تھا، یہاں بہت سے یہودی آباد تھے، 1947ء میں جب اسرائیل وجود میں آیا تو یہ عربی بولنے والے یہودی یہاں سے گئے۔ یہاں پر بہت سے عیسائی آباد تھے۔ جو بعد میں مسلمان ہو گئے۔ محمد ﷺ

نے یمن کے لوگوں کے لیے بہت سی باتیں فرمائی ہیں جو چند ہم یہاں نقل کرتے ہیں۔

الایمان یمان والحکمة یمانیة (یمن والوں میں حکمت اور ایمان ہے)

اللھم بارك لنا فی شامنا ویمننا (اے اللہ! ہمارے شام اور یمن میں برکت دے) آپ ﷺ نے تین مرتبہ فرمایا ''اے اللہ یمن اور شام پر رحم فرما۔

صحابہؓ نے کہا اور حجاز پر مگر آپ ﷺ خاموش رہے، پھر آپ ﷺ نے فرمایا۔ شام اور یمن پر بہت سے مصائب آئیں گے۔ فتنے آئیں گے، وہاں زلزلے آئیں گے، شام میں اس وقت فلسطین اور اردن بھی شامل تھا اور یمن بھی ایک بڑا علاقہ تھا۔ یمن سے ایک حمیری قبیلہ آیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ابشروا بالجنة (ان کو جنت کی بشارت دو)

آپ ﷺ نے فرمایا ''حوضِ کوثر پر جب یمنی آئیں گے تو ان کے لیے لوگ جگہ بنائیں گے اور ان کو آگے آنے دیں گے، جامِ کوثر پینے کے لیے۔ انصار بھی یمن سے آئے تھے۔''

حضرت معاذ بن جبلؓ کی یمن روانگی

7 ہجری ہے، حضرت ابوبکر صدیقؓ اس سال حج پر گئے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ معاذ ابن جبلؓ کو لے کر رخصت کرنے نکلے ہیں۔ معاذؓ اونٹ پر سوار ہیں، حضور ﷺ ان کے ساتھ پیدل چل رہے ہیں۔ یہ صحابیؓ آپ ﷺ کو بہت

محبوب ہیں، معاذؓ ان چھ لوگوں میں سے ایک ہیں جنہوں نے بڑی محنت سے قرآن کو جمع کرنے کا کام کیا ہے۔ نبیؐ سے اس کی تصدیق کرائی ہے اور پھر ام المومنین حضرت حفصہؓ کے پاس رکھوا دیا تھا۔ آپ ﷺ کی جدائی حضرت معاذؓ پر بہت شاق ہے مگر حکم بھی حضور ﷺ کا ہے، وہ وہاں کے لوگوں کو دینی تعلیم دینے جا رہے ہیں وہ پہلے بھی کئی جگہ یہی ڈیوٹی عمدہ طریقے سے سرانجام دے چکے ہیں۔ دونوں آہستہ آہستہ چل رہے ہیں۔ محمد ﷺ پوچھتے ہیں یا معاذ! اگر تمہارے سامنے کوئی مقدمہ پیش ہو تو تم کیسے فیصلہ کرو گے۔ معاذ نے عرض کیا۔ میں قرآن کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آقا ﷺ نے فرمایا اگر قرآن میں نہ ملے تو؟ معاذؓ نے کہا، پھر سنت نبوی ﷺ کے مطابق فیصلہ کروں گا۔ آقا ﷺ نے فرمایا اگر سنت میں بھی نہ ملے تو؟ معاذؓ نے عرض کیا پھر میں اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا اور کوئی کوتاہی نہ کروں گا۔ اس پر آقا ﷺ نے ہلکے سے معاذؓ کے سینے پر ہاتھ مارا اور فرمایا۔ ''تمام تعریفیں اللہ کے لیے ہیں، جس نے رسول اللہ ﷺ کے قاصد کو اسی طریق پر چلنے کی توفیق دی جو رسول اللہ ﷺ کو پسند ہے۔''

آپ ﷺ نے یہ بھی فرمایا ''اے معاذ تم اہل کتاب کے پاس جا رہے ہو، ان کو سب سے پہلے توحید کی دعوت دینا۔ مان لیں تو بتانا کہ اللہ نے ان پر دن و رات میں 5 نمازیں فرض فرمائی ہیں۔ یہ بھی مان لیں تو بتانا کہ اللہ نے ان کے مالوں میں سال گزرنے کے بعد زکوٰۃ فرض کی ہے۔ جو فقراء میں تقسیم ہوتی ہے۔ یہ مان لیں تو ان کی زکوٰۃ لینا اور صرف بہتر ہی مال کا انتخاب کرنے سے بچنا اور مظلوم کی بددعا سے بچنا کیونکہ مظلوم کی بددعا اور اللہ کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوتا۔'' (بخاری)

آپ ﷺ اب چلتے ہوئے مدینہ سے باہر نکل آئے تھے، اب آپ ﷺ نے

فرمایا ''اب شاید تم سے میری ملاقات نہ ہو سکے۔ اب جب تم مدینہ آؤ گے تو میرے بجائے میری قبر کی زیارت کرو گے۔ بس یہ سن کر معاذ بن جبلؓ زاروقطار رونے لگے۔ حضور ﷺ بھی غمزدہ ہوئے۔ آپ ﷺ نے ان کو تسلی دی اور فرمایا۔ ''یاد رکھو قیامت کے روز مجھ سے سب سے زیادہ قریب متقی بندے ہوں گے۔ وہ چاہے جو ہوں اور جہاں کے ہوں۔''

یمن کا وفد

معاویہ بن حیرہ یمن سے وفد کے ساتھ آئے تھے۔ نبی ﷺ سے سوال پوچھا کہ ''عورہ'' کے بارے میں کیا حکم ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''سوائے تمہاری بیوی کے اس کو کسی کے سامنے کھولنا نہیں چاہیے۔ پھر اس نے پوچھا۔ ''اگر میں گھر میں اکیلا ہوں تو عورہ کے بارے میں کیا حکم ہے؟'' حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''اللہ اس کا زیادہ حقدار ہے کہ اس سے شرم کی جائے۔'' یعنی گھر میں ننگے گھومنا منع ہے جبکہ کوئی نہ ہو۔ اس حدیث کی روشنی میں ہمیں آج کل کی زبردست ترقی کرتی ہوئی فحش ویب سائٹس پر جانا یا اور اسی طرح کی دوسری چیزوں میں اپنے آپ کو عریاں رکھنے کی کسی بھی صورت میں اجازت نہیں دی گئی۔ نہ کسی کا عورہ دیکھنا اور نہ اپنا دکھانا سب ممنوع ہے۔

یہ جو وفد آتے تھے، جو خاص طور پر اسلام قبول کر لیتے تھے وہ لوگ اسلام کی فقہ اور شریعت کی باتیں پوچھتے تھے اور ان کو جو جواب دیئے گئے وہ بعد میں آنے والوں کے لیے فقہ بنانے میں آسانی کر گئے۔

وفد بلی

یہ وفد 9 ہجری میں مدینہ آیا۔ اسلام قبول کرلیا۔ تین دن مقیم رہا۔ وفد کے امیر ابوالضبیب نے پوچھا کیا مہمان کی مہمانداری پر اجر ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہاں کسی مالدار یا فقیر کے ساتھ جو بھی اچھا سلوک کرو گے وہ تمہارے لیے صدقہ ہے۔ اس نے پوچھا مہمان داری کی مدت کتنی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تین دن'' پھر اس نے پوچھا کسی لاپتہ شخص گمشدہ بھیڑ بکری دوسرے کو مل جائے تو کیا حکم ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''وہ تمہارے لیے ہے یا تمہارے بھائی کے لیے ہے یا پھر بھیڑیئے کے لیے ہے۔ پھر اس نے گمشدہ اونٹ کے متعلق سوال کیا۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''تمہیں اس سے کیا واسطہ، اسے چھوڑ دو، یہاں تک کہ اس کا مالک اسے پا جائے۔

وفد تجیب

اس وفد نے جو مال وصدقات وصول کیا وہ لا کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو تحائف دے کر رخصت کیا۔ وہ 13 لوگ تھے، حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سوالات کرتے رہے، دین سمجھتے رہے، جاتے وقت ان کا ایک نوجوان آیا اس نے کہا حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے لیے دعا فرمایئے کہ اللہ تعالیٰ مجھے بخشش و رحمت سے نوازے اور میری مالداری میرے دل میں رکھ دے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے لیے یہ دعا فرما دی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ شخص قناعت پسند ہو گیا اور جب ارتداد کی لہر چلی تو نہ صرف وہ خود ثابت قدم رہا بلکہ اپنی قوم کو بھی وعظ و نصیحت کر کے ارتداد سے روکے رکھا۔

وفد بنو حنیفہ

مسیلمہ کذاب کا نام مسیلمہ بن حبیب تھا مگر اس کے جھوٹی نبوت کے دعوے کی وجہ سے اس کا نام مسلیمہ کذاب پڑ گیا۔ یہ وفد بنو حنیفہ 9 ہجری میں مدینہ آیا۔ کل 17 آدمی تھے۔ سب حاضر خدمت ہوئے مگر مسیلمہ سب ممبرز کے ساتھ خدمت نبوی ﷺ میں حاضر نہ ہوا۔ اس نے محمد ﷺ کے بارے میں کہا کہ اگر وہ مجھے نبوت میں شامل کرلیں، جس طرح موسیٰ کے ساتھ ہارون تھے اور کاروبار حکومت اپنے بعد میرے حوالے کرنا منظور کرلیں تو میں ان کا ہمنوا بن جاؤں گا۔ اس کی عمر 60-70 کے درمیان بتائی جاتی ہے اور چونکہ عیسائی تھا، شام جا کر اس نے کتاب کا علم حاصل کیا تھا۔ اس کی قوم اس کی بہت عزت کرتی تھی اور مدینہ میں بھی بڑی شان سے آیا تھا۔ نہایت قیمتی کپڑے پہنے ہوئے اور ارد گرد لوگوں کے جمگھٹ کے ساتھ تھا۔ حضور ﷺ اس کے پاس گئے۔ بات کی تو اس نے کہا اپنے بعد مجھے مقرر کردو۔ حکومت کے لیے تو میں تمہارا ہمنوا بنوں گا۔ نبی ﷺ کے ہاتھ میں اس وقت درخت کی ایک شاخ تھی جس کی عام طور پر کوئی قیمت نہیں ہوا کرتی۔ آپ ﷺ نے فرمایا اگر تم مجھ سے یہ بھی چاہو گے تو میں نہ دوں گا اور تم اپنے بارے میں اللہ کے مقرر کیے گئے فیصلے سے آگے نہیں جاسکتے۔ اگر تم نے پیٹھ پھیری تو اللہ تمہیں توڑ کر رکھ دے گا۔ اللہ کی قسم میں تجھے وہی شخص سمجھتا ہوں کہ جس کے بارے میں مجھے خواب دکھایا گیا۔ (حضور ﷺ نے خواب دیکھا تھا کہ ان کے دونوں ہاتھوں میں دو سونے کے کنگن ہیں، جس سے وہ پریشان ہوگئے، پھر اُنہیں کہا گیا کہ اس پر پھونک مار دیجیے

آپ ﷺ نے ایسا ہی کیا اور وہ کنگن غائب ہو گئے۔ اس سے آپ ﷺ نے یہ تعبیر نکالی کہ ان کے بعد دو کذاب ہوں گے۔

مسیلمہ یمامہ واپس جا کر سوچتا رہا پھر اس نے دعویٰ کیا کہ اسے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ نبوت میں شریک کر لیا گیا ہے۔ چنانچہ اس نے نبوت کا دعویٰ کر دیا اور قرآن کے طرز پر کچھ گھڑنے لگا جو نہایت بے کار موضوع اور بے کار مضامین والے تھے۔ اس نے اپنی مسلمان قوم کے لیے زنا اور شراب حلال کر دی۔ رسول اللہ ﷺ کے بارے میں یہ بھی شہادت دیتا رہا کہ محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اس آدمی کی وجہ سے اس کی قوم فتنے میں پڑ گئی۔ اس کی اتنی قدر و منزلت ہوئی کہ لوگ اسے یمامہ کا رحمان کہنے لگے۔ اس نے رسول اللہ ﷺ کو بھی خط لکھا کہ مجھے اس کام میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک کر لیا گیا ہے۔ آدھی حکومت میرے لیے ہے، اور آدھی قریش کے لیے۔ رسول اللہ ﷺ نے جواب لکھا۔ ''زمین اللہ کی ہے، وہ اپنے بندوں میں سے جسے چاہتا ہے اس کا وارث بناتا ہے اور انجام متقیوں کے لیے ہے۔'' اس کا خط لے کر دو سفیر آئے تھے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''تم دونوں شہادت دیتے ہوئے کہ میں اللہ کا رسول ہوں۔'' اُنہوں نے کہا ''ہم شہادت دیتے ہیں کہ مسیلمہ اللہ کا رسول ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا ''اگر میں کسی سفیر کو قتل کرتا تو تم دونوں کو قتل کر دیتا۔'' مسیلمہ نے 10 ہجری میں نبوت کا دعویٰ کیا اور ربیع الاوّل 12 ہجری میں عہد ابوبکر صدیق ؓ میں اس کے خلاف جنگ کی گئی اور مسیلمہ وحشی کے ہاتھوں مارا گیا۔ وہی وحشی جنہوں نے حضرت حمزہ ؓ کو قتل کیا تھا۔ وہ یہ کہتا تھا کہ میں نے کذاب کو مارا ہے، اللہ میری مغفرت فرمائے گا۔

نبی ﷺ نے فرمایا ''میری امت میں 30 کذاب ہوں گے۔ ایک اور کذاب

اسود عنسی تھا۔ اس نے بھی نبی ہونے کا دعویٰ کیا۔ رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں یہ دعوے کیے گئے اور ان سے نمٹ لیا گیا۔ نبی ﷺ کی وفات سے ایک دن پہلے خبر آئی کہ فیروز دیلمی نے اسود عنسی کو قتل کر دیا۔ یہ کذاب، نبی ﷺ کی پیش گوئی کے مطابق آتے رہیں گے۔ امت میں فتنے برپا کرتے رہیں گے۔ مگر اہل علم اور اہل حق ان کو پہچان کر ان سے نمٹتے رہیں گے۔ عام لوگوں کو بھی اس بنیادی عقیدہ پر پکا ایمان رکھنا ہے کہ محمد ﷺ آخری نبی ہیں۔



ہجرت کا دسواں سال

حجۃ الوداع

10 رہجری میں نبی ﷺ نے حج ادا فرمایا۔ یہ آپ ﷺ کی زندگی کا پہلا اور آخری حج ہے اور اس کو حجۃ الوداع اس لیے کہتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا تھا۔ ''مجھ سے مناسک حج سیکھ لو، شاید میں آئندہ حج نہ کرسکوں۔''

حج تو 9 ہجری میں فرض ہوگیا تھا مگر اس سال آپ ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے ہمراہ 300 افراد کو بھیجا تھا۔ جس میں مشرکین نے اپنے طریقے پر اور مسلمانوں نے اپنے طریقہ پر حج کیا۔ جیسے ہی حضرت صدیق اکبر روانہ ہوئے تو سورۂ توبہ کی ابتدائی 7-1 آیتیں نازل ہوئیں، جس میں حج کے احکام ہیں، (1) جنت میں کوئی ایسا شخص داخل نہ ہوگا جو دین اسلام کو قبول کرنے سے انکار کرے، (2) اس سال کے بعد کوئی مشرک حج کے لیے نہ آئے، (3) بیت اللہ کے گرد برہنہ طواف کرنا ممنوع ہے، (4) جن لوگوں کے ساتھ رسول اللہ کا معاہدہ باقی ہے یعنی جو نقص عہد کے مرتکب نہیں ہوئے ہیں، ان کے ساتھ مدت معاہدہ تک وفا کی جائے گی۔ چنانچہ اس خدمت پر آپ ﷺ نے حضرت علی ؓ کو اس پر مامور کیا کہ حاجیوں کے مجمع عام میں سورۂ توبہ کی ابتدائی آیتیں سنانے کے بعد یہ 4 اعلانات بھی کردیں۔

فتح مکہ کے بعد پہلا حج 8 ہجری میں مشرکین کے طریقے پر ہوا۔ 9 ہجری میں مسلمانوں نے اپنے طریقے پر اور مشرکین نے اپنے طریقے کے مطابق کیا۔ 10 ہجری میں جب شرک کا بالکل استیصال ہوگیا اور حج کی تاریخ بھی اپنے صحیح وقت

پر آ گئی، کیونکہ نسی کے قاعدہ کی وجہ سے مہینہ بدل جاتا تھا۔

اس طرح 10 ہجری میں محمد ﷺ نے حج کا ارادہ فرمایا اور سب جگہ اعلان فرما دیا کہ جو کوئی محمد ﷺ کے ساتھ حج کو جانا چاہے وہ تیاری کرے۔ اسی لیے دور دراز سے بھی لوگ رسول اللہ ﷺ کی معیت میں حج کرنے کے لیے اُمنڈ پڑے۔ وہ تمام لوگ صحابی کہلائے کیونکہ اُنہوں نے ایمان کی حالت میں نبی ﷺ کو دیکھا اور آپ ﷺ کے ساتھ 10 دن رہے۔

آقا ﷺ کی سربراہی میں کاروانِ حج 25 ذی القعدہ 10 ہجری کو نماز ظہر مسجد نبوی ﷺ میں ادا کر کے نکلا۔ عصر میقات، ذوالحلیفہ پر پڑھی گئی۔ رات کو وہیں قیام کیا، پھر فجر کے وقت تلبیہ لبیك اللھم لبیك کی پکار ہو رہی تھی۔ اسی طرح پڑھتے ہوئے یہ قافلہ مکہ کی طرف جا رہا ہے اور 4 ذی الحجہ 10 ہجری کو مکہ پہنچا ہے۔ مکہ میں سب طواف کر رہے ہیں۔ مکہ میں سوا لاکھ فرزندان توحید جمع ہیں، سب نے وہی دو سفید بے سلی چادریں پہن رکھی ہیں۔ عبدیت، مساوات اور عقیدت و محبت کا عجیب منظر ہے۔ آپ ﷺ نے واجب الطواف دو رکعت نماز، کعبہ اور مقام ابراہیم کے درمیان جگہ پر ادا کی ہے۔ پھر آپ ﷺ زم زم پینے کے لیے آل عبدالمطلب کی طرف آئے کہ جو ڈول کنویں سے کھینچ کر پانی حاجیوں کو پلا رہے ہیں۔ آپ ﷺ نے چاہا کہ وہ بھی ڈول پانی کا ڈول کھینچ کر نکالیں اور پانی پئیں مگر آپ ﷺ نے ایسا نہیں کیا، کیونکہ پھر ہر شخص نبی ﷺ کی سنت میں یہ ہی طریقہ اختیار کرتا اور آل مطلب سے سقایہ کا منصب چھن جاتا۔ پھر آپ ﷺ سعی کرنے صفا پر چڑھے ہیں، صفا پہاڑ بہت اونچا اب امتداد زمانہ سے وہ گھس گھس کر بہت چھوٹا ہو گیا ہے اور جب سے دوسری تیسری منزل بنائی گئی، اب وہ چند پتھر شیشے کے گھر میں ہی اس کی زیارت کی جا سکتی

ہے۔ یہ وہی صفا پہاڑ ہے جہاں پر اعلانیہ تبلیغ کا حکم آیا تھا تو آپ ﷺ نے مکہ والوں کو جمع کیا تھا اور آپ ﷺ کا انکار کر دیا گیا تھا اور آج نہ صرف مکہ بلکہ آس پاس کے قبائل کے بہت سے لوگ آپ ﷺ کی نبوت کی تصدیق کر کے آپ ﷺ کے ساتھ شامل ہو گئے ہیں۔ سب محمد ﷺ کی زیارت کرنا چاہتے ہیں، اس لیے آپ ﷺ اونٹنی پر سوار ہو گئے۔ پھر آپ ﷺ اس علاقے سے گزر رہے ہیں جس کو ''گرین پلرز'' کہتے ہیں، بی بی ہاجرہ یہاں سے اپنے بچہ کو دیکھتی تھیں تو اس کی پیاس کی وجہ سے تیز دوڑتی تھیں اور مروہ پہاڑ پر چڑھ جاتی تھیں کہ شاید اِدھر سے کوئی قافلہ آ رہا ہو۔ اماں ہاجرہ کی یہ سعی بارگاہ الٰہی میں مقبول ہوئی اور اب تک محمد ﷺ اور ان کے ماننے والے اسی طرح دوڑ رہے ہیں۔ 8 ذی الحجہ کو یہ قافلہ حج کے احرام میں منیٰ پہنچتا ہے۔ 4 ذی الحجہ سے 8 ذی الحجہ تک آپ ﷺ نے مکہ میں قیام کیا ہے اور اس دوران کوئی طواف اور عمرہ نہیں کیا۔ 8 ذی الحجہ کو منیٰ میں قیام کرتے ہیں۔ ظہر سے لے کر اگلے دن تک قیام رہا، اب 9 ذی الحجہ کا دن ہے، یہ یوم عرفہ ہے۔ کاروان شوق عرفات کی طرف رواں ہے۔ یہ جمعہ کا دن ہے، عرفات پہنچ کر ظہر عصر ملا کر پڑھی جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے وہاں خطبہ دیا اور اس میں فرمایا۔

'' لوگوں! میرا خیال ہے کہ آئندہ میں اور تم اس مجلس میں اکٹھے نہ ہو سکیں گے۔

دوسری بات یہ فرمائی کہ انسان کی جان و مال و آبرو کی عظمت لازم ہے۔''

فرمایا، میں جاہلیت کی ہر بات کو ختم کرتا ہوں۔ جاہلیت کی ہر رسم و علامت ختم، جاہلیت کے تمام جھگڑے ختم، انتقام در انتقام کی ہر روش ختم، میں اپنے خاندان کے ربیعہ کے خون کو معاف کرتا ہوں، سود معاف کرتا ہوں، ان کی اصل رقم ان کو واپس کی جائے۔

خواتین کے بارے میں اللہ سے ڈرو، ان کے حقوق ادا کرو، ان کو تم نے اللہ کا نام

لے کر اپنے لیے حلال کیا ہے، تم ان کے ساتھ معروف کا سلوک کرو۔

قرآن کو مضبوطی سے تھام لو، گمراہی سے محفوظ رہو گے۔ میرے بعد کوئی نبی نہیں اور تمہارے بعد کوئی اُمت نہیں۔ تم سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا کہ میں نے تم تک دین پہنچا دیا کہ نہیں۔ تمہارا جواب کیا ہوگا؟

تمام مجمع نے بیک زبان جواب دیا۔ ہم گواہی دیں گے کہ آپ ﷺ نے دین پہنچا دیا۔ حق نبوت ادا کر دیا۔ ہمارے ساتھ خیر خواہی کر دی۔

اس پر آپ ﷺ نے آسمان کی طرف اُنگلی اُٹھائی اور تین مرتبہ فرمایا۔

اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ، اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ، اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ، (اے اللہ گواہ رہنا)

پھر آپ ﷺ نے صحابہؓ کو حکم دیا کہ یہ پیغام ان تک پہنچا دیں، جو یہاں موجود نہیں ہیں۔ مراد یہ تھی کہ جو ابھی پیدا نہیں ہوئے اور جن زندوں تک نہیں پہنچا اور واقعی صحابہؓ نے حق ادا کر دیا اور دنیا میں مشرق سے مغرب اور شمال سے جنوب تک وہ کون سا خطہ ہے جہاں وہ پیغام لے کر نہ پہنچے ہوں۔ ہم تک دین کا پہونچنا ان ہی کی کوششوں اور بعد میں ان کے متبعین کی کوششوں اور محنتوں کا صدقہ ہے، ہم ان کے شکر گزار ہیں۔

خطبہ سے فارغ ہونے کے بعد عظیم آیت کا نزول ہوتا ہے۔ (سورۃ المائدہ آیت 3)

اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَرَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا

ترجمہ: ''آج ہم نے تمہارا دین مکمل کر دیا، تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر پسند کر لیا۔''

اس میں نبی ﷺ کے مشن کے پورا ہونے کا اشارہ ملتا ہے۔ اس لیے صدیق اکبرؓ، نبی ﷺ کی جدائی کو سوچ کر رونے لگتے ہیں۔

دعاومناجات

اس کے بعد آقا جبلِ رحمت کے قریب دعا ومناجات میں مشغول ہوجاتے ہیں۔ مشہور دعا کا ترجمہ ہے:

''اے اللہ! آپ میری بات سن رہے ہیں۔آپ میری جگہ دیکھ رہے ہیں۔آپ میرے ظاہر و باطن کو جانتے ہیں، میری کوئی چیز آپ پر چھپی نہیں ہے۔ میں مصیبت زدہ، محتاج، فریادی، پناہ جو، پریشان، ہراساں، اپنے گناہوں کا اعتراف واقرار کرنے والا ہوں، بے کس کے مانگنے کی طرح آپ سے مانگتا ہوں۔ ذلیل وخوار کے گڑگڑانے کی طرح مانگتا ہوں، اس شخص کے مانگنے کی طرح جس کی گردن آپ کے سامنے جھکی ہے۔جس کی آنکھیں آپ کے سامنے اشکبار ہیں۔ جوتن بدن سے آپ کے آگے جھکا ہے، اپنی ناک آپ کے سامنے رگڑ رہا ہوں۔ بارالٰہا! مجھے دعا مانگنے میں ناکام ومحروم نہ فرما اور مجھ پر مہربان اور رحم کرنے والا بن جا، اے سب مانگنے والوں سے بہتر، اے سب دینے والوں سے اچھے۔''

مزدلفہ آمد

مغرب کا وقت ہوگیا ہے مگر مغرب عرفات میں نہیں پڑھی بلکہ مزدلفہ پہنچ کر عشاء کے ساتھ ملا کر پڑھی گئی۔حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آرام فرما ہیں، کھلے میدان میں سب لیٹے ہیں، کنکریاں چن لیتے ہیں جو کل منیٰ میں شیطان کو مارنے میں کام آئیں گی۔صبح اوّل

وقت میں فجر پڑھی گئی ہے، پورا مجمع دعائے گریہ میں مصروف ہوا۔ اب منیٰ کی طرف کوچ کا حکم ہوتا ہے۔ منیٰ پہنچ کر بڑے شیطان یا جمرۂ اولیٰ پر سات کنکریاں بسم اللہ اللہ اکبر کہہ کر ماری جارہی ہیں۔ یہ تینوں شیطانوں کے جو، اب ستون بنا دیئے گئے ہیں، یہ دراصل وہ جگہ ہیں، جہاں حضرت ابراہیمؑ کو اپنے بیٹے کو قربانی کے لیے لے جاتے وقت شیطان نے مختلف شکلوں میں آکر بہکایا اور اُنہوں نے اس پر کنکریاں پھینکی تھیں۔ یہ اسی کی یادگار ہے اور یہ ہمارے لیے یاددہانی ہے کہ جب شیطان ہم کو بہکائے گا، اسی طرح اس کو دور بھگا دیں گے۔

رمی کے بعد قربان گاہ کی طرف گئے اور جو یمن سے حضور ﷺ نے 100 اونٹ قربانی کے لیے منگوائے تھے، ان میں سے 63 اونٹ اپنے ہاتھ سے ذبح کیے، اس وقت آپ ﷺ کی عمر 63 سال تھی باقی 37 اونٹ حضرت علیؓ نے آپ ﷺ کے لیے ذبح کیے۔

منیٰ میں خطاب

پھر آپ ﷺ نے دوسرا خطبہ منیٰ میں دیا۔

''اے لوگو! تم کو معلوم ہے کہ یہ کون سا مہینہ ہے؟ کیا تاریخ ہے آج! اور کون سے شہر میں ہیں؟''

اُنہوں نے کہا کہ اللہ اور اس کا رسول جانتا ہے۔

آپ ﷺ نے فرمایا ''یہ ذوالحجہ کا قابل احترام مہینہ ہے اور آج 10 تاریخ ہے اور یہ منیٰ کی جگہ ہے۔ جس طرح یہ مہینہ، یہ دن اور یہ شہر محترم ہے، اسی طرح قیامت کے دن تک تمہاری جان، تمہارے مال اور تمہاری آبروئیں بھی محترم ہیں۔ (یعنی

آپس میں قتل وقتال، لوٹ مار اور بے عزت کرنے سے بچو)

اے لوگو! تمہارا رب بھی ایک ہے، تمہارا باپ بھی ایک ہے۔ سنو! کسی عربی کو کسی عجمی پر، کسی گورے کو کسی کالے پر، کسی کالے کو کسی گورے پر کوئی برتری حاصل نہیں ہے۔ بلاشبہ اللہ کی نگاہ میں سب سے باعزت وہی ہے جو سب سے بڑ کر تقویٰ والا ہو۔'' (مسلم)

سنو! شیطان اس سے مایوس ہو گیا ہے کہ اہل ایمان اس کی پوجا کریں گے، مگر وہ ان کے درمیان فتنہ وفساد بھڑکانے میں لگا ہے، میں آخرت میں حوض کوثر پر تمہارا منتظر ہوں گا۔ تم اپنا نامہ سیاہ کاریوں سے بھر کر مجھے رسوا نہ کرنا۔ میں تمہارے ذریعے سے دوسری اُمتوں پر فخر کروں گا۔

اپنے رب کی عبادت کرو، پنج وقتہ نماز پڑھو، رمضان کے روزے رکھو، اپنے حاکم کی اطاعت کرو، تم اپنے رب کی جنت میں داخل ہو جاؤ گے۔ (مسند احمد)

آپ نے پھر اسی طرح گواہی لی جیسے پہلے خطبہ میں لی تھی۔

پھر مکہ مکرمہ آئے اور طواف زیارۃ کیا۔ احرام، قربانی اور رمی کے بعد کھل چکا تھا۔ لوگ اپنے اچھے کپڑوں میں تھے، آج عید کا دن تھا۔ پھر آپ ﷺ نے 11 اور 12 ذی الحجہ میں منیٰ میں قیام فرمایا اور تینوں جمرات کی رمی فرمائی۔ بعض روایات میں ہے کہ سورۃ النصر اسی موقع پر نازل ہوئی جس میں آپ ﷺ کی وفات کا اشارہ ملتا ہے۔ (البیہقی)

13 ذی الحجہ زوال کے بعد رمی کر کے منیٰ سے روانہ ہوئے۔ محصب پہنچے۔ یہ وہی جگہ ہے جہاں آپ ﷺ کا مقاطعہ کا معاہدہ ہوا تھا۔ آج آپ ایک عظیم لشکر حاجی صحابہؓ کے ساتھ مقیم ہیں۔ پھر آپ ﷺ حرم تشریف لائے اور طواف وداع کیا۔ ملتزم پر دعا مانگی، زمزم پیا اور لوٹ آئے۔ آپ ﷺ اب سوئے مدینہ روانہ ہیں۔ بہت سے صحابہ اجازت چاہتے ہیں اور اپنے اپنے قبیلوں کو لوٹ جاتے ہیں۔

آپ ﷺ صحابہؓ کے ساتھ مدینہ پہنچتے ہیں۔ کچھ دن بعد حدیث جبرئیل کے نام سے مشہور حدیث کا واقعہ پیش آتا ہے۔ حضرت جبرئیلؑ نبی ﷺ سے سوال کرتے ہیں۔ آپ ﷺ جواب دیتے ہیں۔ جب وہ چلے جاتے ہیں تو حضور ﷺ فرماتے ہیں، یہ جبرئیلؑ تھے جو تمہیں دین سکھانے آئے تھے۔



نبی ﷺ کی رحلت

آپ ﷺ کے گفتار و کردار سے یہ واضح ہونے لگا تھا کہ آپ ﷺ اس دنیا سے پردہ فرمانے والے ہیں۔ آپ ﷺ نے رمضان المبارک 10 ہجری میں 20 دن کا اعتکاف کیا جبکہ ہمیشہ 10 دن کا ہی اعتکاف کرتے تھے۔ پھر حضرت جبرئیلؑ نے آپ ﷺ کو قرآن کا دور دو مرتبہ کرایا جبکہ ہر رمضان میں ایک مرتبہ ہی کرواتے تھے۔ آپ ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا۔ ''شاید میں تم سے اس سال کے بعد اس مقام پر کبھی نہ مل سکوں۔''

صفر 11 ہجری میں آپ ﷺ ایک دن میدان احد گئے اور شہدائے احد کی قبروں کی زیارت کی۔ ان کے لیے دعائیں کیں۔ گویا ان سے رخصت ہو رہے ہیں۔ پھر واپس آ کر مسجد نبوی ﷺ میں لوگوں سے خطاب کرتے ہیں۔ ''اے لوگو! میں تم سے پہلے جا رہا ہوں۔ حوضِ کوثر پر ملاقات ہوگی۔ میں حوض کو دیکھ رہا ہوں۔ مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں دی گئی ہیں، تم پر شرک میں نہیں بلکہ دنیا کی ریس میں لگ کر اپنے آپ کو تباہ کر ڈالنے کا خدشہ ہو رہا ہے۔'' (بخاری)

ربیع الاوّل کے شروع میں آپ ﷺ نے اُسامہ بن زید کی قیادت میں ایک لشکر روانہ فرمایا، وہ اس وقت 18 سال کے تھے۔ کچھ منافقین نے اس پر اعتراض کیا تو آپ ﷺ سخت ناراض ہوئے اور فرمایا۔ ''تم نے اس سے پہلے موتہ کے معرکے میں اس کے باپ زید کی امارت پر بھی اعتراض کیا تھا، وہ بھی امارت کے حقدار تھے اور

اُسامہ بھی حقدار ہیں اور میں ان دونوں باپ بیٹوں سے محبت کرتا ہوں۔'' (بخاری)

ایک روز آدھی رات کو آپ ﷺ بقیع تشریف لے گئے اور اہل بقیع کے لیے دعائے مغفرت کی۔ فرمایا۔ ''اے قبر والو! تم پر سلام ہو، لوگ جس حال میں ہیں اس کے مقابل تمہیں وہ حال مبارک ہو، جس میں تم ہو۔ فتنے تاریک رات کے ٹکڑوں کی طرح ایک کے پیچھے ایک چلے آ رہے ہیں اور بعد والا پہلے سے زیادہ برا ہے۔'' اور کہا ''ہم بھی ان شاء اللہ تم سے ملنے والے ہیں۔''

مرض کا آغاز

29 رصفر 11 ہجری کو آپ ﷺ بقیع سے کسی کے جنازے میں شرکت کر کے آ رہے تھے کہ سر میں درد شروع ہوا، حرارت تیز ہو گئی۔ سر پر پٹی باندھ لی اور اسی حالت میں 11 دن نماز پڑھائی۔ آپ ﷺ کی طبیعت روز بہ روز بگڑ رہی تھی۔ آپ ﷺ ازواج مطہرات سے پوچھتے میں کل کس کے یہاں رہوں گا۔ وہ سب سمجھ گئیں اور اُنہوں نے کہا آپ ﷺ جہاں چاہیں رہ لیں۔ اس کے بعد آپ ﷺ، حضرت عائشہؓ کے حجرے میں منتقل ہو گئے۔ آپ ﷺ اتنے انصاف پسند تھے اور جبر کرنے والے بھی نہ تھے۔ ازواج سے پوچھ کر ان کی رضامندی سے منتقل ہونا پسند کیا۔ حیات مبارکہ کا آخری ہفتہ وہیں گزرا۔ روزانہ ازواج مطہرات مزاج پرسی کے لیے اکٹھا ہوتیں۔ جب تکلیف بڑھ گئی اور غشی طاری ہو گئی تو فرمایا، مجھ پر مختلف کنوؤں کے ساتھ مشکیزے بہاؤ تاکہ میں جا کر لوگوں کو وصیت کر سکوں۔ یہ بخار کا طریقہ علاج نبی ﷺ نے سکھایا اور آج سائنس بھی یہ ہی کہتی ہے۔

اس کے بعد طبیعت بہتر محسوس کی، مسجد میں آ گئے اور منبر پر بیٹھ کر وصیت کی، فرمایا۔ ''یہود و نصاریٰ پر اللہ کی لعنت ہو، اُنہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مساجد بنالیا۔'' تم لوگ میری قبر کو بت نہ بنانا کہ اس کی پوجا کی جائے۔'' پھر ظہر کی نماز پڑھائی اور پھر فرمایا کہ ''میرے ذمہ جس کا قرض ہے، وہ لے لے۔ میں نے کسی کے ساتھ زیادتی کی ہے تو میری پیٹھ حاضر ہے۔'' ایک شخص نے کہا ''آپ ﷺ کے ذمے میرے 3 درہم ہیں۔'' آپ ﷺ نے فضل سے کہا۔ ''اس کو ادا کر دو۔''

آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''لوگ بڑھتے جائیں گے اور انصار گھٹتے جائیں گے، یہاں تک کہ کھانے میں نمک کی طرح ہو جائیں گے۔ لہٰذا تمہارا جو آدمی کسی نفع نقصان پہنچانے کے کام کا والی ہو تو وہ ان کے نیکوکاروں سے قبول کرے اور ان کے خطا کاروں سے درگزر کرے۔''

آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''ایک بندے کو اللہ نے اختیار دیا ہے کہ یا تو وہ دنیا کی چمک دمک اور زیب و زینت سے جو کچھ چاہے، اللہ اسے دے دے، یا اللہ کے پاس جو کچھ ہے اسے اختیار کر لے۔ تو اس بندے نے اللہ کے پاس والی چیز کو اختیار کر لیا۔''

حضرت ابو سعید خدریؓ کہتے ہیں یہ بات سن کر ابو بکرؓ رونے لگے اور کہا ''ہم اپنے ماں باپ سمیت آپ ﷺ پر قربان۔ ہمیں اس وقت سمجھ نہ آیا مگر چند دن بعد جب رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوئی تو ہمیں سمجھ میں آیا۔''

اسی طرح آپ ﷺ نے لوگوں کو ذہنی طور پر تیار کیا کہ وہ اس دنیا سے جانے والے ہیں۔ مجھ پر اپنی رفاقت اور مال نچھاور کرنے والوں میں ابو بکر ہیں۔ اگر میں اپنے رب کو خلیل نہ بنا چکا ہوتا تو ابو بکر کو بناتا (خلیل کا مطلب صرف ایک ایسا دوست جس کی مثل کوئی نہ ہو) مگر ان کے ساتھ اسلام کی اخوت و محبت ہے۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دنیا میں آخری لمحات

وفات سے چار دن پہلے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سخت تکلیف میں تھے۔ صحابہؓ اردگرد تھے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، لاؤ کچھ لکھنے کی چیز میں کچھ وصیت لکھ دوں۔ اس پر حضرت عمرؓ نے کہا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے، ہمارے پاس قرآن ہے۔ کچھ صحابہؓ بولے، اگر نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مانگ رہے ہیں تو لے کر آؤ، اطاعت کرو۔ کچھ نے کہا۔ جو عمر کہہ رہے تھے، اس طرح شور ہو گیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا۔ ''تم سب یہاں سے اُٹھ جاؤ۔ پھر اسی روز آپ نے تین باتوں کی وصیت فرمائی۔

1- یہود و نصاریٰ اور مشرکین کو جزیرۃ العرب سے نکال دینا۔

2۔ وفود کا اسی طرح اکرام کرنا جیسے خود نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیا۔

3۔ کتاب وسنت کو مضبوطی سے پکڑنا۔

عشاء کے وقت طبیعت زیادہ بگڑ گئی اور پوچھا گیا کیا لوگوں نے نماز پڑھ لی۔ ہم نے کہا نہیں، سب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انتظار کر رہے ہیں۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''ابوبکر سے کہو نماز پڑھائیں۔''

حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ ان کے بجائے عمرؓ سے فرمادیں کیونکہ میرے باپ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مصلے پر کھڑے ہوں گے تو چونکہ رقیق القلب ہیں، پڑھا نہ سکیں گے۔ کچھ اور بھی ازواج وہاں موجود تھیں، اُنہوں نے حضرت عائشہؓ کی تائید کی لیکن نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہر مرتبہ انکار کر دیا اور فرمایا۔ ''تم سب یوسف والیاں ہو اور پھر کہا

ابوبکر سے کہو کہ وہ نماز پڑھائیں۔ یعنی دل میں ان کے کچھ تھا۔ زبان پر کچھ تھا، خود فریفتہ تھیں اور زلیخا کو ملامت کر رہی تھیں۔

ایک دن پہلے

آپ ﷺ کے گھر میں سات دینار تھے، وہ صدقہ کر دیئے۔ اپنے غلاموں کو آزاد کر دیا۔ اپنے تمام ہتھیار مسلمانوں کو تحفہ میں دے دیئے، اس رات عائشہؓ نے چراغ میں ڈالنے کے لیے تیل پڑوسن سے ادھار لیا۔ (یہ نبی ﷺ کا زہد تھا۔)

آخری دن

حضور ﷺ نے فجر کے وقت حضرت عائشہؓ کے حجرے کا پردہ اُٹھایا۔ لوگ صف بستہ نماز پڑھ رہے تھے۔ آپ ﷺ نے تبسم فرمایا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں، حضور ﷺ کو دیکھ کر ہر شخص خوش نظر آتا تھا، قریب تھا کہ لوگ نماز توڑ دیتے، مگر حضور ﷺ نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ نماز مکمل کرلو۔ پھر حجرے کے اندر تشریف لے گئے، پھر کوئی نماز کا وقت آپ ﷺ پر نہیں آیا۔

چاشت کے وقت آپ ﷺ نے اپنی بیٹی حضرت فاطمہؓ کو بلایا اور ان کے کان میں بات کی تو وہ رونے لگیں۔ آپ ﷺ نے اُنہیں پھر بلایا اور سرگوشی کی تو وہ ہنسنے لگیں۔ حضرت عائشہؓ کا بیان ہے ہم سب کو تجسس تھا، کہ حضور ﷺ نے کیا فرمایا مگر ہم نے اس وقت نہیں پوچھا۔ بعد میں جب پوچھا تو حضرت فاطمہؓ نے بتایا کہ پہلی سرگوشی میں بتایا کہ وہ اسی مرض میں انتقال کر جائیں گے۔ اس لیے میں روئی۔ اس کے

بعد والی سرگوشی میں بتایا کہ تمام اہل وعیال میں سب سے پہلے میں اُن سے ملوں گی۔ اس پر میں ہنسنے لگی اور پھر مجھے یہ بشارت بھی دی کہ میں ساری خواتین عالم کی سردار ہوں گی۔

اس وقت رسول اللہ ﷺ بڑے کرب سے دوچار تھے۔ یہ دیکھ کر حضرت فاطمہؓ پکار اُٹھیں واکرب اباہ۔ (ہائے ابا جان کی تکلیف) اس پر حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''آج کے بعد تمہارے ابا کو کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔'' پھر آپ ﷺ نے حسنؓ اور حسینؓ کو بلا کر چوما۔ اور ان کے بارے میں خیر کی وصیت فرمائی اور تمام ازواج مطہرات کو بلایا اور ان کو نصیحت کی۔ پھر آپ ﷺ کی تکلیف بڑھتی جارہی تھی اور آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا۔ ''اے عائشہ! خیبر میں جو کھانا میں نے کھایا تھا، اس زہر کے اثر سے میری رگِ جان کٹی جارہی ہے۔'' آپ ﷺ نے صحابہ کرامؓ کو وصیت کی۔ ''الصلوٰۃ الصلوٰۃ وما ملکت ایمانکم'' (نماز، نماز اور تمہارے زیردست (لونڈی غلام) آپ ﷺ نے یہ الفاظ کئی بار دہرائے۔

نزع کا عالم

پھر نزع کی حالت شروع ہوئی اور حضرت عائشہؓ نے اپنے اوپر ٹیک لگوا دی۔ ایسی تکلیف کے وقت میں جب بندہ اپنے آپ کو بے بس محسوس کرتا ہے تو بیمار کو راحت پہنچانے کے لیے جسمانی طور پر قریب کر لیتا ہے۔ پھر حضرت عائشہؓ کے بھائی عبدالرحمٰن حاضر ہوئے، ان کے ہاتھ میں مسواک تھی۔ اب حضور ﷺ پر کمزوری طاری تھی، بول نہ سکتے تھے۔ وہ مسواک کی طرف دیکھ رہے تھے۔ حضرت عائشہؓ سمجھ گئیں، بھائی سے مسواک لی، اس کو اپنے منہ سے نرم کر کے حضور ﷺ کو دی۔ آپ ﷺ نے اچھی

طرح مسواک کی۔ آپ ﷺ کے سامنے کٹورے میں پانی تھا، آپ ﷺ نے اس میں ہاتھ ڈال کر چہرہ کو پونچھا اور کہا۔ ''اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور موت کے لیے سختیاں ہیں۔'' پھر آپ ﷺ نے چھت کی طرف اُنگلی اُٹھائی اور کچھ انتہائی نحیف آواز میں بولے۔ حضرت عائشہؓ نے کان لگایا تو کہہ رہے تھے۔ ''ان انبیاء صادقین شہداء اور صالحین کے ہمراہ جنہیں تو نے انعام سے نوازا۔ اے اللہ! تو مجھ کو بخش دے۔ مجھ پر رحم کر، مجھ کو رفیق اعلیٰ تک پہنچا دے۔ اے اللہ رفیق اعلیٰ۔ آخری فقرہ تین بار دہرایا۔ اور اُسی وقت ان کا ہاتھ جھک گیا اور آپ ﷺ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ ○

یہ واقعہ 12 ربیع الاوّل 11 ہجری، چاشت کے وقت پیش آیا۔ آپ ﷺ کی عمر عزیز 63 سال 4 دن تھی۔

اس کربناک حادثہ کی خبر فوراً پھیل گئی۔ صحابہؓ انتظار میں تھے، بہت سے صحابہؓ مسجد ہی میں 12 دن سے قیام پذیر تھے۔ اہل مدینہ پر کوہ غم ٹوٹ پڑا۔ حضرت انسؓ کہتے ہیں جس دن رسول اللہ ﷺ مدینہ تشریف لائے اس سے تابناک دن کوئی نہیں اور جس دن آپ ﷺ آسمانوں میں تشریف لے گئے، اس سے زیادہ قبیح اور تاریک دن کوئی نہیں ہے۔ حضرت فاطمہؓ کہہ رہی تھیں، ہائے اباجان جن کا ٹھکانہ جنت الفردوس ہے، ہائے اباجان، ہم جبرئیل کو آپ ﷺ کی موت کی خبر دیتے ہیں۔''

وفات کی خبر سن کر حضرت عمرؓ کے ہوش جاتے رہے، وہ مسجد نبوی میں کھڑے لوگوں سے کہہ رہے ہیں جو کہے گا حضور ﷺ وفات پا گئے ہیں، میں اس کی گردن اُڑا دوں گا۔ وہ حضرت موسیٰ کی طرح تشریف لے گئے اور 40 دن بعد واپس تشریف لائیں گے۔

حضرت ابوبکرؓ، حضور ﷺ کے پاس سے رات کو اطمینان محسوس کر کے اپنے گھر سنح میں گئے تھے۔ وہ وفات کی خبر سن کر واپس آئے۔ حضور ﷺ کے پاس گئے، آپ ﷺ کے چہرے سے چادر اُٹھائی یا پیشانی پر پیار کیا، پھر چادر سے چہرہ ڈھک دیا اور رونے لگے۔ پھر فرمایا۔ میرے ماں باپ آپ ﷺ پر قربان، اللہ آپ ﷺ پر دو موتیں جمع نہیں کرے گا، جو موت لکھ دی گئی وہ آپ ﷺ پر آچکی۔ پھر وہ مسجد نبوی میں آئے اور حضرت عمرؓ کو لوگوں سے بات کرتے دیکھا تو کہا، عمر بیٹھ جاؤ مگر اُنہوں نے انکار کر دیا۔ حضرت ابوبکر صدیقؓ لوگوں کی طرف متوجہ ہوئے اور وہ تاریخ ساز باتیں کیں جو زریں الفاظ ہیں۔ فرمایا:

مَنْ كَانَ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللَّهَ فَإِنَّ اللهَ حَيٌّ لَا يَمُوتُ ط قَالَ اللهُ تَعَالٰى وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ج قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ج اَفَاِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ ج وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللهُ الشّٰكِرِيْنَ o

ترجمہ: ''امابعد۔ تم میں سے جو شخص محمد ﷺ کی پوجا کرتا تھا تو وہ جان لے کہ محمد ﷺ کی وفات ہوگئی ہے اور تم میں سے جو اللہ کی عبادت کرتا تھا تو یقیناً اللہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے، کبھی نہیں مرے گا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔ ''محمد ﷺ نہیں ہیں مگر رسول ہیں۔ ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں، اگر محمد ﷺ مر جائیں یا مارے جائیں تو کیا تم ایڑیوں کے بل پلٹ جاؤ گے، تو (یاد رکھو) وہ اللہ کو کچھ نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور عنقریب اللہ شکر کرنے والوں کو جزا دے گا۔''

صحابہ کرامؓ شدت غم سے حیران و پریشان تھے۔ اُنہیں حضرت ابوبکر صدیقؓ کا خطاب سن کر یقین آیا کہ رسول اللہ ﷺ کی واقعی وفات ہوگئی ہے۔ ابن عباسؓ نے کہا یوں لگا یہ آیت ہم بھول چکے تھے اور اب ہر شخص یہ آیت پڑھتا نظر آتا تھا۔

تجہیز و تکفین

حضور ﷺ کے انتقال پر ملال کے بعد اس سوگوار ماحول میں فوراً اس بات کی طرف توجہ دی گئی کہ خلیفہ اب کون ہوگا؟ یہ نہایت ضروری امر تھا۔ الحمدللہ اس پر توجہ دی گئی اور سقیفہ بن ساعدہ میں خلیفہ کے تقرر کے مرحلے میں مذاکرات اور مباحث ہوتے رہے، اس میں پہر کا باقی دن لگ گیا اور پھر آخر کار حضرت ابوبکرؓ کے نام پر سب متفق ہوگئے اور بیعت کر لی۔ (بخاری) منگل 13 ربیع الاوّل کی صبح ہے۔ کپڑے اُتارے بغیر آپ ﷺ کو غسل دیا گیا۔ جن میں شامل آپ ﷺ کے چچا عباسؓ، ان کے دو بیٹے فضلؓ اور قثمؓ حضرت علیؓ، حضرت اُسامہ بن زیدؓ، حضرت اوسؓ بن خولی اور آپ ﷺ کے آزاد کردہ غلام شقرانؓ نے یہ خدمت انجام دی۔ آپ ﷺ کو تین سفید یمنی چادروں کا کفن دیا گیا۔ اب آپ ﷺ کے دفن کی جگہ کے بارے میں بات ہوئی تو اس میں بھی حضرت ابوبکر صدیقؓ نے رہنمائی کی کہ نبی ﷺ نے فرمایا۔ ''نبی ﷺ کی جس جگہ موت ہوتی ہے، وہ وہیں دفنایا جاتا ہے۔'' جس جگہ آپ ﷺ کی وفات ہوئی، آپ ﷺ کا بستر اُٹھا کر اس کی جگہ پر قبر کھودی گئی، اس کے بعد کمرہ کے چھوٹا ہونے کی وجہ سے 10 افراد آتے، نماز جنازہ

پڑھتے اور چلے جاتے۔ سب سے پہلے بنو ہاشم کے مرد آئے، پھر عورتیں، پھر بچے، اس کے بعد مہاجرین مرد عورتوں اور بچوں نے آ کر نماز پڑھی۔ پھر انصار آئے، اُنہوں نے بھی نماز اسی طرح پڑھی۔ نماز جنازہ پڑھنے میں منگل کا پورا دن گزر گیا۔ ابن دحیہؒ کہتے ہیں 3000 لوگوں نے نماز جنازہ پڑھنے کی سعادت پائی۔ اس عمل میں منگل کا پورا دن ختم ہو گیا اور بدھ کا دن بھی ختم ہونے کو ہے۔ پھر بدھ کی رات محمد ﷺ کو قبر میں اُتارا گیا۔ کائنات کا سب سے مبارک وجود اور بابرکت خطہ زمین جسے اس سراپا کو اپنے دامن میں سمیٹنے کا شرف عطا ہوا، وہ حجرۂ عائشہؓ تھا۔

تدفین کے بعد صحابہ نڈھال اور غم زدہ لوٹ رہے ہیں۔ حضرت انسؓ بھی غمزدہ ہیں، حضرت فاطمہؓ کے حجرے کے پاس سے گزرے تو اُنہوں نے شدت غم سے فرمایا۔ ''انس تمہارے دلوں نے کیسے گوارا کر لیا کہ آقا ﷺ کے جسم پر مٹی ڈال کر چلے آئے۔'' پھر کسی سے ضبط نہ ہوا اور گریہ شروع ہو گیا۔

حضرت بلالؓ فجر کی اذان دینے کھڑے ہوتے ہیں اور جب

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ ..... وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ

پر پہنچتے ہیں تو چیخ نکل جاتی ہے کیونکہ اس فقرے پر وہ رسول اللہ ﷺ کی طرف دیکھا کرتے تھے اور آج نبی کریم ﷺ موجود نہ تھے۔ کہتے ہیں کہ اس کے بعد اُنہوں نے اذان دینی چھوڑ دی اور حضرت عمرؓ کے دور میں ان کی فرمائش پر جب اُنہوں نے اذان دی تو بلال کی اذان سن کر مدینہ کے لوگ روتے ہوئے گھروں سے نکل آئے۔

اس طرح تاریخ انسانی کا سب سے تابناک دور کا خاتمہ ہو گیا۔ روضۂ رسول ﷺ آج بھی ہے۔ عاشقان رسول ﷺ اس کی زیارت کرنے چشم نم اور دھڑکتے دل کے ساتھ حاضر ہوتے ہیں، وہاں جا کر احترام رسول کا جذبہ سوا ہوتا ہے اور سکینت ان پر

چھا جاتی ہے۔ درود وسلام کا تحفہ لیے حاضر ہوتے ہیں، اس جگہ پر نماز پڑھتے ہیں جس کو آقا ﷺ نے فرمایا تھا کہ میرے گھر سے منبر تک کا فاصلہ جنت کا ٹکڑا ہے۔ وہاں ان ستونوں کی بھی زیارت کرتے، ستون وفود ستون ابی لبابہ وغیرہ وغیرہ۔

آقا ﷺ کی سیرت ایسا سمندر ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں اور گہرائی بہت ہے۔ بیان کرنے والے سیرت بیان کرتے رہیں گے، لکھنے والے لکھتے رہیں گے۔ مگر آقا ﷺ کی سیرت کے کسی ایک پہلو کا حق ادا نہیں ہو سکے گا۔

آپ سب کے سامنے سیرت کا مختصر خاکہ آ گیا۔ آپ اب اس پیغام کو سینوں میں اُتارنے کا عہد کیجیے۔ اپنے کردار میں اس کو لانے کی بھرپور کوشش کیجیے۔ ان کی سیرت کی روشنی میں دنیا کی سیاست کو سمجھنے کی اور ان فتنوں سے نمٹنے کی کوشش کیجئے۔ جتنا جتنا ہم آپ ﷺ کو جانتے رہیں گے، اتنا اتنا ہمارے دل و دماغ میں ان کی عظمت کا سکہ ہمارے اوپر چلتا رہے گا۔ اب ہم ان کے نور سے خود کو بھی منور کریں گے اور دوسروں کو بھی ان میں حصہ ڈالنے کو کہتے رہیں گے۔ اپنا عملی نمونہ پیش کرتے رہیں گے۔ ان شاء اللہ

اگلے صفحات میں رسول اللہ ﷺ کی گھریلو زندگی، بیویوں اور بچوں کے ساتھ سلوک کی اور تعزیری سزاؤں کے بارے میں مختصر بیان کو رقم کیا جائے گا۔

عدل وانصاف کے بارے میں حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ارشادات

آپ نے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کی سرگزشت میں بہت سارے عدل وانصاف کے واقعات پڑھ لیے ہیں اب ہم ان چند ارشادات کا ذکر کریں گے کہ عدل و انصاف کی اہمیت کیا ہے اور انصاف کتنا ضروری ہے۔

عدل کے بارے میں احادیث مبارکہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''عادل حکمران اللہ کے پاس دائیں طرف اور نورانی منبروں پر ہوں گے۔'' (کتاب مسلم)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''جس نے میری اطاعت کی، اس نے اللہ کی اطاعت کی، جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے میرے عادل حکمران کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میرے عادل حکمران کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی۔ (کتاب بخاری)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''تین افراد کی دعا رَد نہیں ہوتی۔

۱۔ روزہ دار کی دعا افطار کے وقت

۲۔ عادل حکمران کی دعا

۳۔ مظلوم کی دعا جب اس پر ظلم کیا جائے۔ (بخاری الترغیب)

عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک گواہ اور ایک قسم پر بھی فیصلہ فرمایا ہے۔ ایک مرتبہ ایک یہودی نے ایک مسلمان عورت کا سر پتھر سے کچل دیا تھا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس یہود کے سر کو اسی طرح کچلنے کا حکم دیا۔ (صحیح بخاری)

اُم المومنین اُم سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''بلاشبہ میں ایک انسان ہوں، اور میرے پاس لوگوں کے جھگڑے آتے ہیں، عین ممکن ہے تم میں سے ایک زیادہ چرب زبان ہو اور اس کی چرب زبانی کی وجہ سے میں یہ سمجھوں کہ وہ سچا ہے۔ یاد رکھو اگر کسی کی چرب زبانی کی وجہ سے میں نے کسی حق دار مسلمان کے خلاف اس کے حق میں فیصلہ دے دیا تو وہ جہنم کا ٹکڑا ہے، اب جس کا جی چاہے اسے اپنے پاس رکھ لے۔ ورنہ چھوڑ دے۔'' (فتح الباری)

سیّدنا عبداللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ دو اشخاص کے سوا کسی پر حسد جائز نہیں۔ ایک وہ کہ جس کو اللہ نے مال دیا اور وہ اسے اللہ کی راہ میں مسلسل خرچ کرتا رہے اور دوسرا وہ جسے اللہ نے علم و حکمت عطا فرمائی اور وہ اسے لوگوں کو سکھانے اور ان کے درمیان عدل کرنے میں مشغول ہو۔ (کتاب صحیح مسلم)

بریدہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''قاضی تین قسم کے ہوتے ہیں، دو قسم کے جہنمی اور ایک قسم کا جنتی ہے۔ ۱۔ جس نے حق بات کو پہچانا اور اس کے مطابق فیصلہ کیا وہ جنتی ہے۔ ۲۔ قاضی جس نے جہالت کی بناء پر فیصلہ کیا (یعنی حق بات کو نہ پہچان سکا اور نہ کوشش کی) وہ جہنمی ہے۔ ۳۔ قاضی جس نے حق کو پہچاننے کے باوجود حق کے خلاف فیصلہ دیا وہ بھی جہنمی ہے۔ (کتاب سنن ابن ماجہ)

سیّدنا عمرو بن العاصؓ روایت کرتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''جب کوئی فیصلہ کرنے والا اپنی کوشش کے مطابق فیصلہ کرے اور اس کا فیصلہ درست ہو تو اس

کے لیے دو اجر ہیں اور اگر انتہائی کوشش کے باوجود اس سے غلطی ہو جائے تو اس کے لیے ایک اجر ہے۔'' (صحیح بخاری)

عدل و انصاف کی زندگی کے ہر شعبہ میں ضرورت ہوتی ہے، چاہے وہ زمین کا مقدمہ ہو یا جائداد کا ہو، یا فوج میں واقع کسی غداری کا ہو یا وزیروں کی کرپشن کا ہو، یا میاں بیوی کے جھگڑے کا مقدمہ ہو یا قتل کا مقدمہ ہو یا گستاخ رسول کا مقدمہ ہر جگہ حضور ﷺ کی رہنمائی ملتی ہے۔ حضور ﷺ نے مقدمے نمٹا کر بھی دکھائے ہیں اور ان کے بارے میں بہت سے ارشادات بھی فرماتے ہیں جس قوم میں عدل و انصاف کی حکمرانی ہوتی ہے وہ قوم ترقی کرتی ہے اور جہاں کہیں عدل و انصاف میں یا تو بہت طوالت ہوتی ہے یا پھر ایک فریق کی طرف داری ہوتی ہے چاہے وہ کسی کے دباؤ پر ہو یا اپنی نیت کھوٹی ہو اور ظلم پر مبنی فیصلے کیے جاتے ہوں، وہ قوم کبھی آگے جا نہیں سکتی۔ اللہ ہمیں عادل حکمران عطا فرمائے تاکہ ہم مسلمان بھی اس عدل کے پھل استعمال کر سکیں جو غیر اقوام عدل قائم کر کے حاصل کر رہی ہیں۔

إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعُ

تَعْصِي الرَّسُوْلَ وَأَنْتَ تُظْهِرُ حُبَّهُ
هٰذَا لَعُمْرِيْ فِي الْقِيَاسِ بَدِيْعُ
لَوْ كَانَ حُبُّكَ صَادِقاً لَأَطَعْتَهُ
إِنَّ الْمُحِبَّ لِمَنْ يُّحِبُّ مُطِيْعُ

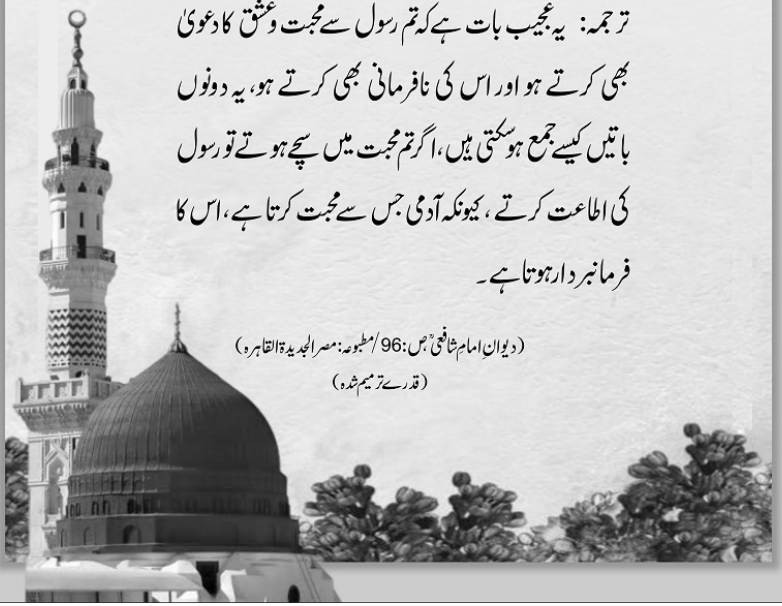

ترجمہ: یہ عجیب بات ہے کہ تم رسول سے محبت وعشق کا دعویٰ بھی کرتے ہو اور اس کی نافرمانی بھی کرتے ہو، یہ دونوں باتیں کیسے جمع ہوسکتی ہیں، اگر تم محبت میں سچے ہوتے تو رسول کی اطاعت کرتے، کیونکہ آدمی جس سے محبت کرتا ہے، اس کا فرمانبردار ہوتا ہے۔

(دیوانِ امام شافعیؒ ص:96/مطبوعہ: مصر الجدیدۃ القاہرہ)
(قدرے ترمیم شدہ)

ضمیمہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ازدواجی زندگی

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت مثالی شوہر

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت مثالی باپ

سزاؤں پر محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کریمانہ فیصلے

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق عالیہ کے چند مظاہر

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزاح

محمد ﷺ کی ازدواجی زندگی

آپ ﷺ نے اپنی بیویوں کے ساتھ اُلفت، محبت اور دلداری کا بہترین عملی نمونہ پیش کیا ہے۔ وہ تمام عناصر جو ازدواجی زندگی کو خوبصورت اور خوشگوار بناتے ہیں، وہ سب آپ ﷺ میں بدرجہ اُتم موجود تھے۔ وہ دلداری ہو یا وفاداری، تعلیم و تربیت کے لیے اصلاح ہو یا مختلف بیویوں کے ساتھ رہنے میں انصاف کا معاملہ کرنا ہو سب میں آپ ﷺ کا کامل نمونہ نظر آتا ہے۔ جب تک نسل انسانی کا وجود باقی رہے گا۔ آپ ﷺ کا ہی نمونہ سب کے لیے مشعل راہ رہے گا۔

اب ہم محمد ﷺ کی ازواج مطہرات کا مختصر تعارف پیش کرتے ہیں اور یہ بتائیں گے کہ ہر ایک کے ساتھ آپ ﷺ کا رویہ مثالی تھا۔

ام المومنین حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا

یہ محمد ﷺ کی سب سے پہلی بیوی ہیں، جن کی دو مرتبہ شادی ہو چکی تھی، ایک مرتبہ طلاق ہوئی اور دوسری مرتبہ بیوہ ہو گئیں۔ ان کی عمر 40 برس تھی، وہ حضور ﷺ کے تقویٰ، صداقت اور امانت کی معترف تھیں۔ مکہ کی مالدار تاجرہ تھیں۔ حضور ﷺ کی عمر اس وقت 25 سال تھی۔ حضور ﷺ نے ان سے شادی کے بعد ان کے ساتھ بہت اچھی زندگی گزاری۔ ''نبی'' بننے سے پہلے بھی وہ آپ ﷺ کے ساتھ اچھی

طرح رہتی تھیں اور نبی بننے کے بعد حضور ﷺ کی رفاقت میں شعب ابی طالب میں محصوری کے تین شدید سال گزارے۔ مگر ان کی رفاقت پر مطمئن رہیں۔ ان کے بطن سے حضور ﷺ کے چھ بچے پیدا ہوئے، چار لڑکیاں، رقیہؓ، زینبؓ، ام کلثومؓ اور فاطمہؓ، اور دو لڑکے عبداللہ اور قاسم پیدا ہوئے۔ دونوں لڑکے مشیت ایزدی سے بچپن ہی میں وفات پا گئے۔ چاروں لڑکیاں حیات رہیں۔ جوان ہوئیں اور ان کی شادیاں کی گئیں۔ حضرت خدیجہؓ کو آپ ﷺ سے بہت محبت تھی۔ پہلی وحی کا جب حضور ﷺ پر نزول ہوا تو یہ خدیجہؓ ہی تھیں کہ اُنہوں نے ان کو تسلی دی اور یقین دلایا کہ چونکہ وہ خود بہت اچھے ہیں، بندوں کے اور اللہ کے پسندیدہ ہیں تو ان کے ساتھ کچھ برا نہ ہوگا۔ نبی بننے کے بعد حضور ﷺ دعوت کے کام میں مصروف رہتے تھے اور جو غلام، کمزور لوگ مسلمان ہو جاتے ان پر زندگی کا دائرہ کفار تنگ کر دیتے، بہت ظلم کرتے، ستاتے، ایسے ہی ایک ظلم کو دیکھنے کی وجہ سے حضور ﷺ ایک روز اُداس بیٹھے تھے۔ خدیجہؓ نے سبب پوچھا تو بتایا۔ اُنہوں نے کہا آپ ﷺ رنجیدہ کیوں ہوتے ہیں، بہت سارا مال لا کر آپ ﷺ کے سامنے ڈھیر کر دیا۔ اور کہا یہ آپ ﷺ کا مال ہے، اپنی مرضی سے اس کو استعمال کیجیے۔ حضور ﷺ نے یہ مال مظلوم مسلمان غلاموں اور کمزوروں کو خریدنے پر خرچ کر دیا کیونکہ وہ ان پر ظلم ہوتا برداشت نہ کر سکتے تھے اور کفار بھی ایسے غلاموں کی قیمت خوب بڑھا دیا کرتے تھے۔ حضرت خدیجہؓ کے فضائل میں یہ بات بھی ہے کہ ایک مرتبہ وہ کھانا لے کر محمد ﷺ کے پاس غار حرا آ رہی تھیں کہ جبرئیل نے کہا۔ یہ خدیجہ آ رہی ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو سلام کہہ رہے ہیں اور میرا بھی ان کو سلام پہنچا دیجیے۔ ان کے آنے پر حضور ﷺ نے جب یہ سلام پہنچایا تو حضرت خدیجہؓ بہت خوش ہوئیں۔ ان کی خوش

نصیبی کا کیا کہنا۔ ان کا انتقال 65 برس کی عمر میں مکہ میں ہوا۔ حضور ﷺ نے اپنی عمر سے بڑی ایک عورت کے ساتھ نہایت خوشگوار زندگی گزاری۔ آپ ﷺ ایک مثالی شوہر تھے۔ ان کی زندگی میں کوئی دوسری شادی نہیں کی۔

ام المومنین حضرت سودہؓ بنت زمعہ

حضرت خدیجہؓ کے انتقال کے بعد دوسرا نکاح سودہ بنت زمعہ سے کیا جو ایک بیوہ اور عمر رسیدہ خاتون تھیں۔ حضرت عائشہؓ سے نکاح کے بعد جب حضور ﷺ نے ان کو جدا کرنا چاہا تو وہ اپنے حقوق کی کمی پر راضی رہیں مگر حضور ﷺ کی مفارقت پر راضی نہ ہوئیں اور اپنی باری حضرت عائشہؓ کو ہبہ کر دی۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ

ان کے ساتھ حضور ﷺ کی تیسری شادی تھی اور ان سے نکاح من جانب اللہ تھا۔ کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''تین راتیں مسلسل میں تجھے ایسے خواب میں دیکھتا رہا کہ ایک فرشتہ ریشم کے کپڑے پر لپٹی تیری تصویر کو میرے سامنے لاتا کہ یہ آپ ﷺ کی بیوی ہے۔ تصویر کا پردہ ہٹا کر چہرہ دیکھتا تو وہ بالکل تیرا ہی چہرہ ہوتا تھا۔ میں یہ دیکھ کر کہہ دیا کرتا کہ اگر یہ اطلاع اللہ کی طرف سے ہے تو وہ خود ہی انتظام بھی کر دے گا۔'' حضور ﷺ سے ان کا نکاح 6 سال کی عمر میں ہوا اور جیسے ہی وہ بالغ ہوئیں تو ان کی رخصتی مدینہ میں عمل میں آئی۔ وہ نہایت سمجھ دار اور عقلمند خاتون تھیں۔ محمد ﷺ ان سے بہت محبت کرتے تھے اور ان کی چھوٹی سے چھوٹی خوشی کا

خیال رکھتے۔ کبھی ان کے ساتھ کھیلا کرتے اور دوڑ کا مقابلہ کرتے تو کبھی وہ اگر کوئی کچھ دیکھنے کی خواہش کرتیں تو اسے پورا فرماتے۔ جیسے ایک مرتبہ مسجد نبوی میں کچھ حبشی نیزہ بازی کا کرتب دکھا رہے تھے۔ اُنہوں نے دیکھنے کی خواہش کی اور حضور ﷺ کے کندھے پر چہرہ رکھے دیکھتی رہیں۔ جب تک وہ خود سیر نہ ہوگئیں، حضور ﷺ نہ اُٹھے۔ محبت کے اظہار کے لیے گلاس کے جس حصے سے حضرت عائشہؓ کوئی مشروب پیتیں، اسی حصے پر منہ رکھ کر آپ ﷺ بھی پیتے۔ حضور ﷺ کی نجی زندگی کی بہت ساری باتیں حضرت عائشہؓ کی وجہ سے اُمت کو معلوم ہوئیں۔ دین سمجھنے کے لیے حضور ﷺ سے سوالات کیا کرتیں اور ان کے بتائے ہوئے جوابات یاد کرلیا کرتیں۔ اس طرح بہت سی حضور ﷺ کی باتیں حدیثوں کی شکل میں اُمت کو ملیں اور احادیث نبویؐ کا ایک بہت بڑا ذخیرہ حاصل ہوا۔ حضرت عائشہؓ کی روایت کردہ حدیثوں کی تعداد 2210 ہے۔

ام المومنین حضرت حفصہ بن عمرؓ

یہ حضور ﷺ کا پانچواں نکاح تھا۔ جس کی روداد بڑی دلچسپ ہے۔ ہوا یوں کہ حضرت حفصہؓ کے شوہر جنگ بدر میں شہادت پا گئے۔ حضرت عمرؓ کو ان کے نکاح کی فکر ہوئی، وہ پہلے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس گئے اور ان کو اپنی بیٹی کا پیغام دیا مگر وہ خاموش رہے۔ پھر وہ عثمانؓ کے پاس گئے اور ان کو اپنی بیٹی کا پیغام دیا مگر اُنہوں نے بھی سکوت اختیار کیا۔ دراصل ان دونوں کو معلوم تھا کہ حضور ﷺ خود حفصہؓ سے نکاح کا ارادہ رکھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ اپنے دونوں اصحاب کے رویہ سے بہت رنجیدہ

ہوئے اور جا کر قصہ حضور ﷺ کو سنایا تو حضور ﷺ نے فرمایا ممکن ہے حفصہ کو عثمان سے اچھا شوہر ملے اور عثمان کو حفصہ سے بہتر بیوی ملے۔ چنانچہ اس کے بعد حضور ﷺ نے خود حفصہؓ کے لیے پیغام دیا اور ان سے شادی کر کے گویا حضرت عمرؓ سے قرابت داری قائم کر لی اور حضرت عثمانؓ کا نکاح حضور ﷺ کی دوسری صاحبزادی اُم کلثوم سے ہوا۔ کیونکہ ان کی پہلی بیوی رقیہؓ بھی غزوۂ بدر کے فوراً بعد وفات پا گئی تھیں۔ ان کی عمر 35 سال تھی۔ حضرت عثمانؓ اسی لیے ''ذوالنورین'' (دونور والے) کہلائے۔

ام المومنین حضرت زینبؓ بنت خزیمہ

پانچواں نکاح حضرت زینبؓ سے ہوا۔ یہ بھی بیوہ تھیں، ان کے شوہر عبداللہ بن جحشؓ تھے، جو غزوۂ احد میں شہادت پا گئے تھے۔ نکاح کے بعد یہ صرف تین ماہ زندہ رہیں۔ یہ غریبوں اور مسکینوں کا بہت خیال رکھتی تھیں، اسی لیے ''ام المساکین'' کے لقب سے مشہور تھیں۔ یہ آپ ﷺ کی دوسری بیوی تھیں جن کو خود آپ ﷺ نے قبر میں اُتارا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی۔

ام المومنین حضرت اُم سلمہؓ

ان کا اصل نام ھند تھا، اپنے بیٹے سلمہ کی وجہ سے وہ ام سلمہ اور ان کے شوہر ابوسلمہ کے نام سے مشہور ہوئے۔ اُنہوں نے اوائل اسلام میں ہی اسلام قبول کر لیا تھا اور ظلم سے تنگ آ کر پہلے ہجرت حبشہ کی۔ مکہ واپس آئیں تو حالات ویسے ہی تھے تو ان کی

فیملی نے مدینہ ہجرت کرنے کا ارادہ کیا۔ سن گن پا کر اُم سلمہ کے گھر والے آ گئے اور کہنے لگے تمہارا بیٹا جہاں چاہے جائے، ہماری بیٹی اب کہیں نہیں جائے گی اور وہ ان کو لے گئے۔ ابوسلمہؓ نے مدینہ ہجرت کر لی۔ اب ابوسلمہؓ کے گھر والے غصہ میں آئے اور ان کا بیٹا ان سے چھین کر لے آئے، اب وہ تنہا رہ گئیں، روزانہ شہر کے ایک پہاڑ کے ٹیلے پر بیٹھ کر رویا کرتیں۔ اپنے بچے اور شوہر کو یاد کرتیں، 15 روز اسی طرح گزر گئے تو ایک کافر کو ترس آیا اور اس نے جا کر دونوں قبیلے والوں سے بات کی کہ اس بے کس عورت پر رحم کرو، اس کا بیٹا واپس کرو اور اس کو اس کے شوہر کے پاس جانے دو۔ چنانچہ وہ لوگ راضی ہو گئے اور ان کو ایک اونٹ پر بٹھا کر کہا کہ جاؤ اکیلی مدینہ چلی جاؤ۔ ایک بھلے مانس شخص عثمان کو رحم آیا اور وہ ان کو ''قبا'' میں ان کے شوہر کے پاس چھوڑ آیا۔ اس کے بعد ان کے تین بچے اور پیدا ہوئے۔ دونوں بہت اچھی زندگی گزار رہے تھے کہ ایک غزوہ میں ابوسلمہؓ کو ایک مہلک زخم آیا اور وہ بعد میں اسی میں انتقال کر گئے۔ جب ان پر یہ مصیبت پڑی تو پہلے تو اُنہوں نے اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ o پڑھا تو پھر اُنہیں وہ دعا یاد آ گئی جو حضور ﷺ نے رنج و مصیبت پر پڑھنے کے لیے سکھائی تھی۔ اُنہوں نے اسے پڑھا۔ ''اَللّٰھُمَّ اْجُرْنِیْ فِیْ مُصِیْبَتِیْ وَاخْلُفْ لِیْ خَیْرًا مِّنْھَا۔''

ترجمہ: اے اللہ میری مصیبت پر اجر عطا فرما اور مجھے اس کا اچھا بدل عطا فرما۔''

اُنہوں نے دعا پڑھ تو لی مگر سوچا ابوسلمہؓ سے بہتر شوہر کون ہو سکتا ہے؟ وہ ایک بہترین شوہر تھے۔ مگر جب محمد ﷺ کا پیغام آیا تو ان کو اس دعا کی قبولیت کا احساس ہوا۔ حضور ﷺ نے ان کے بچوں کی کفالت کا ذمہ لیا اور ان کا عذر تھا کہ وہ غیرت والی ہیں، بڑی عمر کی ہیں۔ تو حضور ﷺ نے اس کی پرواہ نہ کی اور فرمایا میری عمر تم

سے زیادہ ہے۔ چنانچہ نکاح ہوگیا۔ اُم سلمہ نہایت زیرک اور سمجھ دار خاتون تھیں۔ صلح حدیبیہ کے زمانے میں ان کا ایک مشورہ بہت مشہور ہوا۔ جب حدیبیہ میں صلح نامہ لکھا جاچکا تو حضور ﷺ نے اعلان کردیا کہ اس سال معاہدہ کے مطابق ہم عمرہ نہیں کریں گے اور سب لوگ اپنے سر منڈوالیں اور جانوروں کو قربان کردیں مگر حضور ﷺ کے فرمانے پر کوئی نہ اُٹھا۔ کتنی حیرت کی بات تھی کہ یہ وہ صحابہ کرامؓ جو آپ ﷺ کے اشارے پر اپنی جان قربان کرنے کو تیار رہتے تھے۔ اس حکم پر زمین سے چپکے رہ گئے کوئی نہ اُٹھا۔ آپ ﷺ اپنے خیمے میں گئے اور اپنی زوجہ اُم سلمہؓ سے مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ اُنہوں نے کہا اس وقت وہ سب رنجیدہ ہیں، ان کی اطاعت و جانثاری میں کوئی فرق نہیں آیا ہے۔ جایئے باہر جاکر اپنا سر منڈوایئے اور اپنا جانور قربان کردیجیے اور اپنا احرام اُتاریئے چنانچہ آپ ﷺ گئے اور ایسا ہی کیا۔ بس اب کیا تھا حضور ﷺ کے اس عمل کی تمام صحابہؓ نے پیروی کی۔ سب نے یہ کام بڑھ بڑھ کر کرنا شروع کردیئے۔ اُم سلمہؓ سے 378 حدیثیں مروی ہیں۔

ام المومنین حضرت جویریہؓ

5 ہجری میں بنی المصطلق پر حملہ کیا گیا۔ مسلمانوں کو فتح ہوئی۔ 700 لوگ گرفتار ہوئے جس میں سردار کی بیٹی جویریہ بھی شامل تھیں۔ سب عورتیں فوج میں بانٹ دی گئیں اور جویریہ، ثابت بن قیسؓ کے حصے میں آئیں۔ مگر سردار زادی تھیں، باندی بننا پسند نہ کیا۔ ثابتؓ سے اپنی آزادی کے لیے پیسے طے کرلیے۔ پھر حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور مدد طلب کی۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''اگر تم منظور کرو تو

میں تمہارے پیسے بھی دے دیتا ہوں اور تم کو شادی کی آفر بھی دیتا ہوں۔ اس آفر کو اُنہوں نے قبول کرلیا۔ جب لوگوں کو شادی کا پتہ چلا تو اُنہوں نے کہا کہ یہ سب قیدی تو حضور ﷺ کے سسرالی رشتہ دار ہو گئے، ہم کیسے ان سب کو لونڈی اور غلام کی حیثیت سے رکھ سکتے ہیں۔ سب نے اپنے قیدیوں کو رہا کر دیا۔ نکاح کے بعد ان کے باپ اور بھائی آئے جو بہت سا مال فدیہ میں دینے کے لیے اور اونٹ ساتھ لائے تھے۔ اُنہوں نے عرض کیا کہ ہماری بیٹی کو چھوڑ دیا جائے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''آپ چاہیں تو اپنی بیٹی کو لے جاسکتے ہیں۔'' مگر جویریہؓ نے کہا ''میں نے اپنی چوائس سے آپ ﷺ کو پسند کیا ہے اور میں ہرگز واپس نہ جاؤں گی۔'' پھر وہ حضور ﷺ کے پاس آئے تو حضور ﷺ نے ان سے کہا ''وہ دو اونٹ جو تم فلاں وادی میں چھپا آئے ہو ان کا معاملہ میں جانتا ہوں، وہ تو حیران رہ گئے۔ کیونکہ یہ بات ان کے سوا کوئی نہ جانتا تھا۔ وہ بھی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گئے کیونکہ ان کو پتہ چل گیا کہ ان کو اسی علیم وخبیر ہستی نے بتایا ہے جو اپنے کلام کو ان پر نازل کرتا رہتا ہے چنانچہ تمام قبیلے والے اپنے اپنے گھروں کو واپس چلے گئے۔ حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں۔ ''میں نے کوئی عورت ایسی نہیں دیکھی جو اپنے پورے قبیلے کے لیے اتنی باعث خیر وبرکت ہو کہ تمام قبیلہ بھی رہا ہو گیا اور محمد ﷺ کا ساتھ بھی ان کو نصیب ہو گیا۔

اُم المومنین حضرت اُم حبیبہؓ

یہ قدیم الاسلام خاتون تھیں۔ اُنہوں نے اپنے پہلے شوہر عبیداللہ بن جحشؓ کے ساتھ پہلے ہجرت حبشہ کی۔ ان کا نام ''رملہ'' تھا۔ اپنی بیٹی حبیبہ کی وجہ سے اپنی کنیت اُم حبیبہؓ

سے مشہور ہوئیں، ان کی ماں ہندہ باپ ابوسفیان اور دیگر اہل خانہ سخت دشمن اسلام تھے، مگر ان کے دل میں اللہ اور اس کے رسول کی عظمت بھری ہوئی تھی۔ حبشہ جا کر ان کا شوہر عیسائی ہوگیا اور ان کو بھی بہت ترغیب دینے لگا اور اُکسانے لگا کہ وہ بھی عیسائی مذہب اختیار کرلیں مگر اُنہوں نے اس کی ایک نہ سنی اور وہ اسی ارتداد کی حالت میں وفات پا گیا۔ رسول اللہ ﷺ کو جب پتہ چلا تو آپ ﷺ نے مدینہ سے ضمادؓ کو پیغام نکاح دینے بھیجا۔ نجاشی بادشاہ کو پتہ چلا تو اس نے نکاح غائبانہ اپنے گھر پر کیا۔ ضمادؓ ولی بنے اور نجاشی وکیل بنا۔ اُس نے اُم حبیبہؓ کو بہت سے تحائف بھی دیئے۔ اس کے بعد دو کشتیوں میں مسلمانوں کو سوار کرا کے مدینہ بھیج دیا کیونکہ اس وقت ہجرت فرض تھی۔

اُم حبیبہؓ کی خاص بات یہ ہے کہ وہ اپنے عقیدہ پر راسخ تھیں۔ نامساعد حالات میں بھی ایمان نہ چھوڑا اور ان کے باپ ابوسفیان ایک مرتبہ ان سے ملنے آئے۔ اس وقت صلح حدیبیہ کا معاہدہ مکہ والوں نے توڑ ڈالا تھا اور مسلمانوں کے حلیف قبیلہ پر بڑے ظلم کیے تھے، مگر جب وہ اس کو جوڑنے مدینہ آیا تو بیٹی کے گھر گیا تو اُم حبیبہؓ کے رویہ سے ظاہر ہوگیا کہ وہ نبی ﷺ سے انتہائی محبت کرتی ہیں اور کافر باپ کو ان پر ترجیح نہیں دیتیں۔ اُنہوں نے حضور ﷺ کے بستر کو لپیٹ کر الگ رکھ دیا اور کہا کہ تم اس پر بیٹھنے کے لائق نہیں ہو۔ کیونکہ تم مشرک ہو۔ ایک مرتبہ اُم حبیبہؓ سے ملنے ان کا مسلمان بھائی معاویہؓ آئے اور وہ ان کے ساتھ بہت خوش نظر آتی تھیں۔ حضور ﷺ نے دیکھا تو فرمایا کیا تم کو اپنے بھائی سے بہت پیار ہے؟ اُنہوں نے اثبات میں جواب دیا تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''میں بھی اس سے اتنی ہی محبت رکھتا ہوں۔'' سوچیے حضور ﷺ کے اس ارشاد سے اُم حبیبہ کا دل کتنا مسرور ہوا ہوگا کیونکہ ہر بیوی یہ چاہتی ہے کہ اس کا شوہر اس کے گھر والوں سے بھی ایسے ہی پیار کرے جیسے وہ خود ان کو محبوب رکھتی ہے۔

اُم المومنین حضرت صفیہؓ

آپ یہودی قبیلہ بنی نضیر کے سردار کی بیٹی تھیں اور بنو قریظہ کے سردار کی بیوہ تھیں کیونکہ وہ غزوۂ خیبر میں مسلمانوں کے خلاف لڑتے ہوئے مارا گیا تھا، عمر 17 سال تھی اور نہایت حسین و جمیل تھیں۔ غزوۂ خیبر میں فتح کے بعد جب یہ قید ہو کر آئیں تو حضور ﷺ نے ان کو آفر کی کہ اگر تم چاہتی ہو تو میں تجھے آزاد کر دوں تو تجھے آزاد کر دیتا ہوں اور تم جہاں چاہو چلی جاؤ یا تم نکاح مجھ سے کرنا چاہو تو میں تم سے نکاح کر لیتا ہوں۔

حضرت صفیہؓ نے فرمایا ''میں تو یہاں آنے سے پہلے ہی آپ ﷺ کی گرویدہ تھی۔ میں آپ ﷺ سے نکاح کرنا پسند کروں گی۔'' پھر رسول اللہ ﷺ نے ان کے چہرے پر نشان دیکھا تو پوچھا۔ ''یہ کیسے ہوا؟'' اُنہوں نے بتایا ''خیبر میں آپ ﷺ کی آمد سے پہلے میں نے ایک خواب دیکھا کہ آسمان کا چاند میری جھولی میں آ گرا۔ یہ خواب جب شوہر کو سنایا تو اس نے مجھے ایک زوردار تھپڑ رسید کیا اور کہا کہ عرب کے بادشاہ سے شادی کے خواب دیکھتی ہے۔'' وہ آپ ﷺ کے عقد میں آ گئیں اور ان کا ولیمہ بہت سادگی سے کیا گیا۔ آپ ﷺ مدینہ کی طرف عازم سفر تھے اور ایک جگہ پڑاؤ کیا تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''آج ولیمہ ہے، سب مل کر ایک ساتھ بیٹھیں گے اور کھائیں گے چنانچہ جس کے پاس جو تھا وہ لے آیا تو کوئی پنیر تو کوئی گوشت تو کوئی روٹی۔ سب نے مل کر کھانا کھا لیا۔ وہ بڑی سخی اور فیاض خاتون تھیں۔ مدینہ آ کر اپنے سونے چاندی کے زیورات میں سے حضرت فاطمہؓ اور دوسری امہات المومنین کو اپنے زیورات تحفے میں دیئے۔ ان کی خوبصورتی کم عمری اور سردار زادگی اور

حضور ﷺ کی ان سے محبت پر دوسری بیویاں حسد کرتی تھیں، جو فطری بات ہے، کوئی ان کو ''چھوٹے قد'' کا طعنہ دیتا تو کوئی ''یہودن'' کہتا۔ وہ بڑی غمزدہ ہوتیں۔ حضور ﷺ نے جب ان کے رنجیدہ ہونے کی بابت پوچھا تو اُنہوں نے بتا دیا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ 'اس میں پریشان ہونے اور دلبرداشتہ ہونے کی کیا بات ہے؟ کہہ دیتیں کہ ہارون میرے باپ، موسیٰ میرے چچا اور محمد ﷺ میرے شوہر ہیں۔'' کیونکہ ان کا سلسلہ نسب اوپر جا کر حضرت ہارونؑ سے مل جاتا تھا۔ حضور ﷺ کی اس بات سے وہ خوش ہوگئیں۔ پھر آپ ﷺ نے دوسری بیویوں کو بھی سمجھایا کہ کسی کا دل دُکھانا گناہ ہے، وہ اپنے سب لوگ چھوڑ کر یہاں آئی ہے۔ پھر جس نے ان کو چھوٹے قد والی ہونے کا طعنہ دیا تھا، اس سے کہا۔ ''تم نے اتنی کڑوی بات کہی ہے کہ اگر اس کو سمندر میں ملایا جائے تو سمندر مزید کڑوا ہو جائے۔'' اس تنبیہہ کے بعد کسی نے ان کو تنگ نہیں کیا۔ شوہر کی طرف سے اگر ناروا باتوں پر تنبیہ بروقت کی جائے، خصوصاً اس وقت جب بیوی بے قصور ہو تو یہ رویہ بیوی کے دل میں اُلفت و محبت کو جنم دیتا ہے اور پائدار ازدواجی تعلقات کا سبب بنتا ہے اور دوسرے بھی اپنی غلطیوں کی اصلاح کر لیتے ہیں۔ بیوی بھی ناروا سلوک سے بچ جاتی ہے۔

اُم المومنین حضرت میمونہؓ

آپؓ ایک بیوہ خاتون تھیں۔ حضور ﷺ کے چچا حضرت عباسؓ کی سالی تھیں۔ صلح حدیبیہ کے اگلے سال جب حضور ﷺ عمرہ کرنے مکہ آئے تو حضرت عباسؓ نے آپ ﷺ کو حضرت میمونہؓ سے نکاح کرنے کا پیغام دیا جس کو حضور ﷺ نے

قبول فرمالیا۔عمرہ ادا کرنے کے بعد حضور ﷺ نے اور آپ ﷺ کے ساتھیوں نے معاہدہ کے مطابق تین دن مکہ میں قیام فرمایا۔ مدینہ واپس ہوتے وقت مکہ سے 10 کلومیٹر، ''مقام سرف'' پر آپ ﷺ کا خیمہ لگایا گیا اور وہیں نکاح کیا گیا۔آپ رضی اللہ عنہا کے بارے میں مشہور ہے کہ بہت عابدہ اور زاہدہ خاتون تھیں۔

ام المومنین حضرت زینب بنت جحش ؓ

یہ بھی بیوہ تھیں۔ان کی شادی رسول اللہ ﷺ کے کہنے سے زید بن حارثہ سے ہوئی تھی، وہ کرنا نہ چاہتی تھیں خود ایک اعلیٰ خاندان کی اور آزاد عورت تھیں۔غلام سے شادی نہ کرنا چاہتی تھیں۔مگر جب محمد ﷺ نے فیصلہ کر دیا تو اُنہوں نے مان لیا مگر ان کے اندر نسب کی یہ بڑائی باقی رہی۔ان کے لہجے میں تلخی آجاتی تھی جس کی وجہ سے حضرت زید ؓ نے طلاق دینا چاہی مگر حضور ﷺ ان کو روکتے رہے مگر اُنہوں نے طلاق دے دی۔ کیونکہ اس کے سوا کوئی اور راستہ نہ تھا۔ اس پر اللہ کی طرف سے آیتیں نازل ہوئیں کہ ''ہم نے تمہارا نکاح زینب سے کر دیا۔'' عرب کے رواج کے مطابق منہ بولا بیٹا سگے بیٹوں کی طرح سمجھا جاتا تھا اور اس کی بیوی سے نکاح کرنا حرام تھا۔مگر اس رسم کو توڑنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا نکاح حضور ﷺ سے کر دیا۔ اسی لیے حضور ﷺ گئے اور نکاح کر کے ان کو لے آئے، وہ اس بات پر فخر کرتی تھیں کہ میرا نکاح آسمانوں پر ہوا اور زمین پر منعقد نہیں کیا گیا۔ ان کا ولیمہ سب بیویوں سے شاندار تھا۔حضور ﷺ نے ایک بکری ذبح کرائی۔اُم انس ؓ نے کچھ میٹھا بھیجا، اس کو ایک بڑے تھال میں رکھ دیا گیا اور حضور ﷺ نے حضرت انس ؓ سے کہا

جاؤ فلاں اور فلاں صحابیؓ کو بلا لاؤ اور جو جو راستہ میں ملے، اس کو بھی دعوت دینا چنانچہ سارا دن لوگ آتے رہے اور کھا کھا کر جاتے رہے۔ لوگ دس دس کی ٹولیوں میں آتے اور کھانا کھا کر جاتے اس طرح تقریباً 300 افراد نے ولیمہ کھایا اور بعد میں اتنا ہی بچ رہا جتنا تھال میں کھانے سے پہلے تھا۔

حضرت زینبؓ بنت جحش چمڑے کی دباغت کرتی تھیں۔ چمڑے سے چیزیں بناتیں اور ان کو بیچ کر صدقہ خیرات کیا کرتیں۔ یہ بھی نیک پارسا عبادت گزار سچ بولنے والی زیرک خاتون تھیں۔ قد ان کا بھی چھوٹا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''مجھے وفات کے بعد سب سے پہلے وہ بیوی ملے گی جس کے ہاتھ لمبے ہیں۔'' حضرت عائشہؓ کہتی کہ ہم سب اپنے اپنے ہاتھ ناپا کرتی تھیں، زینب یہ سوچ کر رہ جاتیں کہ ان کے تو ہاتھ ہی چھوٹے ہیں مگر جب حضرت زینبؓ کا انتقال پہلے ہوا تو ہم پر یہ عقدہ کھلا کہ اس کا مطلب اپنے ہاتھ سے کام کر کے صدقہ خیرات کرنے والی زینبؓ تھیں۔

ام المومنین حضرت ماریہ قبطیہؓ

یہ محمد ﷺ کی لونڈی تھیں۔ جن کو شاہ مقوقس نے بہت سارے دوسرے تحفوں کے ساتھ دو لونڈیاں اور ایک دلدل (بڑا خچر) بھی بھیجا تھا۔ جس میں سے حضور ﷺ نے ماریہؓ کو اپنے پاس رکھ لیا اور سیرین کو حسان بن ثابتؓ کو دے دیا تھا۔ ماریہ کے بطن سے حضرت ابراہیمؓ پیدا ہوئے۔ جو صرف 18 ماہ زندہ رہ کر وفات پا گئے۔ ان کو دودھ پلانے کے لیے مدینہ کے مضافات میں ایک اعلیٰ خاندان کے گھر بھیجا گیا تھا اور اکثر حضور ﷺ ان سے ملنے جاتے تھے۔ ایک دن رسول اللہ ﷺ ان کو گود میں لے

کر چوم رہے تھے تو آپ ﷺ کے ساتھ اقرع بن حابس ایک صحابیؓ موجود تھے۔ اُنہوں نے کہا میرے تو دس بچے ہیں میں نے آج تک کسی کو نہیں چوما۔ نبی ﷺ نے فرمایا ''مَنْ لَا یَرْحَمْ لَا یُرْحَمْ'' (جو کسی پر رحم نہیں کرتا، اس پر رحم نہیں کیا جاتا)

آپ ﷺ نے اس طرح یہ تعلیم دی کہ بچوں سے محبت کا اظہار کرنا چاہیے۔ آپ ﷺ کے پاس ایک اور لونڈی ریحانہ بنت شمعون تھیں جو بنو نظیر سے تعلق رکھتی تھیں۔

تعدد اِزدواج کی حکمتیں

حضور ﷺ نے اپنی جوانی کے بہترین ایام ایک بوڑھی خاتون کے ساتھ گزار دیئے اور آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے ''مالی فی النساءِ حاجة'' (مجھے عورتوں کی کوئی حاجت نہیں) تو نفسانی وجہ تو پہلے ہی نکل گئی۔

(۱) بیوہ عورتوں کی اشک شوئی اور دل جوئی پیش نظر تھی اور بیواؤں کی زندگی مکہ مدینہ میں ہمارے زمانے کی طرح قابل رحم ہوتی تھی۔ آج بھی لوگ دوسرے کی اولاد کی ذمہ داریوں کو قبول کرنے سے کتراتے ہیں اور بیوہ سے شادی نہیں کرتے۔

(۲) عورتوں کو اپنی بیوی بنا کر ان کو ممتاز مقام امہات المومنین کا دیا گیا۔

(۳) عورتوں میں اسلام کی تبلیغ و اشاعت مقصود تھی۔ یہ کام آپ ﷺ کی عقلمند بیویوں نے بہت اچھی طرح کیا۔ عورتوں سے عورتیں ہی ڈیل کریں تو یہ زیادہ مناسب ہے کیونکہ وہ ایک دوسرے کے مسائل سمجھتی ہیں۔

(۴) مختلف قبائل سے ربط بڑھانا مقصود تھا کیونکہ عربی قبائل میں اگر لڑکی دوسرے

قبیلے میں جاتی تھی تو قبیلہ اس کو اپنا داماد سمجھتا اور اس کے مقابلے پر آ کر دشمنی کا سلوک کرنا بہت برا سمجھا جاتا تھا۔ لہٰذا ہم دیکھتے ہیں کہ جب ابوسفیان کی بیٹی حضور ﷺ کے نکاح میں آئیں تو انہوں نے پھر کبھی ایسی سخت دشمنی نہیں دکھائی۔

(۵) عرب میں متبنیٰ یعنی منہ بولے بیٹے کی بیوی سے نکاح کرنا حرام سمجھا جاتا تھا۔ اس لیے اس رسم کی اصلاح خود محمد ﷺ کے گھر سے کروائی گئی۔

(۶) اُمت کو چونکہ چار کی اجازت دی گئی اور نبی ﷺ کے لیے کوئی Linier پابندی نہیں تھی۔ اس لیے آپ ﷺ نے سکھایا کہ تم اپنی 4 بیویوں کے ساتھ اسی طرح سلوک کرو جس کا محمد ﷺ نے عملی نمونہ پیش کیا۔

بیویوں کے ساتھ حسن سلوک

جس طرح دوسرے مذاہب میں عورتوں کو کہیں سانپ کہا گیا اور کہیں آفتیں، مصیبتیں لانے والی کہا گیا۔ آپ ﷺ کے زمانے میں عورت کی کوئی عزت نہیں تھی بلکہ مسلمانوں میں آج بھی یہ بات عام ہے کہ عورت کی تمام تر وفاداری اور محنت سے گھر کو چلانے کے باوجود اس کے وجود کو عزت نہیں دی جاتی۔ کچھ ہی گھر ایسے ہیں جو محمد ﷺ کے ارشادات پر عمل کرتے ہیں تو اب اسی Suppretion کا Reacion ہے کہ عورت باغی ہوگئی ہے اور اس نے گھر کے باہر کی دنیا میں جا کر اپنی خوشیاں ڈھونڈنی شروع کر دی ہیں جو کہ عورت کے حق میں سخت نقصان دہ ہے۔

حضرت محمد ﷺ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنی بیویوں سے محبت کروں اور میں ان کو عزت کی نگاہ سے دیکھوں۔ کھانے پینے کا اچھا خیال رکھوں

اور جتنا ممکن ہو اس کو آرام پہنچاؤں۔ فرمایا ''خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي'' (تم میں بہترین وہ لوگ ہیں جو اپنے گھر والوں سے اچھے ہیں اور میں اپنے گھر والوں کے لیے سب سے اچھا ہوں۔) اس کا جواب حدیث عائشہؓ میں ملتا ہے۔ ''كَانَ خُلُقُهُ الْقُرْآن'' نبی ﷺ اتنے با اخلاق تھے کہ قرآن میں جتنے اخلاق ہیں وہ ان میں موجود تھے۔

اُمہات المومنین کی اخلاقی تربیت

محمد ﷺ اپنی ازواج کی اخلاقی تربیت کے لیے کوشاں رہتے تھے۔ جہاں کسی کی کوئی بات قابل اعتراض نظر آئی، فوراً اس کی اصلاح فرمائی گئی چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ چند ایک واقعات کے سوا کبھی کوئی اخلاقی زوال سامنے نہیں آیا۔ سب بہت اچھی سیرت کی مالک تھیں اور ایک دوسرے کے بارے میں اچھی رائے رکھتی تھیں۔ محمد ﷺ ان کو نفل عبادات اور ذکر و اذکار کی تعلیم دیتے تھے، جیسے ایک مرتبہ محمد ﷺ فجر کے بعد مسجد نبوی سے گھر میں آئے وہ چاشت کا وقت تھا، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا۔ ''ابھی تک مصلے پر بیٹھی ہو۔'' اُنہوں نے اثبات میں جواب دیا۔ ''آپ ﷺ نے فرمایا'' میں نے یہاں سے جانے کے بعد 4 ایسے کلمات کہے ہیں کہ اگر ان کو تمہارے وردوں اور وظیفوں (جواب تک پڑھتی رہی ہو) کے ساتھ وزن کیا جائے تو ان سے بھاری ہوں گے۔ وہ کلمات یہ ہیں: سبحان اللہ وبحمدہ عدد خلقه ورضىٰ نفسه وزنة عرشه ومداد كلمته

امہات المومنین سے آپ ﷺ یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ میرے تعلق کی وجہ سے تمہارا رتبہ بھی عظیم ہے۔تم اُمت کی روحانی مائیں ہو جیسے میں ان کا روحانی باپ ہوں۔ تم کو ہر رنگ میں دوسروں کے لیے نمونہ بننا ہے۔اگر تم غلط طریقہ اختیار کرو گی تو اللہ کی طرف سے دُہری سزا کی حقدار ہو گی اور اگر اچھا طریقہ اختیار کرو گی تو دوگنا ثواب ملے گا۔ چنانچہ امہات المومنین دوسری خواتین مدینہ کو دین کے احکام کی تعلیم دیتیں،توحید و سنت کی باتیں بتایا کرتیں۔ان کے سوالات نبی ﷺ تک پہنچایا کرتیں، پھر ان کے جوابات خواتین کو سمجھایا کرتی تھیں۔

حضرت انسؓ کہتے ہیں غزوۂ احد میں حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہؓ کو دیکھا جو اپنی کمروں پر مشکیں لادی تھیں اور زخمیوں کو پانی پلا رہی تھیں۔ یہ ان کے اندر خدمت خلق کا جذبہ تھا جو ان کو محاذ جنگ تک کھینچ لایا تھا۔ یہ ان کے اندر شجاعت و بسالت کو بھی ظاہر کر رہی تھی۔

محمد ﷺ ان کو صدقات کرنے کی بھی تعلیم دیتے تھے اور ایسے غیر محسوس طریقے سے کہ کسی کو اس کا احساس نہ ہوتا۔مثلاً حضرت عائشہؓ نے ایک مرتبہ بکری ذبح کی اور اس کا گوشت تقسیم کیا۔محمد ﷺ گھر میں آئے اور پوچھا۔''اے عائشہ! کچھ گوشت باقی ہے؟ تو اُنہوں نے جواب دیا۔''بس ایک دستی بچی ہے'' (کیونکہ اگلے حصے کا گوشت حضور ﷺ کو پسند تھا، اسی لیے اُنہوں نے رکھ لیا تھا) تو آپ ﷺ نے فرمایا''یوں کہو تین حصے گوشت تو بچ گیا ہے (یعنی وہ خیرات ہو کر آخرت کے لیے جمع ہو گیا اور ایک ابھی باقی ہے۔''

ان ہی کی تعلیمات کا اثر تھا کہ بیویاں ضرورت سے زائد مال خیرات کیا کرتیں تھیں، کچھ نہ ہوتا تو روزہ رکھ لیا کرتیں پھر جب خوشحالی اور فارغ البالی کا زمانہ آیا اور

ان پر تحائف اور وظیفوں کی بارش ہوگئی کیونکہ نبی ﷺ کی وفات کے بعد سب ہی اپنی ماؤں کا خیال رکھنا چاہتے تھے، مگر وہ اللہ کی بندیاں جس دن مال آتا، اسی دن خیرات کر دیا کرتیں۔ ایک مرتبہ ام المومنین حضرت عائشہؓ نے ایک دن میں 70,000 درہم تقسیم کیے تو شام کو افطار کے وقت خادمہ ایک روٹی لے کر حاضر ہوئی اور کہا اگر آپ کچھ بچا لیتیں تو میں سالن بھی بنا لیتی تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا ''اللہ کی بندی اس وقت بتاتی، اب جو ہے وہ کھا لیتے ہیں۔''

گھروں میں کبھی نہ کبھی جھگڑے ہو ہی جاتے ہیں۔ حضور ﷺ کی بیویاں بھی آپ ﷺ سے روٹھیں اور آپ ﷺ بھی اپنی بیویوں سے روٹھتے تھے، ایک مرتبہ حضور ﷺ نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا ''مجھے معلوم ہو جاتا ہے کہ کب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو؟'' پوچھا۔ ''کیسے؟'' جواب دیا۔ ''جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو محمد ﷺ کے رب کی قسم اور جب تم مجھ سے ناراض ہوتی ہو تو کہتی ہو، ابراہیم کے رب کی قسم۔'' حضرت عائشہؓ نے فرمایا۔ ''بالکل ایسا ہی ہے۔'' حضور ﷺ کو اپنی بیویوں کی پسند ناپسند اور ان کے مزاج کا پورا پورا خیال تھا۔

شروع کے مدنی دور میں جب ذرائع آمدنی کے وسائل کم تھے اور مسائل زیادہ تھے تو حضور ﷺ کی اس وقت 4 بیویاں تھیں۔ اُنہوں نے آپ ﷺ سے نان ونفقہ میں اضافے کی بات کی تو آپ ﷺ ناراض ہو گئے کیونکہ آپ ﷺ کے پاس کچھ نہ تھا اور ان کا اصرار اسی پر تھا۔ اس لیے حضور ﷺ نے ان سے ایک مہینہ کے لیے مقاطعہ کر لیا اور جب مہینہ گزرنے پر واپس آئے تو ان بیویوں کو اختیار دیا کہ تم میں سے جو میرے ساتھ رہنا چاہتی ہے یا نہیں رہنا چاہتی، اپنے والدین سے مشورہ کر کے مجھے بتا دے۔ میرے پاس تمہارے نان ونفقہ میں اضافے کے لیے کچھ نہیں ہے مگر سب

بیویوں نے حضور اکرم ﷺ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی اور اپنے والدین سے بھی مشورہ نہ کیا۔ سبحان اللہ، عدل کی کیال مثال ہے کہ کسی کو اپنے ساتھ رہنے پر مجبور نہ کیا اور امت کو سکھا دیا کہ Sepration کا یہ طریقہ مسائل کو حل کرتا ہے۔

محمد ﷺ اپنے گھر میں اپنی بیویوں کے ساتھ خوش مذاقی اور دل لگی بھی کرتے تھے۔ ہنسی مذاق کی باتیں بھی کرتے تھے۔ اپنی بیویوں سے کہانی سنتے اور کبھی ان کو کہانیاں سناتے۔ (بخاری)

سیّدہ عائشہؓ کے ساتھ مل کر آپ ﷺ نے دوڑ بھی لگائی۔ اس دوڑ میں کبھی ایسا ہوتا کہ آپ ﷺ جیت جاتے اور کبھی عائشہؓ جیت جاتیں۔ (بخاری)

سیّدہ عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ”آپ ﷺ اور سودہ بنت زمعہؓ، میرے گھر میں بیٹھے تھے، پھر میں نے آپ ﷺ کے لیے حریرہ (دودھ اور آٹے کو ملا کر کھانا) تیار کیا اور سودہؓ کے آگے رکھا کہ اس کو کھائیں، اُنہوں نے کھانے سے انکار کر دیا اور کہا کہ مجھے حریرہ پسند نہیں ہے۔ میں نے کہا کھاؤ اسے ورنہ میں تمہارے چہرے پر مَل دوں گی۔ سیّدہ سودہؓ نے پھر بھی کھانے سے انکار کیا تو میں نے حریرہ ان کے چہرے پر مَل دیا۔ آپ ﷺ ہم دونوں کے درمیان بیٹھے تھے۔ آپ ﷺ تھوڑا سا جھک گئے اور سیّدہ سودہؓ نے موقع پاتے ہی میرے چہرے پر حریرہ مَل دیا۔ آپ ﷺ نے ہم دونوں کو دیکھا اور یہ تماشہ دیکھ کر ہنستے رہے۔ حضور ﷺ نے دونوں کو چھیڑ چھاڑ سے نہیں روکا بلکہ خود بھی محظوظ ہوئے۔ حضور ﷺ یقیناً ہمارے درمیان رہ کر خوشیوں میں رنگ بھرنا چاہتے تھے اور ایسی بے ضرر حرکتوں کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے جو زندگی میں حسن اور لطف پیدا کرتی ہوں۔

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ ہم بیویوں کے درمیان بیٹھے ہوتے اور ہنس بول رہے ہوتے تھے کہ اتنے میں بلال کی اذان کی آواز کان

میں آجاتی تو ہمیں چھوڑ کر ایسے کھڑے ہوجاتے کہ جیسے وہ ہمیں بالکل نہیں جانتے۔ اذان کی پکار پر اس طرح کھڑے ہوتے گویا وہ اس نماز ہی کے منتظر تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ آج کے مرد کا یہ الزام بالکل بے سروپا ہے کہ عورت ہمیں مشغول رکھتی ہے اور اللہ کی یاد سے غافل کردیتی ہے بلکہ صحیح یہ ہے کہ عام مرد کے دل میں اللہ کی یاد اتنی مضبوط نہیں ہوتی کہ اذان کی آواز اس کو اُٹھا کر نماز کے لیے کھڑا کردے۔

اسی طرح ایک مرتبہ ساربان نے کسی اُم المومنین کے اونٹ کو تیز بھگایا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو روکا اور کہا ''آہستہ چلاؤ ان پر آبگینے سوار ہیں۔''

اور ایک جگہ فرمایا ''مجھے اس دنیا کی دو چیزیں محبوب ہیں، ایک خوشبو اور دوسری عورت۔''

اس کا مطلب یہ ہے کہ عورت محبت کے لائق ہے۔ آرام سے اور پیار سے اس کے ساتھ Dealings کرنی چاہیے۔ ہاں وہ عورتیں جو مرد کا شرافت سے جینا حرام کردیں اور اپنی خواہشات کی خاطر مردوں کو ایسے مقام پر لیے لیے پھریں جو اس کے لیے گناہ کی طرف راغب کرنے والی جگہیں ہیں تو ان عورتوں سے شریف مردوں کو پرہیز کرنا چاہیے اور پاک دامن نیک عورتوں کو ان کا جائز حق دینا چاہیے۔

رسولِ اکرم ﷺ کی ازدواجی زندگی کے چند خوبصورت واقعات

محمد ﷺ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کے محبوب ہیں۔ اشرف الانبیاء ہیں۔ آپ ﷺ کے مرتبہ کو کوئی نہیں پہنچ سکتا۔ مگر عورت جیسی کمزور مخلوق جس کا عرب میں کوئی مقام نہ تھا، جو مرد جتنی چاہتا شادیاں کر لیتا جب چاہتا طلاق دے کر گھر سے نکال دیتا جب اور جتنا چاہتا کھانے کو دیتا، اس کی حیثیت عربوں کے نزدیک مرد کی نفسانی خواہشات پوری کرنے کا ذریعہ بھی سمجھا جاتا۔ ایسے ماحول میں محمد ﷺ کی ذات گرامی دنیا کے سامنے ایک اچھے شوہر کی مثال پیش کرتی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عمر فاروقؓ نے محمد ﷺ کے گھر میں آنے کی اجازت چاہی، آپ ﷺ نے اجازت دی تو دیکھا حضور ﷺ مسکرا رہے ہیں۔ بشاش ہیں، ہنسنے کی وجہ پوچھی تو بتایا ''عمر تمہارے آنے سے پہلے یہ سب نان نفقہ میں اضافے کا مطالبہ کر رہی تھیں اور میں ان کو سمجھا رہا تھا۔ جونہی تمہاری آواز سنی سب دبک کر اور ڈر کر ایک طرف بیٹھ گئیں۔ ان کی اس حرکت سے مجھے ہنسی آ گئی۔ عمر تمہارا دبدبہ حق ایسا ہے کہ جس راستے سے تم گزرتے ہو شیطان وہ راستہ چھوڑ کر بھاگ جاتا ہے۔''

محمد ﷺ نے اپنی بیویوں کو بات کہنے کا حق دیا۔ ان کے مطالبات کو غور سے سنا، نہ ناراض ہوئے اور نہ ڈانٹا ڈپٹا کہ کہاں سے لاؤں بلکہ محبت سے دلجوئی فرمائی، اس لیے کہ وہ قرآن کی سورۂ بقرۃ کی آیت 228 پر عمل کرتے تھے کہ **وَلَهُنَّ مِثْلُ**

الَّذِیْ عَلَیْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ (ان کا تم پر اتنا ہی حق ہے جتنا تمہارا ان پر ہے) اس کا باقی حصہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے۔

ایک مرتبہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان کے پڑوسی نے کھانے کی دعوت دی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''عائشہؓ بھی ساتھ ہوں گی۔'' اس نے عرض کیا۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتنی گنجائش نہیں ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''پھر مجھے بھی منظور نہیں۔'' اگلے دو تین دن تک ایسا ہی ڈائیلاگ ہوتا رہا، یہاں تک کہ اس شخص نے آ کر ایک دن عرض کیا۔ ''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی زوجہ کے ساتھ تشریف لائیں۔'' اس کے بعد دونوں مقدس مہمانوں نے اپنے پڑوسی کے گھر کو عزت بخشی۔

یہ دراصل اس زمانہ کی بات ہے جب مدینہ میں مہاجرین کی آمد تیز رفتاری سے جاری تھی۔ بڑے نامساعد حالات تھے۔ ام المومنین کے گھر میں کئی کئی دن چولہا نہ جلتا تھا۔ مدینہ میں مفلسی عام تھی، میزبان کے پاس بھی ایک ہی بندے کا کھانا کھلانے کی سکت تھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ گوارا نہ کیا کہ خود تو پڑوسی کے گھر میں دعوت کھائیں اور بیوی گھر میں بھوکی رہے، یہ ایک بیوی کا احترام تھا۔ یہ ایک بیوی سے محبت کا انمول واقعہ ہے، جو ہم سب کے لیے مثال ہے۔

آج تو محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ماننے والوں میں مردوں کی ایسی مثالیں ملتی ہیں جو خود تو گھر سے باہر ریسٹورنٹ اور ہوٹلوں میں کھانے کے مزے اُڑاتے ہیں اور بیوی بچوں کو محدود نان نفقہ کے پیسے دے کر کہتے ہیں کہ اسی میں پورا کرو۔ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کیا خوبصورت معاشرت کی مثال ہے۔

ازواج مطہرات کے ساتھ معاشرت میں مساوات

فتح خیبر کے بعد جب درہم و دینار کی فراوانی ہوگئی تو حضور ﷺ نے ہر بیوی کے نان و نفقہ میں اضافہ کر دیا، ہر بیوی کے لیے 30 وسق کھجوریں اور 20 وسق جَو سالانہ مقرر کر دیئے گئے۔ دودھ کے لیے ہر ایک کو ایک ایک اونٹنی دی گئی، رہنے کے لیے سب کو الگ الگ حجرہ دیئے گئے تھے جو نہایت مختصر تھے، اسی میں سے ایک حضرت عائشہؓ کا حجرہ تھا جس میں آج رسول اللہ ﷺ آرام فرما رہے ہیں اور آپ ﷺ کے پاس خلیفہ اول حضرت ابو بکر اور خلیفہ دوم حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما مدفون ہیں۔ تین قبروں میں وہ کمرہ بھر گیا۔ اتنے چھوٹے چھوٹے حجروں میں آپ کے احترام میں بیویاں رہتی ہیں۔ ہمارے لیے یہ سبق ہے کہ ہم تو کسی طرح مطمئن نہیں ہوتے، شوہر کو مجبور کرتے ہیں کہ بڑے سے بڑا گھر لیں خواہ سودی قرض پر لیں اور چاہے اس کی ماہانہ قسط ادا کرنے کے لیے اُسے کتنے ہی کام کے گھنٹوں میں اضافہ کرنا پڑے۔

بیویوں سے ملاقات میں بھی عدل و انصاف سے کام لیا جاتا۔ ہر بیوی کا ایک دن مقرر تھا، سوائے حضرت سودہؓ کے اُنہوں نے اپنا دن حضرت عائشہؓ کو گفٹ ہبہ کر دیا تھا۔ پھر ایسا بھی نہ تھا کہ ہر بیوی شوہر کو 10 دن بعد دیکھے۔ ہر روز بعد نماز عصر سب کو ایک جگہ جمع کر لیتے اور ان سب سے ہنسی مذاق اور دل لگی کی باتیں کرتے۔ جب سفر درپیش ہوتا تو بیویوں کے ناموں کی قرعہ اندازی ہوتی جس بیوی کا نام آتا وہ آپ ﷺ کے ساتھ جایا کرتی۔ زیادہ تر آپ ﷺ جنگوں میں مصروف رہے اور بیوی کو اپنے ساتھ لے جاتے،

اس کے علاوہ جہاں بھی گئے عمرہ کرنے یا حج کرنے وغیرہ اس میں بھی یہ ہی طریقہ اختیار کیا۔ تمام بیویاں آپؐ سے محبت کرتی تھیں اور محبت کا اظہار بھی کرتی تھیں جو ہمارے یہاں بہت کم کیا جاتا ہے جبکہ اظہار سے دل میں محبت بڑھتی ہے۔

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے محمد ﷺ کے چہرے پر پسینہ دیکھا اور یہ دیکھا کہ آپ ﷺ کی پیشانی کے پسینے سے نور نکل رہا ہے وہ ٹکٹکی لگا کر دیکھتی رہیں، اس لیے کہ یہ منظر بہت خوبصورت تھا۔ حضرت عائشہؓ نے کوئی شعر پڑھا اور محمد ﷺ کو سنایا اگر یہ شاعر زندہ ہوتا تو یہ شعر آپ ﷺ کو تہنیتی طور پر پیش کرتا۔ اسی طرح مرض الوفات میں حضرت صفیہؓ آئیں اور بڑے درد سے بولیں، کاش میں حضور ﷺ کی بیماری لے کر ان کو راحت پہنچاتی۔'' اس پر حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''یہ واقعی بالکل صحیح کہہ رہی ہیں۔'' آپس میں محبت، دلداری، مساوات، بیوی اُم حبیبہ کے بھائی سے محبت کا اظہار، ہر روز ملنا وغیرہ آپ ﷺ نے یہ سب کیسے منظم طریقے سے کر کے دکھایا یہ ہم سب کے لیے بے مثال نمونہ ہے۔ ہر وقت ہر لمحہ 7 یا 8 برس تک مدینہ میں ہنگامی کیفیت جاری رہی کہ اب یہاں سے مدینہ پر حملہ ہونے والا ہے اور یہاں حملہ کرنے جانا ہے۔ اس قدر مصروفیت شوہروں کے مزاج تو کھانے میں نمک کی زیادتی اور کمی سے ہی اتنے چڑچڑے ہو جاتے ہیں کہ ان کی ناراضگی گھر کا ہر فرد محسوس کرتا ہے۔ ہمارے رسول ﷺ انسانیت کے لیے رہتی دنیا تک مشعل راہ رہیں گے۔

آج کل جو شادی شدہ جوڑوں میں Missing ہے وہ شوہر کا احترام ہے۔ اللہ نے ایک درجہ شوہر کو زیادہ دیا ہے، اس لیے گھر میں اگرچہ وہ بیوی سے کم کماتا ہو پھر بھی آپس میں مساوات، محبت کے ساتھ احترام شوہر لازمی ہے۔ سیرت سے ہمیں بہت ساری خوبصورت مثالیں ملتی ہیں کہ میاں بیوی کی معاشرت کیسی ہونی چاہیے۔ ہم کو وہ سب نکات نوٹ کر کے ان پر عمل پیرا ہونا ہے۔

ازدواجی زندگی کے بارے میں حضور ﷺ کے کچھ ارشادات

ہم نے پچھلے صفحات میں محمد ﷺ کی گھریلو زندگی کے بہت سے خوبصورت عملی نمونے تحریر کیے ہیں۔ محمد ﷺ خوب جانتے تھے کہ خاندانی نظام کو مضبوط سے مضبوط تر اور کامیاب ہونا چاہیے۔ خاندان ایک شوہر اور ایک بیوی سے وجود میں آتا ہے اور اس میں پائداری اسی وقت ممکن ہے جب شوہر اور بیوی دونوں اپنے اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے واقف ہوں۔ موجودہ دور میں طلاقوں کی بڑھتی ہوئی شرح کی بڑی اور بنیادی وجہ یہ ہی ہے کہ نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو ان کی ذمہ داریوں سے آگاہ نہیں کیا جاتا اور ان کو ان فرائض و آداب کے لیے ذہنی طور پر تیار ہی نہیں کیا جاتا۔ لوگوں نے شادی کا مطلب کپڑوں اور زیورات کی شاپنگ، میک اَپ، خوبصورت سجی سجائی جگہوں پر کھانے کا انتظام کرنا اور اس کے ساتھ ناچ گانوں کی تفریح کو لازمی عناصر سمجھ لیا ہے۔ اسی لیے ہم یہاں رسول اللہ ﷺ کے کچھ شادی کی ذمہ داریوں سے متعلق ارشادات نقل کر رہے ہیں تاکہ ایک مضبوط خاندان وجود میں آسکے۔ اسی طرح بہت سے مضبوط خاندان مل کر ایک پاکیزہ معاشرہ کی تشکیل کرتے ہیں۔

محمد ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر ایک بڑے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا۔ ''لوگو! سنو عورتوں کے ساتھ اچھے سلوک سے پیش آؤ کیونکہ وہ تمہارے پاس قیدیوں کی طرح ہیں، تمہیں ان کے ساتھ سختی کا برتاؤ کرنے کا حق نہیں۔ سوائے اس

صورت کہ جب ان کی طرف سے کھلی ہوئی نافرمانی سامنے آئے۔ اگر وہ ایسا کر بیٹھیں تو پھر سونے کے لیے اپنا کمرہ علیحدہ کرلو (پھر بھی نہ مانیں) تو ان کو ڈسپلن کرو یعنی مارو مگر مار ایسی نہ ہونی چاہیے کہ کوئی شدید چوٹ آئے۔ پھر جب وہ تمہارے کہنے پر چلنے لگے تو اُنہیں خواہ مخواہ ستانے کے بہانے نہ ڈھونڈو۔ سنو! تمہارے کچھ حقوق تمہاری بیویوں پر ہیں اور تمہاری بیویوں کے کچھ حقوق تمہارے اوپر ہیں۔ ان پر تمہارا حق یہ ہے کہ وہ تمہارے بستروں کو ان لوگوں سے نہ روندوائیں جنہیں تم ناپسند کرتے ہو اور تمہارے گھروں میں ایسے لوگوں کو ہرگز نہ گھسنے دیں جن کا آنا تمہیں ناگوار ہو اور سنو ان کا تم پر یہ حق ہے کہ تم اُنہیں اچھا کھلاؤ اور اچھا پہناؤ۔'' (ریاض الصالحین)

بیوی کے ساتھ شوہر کو خوش گمان رہنا چاہیے۔ تحمل، بردباری، اور اعلیٰ ظرفی کے ساتھ نباہ کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ عورتیں جذباتی ہوتی ہیں جلد غصہ میں آجاتی ہیں، ان کو اپنے برابری کے سلوک پر نہیں رکھنا چاہیے بلکہ ان کی فطری خصوصیات کی بناء پر ان کے ساتھ جلد بازی کا معاملہ کرنے سے گریز کریں۔ درگزر، ایثار اور مصلحت سے کام لے کر صلح کے ساتھ رہا جائے۔ ''وَالصُّلْحُ خَيْرٌ'' (صلح میں خیر ہے) سورۂ نساء آیت 19 میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے۔ ''پھر اگر وہ کسی وجہ سے تمہیں ناپسند ہوں تو ہوسکتا ہے ایک چیز تمہیں پسند نہ ہو مگر خدا نے اس میں تمہارے لیے بہت کچھ بھلائی رکھ دی ہو۔'' محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا مومن اپنی مومنہ بیوی سے نفرت نہ کرے، اگر بیوی کی کوئی عادت اسے ناپسند ہے تو کوئی دوسری عادت اسے پسند ہوگی۔''

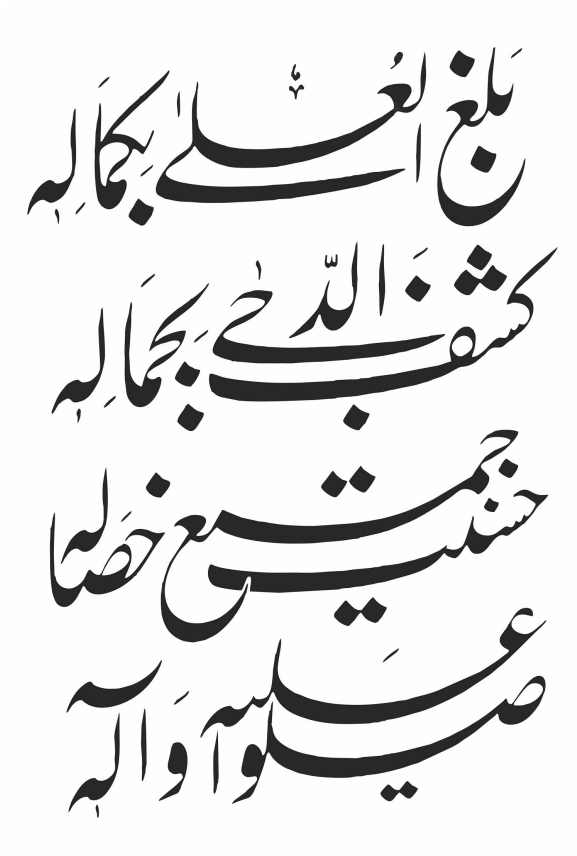
بلغ العلیٰ بکمالہ
کشف الدجیٰ بجمالہ
حسنت جمیع خصالہ
صلوا علیہ وآلہ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت ایک مثالی باپ

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بچوں سے محبت اور ان کی تربیت

حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شادی

شادی شدہ اولاد کی تربیت

لڑکیوں کی پیدائش پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان

رسول اللہ ﷺ کا اپنے بچوں کے ساتھ باپ یا والد محترم کی حیثیت سے سلوک

رسول اللہ ﷺ کی صلبی اولاد اور ربیبہ اولاد ملا کر 12 بچے ہوتے ہیں، ان سب کی پرورش آپ ﷺ نے بڑی محبت اور توجہ سے کی۔ ان کو وہ سب چیزیں سکھائیں جو آداب و اخلاق کے لیے ضروری ہیں۔ بقول شاعر

میں کیوں نہ اُنہیں محسن انسانیت کہوں
انسان کو انسان بنایا حضور ﷺ نے

بڑوں کی تربیت کے ساتھ بچوں کی بھی اعلیٰ تربیت کی۔ اب ہم آپ ﷺ کی تمام اولاد کا آپ سے تعارف کرواتے ہیں:

(۱) قاسم

بعثت نبی سے پہلے آپ ﷺ کے بیٹے قاسم مکہ میں پیدا ہوئے۔ یہ حضرت خدیجہؓ کے بطن سے تھے۔

یہ ابھی چلنا سیکھ ہی رہے تھے کہ وفات پا گئے، اسی وجہ سے حضور ﷺ نے اپنی کنیت ''ابوالقاسم'' رکھی۔

(۲) عبداللہؓ

یہ آپ ﷺ کے دوسرے بیٹے جو بعثت نبوت کے بعد مکہ میں پیدا ہوئے۔ ان کا لقب ''طاہر'' اور ''طیب'' تھا اور وہ بھی چھوٹی عمر میں وفات پا گئے جس پر کافر بڑے خوش ہو گئے اور آپ ﷺ کو ابتر (یعنی جڑ کٹا) کہا گیا، اس پر سورۂ کوثر نازل ہوئی جس میں بتایا کہ تمہارا دشمن ہی جڑ کٹا ہے۔

(۳) ابراہیمؓ

یہ آپ ﷺ کے تیسرے بیٹے تھے جو حضرت ماریہ قبطیہؓ کے بطن سے تھے اور مدینہ میں پیدا ہوئے۔ ابھی 18 ماہ ہی کے تھے کہ انتقال ہو گیا۔ جب ان کے پیدا ہونے کی خوشخبری دی گئی تو خوشخبری سنانے والے کو ایک غلام عطا کیا جس دایہ (اُم بردہ) نے ان کو دودھ پلایا، اس کو ایک ہرا بھرا قطعہ زمین عطا کیا۔

(۴) سیّدہ زینبؓ

سب سے بڑی تھیں۔ جو قاسم کے بعد مکہ میں پیدا ہوئیں۔ حضور ﷺ کی عمر اس وقت 30 سال کی تھی۔ ہوش سنبھالتے ہی اسلام میں داخل ہو گئیں ان کی شادی نہایت بااخلاق شخص عمرو بن العاصؓ سے ہوئی۔ ان کے دو بچے اُمامہ اور علی تھے۔ مدینہ ہجرت کرتے وقت ہبار نامی ایک شخص نے ان کے اونٹ کے نیزہ مارا، اونٹ

بدکا وہ گر گئیں اور ان کا حمل ساقط ہو گیا۔ نبی ﷺ نے فرمایا۔ ''وہ میری بیٹیوں میں سے افضل ہے، اسے میرے لیے مصیبت پہنچی۔''

(۵) سیّدہ رقیہ

یہ دوسری بیٹی ہیں مکہ میں ہی ان کی شادی حضرت عثمانؓ سے ہو گئی تھی۔ حضور ﷺ اس وقت 32 سال کے تھے جب وہ پیدا ہوئیں۔ رقیہؓ اور عثمانؓ کی جوڑی بہت مشہور تھی، ان کا ایک بیٹا عبداللہ تھا۔ حضرت رقیہؓ کا انتقال مدینہ میں غزوۂ بدر کے موقع پر ہوا۔ اس وقت بیٹا عبداللہ دو سال کے تھے اور چھ سال کی عمر میں ان کا انتقال ہو گیا۔

(۶) اُم کلثومؓ

یہ آپ ﷺ کی تیسری بیٹی تھیں، ان کی شادی مدینہ میں حضرت عثمانؓ سے کی گئی۔ اسی لیے وہ ''ذوالنورین'' کہلاتے ہیں۔

(۷) فاطمۃ الزہراؓ

یہ حضور ﷺ کی سب سے چھوٹی بیٹی ہیں، وہ نبوت کے دوسرے سال پیدا ہوئیں۔ حضور ﷺ کی عمر اس وقت 41 سال تھی، ان کو سیّدہ نساء العالمین کا خطاب ملا۔ ان کو زندگی ہی میں جنت کی بشارت دی گئی۔ آپؓ کی شادی حضور ﷺ کے چچازاد بھائی

حضرت علیؓ سے ہوئی جن سے ان کے دو بیٹے حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ پیدا ہوئے اور دو بیٹیاں اُم کلثوم اور زینب پیدا ہوئیں۔ اُم کلثوم وہی ہیں جو حضرت عمرؓ کے نکاح میں آئیں جن کا مہر 40,000 درہم مقرر ہوا تھا جو اس زمانے کے لحاظ سے کافی بڑی رقم تھی۔

ربیبہ اولاد یعنی وہ اولاد جو بیویاں اپنے شوہروں کے ساتھ لائیں۔

حبیبہؓ، یہ اُم حبیبہؓ کے ساتھ آئیں۔

درہؓ، اُم کلثومؓ اور زینبؓ، یہ تینوں اُم سلمہؓ کی بیٹیاں تھیں۔

سلمہؓ اور عمرؓ، دو لڑکے تھے یہ بھی اُم سلمہؓ کے فرزند تھے۔

حضور ﷺ نے ان تمام بچیوں اور بچوں کی تربیت کی۔ پھر ان کی شادیاں بھی کیں۔ تمام شادیاں سادگی سے انجام دی گئیں اور ہم سب کے لیے یہ اُسوہ چھوڑ گئے کہ شادیاں سادگی سے کرنی چاہئیں جبکہ آج کل رجحان اس قدر نمائش و زیبائش کا ہو گیا ہے کہ ہزاروں ڈالر خرچ کر دیئے جاتے ہیں، پھر جو اس طرح نہیں کر سکتے وہ بے چارے بھی اپنی جائداد بیچ کر یا قرض مانگ کر اس طرح شادیاں کرتے ہیں۔

حضرت فاطمہؓ کی شادی

جب حضرت فاطمہؓ کی شادی حضرت علیؓ سے ہوئی تو اب کیفیت یہ ہے کہ نہ ہی علیؓ کے پاس کچھ ہے اور نہ ہی حضور ﷺ کے پاس کچھ کہ اپنی پیاری بیٹی کو بیاہ سکیں۔ حضرت علیؓ کے پاس ان کی کل جائداد ایک زرہ تھی جو حضرت علیؓ نے فروخت کی جس کو حضرت عثمانؓ نے 400 درہم میں خرید لیا اور پھر شادی کے وقت ان کو یہ

زرہ گفٹ کردی۔ یہ 400 درہم مہر قرار پائے اور حضرت فاطمہؓ کو دے دیئے گئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان ہی پیسوں سے ان کے نئے گھر کا سامان خریدا۔ اُنہوں نے اپنی بیٹی کو بھی سمجھایا۔ ''اے میری پیاری بیٹی تیرے لیے قریش کے بڑے بڑے متمول خاندان سے رشتے آئے مگر میں نے ان کو تیرے لیے مناسب نہ سمجھا اور علی سے بہتر مجھے کوئی آدمی تیرے لیے نظر نہ آیا اگرچہ علی غریب ہیں، مگر وہ ایک بہترین شوہر ثابت ہوں گے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ ''بیٹی زندگی کا افلاس چند روزہ ہے، آخرت کے انعامات پر نظر رکھو۔ آخرت کے خزانے تمہارے لیے ہیں۔'' فاطمہؓ باپ سے بات کر کے مطمئن ہوگئیں اور اپنی رضامندی ظاہر کردی۔

سیّدۃ النساءؓ کا جہیز

(۱) ایک بستر جو چمڑے کا تھا۔
(۲) ایک چمڑے کا تکیہ جس میں کھجور کی چھال بھری ہوئی تھی۔
(۳) ایک مشکیزہ پانی کے لیے۔
(۴) کھانے کے لیے ایک پیالہ۔
۵) دو چادریں، ایک ریشمی اور ایک سوتی۔
۶) ایک آٹا پیسنے کی چکی۔
۷) دو مٹی کے گھڑے۔
۸) ایک جائے نماز۔

غور کیجیے، یہ کل اثاثہ تھا اور یہ مہر کے پیسے سے خریدا گیا۔ لڑکے کے والد پر کوئی بوجھ

نہیں ڈالا جاتا تھا۔ہم پاکستانی انڈیا، ہندوؤں کے ساتھ برسوں رہنے کی وجہ سے ان کی طرح شادیاں کرتے آرہے ہیں۔ان کے یہاں لڑکی کو بہت جہیز دیا جاتا ہے کیونکہ وہ ان کو جائداد میں حصہ نہیں دیتے۔ہندوؤں کی تقلید میں ہم نے اپنے آپ کو کتنی مصیبت میں ڈال رکھا ہے، کاش کہ ہم آج بھی سرورکونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نقش قدم پر چلیں تو نہ صرف یہ کہ روپیہ پیسہ کے بڑے بار سے بچ جائیں گے بلکہ سنت پر عمل کرنے کا ثواب بھی پائیں گے۔

حضور ﷺ کی بچوں سے محبت اور ان کی تربیت

حضور ﷺ جب بھی بچوں سے بات کرتے تو ان کی آواز میں اتنی دلسوزی اور پیار ہوتا کہ کوئی ان کی بات کے جواب میں ''نہیں'' نہ کہہ سکتا اور اس کے بعد کوئی سوال نہ کرتا کہ ایسا کیوں ہے اور ویسا کیوں ہے۔ ایک بار محمد ﷺ کے ساتھ کھانے میں اُم سلمہؓ کے بیٹے عمر بن ابی سلمہؓ شریک تھے۔ آپ ﷺ نے دیکھا کہ وہ کھانا کھا رہے ہیں کبھی پلیٹ میں ہاتھ سامنے سے ڈال رہے ہیں، کبھی بیچ میں ڈال رہے ہیں اور کبھی کسی اور کے سامنے سے۔ یاد رہے کہ عمر بن ابوسلمہؓ غالباً 10 سال کے ہوں گے۔ وہ آپ ﷺ کے ربائب میں سے تھے اور اس وقت کھانا کھانے کے لیے ایک بڑی پلیٹ ہوتی تھی اور سب اس میں سے ہی کھانا کھاتے تھے۔ حضور ﷺ نے یہ منظر دیکھا تو بڑی دلسوزی سے فرمایا۔ ''پیارے بچے جب تم کھانا کھاؤ تو پہلے بسم اللہ پڑھو اور اپنے داہنے ہاتھ سے کھانا کھاؤ اور اپنی طرف سے کھانا کھاؤ۔'' (بخاری و مسلم)

عام طور پر بچوں کی غلطیوں پر ڈانٹا جاتا ہے کہ کھانا کھانے کے آداب تم کو اب تک نہیں آئے، یہ بات ہے اور وہ بات ہے۔ بچہ بھی جواباً اپنے آپ کو Defend کرنے کے لیے ضرور کچھ جملے بولتے ہیں مگر یہاں تو معاملہ ہی دوسرا ہو گیا۔ آپ ﷺ نے کھانے کے آداب اتنے شیریں طریقے سے بتائے کہ نہ صرف عمر بن ابی سلمہؓ نے اس کی پابندی کی بلکہ آپ ﷺ کی پوری اُمت اس کی پابندی آج تک کرتی ہے اور کرتی رہے گی۔ ان شاء اللہ

حضور ﷺ کی بچوں سے محبت

محمد ﷺ بچوں سے بہت محبت فرماتے تھے اور اس کا اظہار بھی نظر آتا تھا۔ آج کل جدید سائنس کہتی ہے کہ بچوں کو صرف اچھے کھانے، اچھے کپڑے اور اچھے کھلونوں کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ان کو جسمانی لمس اور محبت کی بھی اتنی ہی ضرورت ہوتی ہے، ان کو دن میں 7 مرتبہ لپٹایا اور 7 مرتبہ چومنے کی بھی ضرورت ہے۔ یہ عمل بچے میں اعتماد پیدا کرتا ہے اور جس محبت کو وہ جذب کرتے ہیں، بڑے ہو کر دوسروں کے ساتھ ایسی ہی محبت کا اظہار کرتے ہیں۔

نبی ﷺ کی ایک نواسی اُمامہ تھیں جن سے حضور ﷺ بہت پیار کرتے تھے۔ اُنہیں گود میں اُٹھا لیتے اور فرماتے۔ ''مجھے یہ اہل بیت میں سب سے پیاری ہے۔'' (مسلم) ایک مرتبہ حضور ﷺ اُمامہ کو گود میں لیے ہوئے آئے اور اسی طرح نماز پڑھی، اکثر مائیں نماز کے وقت بچے کو چپ کرانے میں لگی رہتی ہیں اور سمجھتی ہیں کہ ان کو گود میں اُٹھانے سے ان کی نماز صحیح نہیں ہوگی۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ اسوہ چھوڑا کہ عورتیں تو عورتیں مرد بھی بچے کو گود میں اُٹھا کر نماز پڑھ سکتے ہیں۔ حضرت حسنؓ کے بارے میں فرمایا۔ ''یہ تو میرا پھول ہے۔'' یعنی ایسے الفظ بھی بولنا چاہیے جس سے محبت کا اظہار ہو۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں ایک مرتبہ حضور ﷺ، حضرت حسنؓ کو کندھے پر سوار کیے مسجد آئے۔ ایک شخص نے دیکھ کر کہا۔ ''واہ بچے سواری تو بہت خوب ہے۔'' حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''سوار بھی تو بہت اچھا ہے۔'' حالت سجدہ میں حضور سرور کائنات ﷺ ہوتے اور حسن آ کر اوپر بیٹھ جاتے تو آپ ﷺ سجدہ لمبا

کردیتے۔ صحابہؓ اس لمبے سجدے کے بارے میں پوچھتے تو فرماتے۔ ''میرا بیٹا میرے اوپر بیٹھا تھا، میں نے چاہا یہ اپنی خوشی پوری کرلے۔''

ایک دن حضور ﷺ خطبہ دے رہے تھے کہ اُنہوں نے دیکھا کہ حسن جنہوں نے ابھی چلنا ہی سیکھا تھا بڑی مشکل سے چلتے چلتے آپ ﷺ کی طرف آرہے ہیں۔ آپ ﷺ فوراً اپنی جگہ سے اُٹھے اور گود میں اُٹھا کر ان کو لے آئے اور اپنے برابر بٹھا لیا۔ حضرت فاطمہؓ سے بھی بہت محبت کرتے تھے۔ ان کے بارے میں حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''فاطمہ میرے جسم کا ٹکڑا ہے، جو اس کو ناراض کرے گا وہ مجھے ناراض کرے گا۔''

فی زمانہ لوگ بچوں سے پیار تو کرتے ہیں مگر بے جا پیار کرتے ہیں، ان کی جائز اور ناجائز سب باتیں مانتے ہیں اور اس طرح ان کے اخلاق تباہ کردیتے ہیں وہ متکبر اور جھگڑالو بن کر اُٹھتے ہیں۔ نہ کسی کا ادب کرنا اُنہیں آتا ہے اور نہ لحاظ۔ مگر حضور ﷺ کی بچوں سے بہت زیادہ محبت کرنے کے باوجود بچے بڑے بااخلاق بن کر اُٹھے۔ اس لیے کہ محبت کے ساتھ تربیت پر بھی توجہ دی گئی تھی۔

ایک مرتبہ حسن اور حسینؓ کھیل رہے تھے کہ ایک بوڑھا نومسلم اعرابی مسجد میں آیا اور وضو کرنے لگا، کبھی وہ ایک پاؤں دھوتا تو کبھی ایک ہاتھ دھوتا تو پھر منہ دھونے لگتا۔ دونوں بھائیوں نے کہا آیئے آج ہم اُنہیں وضو کرنا سکھاتے ہیں۔ اُنہوں نے ایک دوسرے سے کہا بھائی میں وضو کرنے لگا ہوں، آپ مجھے بتایئے کہ صحیح طریقہ کیا ہے۔ پھر وہی غلطی کی جو اعرابی کررہا تھا، بھائی نے فوراً ٹوکا ایسے نہیں ایسے کرتے ہیں۔ اس طرح پورا وضو ہوگیا تو اعرابی نے بھی پھر اسی طرح صحیح طریقے سے وضو کیا کہ یہ تو نبی ﷺ کے نواسے ہیں، ان سے اچھا کون وضو کرسکتا ہے۔ اس طرح بوڑھے کی دل شکنی بھی نہیں کی اور وضو کا صحیح طریقہ بھی بتادیا۔

حسن اور حسینؓ کی تربیت کا قصہ

حضرت فاطمہؓ نے حضور ﷺ کی گود میں پرورش پائی تھی۔ آپ ﷺ سے بہت ہی بہترین باتیں سیکھیں۔ ایک دن حسن اور حسینؓ کسی بات پر جھگڑ پڑے اور اماں کے پاس آ کر ایک دوسرے کی شکایت کرنے لگے۔ فاطمہؓ نے فرمایا۔ ''مجھے نہیں پتہ کہ تم دونوں نے جھگڑا کیسے شروع کیا اور کس نے پہلے کیا، میں تو سمجھتی ہوں تم دونوں مجرم ہو، تم نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کی ہے، اللہ تو کہتا ہے ''لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ'' زمین میں فساد نہ کرو۔ اس لیے تم دونوں دو رکعت نماز پڑھو اور اللہ سے معافی مانگو۔'' چنانچہ دونوں نے نماز پڑھی اور کہتے ہیں ان کے ننھے دلوں میں یہ بات بیٹھ گئی، پھر وہ دونوں کبھی نہ لڑے۔

شادی شدہ اولاد کی تعلیم و تربیت

ایک مرتبہ حضرت علیؓ کی طرف سے ایسا ہوا کہ ان کی زوجہ حضرت فاطمہؓ کو کسی بات پر برا لگا اور آپؓ ناراض ہو کر اپنے مائیکے (والد کے گھر) آ گئیں۔ حضور ﷺ نے پوچھا، بیٹی کیسے آنا ہوا؟ تو سیّدہ فاطمہؓ نے کہا علیؓ نے مجھ کو یہ کہا اور وہ کہا اور میں ناراض ہو کر آ گئی۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''بیٹی مناسب یہی ہے کہ تم فوراً علی کے گھر چلی جاؤ اور اس سے معذرت چاہو۔ واللہ اگر تم آج مر جاؤ اور علی تم سے ناراض ہوں تو میں تمہاری نماز جنازہ نہیں پڑھاؤں گا۔'' اس کے بعد آپ ﷺ نے نرمی سے سمجھایا۔ ''وہ کون سے میاں بیوی ہیں

جن کے درمیان آپس میں رنجش نہ ہوتی ہو اور یہ کیا ضروری ہے کہ مرد تمام کام عورت کی مرضی کے مطابق کرے اور اپنی بیوی سے کچھ نہ کہے۔'' سیّدہ فاطمہ اُٹھیں اور اپنے گھر چلی گئیں اور جب حضرت علیؓ کو اس تمام روداد کا علم ہوا اور حضور ﷺ کی مصالحانہ جواب کا پتہ چلا تو ان پر اس قدر اثر ہوا کہ اُنہوں نے قسم کھالی کہ میں اب کبھی ایسا طرزِ عمل نہ اختیار کروں گا۔ جس سے تمہیں تکلیف پہنچے یا تمہاری دل شکنی ہو۔ حضور ﷺ کی اس تعلیم کا دونوں پر ایسا اثر ہوا کہ دونوں میں پھر کبھی رنجیدگی بھی نہ ہوئی۔

آج کل جو طلاقیں اتنی زیادہ ہوگئی ہیں تو اس کا سبب یہ ہے کہ والدین شادی شدہ ناسمجھ لڑکیوں کی طرف داری کرتے ہیں اور لڑکیوں کو جو اپنے شوہر سے ناراض ہو کر میکے آتی ہیں، اسے گھر بٹھا لیتے ہیں۔ اس طرح سے وہ ان کا گھر تباہ کر رہے ہوتے ہیں۔ کیونکہ اس کا نتیجہ طلاق ہی ہوتا ہے۔ نبی ﷺ کے فاطمہؓ کے ساتھ سلوک میں تمام والدین کے لیے سبق ہے کہ اگر لڑکیاں غرور میں مبتلا ہیں تو وہ کبھی اپنے حسن کے، کبھی اپنے والدین کی امارت کے اور کبھی اپنی تعلیم کے اور کبھی اپنی کمائی کے غرور میں مبتلا ہوتی ہیں اور یہی جھگڑے کا سبب بنتا ہے۔ وہ یہ بھول جاتی ہیں کہ شوہر کو اللہ نے قوام بنایا ہے، اس کو ایک درجہ فوقیت دی ہے۔ بیوی کے لئے گھر مہیا کرنا، ان کے نان نفقہ کی ذمہ داری اُٹھانا اسی کا کام ہے اور وہ یہ سب کر رہا ہے تو بیوی کو شوہر کی کسی ناگوار بات کو ٹھنڈے دل سے بھی سن لینا چاہیے۔ ممکن ہے وہ اس کے حق میں اچھی ہو اگرچہ اچھے لہجے میں نہ کہی گئی ہو۔ یا کسی باہر کے پریشر کی وجہ سے وہ چڑچڑا ہو گیا ہو۔ ایسی باتوں کو نظر انداز کرنا عقلمندی ہے اور میکے بیٹھنے کا فیصلہ اور والدین کا ان کی حمایت (Support) کرنا مسائل کو جنم دیتا ہے۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ مسجد میں آئے تو دیکھا علیؓ مسجد کے فرش پر لیٹے ہیں۔ آپ کو معلوم ہے، مسجد نبوی کا فرش مٹی ہی کا تھا اور اس پر کنکریاں ڈال دی گئی تھیں۔

حضور ﷺ نے دیکھا کہ علی کو اس وقت اپنے گھر میں ہونا چاہیے تھا، یہ یہاں اگر لیٹے ہیں تو ممکن ہے میاں بیوی میں کچھ اَن بن ہوگئی ہو جو کہ روزمرہ کی زندگی میں عام طور پر ہر جوڑے کے درمیان ہوتی رہتی ہیں۔ حضور ﷺ نے بڑی محبت اور پیار سے فرمایا۔ ''قم یا ابوتراب'' (اے مٹی والے اٹھو) حضرت علیؓ کہتے ہیں حضور ﷺ کا اس طرح سے خطاب کرنا مجھے اتنا اچھا لگا کہ میری کنیت یہ ہی مشہور ہوگئی۔

لڑکی کے ماں باپ کو چاہیے کہ اپنے داماد کی بات کو بھی غور سے اور محبت سے سنیں اور اس سے محبت سے پیش آئیں۔ نبی ﷺ نے فرمایا۔ ''تمہارے 4 ماں باپ ہیں، دو تمہارے اپنے اور دو تمہاری بیوی کے، اپنے ماں باپ کی خدمت تم پر فرض ہے اور بیوی کے ماں باپ کا احترام تم پر فرض ہے۔''

کس قدر خوبصورت انداز میں سکھایا گیا ہے کہ لڑکی اپنے شوہر کے ماں باپ کا احترام کرے۔ ان کو عزت دے، عزت سے بات چیت کرے اور لڑکا اپنی بیوی کے ماں باپ کا احترام کرے، ان کو عزت دے اور ان سے عزت کا سلوک کرے۔ ایسی ہدایتوں کو چھوڑنے ہی کی وجہ سے ہی ہمارے گھروں میں جھگڑے، بے سکونی اور بے اطمینانی ہوگئی ہے۔

حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ فاطمہؓ جو حضور ﷺ کے سارے کنبے سے پیاری تھیں، ان کا یہ حال تھا کہ میں چونکہ غریب تھا اور ان کو چکی بھی پیسنی پڑتی تھی تو ان کے ہاتھوں میں چھالے پڑ گئے تھے۔ مشک میں پانی دور سے بھر کر لاتی تھیں، جس سے ان کی گردن پر نشان پڑ گئے تھے۔ گھر میں جھاڑو بھی دیتی تھیں اور کپڑے ریت سے بھر جاتے تھے۔ میں نے دیکھا کہ مسجد نبوی میں کچھ غلام اور خادمائیں آئی ہیں۔ میں نے فاطمہؓ سے کہا آپ جائیں اور اپنے ابا جان سے ایک خادمہ مانگ لائیں (گو کہ علیؓ کا دل کڑھتا تھا مگر وہ ان کے لیے نوکر فراہم (Afford) نہیں کر سکتے تھے، چنانچہ فاطمہ گئیں اور باپ سے مانگنے کی ہمت نہ ہوئی اور واپس

لوٹ آئیں۔ اگلے روز حضور ﷺ خود ان کے گھر تشریف لے گئے۔ حضور ﷺ نے پوچھا۔ فاطمہ کسی چیز کی ضرورت تھی؟ فاطمہؓ تو چپ رہیں، میں نے کہا۔ حضور ﷺ چکی پیستے پیستے چھالے پڑ گئے ہیں، مشک اُٹھاتے اُٹھاتے گردن پر نشان پڑ گئے ہیں، میں نے کہا تھا جا کر ایک خادمہ مانگ لائیں تا کہ ان کو آسانی ہو۔ یہ سن کر حضور ﷺ نے خاتون جنت فاطمۃ الزہراؓ کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا۔ ''اے فاطمہ! تقویٰ اختیار کرو، فرائض الٰہی ادا کرو، اپنے کنبے کے کاموں کو اپنا دستور بناؤ اور جب رات کو بستر پر لیٹو تو 33 مرتبہ سبحان اللہ ،33 مرتبہ الحمدللہ اور 34 مرتبہ اللہ اکبر پڑھ لیا کرو۔ یہ عمل تمہارے لیے خادماؤں سے بہتر ہے۔'' یہ ہے وہ عمل جو حضور ﷺ نے اپنی بیٹی کے لیے پسند فرمایا کیونکہ ذکر الٰہی تمام غم و تکلیف بھلا دیتا ہے۔ حضور ﷺ اپنے دوسرے ساتھیوں کی ضرورت کو اپنے اوپر مقدم سمجھتے تھے، اس لیے بھی فاطمہؓ کی مدد نہیں کی۔ یہ ان تمام والدین کے لیے لمحہ فکریہ ہے جو سسرال میں گھریلو کام کرنے کی ذرا سی تکلیف پر بے چین ہو اُٹھتے ہیں اور بیٹی کو بلا کر اپنے گھر بٹھا لیتے ہیں اور شادی ختم کرا دیتے ہیں۔

بچوں کی تربیت کے بارے میں حضور ﷺ کے مزید ارشادات

نبی ﷺ کا ارشاد ہے: ''اپنی اولادوں کو نماز کی تلقین کرو جب وہ 7 سال کے ہو جائیں اور جب وہ دس سال کے ہو جائیں اور نماز نہ پڑھیں تو اس پر ان کو سزا دو، اور دس سال کے ہونے کے بعد ان کے بستر الگ کر دو۔

بچوں کو سات سال کی عمر کو پہنچنے سے پہلے پوری نماز اور اس کے آداب اور اس کے معنی سکھا دینا چاہیے۔ نماز کا شوق دلانے کے لیے ان کو اپنے ساتھ کبھی کبھی مسجد بھی لے کر جانا چاہیے

اوراس طرح جب ان کو عادت ہوجائے تو دس سال کی عمر میں اگر نماز نہ پڑھیں تو ان کو ڈسپلن (قانون شکنی) کے لیے کوئی سزا بھی دی جاسکتی ہے۔ یہ فرمان رسول ﷺ ہماری مسجدوں کے منتظمین کو بھی یاد کرنا چاہیے جو مسجد میں بچوں کا داخلہ پسند نہیں کرتے۔ اس تدریج میں حکمت یہ ہے کہ ایک دم سے بچوں پر 5 نمازوں کا بوجھ نہیں پڑتا اور 7۔10 سال کی عمر تک وہ نماز کے خوب عادی ہوجاتے ہیں۔ اور پھر شوق سے اللہ کا حکم سمجھ کر نماز ادا کرتے ہیں۔

ایک بار حضرت نعمانؓ کے والد بشیرؓ حضور ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور کہا حضور ﷺ میں نے اس لڑکے کو اپنا ایک غلام بخش دیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''کیا سب بچوں کو غلام دیئے ہیں۔ اُنہوں نے کہا نہیں۔ تو فرمایا۔ ''تو پھر مجھ کو اس ظلم پر گواہ نہ بناؤ۔'' ایک دوسری روایت میں ہے کہ حضور ﷺ نے یہ بھی فرمایا۔ ''کیا تم چاہتے ہو کہ سب بچے تمہارے ساتھ اچھا سلوک کریں۔'' بشیرؓ نے کہا ''ہاں کیوں نہیں۔'' پھر فرمایا۔ ''ایسا مت کرو۔'' (بخاری و مسلم) یعنی کسی ایک کو نہ دو یعنی بچوں میں Favouritism نہیں اختیار کرنا چاہیے سب بچوں کے ساتھ برابر کا سلوک کرنا چاہیے۔

لڑکیوں کی پیدائش پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان

حدیث میں ہے کہ جب کسی کے ہاں لڑکی پیدا ہوتی ہے تو خدا اس کے گھر فرشتہ بھیجتا ہے جو آ کر کہتے ہیں اے گھر والو! تم پر سلامتی ہو۔ وہ لڑکی کو اپنے پروں کے سائے میں لے لیتے ہیں اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہتے ہیں۔ ''یہ ایک کمزور جان ہے جو ایک کمزور جان سے پیدا ہوئی ہے، جو اس بچی کی نگرانی و پرورش کرے گا، قیامت تک خدا کی مدد اس کے ساتھ شاملِ حال رہے گی۔ (طبرانی)

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔ ''جس شخص نے تین بہنوں یا تین لڑکیوں کی سرپرستی کی، اُنہیں تعلیم و تہذیب سکھائی۔ ان کے ساتھ رحم کا سلوک کیا۔ یہاں تک کہ خدا اُنہیں بے نیاز کر دے۔ تو ایسے شخص کے لیے خدا نے جنت واجب فرما دی۔ اس پر ایک آدمی بولا۔ اگر کسی کے پاس دو بیٹیاں ہیں۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا دو لڑکیوں کی پرورش اور تربیت کا بھی یہ ہی صلہ ہے۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر لوگ ایک کے بارے میں پوچھتے تب بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی جواب ہوتا۔ (مشکوٰۃ)

حضرت عبداللہ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہمارے گھر تشریف رکھتے تھے کہ میری ماں نے مجھے بلایا اور کہا ادھر آ تجھے ایک چیز دوں گی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تم اسے کیا چیز دینا چاہتی ہو؟ اُنہوں نے کہا میں اسے کھجور دینا چاہتی ہوں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا اگر تم بچے کے آنے پر کچھ نہ دیتیں تو تمہارے اعمال نامے میں ایک جھوٹ لکھا جاتا۔ اس طرح کرنے سے بچے کو بھی جھوٹ والی عادت پڑ جاتی۔ وہ اپنی ماں پر کبھی یقین نہیں کرتا اور دوسروں کے ساتھ بھی زندگی میں

ایسے ہی حیلے بہانے بنا کر اُنہیں پریشان کرتا۔

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''أَدِّبُوا أَولَادَكُم'' (اپنی اولاد کو ادب وتہذیب سکھاؤ)

حضور ﷺ کی حضرت فاطمہؓ سے محبت مثالی تھی۔ وہ ان کا بہت اکرام کرتے تھے۔ ان کا گھر حضور ﷺ کے گھر سے دو گھر بعد تھا۔ جب بھی وہ حضور ﷺ کے پاس حاضر خدمت ہوتیں۔ حضور ﷺ ان کو دیکھ کر کھڑے ہو جاتے، ان کا پیار سے ہاتھ پکڑتے، اس پر بوسہ دیتے، ان کو ہاتھ پکڑے پکڑے لا کر اپنے بستر پر بٹھاتے اور پھر خود بیٹھتے۔ اسی طرح حضرت فاطمہؓ کا بھی یہی معمول تھا جب بھی حضور ﷺ ان کے گھر تشریف لاتے، آپؓ بھی تیزی سے اُٹھ کھڑی ہوتیں، والہانہ انداز میں اُٹھتیں، باپ کا ہاتھ پکڑتیں، اسے بوسہ دیتیں اور اپنے بستر پر بٹھاتیں اور بعد میں خود بیٹھتیں۔ یہ اولاد سے پیار و محبت کا سلوک ہے، ان کا ادب واحترام ہے۔

ہم لوگ اپنی مصروفیات میں نہ اتنا پیار دے پاتے ہیں اور پھر نہ ہی ہمارے بچوں کو بڑے ہو کر اتنی فرصت ہوتی ہے کہ وہ دو گھڑی ہم کو ملنے آجائیں، اب بڑی عمر میں ہمیں فرصت ملی تو وہ مصروفیات میں غرق ہو گئے۔

حضرت فاطمہؓ اپنے والد سے بہت محبت کرتی تھیں جب حضرت خدیجہؓ کا انتقال ہو گیا اور وہ ابھی کمسن تھیں۔ بالغ عمر (Teenager) بھی نہیں تھیں، گھر میں حضور ﷺ اور آپ رضی اللہ عنہا ہی رہتے تھے۔ حضور ﷺ کے لیے کھانا پکاتیں، ان کا بہت خیال رکھتیں۔ یہاں تک کہ لوگوں میں مشہور ہو گیا کہ فاطمہؓ تو گویا اپنے باپ کی ماں ہیں۔ حضور ﷺ کے اوپر سجدے میں جب عقبہ بن ابی معبط بدبخت نے اونٹ کی اوجھڑی ڈالی تھی تو یہ فاطمہؓ ہی تھیں جو دوڑ کر گئی تھیں اور اپنے ننھے ہاتھوں سے بڑی مشکل سے وہ بوجھ ہٹا پائی تھیں، اوپر سے کافروں کے قہقہے اور دل

چھیدنے والی باتیں بھی سن رہی تھیں۔ روتی جاتی تھیں تو حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''رو نہیں، اللہ میری مدد کرے گا اور پھر آپ ﷺ نے ان لوگوں کے لیے بددعا فرمائی اور وہ تینوں جنگ بدر میں مارے گئے۔

یہ باپ بیٹی کے تعلق (Relationship) کا بہترین نمونہ ہے جس پر ہم سب کو چلنا چاہیے۔

معاشرہ میں انصاف کی فراہمی کے لئے قوانین

اسلام میں جرائم پر سزاؤں کا قانون اور اس کا شرعی نقطۂ نظر

شریعتِ اسلام میں جرائم کی سزاؤں کی تین قسمیں قرار دی گئیں۔

۱۔حد ۲۔قصاص ۳۔تعزیرات

وہ سزائیں جو قرآن وسنت میں متعین کر دی گئی ہیں۔جن میں حق اللہ کو غالب مانا گیا ہے از روئے شرع اس کو ''حد'' کہتے ہیں جو کسی امیر وحاکم کے معاف کرنے سے معاف نہیں ہوتیں۔''حد'' کا نفاذ شریعت میں اللہ کے قانون پر عمل ہے۔اس میں کمی بیشی نہیں ہوتی، نہ زمانے اور جگہ کے بدلنے سے فرق پڑتا ہے۔وہ سزائیں جن میں حق العبد (بندے کا حق) غالب مانا گیا ہے وہ ''قصاص'' کہلاتی ہیں جو مظلوم بندے کے معاف کرنے پر ختم ہو جاتی ہیں۔یہ قصاص کہلاتی ہیں۔جن جرائم کی سزاؤں کا تعین نہیں فرمایا ہے وہ ''تعزیر'' کہلاتی ہیں جس کا تعین ہر ملک اپنے زمانہ، وقت کے لحاظ سے قانون کی شکل میں کرے گا۔

شریعت میں حدود صرف 5 ہیں، ۱۔ڈاکہ، ۲۔چوری، ۳۔زنا، ۴۔تہمت زنا، ۵۔شراب نوشی۔

حدود اللہ میں سفارش کرنا اور سننا جائز نہیں۔رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کی سخت ممانعت فرمائی ہے۔حدود کی سزائیں سخت ہیں۔ان کے نفاذ کا قانون بھی سخت ہے کہ ان میں کسی کو کسی کمی بیشی کی کسی حال میں اجازت نہیں۔وہاں اس بات کا بھی اہتمام کیا گیا ہے کہ ثبوت جرائم کے لیے کڑی شرطیں رکھی گئی ہیں۔ان شرائط میں کوئی

ایک شرط بھی نہ پائی جائے تو ''حد'' ساقط ہوجاتی ہے۔

قصاص کی سزا بھی قرآن میں متعین ہے کہ جان کے بدلے جان، اور اعضاء کے بدلے اعضاء اور زخموں کے بدلہ زخم ہے۔ (سورہ المائدہ 60) مگر چونکہ اس میں بندوں کے حق کو غالب رکھا گیا ہے اس لیے قاتل کو اگر مقتول کے ولی معاف کردیں تو جان تو نہیں لی جائے گی مگر اس کو لمبی قید یا جرمانہ وغیرہ کی سزا ضرور دی جائے گی۔ عدل قائم کرنے کی بنیادی شرط یہ ہے کہ چوروں کے ہاتھ کاٹنے کا جو حکم ہے اس کے لیے شرط یہ ہے کہ چور کسی کا مال کسی محفوظ جگہ (تجوری) سے سامان حفاظت (تالا لگا مکان یا گارڈ ہو یا الارم سسٹم وغیرہ) کو توڑ کر نا جائز اور خفیہ طریقے سے نکال کر لے گیا ہے۔ اسی لیے غیر محفوظ جگہیں مسجد، پارک، اسٹیشن، ویٹنگ روم، ریل گاڑی، ایئرپورٹ اور جہاز میں رکھے ہوئے سامان کی چوری پر حد سرقہ جاری نہ ہوگی۔ اسی طرح پھلوں کی چوری پر بھی نہیں ہے، اسی طرح وہ آدمی جس کو گھر میں داخل ہونے کی اجازت دی ہے مثلاً گھر میں کام کرنے والے معمار، مزدور، دوست، عزیز چوری کرلے تو چوری تو کہلائے گی مگر سرقہ کی حد جاری نہ ہوگی۔ اس پر تعزیری سزا دی جائے گی۔

چوری کی حد ہاتھ پہنچے تک کاٹا جائے گا۔ ''حدود'' کے نفاذ کا مقصد مجرموں کی حوصلہ شکنی کرنا ہے تاکہ وہ آئندہ چوری کرتے ہوئے لرز جائیں اور امن عامہ قائم رہے۔ ہاتھ میں گن لے کر جو دن دہاڑے چوریاں کی جارہی ہیں، قتل بھی کردیئے جاتے ہیں اور مجرم اگر پکڑے گئے تو صرف تعزیری سزا دی جاتی ہے۔ جہاں جیل میں بیٹھ کر وہ جرم کو اور مہارت سے کرنے کی پلاننگ کرتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ ایک مجرم پر ترس کھانا پوری انسانیت پر ظلم کرنے کے مترادف ہے اور امن عامہ کو ختم کرنے کا سبب ہے، جہاں یہ سزائیں نافذ ہیں وہاں مثالی امن قائم ہے۔

ضابطہ شہادت کی تشریح

حدود کے نفاذ میں شریعت نے ضابطہ شہادت بھی عام معاملات سے ممتاز اور محتاط بنایا ہے۔ زنا کی سزا میں چار گواہوں کو شرط قرار دے دیا جبکہ وہ ایسی آنکھوں دیکھی گواہی دیں جس میں کوئی لفظ مشتبہ نہ ہو۔

چوری کی حد کے نفاذ میں دو گواہ کافی ہیں۔ اور یہ مرد ہی ہونے چاہئیں۔ باپ کے حق میں بیٹے کی گواہی قبول نہ کی جائے گی۔ واقعہ کے کتنے ہی عرصے کے بعد کوئی گواہی دے تو وہ قبول کی جاسکتی ہے۔ (ماخوذ: بدائع الصنائع)

اسلام میں مجرمین کی حوصلہ افزائی نہیں کی گئی ہے بلکہ ایسے تمام مواقع بند کرنے اور روکنے کا حکم دیا ہے جن سے جرائم کرنے والوں کے لئے جرم کرنا آسان ہوجائے۔ اس وجہ سے زیادہ سے زیادہ تحفظ (Security) عام لوگوں کو فراہم کی گئی ہے کہ وہ امن سے رہ سکیں اور کسی بھی قسم کا خوف ان کو لاحق نہ ہو۔

سخت ترین سزائیں صرف اسی وقت لاگو ہوں گی جب کسی جگہ پر عدالتی نظام (Judicial System) مضبوط عدل کی بنیادوں پر قائم ہو۔ جب ماحول ایسا ہو کہ جرم کرنا مشکل ہو اور پھر بھی کوئی حدود اللہ کو توڑتا ہے تو ایسا شخص یقیناً سخت سزا کے لائق ہے۔ بدقسمتی سے کہیں بھی تمام اسلامی قوانین نافذ نہیں ہیں اگرچہ اسلامی ملک تو بہت سے ہیں، مگر جہاں ایک دو شرعی قوانین نافذ ہیں وہاں اس کی وجہ سے امن کی برکتیں دیکھی جاسکتی ہیں۔ ان سزاؤں کا اطلاق انفرادی طور پر نہیں کیا جائے گا۔ لوگوں

کو اسلام کے عدالتی نظام سے ضرور واقفیت ہونی چاہیے۔ اس لیے سرسری طور پر اس کا ذکر کیا ہے، اسلام کی تعلیمات میں مجرم لوگوں کو پکڑ پکڑ کر جیلوں میں ٹھونس دینا مقصد نہیں ہے بلکہ سزاؤں کا مقصد لوگوں کی اصلاح ہے۔ اس لیے ہم نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کریمانہ فیصلوں کا ذکر کیا ہے کہ حتی الامکان معاشرہ میں لوگ جرائم کرنے سے ڈریں اور اپنے گناہوں کی پردہ پوشی کریں اور اللہ کے حضور توبہ کر کے ہی انفرادی طور پر نمٹ جائیں، عدالت میں نہ جائیں۔ فیصلوں میں دیر نہ کرنا بھی اسلام کا ایک اہم اصول ہے اور لوگ آپس میں رحم اور شفقت اور خدا خوفی کی بنیادوں پر معاملات (Dealings) کریں تا کہ امن قائم ہو جائے اور انصاف بھی حاصل ہو۔

انگور کی چوری کی سزا

عباد بن شرحبیلؓ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں ایک سال سخت قحط پڑا، مجھے اسی سال مدینہ جانے کا اتفاق ہوا۔ میں بھوک سے نڈھال تھا، ایک باغ میں داخل ہوا، انگور کے خوشے لگ رہے تھے، ایک خوشہ توڑ کر کھا لیا اور کچھ خوشے توڑ کر اپنے کپڑوں میں چھپا لیے۔ اتنے میں باغ کا مالک آ پہنچا اور اس نے مجھے پکڑ لیا اور حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے آیا۔ مجھے مارا پیٹا بھی تھا اور میرے کپڑے بھی چھین لیے گئے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمارا مقدمہ سن کر فیصلہ دیا کہ جب یہ شخص بھوکا تھا تو تو نے اسے کھانا کیوں نہ دیا، اگر وہ بے علم تھا تو تو نے (مارنے کے بجائے) اسے بتایا کیوں نہیں کہ یہ غلط طریقہ تم نے کیا ہے۔ میرا حکم سنو جاؤ اس کے کپڑے واپس کرو اس کے ساتھ ایک وسق غلہ بطور تاوان (FINE) اس کے حوالے کرو۔ (ابن ماجہ)

حضور ﷺ لوگوں کو سزا دینے میں نرمی برتتے تھے۔ یعنی لوگوں کے ساتھ ان کا رویہ مشفقانہ تھا۔ وہ چاہتے تھے کہ لوگ غلطیوں پر شرمسار ہو کر خود ہی اللہ کے حضور توبہ کر لیں اور جب اللہ نے گناہ پر پردہ ڈال دیا ہو تو اس کو چھپا ہی رہنے دیا جائے تو بہتر ہے۔

حضرت انس بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ میں جناب سید الکونین حضرت محمد ﷺ کی محفل میں حاضر تھا کہ ایک شخص وہاں آیا اور عرض کیا۔ ''یا رسول اللہ ﷺ مجھ سے ایسا گناہ سرزد ہوا ہے جو قابل حد ہے۔ مجھ پر حد جاری کیجیے۔ مگر حضور ﷺ اس کی طرف بالکل متوجہ نہ ہوئے، اتنے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ اس شخص نے حضور ﷺ کے ساتھ نماز ادا کی۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو وہ شخص پھر آپ ﷺ کے پاس حاضر ہوا اور اپنی بات دہرائی۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''کیا تو نے ہمارے ساتھ نماز ادا نہیں کی؟'' اس نے کہا۔ ''جی ہاں کی ہے۔'' آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''پس جاؤ، اللہ پاک نے تیرے گناہ کو معاف کر دیا ہے اور حد بھی معاف فرما دی ہے۔'' (صحیح بخاری)

اسی طرح انسان کا اپنے یا دوسروں کے گناہوں کی تشہیر سے بھی منع کیا گیا ہے بلکہ اس کو ذاتی طور پر (Privately) خود ہی اللہ کے حضور توبہ کر کے معاف کرا لینا چاہیے اور اس کا تذکرہ بھی کبھی کسی سے نہ کرنا چاہیے۔

اللہ کی مقرر کردہ حدود کی پابندی کرانے پر حضور ﷺ کا عمل

حضور ﷺ کی خدمت میں ایک خاتون خولہ نامی آئیں اور انہوں نے کہا میرے شوہر نے مجھے کہا کہ تم میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو۔ اس طرح کہنا اسے زمانے میں طلاق سمجھا جاتا تھا، اس کو ظہار کہتے ہیں۔ وہ بہت پریشان تھیں کہ اب میرے بچوں کا کیا ہوگا۔ مگر اس وقت تک ''ظہار'' کے بارے میں کوئی حکم نازل نہ ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے کہا میں تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا۔ وہ بہت غمگین ہوگئیں۔ صبح ہوئی تو اللہ کی طرف سے احکام آگئے کہ ایسی صورت میں طلاق تو نہیں ہوتی مگر مجامعت کرنے سے پہلے ایک غلام آزاد کرنا یا دو مہینے کے لگاتار روزے رکھنا یا ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلانا ہوگا۔ حضور ﷺ نے اس کے شوہر کو بلا بھیجا اور یہ بات بتائیں، وہ ان تینوں میں سے کچھ بھی ادا کرنے کے قابل نہ تھا۔ حضور ﷺ نے بیت المال سے 15 صاع کھجور اور ایک صحابی سے 15 صاع کھجور ادا کرنے کا کہا اور اس طرح انہوں نے 60 مسکینوں میں وہ کھجوریں بانٹ دیں۔ آپ ﷺ کے پاس جب اس طرح کی حدود کے معاملات آتے تو آپ ﷺ خود بھی عطا فرماتے اور لوگوں کو بھی ترغیب دیتے کہ اپنے بھائی کی مدد کرو۔ یعنی ان کا جرمانہ ادا کرنے میں ریاست کی طرف سے بھی مدد کی جاتی اور دوسرے مسلمان صحابہؓ کو بھی ترغیب دی جاتی کہ وہ ان کی مدد کریں۔ مگر جرمانہ ادا کرنا لازمی ہوتا تھا۔

قصاص کی اگرچہ اجازت ہے مگر اسے معاف بھی کیا جاسکتا ہے

ایک مرتبہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں کھڑے تھے کہ ایک اعرابی آیا اس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے گلے میں پڑی چادر اس زور سے کھینچی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گردن مبارک سرخ ہوگئی۔ اس نے کہا۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے اونٹوں کو غلہ سے لادو اور ہاں یہ غلہ نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہے اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باپ دادا کا مال ہے۔'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''اللہ مجھے معاف فرمائے، میں اس وقت تک نہ دوں گا جب تک اس گردن کی سرخی کا حساب نہ لے لوں۔'' مگر وہ اس پر راضی نہ ہوا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تین مرتبہ فرمایا مگر اس نے تینوں مرتبہ انکار کردیا۔ صحابہ کرامؓ دوڑ کر آئے تاکہ اس کو سزا دیں مگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو روکتے ہوئے فرمایا۔ ''جو بھی میری بات سن رہا ہے، اسے اللہ کی قسم ہے وہ میری اجازت کے بغیر حرکت نہ کرے۔'' پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک صحابیؓ کو حکم دیا کہ ''اس کے ایک اونٹ پر ''جَو'' اور دوسرے پر کھجوریں لادو۔'' یعنی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ سکھایا کہ معمولی تکلیفوں کا بھی قصاص ہے اور یہ کہ قصاص کو معاف بھی کیا جاسکتا ہے۔

دانت توڑنے کی دیت

حضرت انسؓ کی پھوپھی ربیع نے ایک لڑکی کو اس زور سے تھپڑ مارا کہ اس کا دانت ٹوٹ گیا۔ ربیع کے رشتہ دار لڑکی کے قبیلہ والوں کے پاس گئے اور چاہا کہ دانت کی دیت ادا کردیں مگر وہ راضی نہ ہوئے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں یہ مقدمہ لایا گیا۔

حضور ﷺ نے قصاص کا حکم صادر فرمایا۔ یہ سن کر انس بن نضرؓ نے عرض کیا۔ ''یارسول اللہ ﷺ کیا میری پھوپھی کا دانت توڑا جائے گا، اس ذات کی قسم جس نے آپ ﷺ کو رسول بنا کر بھیجا ہے، ایسا ہرگز نہ ہوگا۔''

حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''انس! یہ اللہ کی کتاب کا حکم ہے؟'' حضور ﷺ کے اس فیصلے کو سن کر قبیلے والوں نے کہا۔ ''اے اللہ کے رسول ﷺ! ہم دیت پر راضی ہیں، قصاص نہیں لیتے۔'' حضور ﷺ نے اس کو قبول فرما لیا اور کہا ''اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں کہ وہ اگر اللہ پر قسم کھالیں تو اللہ ان کی قسم پوری فرما دیتا ہے۔'' (راوی حضرت انس، کتاب بخاری)

حضور ﷺ کے لیے گستاخ لڑکی کا قتل

ایک نابینا شخص کی لونڈی قتل ہوگئی، اس سے اس کے دو بچے بھی تھے۔ آپ ﷺ کے پاس مقدمہ آیا، آپ ﷺ نے لوگوں کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا۔ ''میں اس شخص کو قسم دیتا ہوں کہ جس پر میرا حق ہے جس نے بھی قتل کیا ہے، اُٹھ کر از خود اقرار کرلے۔'' چونکہ قاتل کا پتہ نہیں چل رہا تھا، کوئی شواہد نہ تھے، وہ نابینا شخص گرتا پڑتا خوف سے تھر تھر کانپتا بارگاہ رسالت ﷺ میں حاضر ہوا اور کہا۔ ''حضور ﷺ یہ قتل میں نے کیا ہے، یہ میری لونڈی تھی، اس سے میرے دو بچے ہیں، یہ میرے ساتھ لطف و محبت سے پیش آتی تھی، مگر آپ ﷺ کی شان میں گستاخانہ الفاظ بولتی تھی، میں اسے منع کرتا تھا۔ مگر اس نے معمول بنا لیا تھا۔ میں اسے ڈانٹتا پیٹتا مگر وہ باز نہ آتی۔ کل رات تو حد ہوگئی اتنے بے ہودہ الفاظ آپ ﷺ کی شان میں بولے کہ

میں برداشت نہ کر سکا اور تکلہ اُٹھا کر اس کے پیٹ میں گھونپ دیا جس سے وہ مر گئی۔
نبی ﷺ نے یہ ماجرا سن کر فرمایا۔ ''اے لوگو! گواہ رہنا اس کا خون ہدر ہے یعنی اس کا قصاص نہیں لیا جائے گا۔ اس کے دو جرم ہیں، مالک کی نافرمانی اور اللہ کے رسول ﷺ کی شان میں گستاخی۔ (راوی ابن عباسؓ۔ سنن نسائی)
نبی ﷺ کی اس وقت کے عہد میں جج کی حیثیت میں تھے اور آپ ﷺ نے اس پر یہ فیصلہ دیا۔

چوری کی حد کا نفاذ

قبیلہ بنی مخزوم کی ایک امیر عورت نے چوری کی جس پر تمام ثبوت اور شواہد مکمل تھے مگر قبیلہ والے اس کو بچانے کے لیے محمد ﷺ کے چہیتے اُسامہ بن زیدؓ کے پاس سفارش کے لیے آئے اور جب اُسامہ بن زیدؓ نے محمد ﷺ سے فیصلہ میں نرمی کی درخواست کی تو آپ ﷺ جلال میں آ گئے اور فرمایا۔ ''اے اُسامہ بنی اسرائیل صرف اسی لیے تباہ ہوئے کہ ان کا جب کوئی دولت مند چوری کرتا تو وہ اس پر حد جاری نہ کرتے لیکن اگر کوئی مفلس غریب چوری کرتا تو اس پر حد جاری کر دیتے۔ تم چاہتے ہو کہ اللہ کی قائم کردہ حد میں سے کوئی حد تمہارے لیے توڑ دی جائے۔ اس ذات پاک کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے، اگر فاطمہ بنت محمد سے بھی چوری کا ارتکاب ہو جائے تو میں اس کا بھی ہاتھ کٹوا دوں گا۔''
حضور اکرم ﷺ نے اس عورت کا ہاتھ کاٹنے کا حکم دیا اور آپ ﷺ کے حکم پر عمل بھی کیا گیا۔ (سنن نسائی)

لعان کا طریقہ اور اس کی سزا

سورۂ نور میں یہ قانون نازل ہوا ہے کہ ''جو لوگ اپنی بیویوں پر زنا کا عیب لگائیں اور خود ان کے سوا کوئی اور گواہ نہ ہو ایسے مدعیوں میں سے ہر ایک کی گواہی یہ ہوگی کہ پہلے مرد 4 مرتبہ اللہ تعالیٰ کو گواہ ٹھہرا کر قسم کھائے کہ وہ ضرور اپنے بیان میں سچا ہے پھر 5 ویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر میں جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت اور پھٹکار ہے (اور شوہر کے قسم کھانے کے بعد) عورت بھی 4 مرتبہ اللہ کو گواہ ٹھہرا کر قسم کھائے کہ یہ آدمی اپنے بیان میں سراسر جھوٹا ہے۔ پھر 5 ویں مرتبہ یہ کہے کہ اگر یہ اپنے بیان میں سچا ہے تو مجھ پر اللہ کا غضب پڑے تو عورت کے سر سے سزا ٹل سکتی ہے۔ (سورۂ نور، آیت 10) یہ آیت، آیت لعان کہلاتی ہے۔

حضرت ہلال بن اُمیہؓ نے ایسا ہی کیس حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کیا تھا۔ اُنہوں نے اپنی بیوی کو کسی کے ساتھ ملوث دیکھا تھا مگر چونکہ اس وقت کوئی شرعی حکم نہ اُترا تھا، تو نبی ﷺ انتظار میں تھے جب یہ حکم آیا تو آپ ﷺ نے ہلال بن اُمیہ اور ان کی بیوی کو بلا بھیجا، پھر حضور ﷺ نے پہلے ہلال سے اُسی طرح قسمیں اُٹھوائیں جیسا قرآنی حکم تھا۔ پھر 5 ویں بار سے پہلے آپ ﷺ نے ان کو روکا اور نصیحت فرمائی۔ ہلال اللہ کا خوف کر دنیا کی سزا آخرت کی سزا سے ہلکی ہے مگر اُنہوں نے 5 ویں شہادت دے دی کہ میں اگر جھوٹا ہوں تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔ اُنہوں نے کہا مجھے کامل یقین ہے کہ اللہ مجھے اس شہادت پر آخرت کا عذاب نہیں دے گا۔

اس کے بعد ان کی بیوی نے بھی 4 قسمیں کھائیں کہ میں اللہ کو حاضر ناظر جان کر کہتی ہوں کہ میں اپنے دعویٰ میں سچی ہوں۔ پھر 5 ویں شہادت سے پہلے

حضور ﷺ نے روکا اور نصیحت کی کہ یہ آخری شہادت ہے۔ یاد رکھو اللہ کا عذاب اس دنیا کی سزا سے زیادہ المناک ہے۔ اس نے جب یہ سنا تو وہ تھوڑی دیر رکی، جھجکی مگر وہ پھر فوراً کہہ اُٹھی واللہ میں اپنی قوم کو ہرگز رسوا نہ کروں گی اور پانچویں شہادت بھی دے دی کہ اگر میرا شوہر سچا ہے تو مجھ پر اللہ کی لعنت ہو۔

اس کارروائی کے بعد حضور ﷺ نے ان دونوں کے درمیان تفریق کا اعلان کر دیا کہ یہ دونوں اب کبھی میاں بیوی کی حیثیت سے ساتھ نہیں رہ سکتے اور یہ حکم دیا کہ

۱۔ اس حمل سے جو بچہ پیدا ہوگا۔ وہ ماں سے منسوب کیا جائے گا۔

۲۔ باپ کا اس سے کوئی تعلق نہیں ہوگا۔

۳۔ کسی کو یہ حق حاصل نہ ہوگا کہ وہ بچے کو برا کہے یا اس کی ماں کو برا کہے۔ اگر کوئی شخص الزام تراشی کرے گا تو اس کو 80 کوڑوں کی سزا دی جائے گی۔

۴۔ عورت کسی قسم کا نان نفقہ لینے کی حقدار نہیں ہوگی۔

وضع حمل کے بعد جو بچہ پیدا ہوا وہ ہلال کی صورت پر نہیں تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''اگر اللہ کا حکم نہ آچکا ہوتا تو میں ضرور اس پر حد جاری کرتا۔''

اللہ تعالیٰ کے کتنے بہترین فیصلے ہیں جو نبی ﷺ نے عملدرآمد کیے اور کروائے ہیں۔ کچھ ایسے واقعات بھی بیان کیے گئے ہیں جس میں مرد اپنی بیوی سے بہت محبت کرتا ہے۔ اس کے بغیر زندگی دُشوار سمجھتا ہے۔ مگر اپنی بیوی کی اخلاقی حالت سے مطمئن نہیں تو حضور ﷺ نے ایسے لوگوں کو لعان کے لیے نہیں بلوایا۔ اسی طرح ہمارے معاشرہ میں اگر بیوی شوہر سے محبت کرتی ہے اور غلطی سے بری حرکت میں ملوث ہوجاتی ہے تو اس کو چپ چاپ اللہ کے حضور سچے دل سے توبہ کر لینی چاہیے کیونکہ اللہ نے بھی اس کا پردہ رکھ لیا ہے۔

نبی کریم ﷺ کا کفارہ کا فیصلہ

ایک مرتبہ مسجد نبوی میں حضور ﷺ تشریف فرما تھے۔ ایک شخص آیا اور اس نے کہا ''اے اللہ کے رسول! میں تباہ ہوگیا۔'' حضور ﷺ نے پوچھا۔ ''کیا ہوا۔'' بولا۔ ''میں روزے کی حالت میں بیوی کے پاس چلا گیا۔'' آپ ﷺ نے کہا۔ ''کفارہ ادا کرو، جاؤ ایک غلام آزاد کردو۔'' اس نے کہا۔ ''میں غریب آدمی ہوں غلام کہاں سے لاؤں۔'' حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''اچھا پھر دو مہینے کے لگا تار روزے رکھو۔'' اس نے کہا۔ ''روزہ ہی کی حالت میں پکڑا گیا ہوں، دو مہینے کے لگا تار روزے کس طرح پورے کرسکوں گا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''اچھا 60 مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔'' اس نے کہا۔ یارسول اللہ ﷺ اتنی استطاعت نہیں رکھتا۔ اسی اثناء میں ایک شخص حضور اکرم ﷺ کے پاس کھجوروں کی ایک ٹوکری لے کر آیا۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''جاؤ اور اس کو لے جاؤ یہ غریبوں میں تقسیم کردو۔ تمہارا کفارہ ادا ہوجائے گا۔ یہ سن کر وہ صحابی بولے۔ ''یارسول اللہ ﷺ اس اللہ عزوجل کی قسم جس نے آپ ﷺ کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، مجھ سے بڑھ کر پورے مدینہ میں کوئی غریب آدمی ہی نہیں ہے۔ نبی کریم ﷺ یہ سن کر بے ساختہ ہنس پڑے اور فرمایا۔ اچھ تم خود ہی کھالو۔ کفارہ ادا ہوجائے گا۔ (صحیح بخاری)

اس واقعہ میں یہ سبق ملتا ہے کہ کفارہ دینا لازم ہے، اگرچہ وہ دینے والا ہی وصول کرنے کا حقدار ہو۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنسی مجرموں پر فیصلہ

عمل قومِ لوط کی سزا

جناب سیّد الکونین حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ ''جن لوگوں کو تم عمل قومِ لوط میں ملوث دیکھو تو فاعل اور مفعول دونوں کو قتل کر دو۔ (راوی ابن عباس، نیل الاوطار)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''اگر مرد، مرد سے ہم جنسی کا ارتکاب کرتا ہے تو دونوں زانی ہیں اور اگر عورت، عورت سے بدفعلی میں ملوث ہو تو دونوں زانیہ ہیں۔'' (یعنی ان دونوں حالوں میں حد جاری ہوگی) (بیہقی شرح الزرقانی)

رجم کی سزا

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ایک عورت نماز پڑھنے مسجد کی طرف آ رہی تھی کہ ایک شخص نے اس کو زبردستی پکڑا اور زنا کر ڈالا۔ وہ عورت شور مچاتی رہی پھر وہ بھاگ گیا۔ وہ عورت شور مچاتی رہی، اس طرف سے اتفاقاً دوسرا مرد گزرا۔ عورت نے کہا یہی شخص ہے کچھ اور لوگ بھی آ گئے۔ اس کو پکڑ کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس لے گئے۔ اس پر حد جاری ہونے والی تھی کہ پہلے شخص کو پتہ چلا کہ بے قصور پر حد جاری ہونے والی ہے۔ خود ہی آ کر اقرارِ جرم کر لیا چونکہ وہ شادی شدہ تھا، اس لیے اس کو سنگسار کرنے کا حکم دیا اور عورت سے کہا۔ ''جاؤ اللہ نے تمہاری بخشش کر دی۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق عالیہ کے چند مظاہر

غریب ساتھیوں سے محبت

صحابہ کی تربیت کے مظاہر

وعدہ کی پاسداری کرنا

حضور ﷺ کی غریب ساتھیوں سے محبت

محمد ﷺ نہایت شفیق، مہربان شخصیت تھے۔ آپ ﷺ غریبوں، مسکینوں کا بہت خیال رکھتے تھے اور ان کا طریقہ ایسا دلفریب تھا کہ دوسرے کو اس کی خودداری کو ٹھیس لگنے کا بھی احتمال نہ تھا۔

حضرت جابرؓ بن عبداللہ کی 17 برس کی عمر تھی، ان کے والد جنگ احد میں شہید ہو گئے تھے۔ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ ذات الرقاع سے واپسی پر ہم رکاب تھے۔ آپ ﷺ نے محسوس کیا کہ جابر قریب نہیں ہیں، لشکر کے پیچھے آئے تو دیکھا وہ ایک مریل سی اونٹنی پر سوار ہیں جو بہت سست رفتار تھی۔ پوچھا کیا ہوا؟'' کہا۔ غزوۂ احد میں والد صاحب شہید ہو گئے، میرے پاس وراثت میں یہ اونٹنی آئی ہے، باپ کا قرضہ ہے، 9 بہنیں ہیں۔'' آپ ﷺ نے کہا۔ اچھا۔ آپ ﷺ قریب گئے اپنے چابک پر پھونکا اور اس سے اونٹنی کو ٹھوکا دیا۔ اونٹنی جو بیٹھ جاتی تھی، یکدم سے کھڑی ہو گئی۔ تیز دوڑنے لگی اور آگے نکل گئی۔ جابر پیچھے لے کر آئے۔ محمد ﷺ نے فرمایا۔ ''جابر تم اسے مجھے بیچ دو۔'' جابر نے کہا۔ ''آپ ﷺ اسے ہدیہ کے طور پر لے لیں۔'' محمد ﷺ نے فرمایا۔ ''اغفر اللہ۔'' ''اللہ تمہیں بخشے میں تو قیمت پر لوں گا۔'' جابر کہتے ہیں میں ہدیہ ہدیہ کہتا رہا اور وہ میرے لیے مغفرت کی دعا کرتے رہے۔ ایسا 25 مرتبہ ہوا۔ پھر میں نے کہا اچھا خرید لیں۔ محمد ﷺ نے فرمایا ایک درہم میں۔ جابر نے کہا نہیں، اُنہوں نے کہا دو درہم۔ جابر نے کہا نہیں۔ آپ ﷺ قیمت بڑھاتے رہے یہاں تک کہ ایک اوقیہ چاندی پر بات طے ہو گئی۔ جابرؓ نے کہا

حضور ﷺ اونٹ آپ کا ہوا، مگر اجازت ہو تو گھر اس پر جاؤں اور صبح اس کو آپ ﷺ کو دے دوں۔ آپ ﷺ نے منظور کر لیا، اگلی صبح جابرؓ نے اونٹ لا کر مسجد نبوی میں باندھ دیا۔ حضور ﷺ نے اونٹ بندھا دیکھ کر کہا۔ ''جابر کہاں ہے؟ جابر وہیں تھے۔ آپ ﷺ نے بلالؓ سے کہہ کر ایک اوقیہ چاندی ادا کی اور وہ غمگین دل کے ساتھ واپس ہو رہے تھے کہ حضور ﷺ نے پکارا۔ ''جابر یہ اونٹ میں تمہیں ہدیہ کرتا ہوں۔'' وہ خوش ہو گئے۔ جابرؓ کے بارے میں آتا ہے کہ وہ نبی ﷺ کے اتنے شیدائی بنے کہ 19 غزوات میں نبی ﷺ کے ساتھ لڑے اور ان کا شمار معزز صحابہؓ میں ہوتا ہے۔ ان کے بارے میں تفصیل سے آپ ضرور پڑھیے۔

صحابہ کرام اور صحابیات رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت رسول

قرآن نے کہا۔ ''قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝''

ترجمہ: ''اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری (رسول) کی پیروی کرو، وہ تمہارے گناہ معاف کر دے گا، وہ معاف کرنے والا رحیم ہے۔''

(سورۂ آل عمران، آیت نمبر 31)

محمد ﷺ نے فرمایا۔ ''تم ایمان میں کامل نہیں ہو سکتے جب تک میں تم کو تمہاری جان، تمہارے ماں باپ سے زیادہ عزیز نہ ہو جاؤں۔''

محمد ﷺ کے اخلاق عالیہ نے لوگوں کے دلوں میں ایسا گھر کر لیا تھا کہ اس کی مثال نہیں ملتی۔ مرد تو مرد، خواتین بھی اس سلسلے میں ایمان کے اعلیٰ درجہ پر فائز تھیں۔

حضرت ہند بنت عمرو بن حرام کا تعلق بنو سلیمہ سے تھا۔ حج کے لیے گئیں تو حضور ﷺ کا چرچا سن کر ایمان لے آئیں اور بیعت عقبہ ثانیہ میں شریک ہوئیں۔ وہ اور ان کا ننھا بیٹا عبداللہ بن عمرو جرح بھی مسلمان ہو گیا تھا گو کہ ان کے شوہر بعد میں مسلمان ہوئے۔ جب میدان احد میں جنگ کا بازار گرم ہوا اور یہ خبر پھیل گئی کہ آنحضور ﷺ کی شہادت ہو گئی ہے تو بہت سی صحابیات احد کے میدان کی طرف چل پڑیں۔ ہند بنت عمرو بھی ادھر جا رہی تھیں کہ راستے میں چند صحابی واپس آتے نظر آئے تو اُنہوں نے حضور ﷺ کی خیریت پوچھی جواب ملا کہ وہ خیریت سے ہیں مگر یہ خبر دی کہ ان کے بھائی خلادؓ اور ان کے بیٹے عبداللہ بن عمروؓ جرح شہید ہو گئے ہیں۔ اُنہوں نے یہ سن کر انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ آگے چلیں پھر چند صحابہ نظر آئے، ان سے حضور ﷺ کی خیریت دریافت کی، اُنہوں نے بتایا کہ اُن کے شوہر عمرو بن جرح بھی شہید ہو گئے ہیں۔ اس خبر کو سن کر بھی اُنہوں نے انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھا۔ اگرچہ ہر صحابیؓ نے ان کو حضور ﷺ کی خیریت کی خبر دی مگر وہ پوچھتی کہ حضور ﷺ نظر کیوں نہیں آ رہے۔ کچھ دور اور گئیں تو حضور ﷺ سامنے سے آتے ہوئے نظر آئے تو خوشی سے پکار اُٹھیں ”کل مصیبة بعدك جلل یارسول اللہ ﷺ“

(آپ ﷺ سلامت ہیں یا رسول اللہ ﷺ تو سب مصیبتیں ہیچ ہیں۔)

مکہ میں قیام کا زمانہ ہے۔ دعوت اسلام کی تبلیغ کی وجہ سے بات اب طنز و استہزاء سے آگے بڑھ چکی ہے۔ ظلم و جور شروع ہو گیا ہے۔ اب یہ مشرکین محمد ﷺ کی جان کے دشمن ہو گئے ہیں۔ نبی ﷺ کے صحابہ کرامؓ کا دن بہ دن اضافہ ہو رہا ہے۔ ان کا عشق رسول ﷺ بھی بڑھ رہا ہے۔ ایسے نامساعد حالات میں محمد ﷺ سے محبت اور دین کے لیے سرفروشی اس بات کا اظہار ہے کہ دین اسلام ہی حق ہے جسے رب

کائنات نے اپنی مخلوق انسانیت کی بھلائی اور رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

صحیح بخاری میں حضرت عمرو بن زبیرؓ بیان کرتے ہیں کہ ان کو عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ نے بتایا کہ میں نے محمد ﷺ کے ساتھ اذیت کا ایک بڑا سخت دن دیکھا ہے۔ آپ ﷺ حطیم میں نماز پڑھ رہے تھے کہ عقبہ بن ابی معیط آ گیا اور اس نے اپنا کپڑا آپ ﷺ کی گردن میں ڈالا اور بل دینے لگا تاکہ آپ ﷺ کا گلا گھٹ جائے کہ اتنے میں ابوبکر آ پہنچے اور اُنہوں نے عقبہ کو کندھوں سے پکڑ کر دھکا دیا اور اسے محمد ﷺ سے دور کر دیا اور فرمایا۔ ''اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ'' (تم لوگ ایک آدمی کو اس لیے قتل کر رہے ہو کہ وہ کہتا ہے کہ میرا رب اللہ ہے) مشرکین محمد ﷺ کو چھوڑ کر ابوبکرؓ پر پل پڑے اور ان کو خوب ہی زدوکوب کیا، یہاں تک کہ وہ بے ہوش ہو گئے۔ ان کے گھر والے اُن کو اُٹھا کر لائے۔ ان کی حالت یہ تھی کہ ان کے سر کے جس بال کو ہاتھ لگایا جاتا وہ چٹکی میں آ جاتا۔ بڑی دیر بعد جب ان کو ہوش آیا تو ماں باپ ان کے پانی، کھانا لیے منتظر تھے، مگر وہ نہ کھانے پر راضی ہوئے نہ پانی پینے پر راضی ہوئے۔ یہ ہی کہتے رہے کہ مجھے بتاؤ کہ محمد ﷺ کیسے ہیں؟ جب تک میں ان کو نہ دیکھ لوں نہ کھاؤں گا نہ پیوں گا۔ آخر کار ان کو اُسی حالت میں محمد ﷺ کے پاس لے جایا گیا۔ آپ ﷺ کو دیکھ کر ان کو اطمینان ہوا۔ یہ محبت کی انتہا تھی۔

اسی طرح مکہ کے مشرکین ایک صحابیؓ کو دھوکہ سے گرفتار کر لائے اور ان کو قتل کرنے کے لیے جمع ہو گئے۔ پھر اُنہوں نے پوچھا کیا تم پسند کرتے ہو کہ تمہیں چھوڑ دیا جائے اور تمہارے بدلے تمہارے نبی ﷺ کو قتل کر دیا جائے تو

اُنہوں نے جواب دیا۔ ''ہرگز نہیں میں تو یہ بھی نہیں چاہتا کہ میرے حبیب ﷺ کے ایک کانٹا بھی چبھے۔'' عشق رسول ﷺ کا یہ واقعہ وہ رقم کر گئے اور ظالموں نے ان کو بڑی بے دردی سے قتل کر دیا۔

صحابہؓ کے لیے حضور ﷺ کا طریقہ تربیت

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ط

آپ ﷺ اپنے صحابہ کی تربیت کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہ دیتے تھے اور اس ضمن میں مختلف ذرائع ورسائل سے مدد لیتے۔ مثلاً ایک مرتبہ حضور ﷺ ایک ہاتھ میں سونا اور دوسرے ہاتھ میں ریشم لے کر آئے اور کہا۔ ''یہ دونوں چیزیں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں۔'' یہ Visual aid کا طریقہ تھا۔ ایک مرتبہ حضور ﷺ صحابہؓ کے ساتھ راستے سے گزر رہے تھے کہ ایک کن کٹا مردہ بکری کا بچہ پڑا دیکھا۔ آپ ﷺ نے صحابہؓ سے پوچھا ''آپ میں سے کون اس کو ایک درہم میں لینا پسند کرے گا؟ صحابہؓ نے کہا ''ہم تو اس کو کبھی نہ لیں گے۔ ایک تو یہ مردہ ہے، دوسرے عیب دار بھی ہے۔'' حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''دنیا اللہ کی نظر میں اس سے بھی زیادہ حقیر ہے۔'' یہ آپ ﷺ کی محبت کا عملی مظاہرہ ہے۔ تربیت کے لیے ہمیں بھی ایسی زندہ مثالوں سے کام لینا چاہیے۔ لمبی لمبی علمی تقریریں وہ اثر نہیں رکھتیں جو یہ ایک چھوٹی ظاہری مثال رکھتی ہے۔ یہ ہی وجہ ہے کہ جب محمد ﷺ کے دربار کے صحابیؓ عظیم الشان سلطنتوں قیصر وکسریٰ (جو اپنے وقت کی سپر پاور تھیں) ان کے دربار میں جاتے تو ان کی آنکھیں کبھی اس ظاہری دنیاوی چمک دمک سے خیرہ نہیں ہوتیں اور وہ

پروانہ وار جاتے اور بغیر مرعوب ہوئے اپنا کام (سفارت کا) کر کے پلٹ آتے اور آخرت کی ابدی زندگی کی راحتیں، ان کے ذہن کے پردوں پر آب و تاب سے چمکتی رہتیں اور دنیاوی ساز و سامان اور عیش و عشرت کا نہ ہونا ان کو کبھی ملول نہ کرتا۔ وہ رنجیدہ اور احساس کمتری کا شکار بالکل نہ ہوتے تھے۔

حضور ﷺ انسانی نفسیات کا بھی خیال رکھتے۔ مثلاً ایک شخص حضور ﷺ کے پاس آیا اور پوچھا قیامت کب آئے گی؟ ''متی الساعة یارسول اللہ ﷺ'' تو اس کا ایک سیدھا سادا جواب تو یہ تھا کہ علامات قیامت بیان کر دی جاتیں۔ چھوٹی علامتیں اور بڑی علامتیں مگر حضور ﷺ نے محسوس کیا کہ اس پر واقعی فکر آخرت طاری ہے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''تو نے اس کے لیے کیا تیاری کی ہے؟'' اس نے کہا۔ ''حُبُّ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ'' (اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہوں۔ (یعنی اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ایسی محبت کرتا ہوں کہ ان کے احکامات کے انکار کی مجال نہیں ہے اور کوشش کرتا ہوں کہ نافرمانی نہ ہو جائے۔) حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''اَنْتَ مَعَ مَنْ اَحْبَبْتَ'' (تم اس کے ساتھ رہو گے جس سے تم محبت رکھتے ہو۔'' (بخاری و مسلم)

یعنی اگر تم اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت رکھتے ہو تو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کا قرب بھی تم کو حاصل ہو گا اور کل میدان حشر میں تم کو رسول اللہ ﷺ کا ساتھ بھی نصیب ہو گا۔ ہم نے چند ہی مثالیں پیش کی ہیں۔ سیرت کی کتابوں میں بہت ساری اور مثالیں دیکھی جا سکتی ہیں اور ان سے فائدہ اُٹھا کر ہم بھی اپنے اردگرد کے ماحول کے لوگوں کی تربیت کر سکتے ہیں۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چھوٹے بچوں سے محبت

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے تمام صحابہؓ سے بہت محبت فرماتے تھے اور یہ محبت زبانی کلامی نہ تھی بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے دُکھ درد میں شریک ہوتے، مصائب میں ان کی دلجوئی کرتے، خوشی کی تقریبات میں شرکت کر کے ان سے اپنی قربت کا اظہار فرماتے۔ ہمیشہ مسکراتے چہرہ کے ساتھ ملتے، اظہار محبت کے لیے مصافحہ (ہاتھ ملانا) اور معانقہ (گلے لگنا) کرتے اور کبھی محبت میں ان کو مختصر ناموں سے بھی پکارا کرتے۔ جیسے حضرت علیؓ کو ایک مرتبہ مسجد نبوی کے فرش پر لیٹے دیکھا تو کہا ''یا ابوتراب''۔ حضرت ابوہریرہؓ کو ''اباھر'' اور حضرت انسؓ کو ''یا ذالاذنین'' (اے دو کانوں والے) کہہ کر مخاطب کرتے۔

ایک بار حضرت انسؓ کے بھائی ابوعمیر کا ممولہ (بکری کا بچہ) مر گیا جو اُنہوں نے پالنے کے طور پر اپنے پاس رکھا تھا اور اس سے کھیلتے تھے۔ ممولے کی موت پر وہ اُداس بیٹھے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آئے تو محبت بھرے انداز میں بولے۔ ''یا اباعمیر، مافعل النغیر'' (ابوعمیر تمہارے ممولے کو کیا ہوا؟) وہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس طرح پوچھنے سے کتنے خوش ہوئے ہوں گے۔

ایک بار عبداللہ بن بشیر کی والدہ نے کچھ انگوروں کا ایک خوشہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں بطور ہدیہ بھیجا مگر عبداللہ ابھی بچے ہی تھے، راستے میں ہی سب کھا گئے۔ بعد میں اصل معاملہ کھلا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پیار سے عبداللہ کا کان پکڑا اور کہا ''یا غدر یا غدر (اے دھوکہ باز، اے دھوکہ باز) یہ تھا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سلوک چھوٹے صحابہؓ کے ساتھ جنہوں نے جتنی بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے محبت پالی وہ ان کا سرمایہ حیات ہوگئی اور وہ

خود عملی طور پر محبت و اطاعت کی تصویر بن گئے۔ یہ ہمارے لیے اُسوہ ہے کہ بچوں کو نظر انداز نہ کریں بلکہ اچھے کاموں پر ان کی حوصلہ افزائی کریں اور ڈھیر ساری محبت ان کو دیں۔

وعدہ کا پاس کرنا

اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ فرماتے ہیں۔ ''وَ اَوْفُوْا بِالْعَهْدِ ۚ اِنَّ الْعَهْدَ كَانَ مَسْئُوْلًا ۝''

ترجمہ: عہد کو پورا کرو کیونکہ عہد کے بارے میں پوچھا جائے گا۔ (سورۂ بنی اسرائیل، آیت 34)

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منافق کی نشانیاں بیان کیں جس میں سے ایک ہے۔ ''واذا عاھد غدر'' (ترجمہ: جب عہد کرے تو اس کی خلاف ورزی کرے۔ (راوی عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ۔ کتاب بخاری)

6 ہجری میں عمرہ کے ارادے سے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان کے 1500 ساتھی مکہ روانہ ہوئے۔ وجہ یہ تھی کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خواب میں دیکھا تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے اصحاب رضی اللہ عنہم کے ساتھ عمرہ ادا کر رہے ہیں۔ غزوۂ بدر، احد اور خندق کے بعد کفار ٹوٹ چکے تھے۔ مدینہ کے یہودیوں سے بھی غزوہ بنی قینقاع، غزوۂ بنو قریظہ اور غزوۂ بنی نضیر کے بعد مسلمان ان کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں سے راحت پا چکے تھے۔ آس پاس کے قبائل سے غزوہ بنی المصطلق یا غزوہ ربیع اور چھوٹے چھوٹے سریہ کی وجہ سے آس پاس کے قبائل مطیع اور باجگزار ہو گئے تھے تو مسلمانوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مکہ جانے کی

پکار پر لبیک کہا اور حفاظتی ایک تلوار فی بندہ اور قربانی کے جانور لے کر عازم سفر ہوئے مگر راہ میں جاسوس بھیج کر کفار مکہ کے عزائم کا پتہ چلایا تو معلوم ہوا کہ وہ لوگ معروف راستہ پر جمع ہو کر لڑنے پر آمادہ ہیں۔ آپ ﷺ چونکہ لڑنے کے ارادہ سے نہیں آئے تھے، مگر جب صحابہؓ سے واپسی کے بارے میں مشورہ کیا تو لوگ اس بات پر راضی تھے کہ راستہ بدل کر عمرہ کر سکیں گے، واپس جانا نہ چاہتے تھے۔ دو مرتبہ راستہ بدلا گیا۔ یہاں تک کہ حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈال دیا۔ وہاں جس جگہ صرف ایک چشمہ تھا جس میں کم پانی تھا وہاں مسلمان ٹھہرے تھے۔ کیونکہ جہاں پانی کی فراوانی تھی، وہاں پر کفار مکہ قبضہ کیے بیٹھے تھے۔ رسول اللہ ﷺ نے ایک تیر دیا جس کو پانی میں ڈال دیا گیا تو پانی اُبلنے لگا اور تمام مسلمانوں نے پانی کو استعمال کیا اور جانوروں نے بھی کیا۔

قریش نے بار بار اپنے سفیر بھیجے، وہ مسلمانوں کو مکہ میں داخلہ کی اجازت نہ دیتے تھے۔ نبی ﷺ نے اپنا یہ پیغام ان کے ہر ایلچی کو دیا کہ ہم صرف عمرہ کرنے آئے ہیں۔ ہتھیار نہیں ہیں، جانور ساتھ ہیں مگر وہ اپنے غرور و تکبر کے زعم میں رہے، آخر کار حضرت عثمان غنیؓ کو محمد ﷺ نے اپنا سفیر بنا کر مکہ کے سرداروں کے پاس بھیجا جن کو مکہ والوں نے طواف کی اجازت دی مگر حضرت عثمانؓ نے یہ گوارا نہ کیا کہ حضور ﷺ طواف نہ کر سکیں اور وہ خود طواف کر لیں۔ ان کے آنے میں دیر ہوئی تو مسلمانوں میں یہ افواہ مشہور ہوگئی کہ عثمان قتل کر دیئے گئے۔ اس پر حضور ﷺ نے درخت کے نیچے بیعت لی کہ ہم جنگ کریں گے اور کوئی اس جنگ سے نہ بھاگے گا۔ تمام مسلمانوں نے بیعت کی سوائے ایک منافق جد بن قیس کے۔ اِدھر مکہ کے سرپھرے نوجوانوں نے جن کی تعداد 70 تھی، رات کے وقت حملہ کر کے مسلمانوں کو مارنے کی کوشش کی مگر محمد بن مسلمہ جو پہرے داری پر معمور تھے، ان کی بیدار مغزی

نے ان سب کو گرفتار کرلیا۔ مگر حضور ﷺ نے صلح کو فروغ دینے کے لیے ان سب کو معاف بھی کر دیا اور چھوڑ بھی دیا۔ اتنے میں سہل بن عمرو، قریش کے سرداروں کی طرف سے بات چیت کرنے آئے۔ حضرت عثمانؓ بھی ساتھ ہی آئے اور جو دفعات پیش کی گئیں وہ یہ تھیں (۱) مسلمان اس سال عمرہ ادا نہیں کریں گے، واپس چلے جائیں۔ اگلے سال عمرہ کے لیے صرف تین دن کے لیے آئیں۔ (۲) دس سال تک فریقین جنگ بند رکھیں گے۔ (۳) جو قبیلہ محمد ﷺ کے عہد و پیمان میں داخل ہونا چاہے وہ داخل ہوجائے جو قریش کے ساتھ داخل ہونا چاہے وہ اس میں داخل ہوجائے۔ یہ دونوں قبیلے بھی آپس میں جنگ نہ کریں گے اور کوئی فریق ان کا ساتھ نہ دے گا، اگر کوئی ساتھ دے گا تو وہ دوسرے فریق کے ساتھ لڑائی تصور کی جائے گی۔ (۴) قریش کا جو آدمی اپنے ولی کی اجازت کے بغیر مسلمان ہوکر بھاگ کر مدینہ جائے گا تو وہ واپس کر دیا جائے گا لیکن محمد ﷺ کے ساتھیوں سے کوئی بھاگ کر آیا تو وہ واپس نہ کیا جائے گا۔

آپ ﷺ نے اس معاہدہ کو قبول کرلیا۔ ابھی معاہدہ لکھنا شروع ہی ہوا تھا کہ ایک مسلمان ابوجندلؓ زنجیروں میں جکڑے حاضر ہوئے۔ جانے کس طرح وہ کفار کی قید سے بھاگ کر پہنچے ہوں گے۔ مگر سہیل بن عمرو نے کہا کہ یہ آپ ﷺ کے ساتھ نہ جائے گا، اس کو واپس کر دیں۔ حضور ﷺ نے ذاتی درخواست کی مگر وہ نہ مانا حالانکہ وہ اس کا بیٹا تھا۔ معاہدہ کی رو سے یہ پہلا موقع تھا تو حضور ﷺ چونکہ وعدہ کر چکے تھے اس لیے آپ ﷺ نے اس پر عمل کیا۔ تو ابوجندلؓ نے درد بھری آواز میں مسلمانوں کو پکارا کہ کیا میں کفار کے حوالے کر دیا جاؤں گا۔ ان کے باپ نے ایک چانٹا رسید کیا اور گریبان سے پکڑ کر اپنی طرف کھینچا۔ محمد ﷺ نے فرمایا۔ ''اے ابوجندل!

صبر کرو، اسے باعث ثواب سمجھو۔ اللہ تمہارے ساتھ اور تمہارے دوسرے کمزور ایمان والے ساتھیوں کے لیے کشادگی اور پناہ کی جگہ بنائے گا۔ ہم نے قریش سے صلح کر لی ہے۔ ہم نے ان کو اور اُنہوں نے ہم کو اس پر اللہ کا عہد دے دیا ہے۔ اس لیے ہم عہد کی پاسداری کریں گے، بدعہدی نہ کریں گے۔ لا دین لمن لا عھد لہ (بیہقی)
ترجمہ: اس کا دین نہیں جس میں عہد کی پاسداری نہیں۔

صحابہؓ کی عہد کی پاسداری

حضرت عمرؓ کے زمانے میں جب ایران پر حملہ کیا گیا تو ابو عبیدہ ابن الجراح مسلمانوں کے سپہ سالار اعظم تھے اور ایرانیوں کا سپہ سالار رستم تھا۔ اور رستم کی فوج میں بڑا جنگجو ''جابان'' تھا۔ اتفاق سے ایک عام مسلمان نے اس کو دوران جنگ گرفتار کر لیا۔ جابان نے اس مسلمان سے کہا میں تو ایک آدمی ہوں تم مجھے آزاد کر دو تو میں تمہیں دو غلام دوں گا اور اس سے امان لکھوالی۔ جب وہ جا رہا تھا تو دوسرے مسلمان سپاہی نے اس کو پہچان کر گرفتار کر لیا۔ سپہ سالار ابو عبیدہ ابن الجراح کے سامنے پیش کیا۔ اس نے کہا میرے پاس امان ہے۔ فلاں نے لکھ کر دی ہے۔ اس سپاہی کو بلایا گیا، اس نے اقرار کیا۔ ابو عبیدہؓ نے اس کو چھوڑ دیا کہ ایک کی امان ہم سب کی امان ہے، اگرچہ اس نے دھوکہ دیا تھا، اس لیے اللہ نے اس کو دوبارہ گرفتار کرا دیا مگر مسلمان وعدہ کا پکا ہوتا ہے، اس کو قتل کرنے کے بہت سے جواز ہو سکتے تھے مگر اُنہوں نے اسے رہا کر دیا۔ یہ وہ حسن اخلاق تھا۔ ہرقل نے اس لیے یہ کہا تھا کہ مسلمانوں کے پاس اخلاق کی اتنی بڑی طاقت ہے کہ اگر یہ پہاڑوں سے بھی ٹکرائیں تو ان کو بھی ریزہ ریزہ ہونا پڑے گا۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وعدہ کی پاسداری

ایک مرتبہ مدینہ کے باہر ایک قافلہ آ کر ٹھہرا۔ اس میں 300 افراد تھے۔ وہ سب عیسائی تھے اور حبشہ سے شام جا رہے تھے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مدینہ میں قیام تھا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صبح کے گشت میں مدینہ کی سرحد سے گزرے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ خیمہ ہی خیمہ لگے تھے۔ لوگ خرید و فروخت میں مصروف تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دو گھوڑے پسند آئے جو ایک آدمی بیچ رہا تھا۔ اس کی قیمت پر بات ہوگئی۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گھوڑے اس سے لیے اور کہا میں ابھی پیسے لے کر آتا ہوں، وہ آدمی مان گیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ گھوڑے لے کر چلے گئے۔ جب قافلہ کا امیر وہاں آیا اور اس کو جب معلوم ہوا کہ صرف وعدہ پر گھوڑے بیچ دیئے گئے ہیں تو وہ سخت ناراض ہوا کہ اب کبھی وہ آدمی واپس نہیں آئے گا۔ اتنا بڑا نقصان ہو جائے گا اور اس نے کہا ''کون اس کی گارنٹی لیتا ہے کہ وہ آدمی آئے گا۔ کون اس کا گواہ ہے۔ اب سب خاموش ہیں کہ اچانک خیمہ سے ایک عورت نکلی اور اس نے کہا میں یہاں کھڑی تھی۔ میں نے اس آدمی کو دیکھا ہے۔ وہ ایک جھوٹے کا چہرہ نہیں ہو سکتا۔ میں گواہی دیتی ہوں کہ وہ ضرور واپس آئے گا۔ امیر قافلہ نے اس کی بات مان لی۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ دو آدمی آئے اور اُنہوں نے کہا ''یہ ہمارے سردار نے قیمت بھیجی ہے اور یہ کھجوروں کے بورے آپ سب کے لیے تحفہ بھیجا ہے۔'' صحابہؓ نے بتایا کہ ''وہ ہمارے سردار ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔'' ان صحابہ کرامؓ نے دیر سے آنے کی معذرت بھی کی کہ ہم لوگ کھجوروں کے انتظام میں لگ گئے تھے۔

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وعدہ کی پابندی کی۔ وعدہ چاہے مسلمان سے ہو یا غیر مسلم سے، اس کی پابندی لازم ہے۔ اس کے علاوہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا کھجوروں کا تحفہ دینے کا عمل ہمیں یہ سکھاتا ہے کہ مہمانوں کی ضیافت کرنی چاہیے۔ وہ لوگ ان کے شہر کے مہمان تھے، اس لیے ان کی ضیافت بھی کی گئی اور تحفہ سے لوگوں کے دل کھلتے ہیں۔ وہ سب لوگ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کریمانہ رویہ سے بہت خوش ہوئے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اسلام کی باتیں سنیں اور جس کو اللہ نے توفیق دی اس نے ان کی دعوت قبول بھی کر لی۔

دو صحابی حذیفہ بن یمان اور ایک دوسرے ساتھی ہجرت کر کے مدینہ آ رہے تھے۔ غزوۂ بدر میں شرکت کا خیال تھا۔ راستہ میں کفار نے پکڑ لیا اور اس شرط پر چھوڑا کہ جنگ میں شرکت نہ کریں گے۔ وہ سیدھے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، ماجرا بیان کیا اور غزوہ میں شرکت کی اجازت چاہی مگر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''تم اپنے وعدہ کا پاس کرو اور جنگ میں شرکت نہ کرو۔'' اس شدید مردان جنگی کی ضرورت کے وقت بھی حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کو پسند نہ کیا کہ وعدہ کو توڑا جائے چنانچہ وہ لوگ مدینہ ہی میں رہے۔

یہ تمام واقعات ہمیں یہ سکھاتے ہیں کہ وعدہ کا پاس کرنا کتنا ضروری ہے۔ ہم جو چھوٹے چھوٹے وعدے بھی اکثر توڑتے رہتے ہیں اور اپنی ساکھ کھو دیتے ہیں اور منافقت کے ایک درجے ہمارا بھی شمار ہو جاتا ہے اس لئے ہمیں وعدہ توڑنے سے پرہیز کرنا چاہیے اور نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اسوہ پر عمل کرنا چاہیے۔ وہ وعدہ چاہے بزنس کا ہو یا معاشرتی معاملات کا یا جنگی معاملات کا یا عدالتی معاملات کا یا روزمرہ کے چھوٹے چھوٹے معاملات کا۔ سب کی پاسداری ضروری ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذوقِ مزاح

قنوتِ نازلہ پڑھنے کا اہتمام

اسلامی کلینڈر کی ابتداء ہجری سال سے

کیوں؟

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذوق مزاح

مذاق، مزاح، خوش طبعی، دل لگی وہ اوصاف ہیں جو انسانی فطرت میں داخل ہیں۔ آج کل تو یہ تہذیب کا لازمی جزو سمجھی جاتی ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں زہد و تقویٰ، تقدس و طہارت اور حلم و عفو جیسی خصوصیات سے آراستہ تھے۔ ان سب کے ساتھ حسن مذاق سے بھی آراستہ تھے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے مذاق فرمایا کرتے تھے۔ (بخاری)

حضرت عبداللہ بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ بامذاق شخص کوئی نہیں دیکھا۔ (ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر مجھ سے مذاق فرمایا کرتے تھے۔ میں نے عرض کیا ''اس مزاحیہ کلام پر کچھ پکڑ تو نہ ہوگی۔'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''اللہ تعالیٰ اس مزاحیہ کلام پر جو جھوٹ نہ ہو، اس پر مواخذہ نہ فرمائے گا۔''

ایک شخص نے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا ''وہ کون سے کام ہیں جو جنت میں لے جاتے ہیں؟'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ''موجب الجنة، إطعام الطعام، وإفشاء السلام، وَحُسن الكلام'' (طبرانی)

ترجمہ: ''جنت میں جانے والے کاموں میں لوگوں کو کھانا کھلانا، آپس میں سلام کرنا اور خوش کلامی سے پیش آنا۔''

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''صدقہ دوزخ سے نجات دلاتا ہے، پس تم صدقہ کرکے دوزخ

سے بچو۔ اگر صدقہ نہ کرسکو تو پھر خوش کلامی سے پیش آؤ۔'' (عدی بن حاتم۔ بخاری)

حسن مذاق اور دل لگی کے لیے بھی ہمیں حضور ﷺ کے اسوہ کو سامنے رکھنا چاہیے۔ باہمی مذاق اور خوش طبعی اس قسم کی ہو کہ اس میں کسی کی دل آزاری نہ ہو۔ محفل میں بیٹھے ہیں تو اس محفل کے مناسب حال مزاح ہو۔ انفرادی طور پر کسی کے ساتھ بیٹھے ہیں تو پھر اس مخاطب کے مزاج کا لحاظ رکھا جائے گا۔ گفتگو میں مزاح کا استعمال مناسب ہونا چاہیے۔ بہت زیادہ مزاح محفل کے لطف کو خراب کرتا ہے اور ہلکے پھلکے مزاح کی چاشنی گفتگو کو پرلطف بنا دیتی ہے۔

محمد ﷺ کے مزاح کے واقعات

اب رسول اللہ ﷺ کے مزاح کی کچھ مثالیں پیش خدمت ہیں۔

ایک مرتبہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے سواری کے لیے ایک اونٹ طلب کیا۔ آپ ﷺ نے حکم دیا۔ ''اسے ایک اونٹ کا بچہ دے دو۔'' اس نے عرض کیا۔ ''مجھے سواری کے لیے اونٹ چاہیے، بچہ کو لے کر کیا کروں گا؟'' حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''تجھے اونٹ کا بچہ ہی دیا جائے گا۔'' صحابہؓ ہنسنے لگے، وہ پریشان ہو گیا۔ پھر حضور ﷺ نے سمجھایا ''ہر اونٹ کا بچہ اونٹ ہی ہوتا ہے۔''

سیّدنا زید بن اسلم روایت کرتے ہیں کہ ام ایمن نامی ایک عورت حضور ﷺ کے پاس آئیں اور کہا میرے شوہر آپ ﷺ کو بلا رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے سوال کیا کہ تمہارا شوہر کون ہے، وہی نا جس کی آنکھوں میں سفیدی ہے (آنکھوں میں سفیدی ہونا بے شرم ہونے کے لیے محاورتاً استعمال کیا جاتا ہے) اس عورت نے سمجھا کہ

آپ ﷺ اس کے شوہر کو بے شرم کہہ رہے ہیں۔ کہنے لگی خدا کی قسم میرے شوہر کی آنکھوں میں سفیدی نہیں ہے۔ محمد ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ ''سفیدی تو ہر آنکھ میں ہوتی ہے۔'' پھر وہ بھی مسکرانے لگی۔

اسی طرح ایک واقعہ یہ ہے کہ حضور ﷺ کے پاس ایک بوڑھی عورت آئی اور اس نے آپ ﷺ سے کہا حضور ﷺ دعا فرمایئے کہ میں جنت میں چلی جاؤں۔ حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''جنت میں بوڑھی عورتیں نہیں جائیں گی۔'' یہ جواب سن کر وہ بڑھیا رونے لگی۔ اس پر حضور ﷺ نے مسکراتے ہوئے فرمایا۔ ''جنت میں کوئی بوڑھا مرد یا عورت نہیں ہوگی، سب کو پہلے جوان بنایا جائے گا پھر وہ جنت میں داخل کیے جائیں گے۔''

ایک مرتبہ حضور ﷺ نے ایک آدمی سے پوچھا۔ ''بتاؤ تیرے ماموں کی بہن تمہاری کیا لگی؟'' وہ سوچ میں پڑ گیا۔ اللہ کے رسول ﷺ نے مسکرا کر فرمایا۔ ''ہوش کرو کیا تمہیں اپنی ماں بھول گئی، وہی تو تیرے ماموں کی بہن ہے۔'' دونوں مسکرانے لگے۔

ہنسی مذاق حد کے اندر اور اعتدال کے ساتھ ہو تو لطف دیتا ہے ورنہ ہر چیز کی زیادتی نقصان دہ اور ناگوار ہوتی ہے۔ اسی لیے حدیث میں ہے کہ ''کثرت سے نہ ہنسا کرو کیونکہ ہنسی کی کثرت دل کو مردہ کر دیتی ہے۔''

سیّدنا ابوذرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ ''میں اس شخص کو خوب جانتا ہوں جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا۔ اور اس شخص سے بھی واقف ہوں جو سب سے پہلے جہنم سے نکالا جائے گا۔'' رحمت عالم ﷺ نے فرمایا ''قیامت کے دن ایک انسان کو اللہ کے دربار میں پیش کیا جائے گا اور حکم ہوگا اس کے چھوٹے چھوٹے گناہ اس پر پیش کی جائیں اور بڑے گناہوں کو پوشیدہ رکھا جائے۔ چنانچہ جب اس پر چھوٹے گناہ پیش کیے جائیں گے تو وہ ان سب گناہوں کا اقرار کرتا جائے

گا اور دل میں انتہائی پریشان ہوگا کہ ابھی تو چھوٹے گناہ گنائے جا رہے ہیں۔ جب بڑے گناہوں کا ذکر ہوگا تو کیا ہوگا۔ ابھی وہ سوچ ہی رہا ہوگا کہ حکم الٰہی ہوگا۔ اس شخص کو ہر گناہ کے بدلے ایک نیکی دے دی جائے۔ یہ سنتے ہی وہ آدمی بول اُٹھے گا، ابھی تو میرے یہ گناہ بھی ہیں اور وہ گناہ بھی ہیں (یعنی نیکیوں کے لیے اتنا حریص ہوگا کہ اپنے گناہوں کا خود ہی اعلان کرے گا۔ سیّدنا ابوذرؓ کہتے ہیں کہ حضور ﷺ اس آدمی کی بات نقل کرتے ہوئے اتنا ہنسے کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک ظاہر ہو گئے۔ (شمائل ترمذی)

ایک دن رسول اللہ ﷺ، صحابہؓ کے ساتھ بیٹھے تھے کسی نے کھجوریں تحفہ میں بھیجیں۔ آپ نے سب کو کھانے کی دعوت دی اور خود بھی کھانے لگے۔ حضرت علیؓ اس محفل میں سب سے کم عمر تھے۔ حضور ﷺ نے اپنی گھٹلیاں حضرت علیؓ کے سامنے ڈال دیں۔ صحابہؓ نے بھی دیکھا دیکھی ان ہی کے آگے گھٹلیاں ڈال دیں۔ کھانے کے بعد حضور ﷺ نے فرمایا۔ ''سب سے زیادہ کھجوریں کس نے کھائیں؟'' صحابہؓ نے عرض کیا۔ ''گٹھلیاں جس کے آگے سب سے زیادہ ہیں، مراد حضرت علیؓ تھے، مگر آپ ﷺ فوراً بولے، ''یہ وہ لوگ ہیں جو گٹھلیاں بھی کھا گئے۔'' سب مل کر ہنسنے لگے۔

اس سے پتہ چلا کہ مذاق کو مذاق کی طرح لینا چاہیے اور اس سے ناراض نہ ہونا چاہیے جیسا کہ کچھ لوگ کیا کرتے ہیں۔ خوبصورتی سے مذاق کا جواب مذاق میں دینا چاہیے۔

ایک مرتبہ سرکار دو عالم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص آیا اور کہا ''اے اللہ کے رسول! میں تباہ ہو گیا۔ روزہ کی حالت میں بیوی کے پاس چلا گیا۔'' آپ ﷺ نے فرمایا۔ ''ایک غلام آزاد کرو۔'' اس نے کہا۔ ''حضور غریب آدمی ہوں غلام کہاں سے

لاؤں۔'' حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''اچھا پھر 60 روزے مسلسل رکھو۔'' اس نے کہا۔ ''روزہ ہی میں تو پکڑا گیا ہوں، مسلسل 60 روزے (دو مہینہ کے لگا تار) کیسے رکھ سکوں گا۔'' فرمایا۔ ''60 مسکینوں کو کھانا کھلا دو۔'' بولا۔ ''اتنی مالی استطاعت نہیں رکھتا۔'' اتنے میں ایک شخص نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس کھجوروں کی ایک ٹوکرا لے کر آیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔ ''اس کو لے جاؤ اور غریبوں میں تقسیم کر دو۔ تمہارا کفارہ ادا ہو جائے گا۔'' یہ سن کر وہ صحابیؓ بولے۔ ''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس اللہ کی قسم جس نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پیغمبر بنا کر بھیجا ہے، مجھ سے بڑھ کر پورے مدینہ میں کوئی غریب آدمی ہی نہیں ہے۔'' نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ سن کر بے ساختہ ہنس پڑے اور فرمایا۔ ''اچھا تم خود ہی کھالو، کفارہ ادا ہو جائے گا۔'' (صحیح بخاری)

یہ دیکھا گیا ہے کہ اکثر عبادت گزاروں اور عالموں کی شخصیت بڑی خشک ہو جاتی ہے اور لبوں سے ہنسی گویا چھن جاتی ہے۔ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی گوناگوں مصروفیات اور جنگوں میں مصروف رہنے کے باوجود مزاح سے بھرپور شخصیت تھے۔ مزاح انسان کی شخصیت میں خوبصورتی پیدا کرتا ہے۔ ہر کوئی مسکرانے والے شخص کو پسند کرتا ہے، لہٰذا ہمیں بھی نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت کے مطابق مزاح اختیار کرنا چاہیے۔



مصائب ومشکلات میں رسول اکرم ﷺ کا قنوت نازلہ پڑھنے کا اہتمام

مدینہ میں آنے کے بعد جب غزوۂ بدر ہوا اور مشرکین کے بڑے بڑے سردار مارے گئے تو جہاں ان کی کمر ٹوٹی وہیں مسلمانوں کے خلاف غم وغصہ بھی بڑھ گیا۔ اگلے ہی سال تیاری کے ساتھ بھاری جمعیت لے کر آئے اور غزوۂ احد پیش آیا۔ مسلمانوں کو بڑی ہزیمت اُٹھانی پڑی اور کفار مکہ تو واپس لوٹ گئے۔ اس ہزیمت کی وجہ سے آس پاس کے مشرک قبائل کے حوصلے بڑھ گئے اور مسلمانوں کے خلاف قوتیں برسر پیکار ہوئیں۔ آپ ﷺ مختلف صحابہؓ کو ان کی سرکوبی کے لیے مقابلہ کے لیے بھیجتے رہے۔ ابھی آپ ﷺ اسی میں مصروف تھے کہ رجیع اور بئر معونہ کا واقعہ پیش آیا۔ آپ ﷺ کے پاس 4 ہجری میں عضل اور قارہ کے قبائل کے لوگ آئے اور فرمائش کی کہ ہمارے درمیان اسلام کا چرچا ہے۔ آپ ﷺ کچھ دین سکھانے والے اور قرآن پڑھانے والے ہمارے ساتھ کر دیجیے۔ آپ ﷺ نے ایک تبلیغی وفد ترتیب دیا جو دس افراد پر مشتمل تھا اور ان کا سردار عاصم بن ثابتؓ کو مقرر کیا۔ وہ وہاں سے روانہ ہوئے اور ایک چشمہ کے قریب پڑاؤ کیا۔ قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ بنولحیان کے 100 تیراندازوں نے اُنہیں گھیر لیا۔ مسلمانوں نے ان کو آتا دیکھ کر ایک ٹیلے کی پناہ لی اور مقابلہ کیا، سات افراد زخمی ہو گئے۔ باقی ماندہ افراد سے اُنہوں نے وعدہ کیا وہ نیچے اُتر آئیں تو ان کو کچھ نہیں کہا جائے گا۔ اُترتے ہی ان کو قید

کرلیا اور گھسیٹ کر لے جانے لگے، ایک صحابیؓ نے جانے سے انکار کیا ان کو قتل کر دیا۔ دو صحابیوںؓ کو لے جا کر مکہ میں بیچ دیا، جہاں ان لوگوں کو شبہ ہوا جن کے رشتہ دار جنگ بدر میں مقتول ہوئے تھے، پھر ان لوگوں نے ان کو بے دردی سے قتل کر دیا۔ صحابیؓ خبیبؓ کے بارے میں آتا ہے کہ ان کو قتل کے لیے لے جانے لگے تو اُنہوں نے کہا۔ ٹھہرو، میں دو رکعات نماز ادا کرلوں۔ یہ سنت ان ہی کی قائم کردہ ہے اور آج تک چلی آتی ہے۔ اس موقع پر ابوسفیان جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، پوچھا ''تم اس بات کو پسند کرتے ہوے کہ تمہاری جگہ اس وقت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہوتے اور تم اپنے اہل وعیال میں مزے کر رہے ہوتے۔ اُنہوں نے کہا خدا کی قسم محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جہاں اس وقت ہیں، وہاں ان کو ایک کانٹا بھی چبھے تو وہ میرے لیے تکلیف کا باعث ہے۔ اس کے بعد ان کو بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔

اسی طرح بئر معونہ کا واقعہ اسی 4 ہجری اور اسی مہینے پیش آیا۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ابھی اس وفد کو بھیجے چند ہی روز ہوئے تھے کہ ایک دوسرا واقعہ پیش آیا۔ ایک شخص حاضر خدمت ہوا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر اسلام پیش کیا۔ اس نے قبول تو نہیں کیا مگر اس نے کہا اہل نجد میں اسلام کا چرچا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ساتھ چند لوگ روانہ کر دیجیے۔ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہا ان کی زندگی کی کیا ضمانت ہے۔ اس نے کہا میں ان کو اپنی امان میں لیتا ہوں۔ اس طرح ایک روایت کے مطابق 40 افراد، دوسری کے مطابق 70 افراد جو عالم، قاری اور بڑی فضیلت والے تھے، ان کے ساتھ روانہ کر دیئے۔ وہ قبیلہ عامر کا بہادر اور ماہر تیر انداز تھا۔ اس کا بھتیجا یعفل قبیلہ کا سردار تھا۔ منذر بن عمروؓ ان صحابہؓ کے سردار تھے۔ ان لوگوں نے ام سلیم کے بھائی حرام بن ملحان کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خط دے کر طفیل کے پاس روانہ کیا جس نے خط دیکھا بھی نہیں اور غرور و تکبر میں اپنے

ساتھی کو اشارہ کیا اور وہ قتل کر دیئے گئے۔ ابو براء مالک اس کے چچا نے کہا۔ میں ان کو امان دے چکا تھا مگر اس نے ایک نہ سنی اور اپنے قبیلے عامر کو ان بے گناہ مسلمانوں کے قتل پر آمادہ کیا مگر وہ آمادہ نہ ہوئے کہ امان کے بعد وہ اس کام میں شریک نہ ہوں گے۔ پھر وہ دوسرے قبائل لحیان، ذکوان، عقبہ کے پاس گیا اور وہاں سے بہت سارے لوگ جمع کر کے لے آیا۔ یہ بنو سلیم کے قبائل تھے، اُنہوں نے محاصرہ کر لیا، مسلمانوں کی جماعت نے مقابلہ کیا مگر سب کے سب شہید ہو گئے۔ صرف ایک صحابیؓ بچے جن کو مردہ سمجھ کر اُن لوگوں نے چھوڑ دیا۔ اس میدان پر گدھ منڈلانے لگے۔ عالموں کی ایک جماعت کے سردار اور ان کے ساتھی اونٹ چرا رہے تھے، وہ گدھ دیکھ کر میدان کی طرف بھاگے۔ منذر بن عمرؓ اور عمرو بن امیہ ضمری پہنچے اور منذر بھی لڑتے لڑتے شہید ہو گئے۔ عمرو بن اُمیہ ضمری کو سردار طفیل نے پیشانی کے بال کاٹ کر چھوڑ دیا کہ میری ماں کو ایک غلام آزاد کرنا تھا سو تجھے آزاد کرتا ہوں۔ بعد میں کسی طرح وہ زخمی صحابیؓ بھی مدینہ پہنچ گئے۔ رسول اللہ ﷺ کو ان دونوں حادثات کی خبریں ایک ساتھ ملیں۔ آپ ﷺ انتہائی غمگین ہو گئے۔ کفار کی دغابازی، فریب کے طریقے سے قتل کرنے پر آپ ﷺ دلبرداشتہ ہوئے۔ آپ ﷺ ان کے قتل پر اتنے غمگین ہوئے کہ ایک مہینہ تک آپ ﷺ نے ان کے لیے روزانہ فجر کی نماز میں قنوت نازلہ پڑھ کر ان فاسق و فاجر اور خائن لوگوں کے لیے بددعا فرمائی۔

صحیح بخاری میں حضرت انسؓ سے مروی ہے کہ آپ ﷺ روزانہ فجر کی نماز کی فرض نماز میں دوسری رکعت میں رکوع کے بعد کھڑے ہو کر ہاتھ اُٹھا کر قنوت نازلہ پڑھا کرتے تھے اور کہتے تھے اے اللہ قبیلے رعل، ذکوان، عصہ اور لحیہ نے اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی ہے، اللہ ان کو ہلاک کر دے۔''

30 روز کے بعد آپ ﷺ کو وحی کے ذریعے اطلاع دی گئی اور آپ ﷺ نے پھر وہ قنوت نازلہ پڑھنا روک دیا۔

جب سے اب تک یہ سنت چلی آتی ہے کہ مسلمان انتہائی پریشانی اور مصیبت کے عالم میں جب وہ بدلہ لینے پر قادر نہ ہوں تو اللہ تعالیٰ سے رجوع کرتے ہیں اور اللہ ان کو کافی ہو جاتا ہے، پھر وہ اپنے طریقے سے بدلہ لیتا ہے۔

دعائے قنوتِ نازلہ

"اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا فِيمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنَا فِيمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنَا فِيمَنْ تَوَلَّيْتَ، وَبَارِكْ لَنَا فِيمَا أَعْطَيْتَ، وَقِنَا شَرَّ مَا قَضَيْتَ، فَإِنَّكَ تَقْضِي وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ، إِنَّهُ لَا يَعِزُّ مَنْ عَادَيْتَ وَلَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ، اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِلْمُؤْمِنِيْنَ وَ الْمُؤْمِنَاتِ وَ الْمُسْلِمِيْنَ وَ الْمُسْلِمَاتِ، وَ أَصْلِحْهُمْ وَ أَصْلِحْ ذَاتَ بَيْنِهِمْ وَ أَلِّفْ بَيْنَ قُلُوْبِهِمْ، وَ اجْعَلْ فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْإِيْمَانَ وَ الْحِكْمَةَ وَ ثَبِّتْهُمْ عَلٰى مِلَّةِ رَسُوْلِكَ، وَ أَوْزِعْهُمْ أَنْ يَّشْكُرُوْا نِعْمَتَكَ الَّتِيْ أَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ وَ أَنْ يُّوْفُوْا بِعَهْدِكَ الَّذِيْ عَاهَدْتَّهُمْ عَلَيْهِ، وَ انْصُرْهُمْ عَلٰى عَدُوِّكَ وَ عَدُوِّهِمْ، إِلٰهَ الْحَقِّ سُبْحَانَكَ، لَا إِلٰهَ غَيْرُكَ، أَللّٰهُمَّ إِنَّا نَعُوْذُبِكَ مِنَ الْبَرَصِ وَ الْجُنُوْنِ وَ الْجُذَامِ وَ مِنْ سَيِّءِ الْأَسْقَامِ، أَللّٰهُمَّ ارْفَعْ عَنَّا الدَّاءَ الْبَلَاءَ وَ الْوَبَاءَ، اَللّٰهُمَّ الْعَنِ الْكَفَرَةَ الَّذِيْنَ يَصُدُّوْنَ عَنْ

سَبِيلِكَ، وَيُكَذِّبُوْنَ رُسُلَكَ، وَيُقَاتِلُوْنَ أَوْلِيَاءَكَ اَللّٰهُمَّ خَالِفْ بَيْنَ كَلِمَتِهِمْ، وَزَلْزِلْ أَقْدَامَهُمْ ، وَأَنْزِلْ بِهِمْ بَأْسَكَ الَّذِي لَا تَرُدُّهُ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِينَ،

وَصَلَّى اللهُ عَلٰى مُحَمَّدٍ وَّآلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارَكَ وَسَلَّم"۔

اسلامی کلینڈر کی ابتداء ہجری سال سے کیوں؟

محمد ﷺ کی ہجرت مدینہ دراصل اللہ تعالیٰ کی طرف سے فتح مندی کا اعلان تھا۔ عام طور پر لوگ اسے مظلومیت کی داستان گردانتے ہیں کہ محمد ﷺ کی جان کو بڑا خطرہ تھا اور وہ جان بچانے کے لیے اپنے دوست ابوبکر صدیقؓ کو ساتھ لے کر مدینہ ہجرت کر گئے۔

مکہ میں 13 سال صحابہ کرام وصحابیاتؓ نے سخت مصائب و مشکلات کی زندگی گزاری، اس سے ان کے اندر ہمدردی، ایثار اور جذبہ قربانی کے جذبات اپنے کمال کو پہنچ گئے۔ ان کے اندر صبر اور قوت برداشت بھی اپنی انتہا کو پہنچ گیا۔ مدینہ والوں نے جب بیعت عقبہ اولیٰ اور بیعت عقبہ ثانیہ کی اور آپ ﷺ نے صحابہؓ کو ان کے ساتھ اسلام سکھانے بھیجا تو وہاں کے لوگ جو پہلے ہی یہودیوں کی باتیں سن کر ایک نئے نبی کی آمد کے منتظر تھے، وہ ان کے اوصاف بھی سنتے تھے اور جب خود اُنہوں نے اصحاب رسول ﷺ کے اخلاق وتہذیب کو دیکھا تو ان کے دل کھل گئے۔ مدینہ کے انصاری صحابی حضرت جابر بن عبداللہؓ بیان کرتے ہیں کہ مدینہ میں اسلام کی روشنی پھیلنے کی رفتار اتنی تیز تھی کہ ایک آدمی صحابہ کی صحبت میں اسلام قبول کرتا۔ گھر جا کر گھر والوں پر اسلام پیش کرتا اور پورا گھرانہ مسلمان ہو جاتا۔ یہ فتح مندی اور تسخیر قلوب کا کارنامہ رسول پاک ﷺ اور اصحاب رسول ﷺ کے اخلاقی کردار، ایثار، محبت اور قائدانہ صلاحیت نے انجام دیا۔

عہد اسلامی کے محمد ﷺ کے دور میں اہم ترین واقعات میں حضور اکرم ﷺ

کی بعثت نبوت کا واقعہ، غزوۂ بدر (یوم الفرقان) کا واقعہ، صلح حدیبیہ کا واقعہ اور فتح مکہ کا واقعہ اہم ترین واقعات ہیں۔

اسلام سے پہلے عربوں میں کوئی خاص کیلنڈر نہ تھا۔ بلکہ وہ کبھی عام الفیل کے حساب سے مدت شمار کر لیتے اور کبھی کسی دوسرے اہم واقعہ سے مگر سال کی ابتدا محرم سے کرتے تھے۔ سال کے 12 مہینے محرم، صفر، ربیع الاوّل، ربیع الثانی، جمادی الاولیٰ، جمادی الثانی، رجب، شعبان، رمضان، ذی قعدہ اور ذی الحجہ ہی تھے۔

دنیا کی دوسری ترقی یافتہ قوموں میں سے رومیوں نے حضرت عیسیٰ ؑ کی پیدائش سے اپنا کیلنڈر بنایا ہوا تھا۔ B.C اور AC کا طریقہ رائج تھا۔

Befor the Birth of Christ and After the Death of Christ

مسلمان اپنے کیلنڈر کبھی سورۂ برأت کے نزول کے حساب سے لگاتے اور کبھی جہاد کی اجازت کی آیت سے شروع کرتے۔ یہ سلسلہ محمد ﷺ کے زمانے سے لے کر حضرت ابوبکر صدیق ؓ کے زمانہ تک رہا۔ جب حضرت عمر ؓ خلیفہ ہوئے، سلطنت کی حدود بڑھیں، بزنس کے معاملات (Dealings) میں بہت زیادہ اضافہ ہوا۔ معیشت نے ترقی کی تو ایک کیلنڈر کی ضرورت پیش آئی۔

اُنہوں نے صحابہ ؓ سے مشورہ کیا۔ مختلف واقعات کی رائے سامنے آئی جو اسلامی تاریخ میں Turning Point تھے اور بہت اہمیت کے حامل تھے مگر حضرت علی ؓ کی رائے کہ اسلامی کیلنڈر ہجرت کے سال سے شروع کیا جائے سب کو پسند آئی، سب کا اس پر اجماع ہو گیا۔ سال تو ہجرت والا پہلا سال بن گیا، مگر ابتداء رواج کے مطابق محرم سے ہوئی۔

ہجرت کے بعد ہی غزوۂ بدر (یوم الفرقان) کا واقعہ پیش آیا۔ ہجرت کے بعد ہی صلح

حدیبیہ کا اہم واقعہ ہوا، جس سے امن وسکون میسر آیا اور پھر فتح مکہ کا عظیم الشان واقعہ پیش آیا۔ محمد ﷺ کی پیدائش اگرچہ عظیم الشان واقعہ ہے۔ یہ اسلامی تاریخ کا اہم ترین اور مبارک ترین واقعہ ہے لیکن اصحاب رسول ﷺ نے اسے یادگار ماننے کے لیے منتخب نہیں کیا کیونکہ اسلام نے شخصیت پرستی کے اسباب ومحرکات سے اپنا دامن بچایا ہے، یہاں تک کہ مسلمان اُمت کا نام اُمت محمدی نہیں رکھا گیا بلکہ قرآن میں اس کو اُمت مسلمہ اور خیر امت کے نام سے پکارا گیا۔

مسلمانوں کے اندر یہودیوں اور عیسائیوں کی طرح اپنے پیغمبر کے یوم پیدائش منانے کا خیال 1000 سال تک نہیں آیا مگر ملت اسلامیہ کے زوال کی جو صدیاں آئیں ان میں دوسری قوموں کی نقالی کرنے کے خیال سے اس ولادت النبی ﷺ کو بطور قومی جشن اختیار کرلیا گیا ہے۔



فہرست مطالعہ کتب

1- محسن انسانیت	از نعیم صدیقی
2- سیرت سرور کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	از عاشق الٰہی بلند شہریؒ
3- سیرت احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	شاہ مصباح الدین شیخ
4- بیانات سیرت نبویہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	ڈاکٹر محمد اسجد قاسمی ندویؒ
5- اسوۂ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ
6- الرحیق المختوم	صفی الرحمان مبارک پوری
7- داعی اعظم	محمد یوسف اصلاحیؒ
8- سیرت کے Audio	ڈاکٹر شیخ یاسر قاضیؒ
9- حیات صحابہؓ کے درخشاں پہلو	ترجمہ: محمود غضنفر
10- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بحیثیت معلم	پروفیسر ڈاکٹر فضل الٰہی
11- رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا طریقہ تربیت	سراج الدین ندویؒ
12- رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فیصلے	محمد عبداللہ مدنی
13- نشاناتِ ارضِ نبوی	شاہ مصباح الدین شکیل
14- معارف الحدیث	مولانا محمد منظور نعمانیؒ
15- اللؤلؤ والمرجان	محمد فواد عبدالباقی

16۔مؤطا امام مالکؒ	امام مالکؒ
17-سیرت النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	شبلی نعمانیؒ
18-مشکوٰۃ المصابیح	محمد بن عبداللہ خطیب تبریزیؒ
19-رسولِ اکرم وصلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاسی زندگی	ڈاکٹر حمید اللہ
20-محمد عربی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم	محمد عنایت اللہ سبحانیؒ
21-رحمۃ للعالمین	عائض القرنی
22-تاریخ طبری	محمد ابن جریر الطبریؒ
23-معارف القرآن	مولانا مفتی محمد شفیع عثمانیؒ
24- تفہیم القرآن	مولانا مودودیؒ
25- تدبر قرآن	امین احسن اصلاحی

نادرہ انصاری کی دیگر تصانیف



مصنفہ کی اس پہلی کاوش کا ضرور مطالعہ کیجئے
اس کتاب میں دل کو چھو جانے والے افسانے، سچی کہانیاں
صحابیات کی زندگی کے اوراق، مدینہ شریف کی زیارت کا سفر
اور مزاحیہ مضامین شامل ہیں



یہ کتاب ایک مکمل پیکج ہیں جس میں بچے کی پیدائش سے لے کر جوانی تک کے
مختلف مسائل کی نشاندہی اور ان کا حل پیش کیا گیا ہے۔
یہ کتاب تحفہ ہے نئے شادی شدہ جوڑوں کے لئے، نانی و دادی کے لئے
جو بچوں کی دیکھ بھال کر رہی ہیں اور ان بہنوں کے لئے جو
مستقبل قریب میں ماں بننے والی ہیں۔

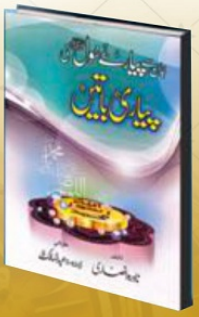

حضرت محمد ﷺ کے ارشادات اور ان کی مکمل تشریح پر مشتمل بہت آسان زبان میں،
یہ کتاب ہر گھر کی ضرورت ہے، ہر انسان چھوٹا ہو یا بڑا ان کو بآسانی یاد کر کے اور ان پر
عمل کر کے نبی کریم ﷺ کی محبت اور شفاعت کا حقدار بن سکتا ہے

MAKTABA SAQIB DELHI
Contact No. +91-8287249765
Web. www.roshnikasafar.com
E-mail. Nadira.ansari@yahoo.com